ہندوستان میں
بیوپاری کارپوریشن کا فروغ
رادھے شیام رنگٹا
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

ہندوستان میں بیوپاری کارپوریشن کا فروغ

(1851–1900)

مصنف
رادھے شیام رنگٹا

مترجم: غلام حیدر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
ویسٹ بلاک۔1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے اُن اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جاسکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدارسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی اُن کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم وادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب

ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں شائع کیں ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے اب ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا پروگرام شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہلِ علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ

ڈائرکٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

فہرست

پیش لفظ

سر ونسٹن چرچل مرحوم نے کسی موقعے پر کہا تھا: "اگر ہم کہیں کہ ماضی تو بیت چکا، تو ہم مستقبل سے بھی دست بردار ہوجاتے ہیں" ہر تاریخ کے مطالعے کی پوری اہمیت ان چند الفاظ میں مضمر ہے۔ لیکن عام طور پر تاریخ سے مراد صرف سیاسی تاریخ سے ہی لی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 1927 میں بھی پروفیسر [ایل۔ ایچ جینکس L. H. Jenks] یہ لکھنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔

"اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ انسان کے مالیاتی طرزِ فکر و عمل میں جو تبدیلی پیدا ہوئی ہے اس کا ذکر تاریخ والوں کے بیانات میں نظر نہیں آتا۔ آج کے بیوپار میں چونکہ اجتماعی سرمایہ نظام کا ہر طرف دور دورہ ہے اس لیے اس کے ابتدائی حالات کی معلومات کے سلسلے میں ہمارا تجسس اور ذوقِ تحقیق بھی کچھ ماند سا پڑ گیا ہے اور اس کی بنیادی خصوصیات کو سمجھنے اور ان پر روشنی ڈالنے میں ہماری کوششیں کچھ اور زیادہ پیچیدگیوں میں پھنس جاتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ 'کارپوریشن' ادارہ، اجتماعی سرمایہ (جوائنٹ اسٹاک) کمپنی 'Soceate Anonymous' یا 'Akteis یا Geset Schaft'، اس عظیم سوسائٹی کے، جو گزشتہ پچاس سال سے دنیا پر چھائی جا رہی ہے اہم ترین اداروں میں سے ایک ہیں"

['1875 تک برطانوی سرمائے کی ہجرت' (دی مائیگریشن آف برٹش کیپٹل ٹو 1857) مطبوعہ 1927، صفحہ 233]

آج کے ہندوستان پر یہ بیان کتنا صادق آتا ہے، اس کا اندازہ 'وزارتِ مالیات' نئی دہلی کے کمپنی قانون کے انتظامیہ شعبے کے تحقیق و شماریاتی ڈویژن کی طرف سے 1955 میں جاری کیے گئے 'ہندوستان میں اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کی نشوونما' [پروگریس آف جوائنٹ اسٹاک کمپنیز اِن انڈیا] کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

"اس ملک کی معاشی ترقی کے سلسلے میں اجتماعی سرمایہ کمپنیوں نے جو کردار ادا

کیا ہے، آج اگر ہم اس کا مطالعہ، 1850 سے، جب یہ وجود میں آئی تھیں، کرنا چاہیں، تو یہ کام ضروری مواد اور مناسب معلومات کی کمی کی وجہ سے انتہائی مشکل محسوس ہوتا ہے۔ 1850 کے بعد کی تین دہائیوں کے لیے شماریاتی شہادتیں اور مواد بالکل بھی موجود نہیں ہیں جو کچھ منتشر سا مواد اگلی دو دہائیوں کے لیے موجود ہے وہ بھی صرف "ہندوستان کی مادی اور اخلاقی (Moral) ترقی کو ظاہر کرنے والے ایک گوشوارے [اسٹیٹمنٹ ایکزبٹنگ دی مارل اینڈ میٹیریل پروگریس ان انڈیا] (صفحہ 11) میں ملتا ہے۔"

ہندوستان میں 1850 کے بعد سے اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کی نشوونما کے سلسلے میں موجودہ مواد صرف کمپنیوں کی تعداد اور ان کے ادا شدہ سرمائے سے متعلق تھا اور یہ بھی صرف تین سالوں یعنی 1882، 1892، اور 1900 کے لیے، چھوٹی موٹی مدوں، جیسے بینک کاری اور قرض، مل اور شکنجوں (پریس) وغیرہ پر مشتمل تھا۔ اس مواد سے بہت سے سوالوں کے جواب ملنے کے بجائے سوالات میں مزید کچھ اضافہ ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، پہلا کمپنی ایکٹ 1850 میں کیوں پاس ہوا؟ کیا اس قسم کے اقدام کی مانگ اس مخصوص وقت میں ہی کی گئی تھی؟ اگر یہ بات تھی تو وہ کیا حالات تھے جن میں یہ مانگ پیدا ہوئی تھی؟ یا پھر، اس ایکٹ کا چربہ برطانیہ کے 1844 کے ایکٹ سے کیوں اتارا گیا تھا؟ کیا اس سلسلے میں پیش نگاہ رکھنے کے لیے کوئی ہندوستانی تجربہ موجود نہیں تھا؟ کیا 1850 سے پہلے ہندوستان میں کمپنیاں موجود ہی نہیں تھیں؟ کیا ان کے قیام کے سلسلے میں قانونی ممانعت تھی؟ اس ایکٹ سے پہلے ہندوستان میں بڑے پیمانے پر بیوپار کی تنظیم کس ڈھنگ سے ہوتی تھی؟ کیا قدیم ہندو معاشرہ اجتماعی سرمایہ کارپوریشن کا کوئی تصور رکھتا تھا؟ اگر ایسا تھا تو ان تنظیموں کے مخصوص خط و خال کیا تھے؟ ہندوستان میں جدید طرز کی کمپنیاں پرانے اداروں کی بنیادوں اور ڈھانچوں پر کیوں نہ ابھریں؟ ان پرانی اجتماعی تنظیموں کا کیا ہوا؟

کمپنیوں کی تعداد، ان کے سرمائے، ان کی صنعتی اور علاقائی تنظیم کے سلسلے میں 1882 سے پہلے مواد تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جتنی بھی کمپنیاں اس عرصے میں موجود تھیں، انھیں کس نے ابھارا تھا اور ان کی مالیات کے ذرائع کیا تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ 'ہندوستان میں اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کی ترقی' میں جو اعداد و شمار موجود بھی تھے وہ اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کے بجائے پریشانیاں زیادہ پیدا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ہندوستان کے بینک کار اور قرضوں کی کل 407 کمپنیاں، جو 1900 میں موجود تھیں، ان میں سے غالباً صرف ایک درجن کمپنیوں کو صحیح طور پر 'بینک' کی مد میں رکھا جانا ممکن تھا، اور اسی طرح بیمہ کمپنیوں کے سلسلے میں

جو اعداد و شمار موجود تھے وہ بھی گمراہ کن ہی تھے۔ اس کے علاوہ کچھ حالات مثلاً 1890 میں کلکتے میں سونا کان کنی کے سلسلے میں زبردست اسپیکولیشن، کا کہیں ذکر ہی نہیں کیا گیا تھا۔ یہ بات بھی معلوم نہیں تھی کہ ہندوستان میں مینجنگ ایجنسی کا طریقہ کب اور کیسے شروع ہو گیا۔ خاص طور پر اجتماعی سیکٹر کی ترقی کے طرزِ عمل اور اس کی حدود کی بالکل ہی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ مارچ 1900 کے آخر میں ہندوستان میں کُل 1,340 کمپنیاں کاروبار میں مصروف تھیں۔ ان کمپنیوں کا سرمایہ مجموعی طور پر 35,40,00,000 روپے تھا 34,70,00,000 روپے نہیں تھا، جیسا کہ اس رپورٹ میں ظاہر کیا گیا تھا اور سب سے اہم سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ ترقی اس سے زیادہ کیوں نہیں ہو سکی؟

اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کی نشو و نما کا مختلف زاویوں سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے، مثال کے طور پر اجتماعی انتظامیہ یا مینجمنٹ کی ترقی، یا اجتماعی سرمائے کی نشو و نما یا اجتماعی قانون کی ترقی میں اگر زیرِ نظر مطالعے کو ان میں سے کسی ایک یا دو رُخوں تک محدود رکھتا تو میرا کام نسبتاً آسان ہو جاتا لیکن اس صورت میں تلاش و تحقیق کے دوران ان کے ملحقہ رُخوں پر جو انتہائی قیمتی مواد فراہم ہوا تھا اسے ضائع اور مسترد کرنا پڑتا۔ اور کسی ایک مخصوص رُخ پر مکمل اور تفصیلی بحث سے ہندوستان میں کمپنی ادارے کی نشو و نما کی وہ مجموعی تصویر بھی پوری طرح نہ اُبھر پاتی جس کی سب سے زیادہ خواہش تھی۔ یہاں یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ مجموعی نشو و نما کے موضوع کو چننے سے ایک یہ امکان بھی پیدا ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس سے اس کے مخصوص مسائل پر زیادہ گہرائی سے مذقیق و تحقیق کی ترغیب اور لگن پیدا ہو جائے۔

مختلف قسم کے تحریری ماخذوں اور مواد کی انتہائی کمی کے زیرِ اثر لندن اسکول آف اکونومکس، 'انڈیا ہاؤس' اور 'برٹش میوزیم' کی لائبریریوں میں موجود مواد کی باقاعدہ طور پر تلاش و تحقیق ضروری ہو گئی تاکہ وہاں جو کچھ بھی موجود ہو اسے حاصل کر لیا جائے۔ لیکن یہاں بھی ہندوستان میں اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کی ترقی کے بارے میں چند کمپنیوں کی تاریخ، کوکے کی 'بینک کاری' (بینکنگ) (1863) اور واچا کی 'بمبئی کی تاریخ میں ایک مالیاتی باب (اے فائنانشیل چیپٹر ان دی ہسٹری آف بامبے) کے علاوہ بہت کم کارآمد یا اہم مواد حاصل ہو سکا۔

اس سلسلے میں ایسے بُنیادی اور ابتدائی ماخذوں کی طرف بھی توجہ دی گئی جن سے کچھ کارآمد مواد حاصل ہونے کی امید تھی، چنانچہ میں نے 'ہندوستان کی لیجسلیٹو کارگذاریوں' (لیجسلیٹو پروسیڈنگس اِن انڈیا) کا مطالعہ کیا جہاں 1850 کے 'کمپنی ایکٹ' کے سلسلے میں کچھ ایسے کاغذات بھی ملے جو اس سلسلے میں براہِ راست اہمیت کے حامل نظر آئے۔ لیکن اِن سے بھی کمپنیوں کی بُنیادی خصوصیات، ان

کی ترقی کی حدود اور راہوں اور امداد کے متعلق کوئی رائے قایم نہیں کی جا سکتی تھی، پھر بھی کامرشیل بینک کاری کی موجودہ کیفیات اور اس سلسلے میں حکومت کے افسروں اور بیوپاریوں کی رائے اور بینکوں کے، حصوں کے ذریعے قیام اور ان کی محدود ذمے داری کے موضوع پر ان افسروں کے طرزِ فکر کے سلسلے میں ضرور کچھ روشنی پڑی۔

'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' کی کھوج سے ـــــ جو ایک اہم ترین ماخذ تھے اور اب تک بہت کم استعمال ہوئے تھے ـــــ اس سلسلے کی معلوماتی خلا بہت حد تک پُر ہوئی۔ چونکہ ان سے 1850 سے قایم ہونے والی کمپنیوں کی تعداد، ان کے اداشدہ سرمائے کی مقدار اور کاروبار کے مقامات وغیرہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی کمپنیوں کے اجرا اور ان کی نشوونما سے ملحقہ مسائل، اور وہ طریقے جن کے ذریعے ان مسائل کے حل تلاش کیے گئے تھے، مجھے مستقل پریشان کرتے رہے۔ ایسا کیوں ہوا کہ کچھ مخصوص قسم کے کاروبار یا ادارے تو اُبھارے گئے اور کچھ دوسرے قسم کے نہیں اُبھارے گئے؟ ان کی کامیابی کی، اور دوسرے قسم کے اداروں کی ناکامی کی، کیا وجوہات تھیں؟ ان کی سرمایہ کاری کس طرح ہوتی تھی اور ان کے انتظامیہ کا کیا ڈھنگ تھا؟ حکومت کی پالیسیوں اور خود لوگوں کے سماجی اور مذہبی طرزِ فکر نے ان اداروں یا کاروباروں کی اُٹھان اور ترقی پر کیا اثرات مرتب کیے؟ اجتماعی سیکٹر پر ملک کی زراعت اور ذرائع آمد و رفت کا کیا اثر تھا؟

ان میں سے کچھ سوالات کا اطمینان بخش جواب حاصل کرنے کی کوشش میں میں نے بمبئی کے 'ٹائمس آف انڈیا' اور کلکتے کے 'فرینڈ آف انڈیا' کے ساٹھ سال کے شماروں کی فائلوں کو بھی چھانا۔ 'مدراس میل' کی فائلیں اس سلسلے میں بہت زیادہ دلچسپ ثابت نہ ہوئیں، اور انھیں میں نے کہیں کہیں سے ہی دیکھا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ جنوبی ہندوستان میں خود کمپنیوں کی تعداد بھی نسبتاً بہت کم تھی۔ اس موضوع کا علاقائی اعتبار سے مطالعہ بھی ضروری تھا۔ اس زمانے میں ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل کی کمی کی وجہ سے اس دور کی طباعتوں یا اخباروں میں علاقائی خبریں بہت کم ہوتی تھیں۔ اس کام میں بہت وقت خرچ ہوا چونکہ انیسویں صدی کے اخباروں میں سُرخیاں بہت کم ہوتی تھیں اور نہ ان کا کوئی انڈیکس ہوتا تھا، اس لیے حقیقت میں ہر ہر پیراگراف پر نگاہ ڈالنی ضروری ہوتی تھی۔

اس سلسلے میں مجھے بیوپاری ڈائرکٹریاں بھی کافی کارآمد نظر آئیں۔ خاص طور پر 1850 سے پہلے کی کمپنیوں اور مینجنگ ایجنسی نظام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ان ڈائرکٹریوں

سے کافی مدد ملی۔ ثانوی قسم کے ذرائع اور ماخذوں کو ہندوستان کے مجموعی معاشی، سیاسی اور سماجی حالات وکیفیات کے مطالعے کے سلسلے میں استعمال کیا گیا۔ ایک اور ماخذ جس سے کچھ مواد حاصل کرسکنے کی امید کی جاسکتی ہے میں تلاش نہ کرسکا — ان کمپنیوں کی فائلیں جو غالباً کمپنیوں کے رجسٹرار یا ہائی کورٹوں میں موجود ہوسکتی ہیں — یہ سوچا جاسکتا ہے کہ ان میں سے کچھ مفید معلومات حاصل ہوسکنے کے علاوہ خاص طور پر حصے داروں کی ساخت، اثاثوں کی مقدار اور ان کے ڈھانچوں وغیرہ پر مزید روشنی پڑسکتی تھی۔

اس موضوع پر میں نے جنوری 1959 میں 'لندن اسکول آف اکونومکس' میں کام شروع کیا تھا لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے 60-1959 میں مجھے پیسے کمانے کا کام تلاش کرنے پر مجبور ہونا پڑا، اس زمانے میں میں اپنی اس تحقیق کے لیے بہت کم وقت دے سکا، لیکن پھر بھی جون 1962 تک اس کا مسودہ مکمل ہوگیا تھا۔ اس دوران 'نائیجیریا یونیورسٹی' 'مالیات (فائنانس) کے شعبے میں لکچرار کے عہدے پر تقرری کی وجہ سے میں اپنے اس مقالے کو پی۔ ایچ۔ ڈی کے تھیسس کے طور پر 'لندن یونیورسٹی' میں 1965 تک پیش نہ کرسکا۔

گزشتہ پانچ سالوں میں ہندوستان، برطانیہ اور امریکہ کے عالموں کی توجہ ہندوستان کی معاشی تاریخ کی طرف خاص طور پر مبذول ہوئی ہے اور یہ دلچسپی بڑھتی بھی رہی ہے۔ اس عرصے میں لائبریری کے سلسلے میں مجھے بہت محدود آسانیاں حاصل تھیں، اس دشواری کی وجہ سے میری معلومات میں اس حد تک اضافہ نہ ہوسکا جتنا میں چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں میں اپنے ناشر کے ریفری کا شکرگزار ہوں کہ اس نے ان نکتوں کی طرف میری نشان دہی کی جن پر نظرثانی ضروری تھی۔

شکریہ

میں پروفیسر ای۔ ڈبلیو۔ پائیش (E.W. Paesh) اور ڈاکٹر ویرا آنسٹے (Dr. Vera Anste) کا مرہونِ احسان ہوں جنھوں نے میرے اس کام کی پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی منزل میں نگرانی کی۔ میں نے اپنے ساتھیوں، پروفیسر ایف۔ ڈی۔ پی۔ ہنیکا (F.D.P. Haneka) اور پروفیسر سید احمد کی ناقدانہ آرا سے اس مطالعے کی طباعت کے سلسلے میں نظرِ ثانی کے وقت بہت فائدہ حاصل کیا ہے۔ بہرحال اس مطالعے میں جو خیالات اور زاویہ نگاہ پیش کیے گئے ہیں ان کی پوری ذمے داری مجھ پر ہے، یہ حضرات ذمے دار نہیں ہیں۔ میں مسز سی۔ جی۔ منٹی (Mrs. C.G. Minty) کا بھی احسان مند ہوں جنھوں نے میری انگریزی کے سُقموں اور عیبوں کے سلسلے میں نشان دہی کی اور بنیادی مقالے کے بہت سے مسودے ٹائپ کیے اور ساتھ ہی مسز الیسن ہنیکا (Mrs. Alesan Haneka) کا بھی شکر گذار ہوں جنھوں نے پورے نظرِ ثانی شدہ مضمون کو ٹائپ کرنے کی عنایت کی۔

اس سلسلے میں 'لندن اسکول آف اکونومکس'، 'انڈیا آفس'، 'انڈیا ہاؤس'، 'برٹش میوزیم' اور 'دِلّی اسکول آف اکونومکس' کی لائبریریوں کے مہتموں اور دوسرے عملے کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

مالی امداد کے لیے میں مندرجہ ذیل افراد اور اداروں کا تہہِ دل سے احسان مند ہوں:
جناب بی۔ ایل۔ جالان، 'آل انڈیا مارواڑی سمیلن ایجوکیشنل ٹرسٹ'، 'جے شری چیریٹی ٹرسٹ'، 'سودیشی کاٹن مل کمپنی لمٹیڈ'، غیر ملکی طالب علموں کو دیے جانے والے 'لیورہیولمے (Lever hulme) تحقیقی وظیفے' کے لیے 'لندن اسکول آف اکونومکس' کا شکر گذار ہوں۔ 'یونیورسٹی آف لندن' کا شکر گذار ہوں کہ یہاں سے مجھے 'مرکزی ریسرچ فنڈ'، 'اکونومکس ریسرچ فنڈ'، 'کامن ویلتھ ممالک کے طلبا کے لیے 'لیڈی ایڈون ماؤنٹبیٹن فنڈ'، 'سر رچارڈ اسٹاپلے ایجوکیشنل ٹرسٹ' اور 'ہنری فوئلے (Henri Foyle) ایجوکیشن ٹرسٹ' سے مالی امداد فراہم کی گئی۔

میں مندرجہ ذیل جریدوں کے اڈیٹروں کا بھی شکر گذار ہوں کہ انھوں نے اپنے شماروں میں

چھپے ہوئے میرے مضامین کو کسی قدر تصرف کے بعد اس مطالعے میں دوبارہ چھاپنے کی اجازت دی:

'امریکن جرنل آف لیگل ہسٹری'؛
'انڈین جرنل آف اکونومکس'؛ اور
'انڈین اکونومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو'۔

آر۔ ایس۔ شرما

خرطوم یونیورسٹی
سوڈان
جنوری 1968ء

اعداد و شمار پر نوٹ

اس کتاب میں اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کے سلسلے میں اعداد و شمار عام طور پر (صرف ایسے اعداد و شمار جو کسی اور ماخذ سے لیے گئے ہیں ان کا حوالہ خاص طور پر دیا گیا ہے) 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' [Statistical Tables for British India] سے اخذ کیے گئے ہیں، جو سب سے پہلے 1877 میں شائع ہوئے تھے اور بعد میں یعنی 1894 میں ان کا نام 'برطانوی ہندوستان کے لیے مالیاتی اور بیوپاری شماریات'۔ [Financial and Commercial Statistics for British India] ہو گیا تھا[1]

ہندوستان میں کمپنیوں کا اندراج 1851 سے شروع ہوا، اور کمپنیوں کے سلسلے میں کچھ منتشر سی اطلاعات اس اشاعت میں سب سے پہلے 1877 میں دی گئیں۔ 'شماریاتی گوشوارے' (1882) میں 1851 سے آخر مارچ 1882 تک درج کرائی جانے والی 1149 کمپنیوں کی فہرست درج تھی۔ یہ مندرجہ ذیل کالموں پر مشتمل تھی؛ 'نمبر شمار'، 'کمپنی کا نام'، 'اندراج کی تاریخ'، 'مجوزہ سرمایہ'، 'اداشدہ سرمایہ'، 'مقاصد اور 'کیا اب بھی کاروبار میں مصروف ہے'۔

بنگال سے باہر درج کرائی جانے والی کمپنیوں کے متعلق اطلاعات صرف 1859 سے شائع ہونی شروع ہوئیں۔ دوسرے علاقوں کے لیے اس اشاعت کی توسیع اگلی دو دہائیوں میں ہوئی۔ اب یہ بات وثوق سے نہیں کی جا سکتی کہ کیا بنگال سے باہر 1859 سے پہلے کوئی کمپنی درج ہی نہیں کرائی گئی تھی۔

آخری کالم 'کیا اب بھی کاروبار میں مصروف ہے' کے تحت مندرجہ ذیل الفاظ یا اصطلاحات دی گئی تھیں: 'مردہ'، Defunct، 'کوئی کاغذات موصول نہیں ہوئے' وغیرہ۔ اس لیے یہ بات ممکن نہیں تھی کہ اس کالم سے صحیح طور پر یہ طے کیا جا سکے کہ یہ کمپنی کب بند کی گئی، یا

---

[1] 'برٹش میوزیم' میں ان کا کیٹیلوگ نمبر (J.S. 190 and J.S. 190/2) ہے۔

رجسٹرے اس کا نام کب خارج کیا گیا۔ اس لیے مجبوراً ایسی سینتیس[37] کمپنیوں کو علیحدہ گروپ میں رکھنا پڑا، اور اس لیے 31 مارچ 1882 تک بند کی جانے والی کمپنیوں کے سالانہ اعداد و شمار کی اطلاعات میں اس حد تک کمی نظر آتی ہے۔ ان بابوں میں دیے گئے اعداد و شمار جو 82-1851 کے درمیانی عرصے سے متعلق ہیں، 1882 کی اشاعت میں دی گئی اطلاعات کے تجزیے پر مبنی ہیں۔ ان اعداد و شمار کو 1881 کے آخر تک شمسی سال کے حساب سے رکھا گیا ہے۔ اس طرح 1882 کے لیے اعداد و شمار اس کے صرف ابتدائی تین مہینوں کے لیے ہیں۔

اپریل 1882 سے 31 مارچ 1896 تک کے لیے، اشاعت میں صرف ایسی کمپنیوں کی ایک فہرست شامل تھی جو ہر مالی سال کے آخر — پہلی اپریل تا 31 مارچ — تک کاروبار میں مصروف تھیں۔ اس فہرست کے کالموں کی سرخیاں بھی وہی تھیں جو پہلے کی فہرست میں تھیں، فرق صرف اتنا تھا کہ اس میں آخری کالم غائب تھا۔ اس لیے اس فہرست سے سالانہ درج ہونے والی، اور ختم ہونے والی کمپنیوں کی تعداد حاصل کر لینا ممکن نہیں تھا۔ ان تعدادوں کا ایک بالواسطہ تخمینہ لگانے کی کوشش بھی اس لیے ترک کر دینی پڑی کہ کمپنیوں کی تقسیم بار بار تبدیل کر دی جاتی تھی۔ صنعتی تقسیم کے اسی فرق کی وجہ سے، ضمیمے نمبر 8 اور 12 میں دیے گئے اعداد و شمار کا موازنہ صحیح طور پر ضمیمہ نمبر 17 میں دیے گئے اعداد و شمار سے نہیں کیا جا سکتا۔

اگلے دو سالوں، 7-1896 اور 8-1897 کے لیے اشاعت میں صرف ان سالوں میں درج کرائی جانے والی اور بند کی جانے والی کمپنیوں کی تفصیلات تھیں، اور صدی کے آخری دو سالوں کے لیے نئے اندراجات اور خاتموں کا صرف ایک خلاصہ ہی دیا گیا تھا۔ 1883 کے بعد سے سرکاری اشاعتوں میں جو اعداد و شمار ملتے ہیں، ان میں حالانکہ کچھ جمع تفریق کی غلطیاں بھی نظر آ جاتی ہیں اور صنعتوں کے اعتبار سے کمپنیوں کی تقسیم بھی بعض صورتوں میں نامناسب سی ہے، پھر بھی اس کے بعد سے ان میں کافی استقلال موجود رہا، اور یہ غلطیاں یا کمزوریاں بہت معمولی تھیں۔ زیر نظر عرصے کی مختلف مدتوں کے اعتبار سے تقسیم اور اس کی تشریح کے طریقوں پر اعداد و شمار کی موجودہ شکل کا اثر بھی بہر طور پڑا ہے۔

پہلا باب

ہندوستان میں کاروباری کارپوریشن کا فروغ

ہندوستان میں جدید کاروباری کارپوریشن غیر ملکی اثرات کے تحت وجود میں آئے۔ اِس قسم کی کاروباری تنظیموں کے سلسلے میں ہندوستانی تاجروں نے یورپ کی منشور یافتہ کمپنیوں کے کاموں سے ابتدائی اور بُنیادی سبق حاصل کیا[1] ہماری پُرانی تاریخ میں گِلڈ* قسم کی تنظیموں اور تاجروں اور دستکاروں کی کچھ علاقائی انجمنوں کا ذِکر ضرور ملتا ہے، لیکن یہ تنظیمیں پندرھویں صدی کے آخری حصّے میں اُن سیاسی ہنگاموں میں آہستہ آہستہ غائب ہوتی چلی گئیں جو ہندوستانی ساحلوں پر یورپی تاجروں کے پہنچنے سے کچھ پہلے اور کچھ اِس کے بعد رونما ہوئے[2]

جنوبی ہندوستان کی اجتماعی سرمایہ کمپنیاں

جنوبی ہندوستان میں ایک قسم کی اجتماعی سرمایہ کمپنی سترھویں صدی کے تقریباً درمیانی حصّے میں بھی نظر آجاتی ہے۔ اِس کی وجہ غالباً یہی ہو سکتی ہے کہ ہندوستانی تاجروں اور یورپی تاجروں کے درمیان سب سے پہلے یہیں رشتہ قایم ہوا[3] سترھویں صدی کے دوران ہندوستان

---

[1] منشور یافتہ کمپنیوں کی مختصر کیفیت کے لیے ضمیمہ نمبر ۱ ملاحظہ ہو۔

[2] قدیم ہندوستان میں گِلڈ ادارے کی مختصر کیفیت کے لیے ضمیمہ نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔

[3] ایسی کسی کمپنی کی سب سے پہلی مثال 1660 میں نظر آتی ہے جس وقت کورومنڈل میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

* گِلڈ (Guild)، ہم پیشہ دستکاروں کی انجمنیں (مترجم)

اور یورپ کے درمیان تجارت میں کافی اضافہ ہوا اور جنوبی ہندوستان میں اِسی زمانے میں ہندوستانی مال، خاص طور پر سُوتی کپڑا خریدنے کے لیے یورپی کمپنیاں آپسی مقابلے میں مشغول نظر آتی تھیں[۵۲]۔ اِس سے پہلے یورپی کمپنیاں ہندوستانی تاجروں سے نجی طور پر مال خریدتی تھیں اور انھیں رقموں کی ادائیگی پیشگی کر دی جاتی تھی۔ دوسری طرف ہندوستانی تاجر جُلاہوں کو پیشگی ادائیگیاں کر دیتے تھے تاکہ اُن سے آسانی سے مال فراہم ہو سکے۔ پھیلتی ہوئی تجارت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مال کی فراہمی کے سلسلے میں یورپی کمپنیوں کو قدرتی طور پر نسبتاً چھوٹے تاجروں سے زیادہ سے زیادہ رابطہ قایم کرنا پڑا[۵۳]۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسد کی لاگت میں اضافہ ہوا اور ساتھ ہی سامان کے مقدار و معیار دونوں غیر یقینی ہو گئے۔ قرضوں کی وصولیابی بھی ایک مسئلہ بن گئی۔ غالباً بُنیادی طور پر اپنی دشواریوں پر قابو پا لینے کی غرض سے یورپی کمپنیوں نے ہندوستانی تاجروں میں اجتماعی سرمایہ (جوائنٹ اسٹاک) کمپنی کے انداز پر منظم ہو جانے کا خیال پیدا کیا۔ کورومنڈل کے چھوٹے چھوٹے تاجروں نے تو، جنھیں بعض موقعوں پر آپسی مقابلے میں بُری طرح نقصان اُٹھانا پڑتا تھا، اِس خیال کو خوشی سے قبول کر لیا، لیکن دوسری طرف سُورت کے مالدار تاجر اسے پسند نہ کر سکے۔ اِنھوں نے ایسی کمپنیاں بنا تو لیں مگر بازاروں سے مال خریدنے کے سلسلے میں خود اپنی ہی اجتماعی

(صفحہ 21 سے آگے)

لارنس پٹ ڈچ گورنر تھا۔ اپنے جانشین کورنیلیس اسپیلمین کے لیے گورنر لارنس پٹ کی یادداشتیں [میمائر آف گورنر لارنس پٹ ٹو ہز سکسیسر کارنیلیس اسپیلمین]، Kolonical Archief Overge Komen Brieven 1664، 1132 791-811، 25 1663، ملاحظہ ہو ایس۔ ارآساراتنم، ہندوستانی تاجر اور ان کے تجارتی طریقے [انڈین مرچنٹس اینڈ دیر ٹریڈنگ میتھڈس] 1965 میں بین الاقوامی معاشیات کی کانفرنس میں پیش کیا گیا ایک مقالہ جسے انڈین اکانومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو، جلد 3 نمبر 1، مارچ 1966 کے شمارے میں صفحات 85 تا 95 پر شائع کیا گیا۔ دو مخصوص مثالوں کے لیے میراپ۔ ایچ۔ ڈی۔ کا مقالہ بھی ملاحظہ ہو۔ لندن 1965، صفحات 5-22۔

۵۳ انڈین اکونومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو، صفحہ 85۔ نیز تپن رائے چودھری کا ایک مقالہ، یورپی کامرشیل کام اور ہندوستان کی کامرس اور صنعتی پیداوار کی تنظیم۔ 1500 تا 1750، گنگولی کی مرتبہ ہندوستانی معاشی تاریخ کا مطالعہ، [ریڈنگس ان انڈین اکونومک ہسٹری]، 1964، صفحات 71-69 بھی ملاحظہ ہو۔

سرمایہ کمپنیوں سے خفیہ طور پر مقابلے میں شریک رہے [1]

عام طور پر ایک اجتماعی سرمایہ کمپنی پانچ سے دس تاجروں پر مشتمل ہوتی تھی، جن میں سے ہر تاجر کمپنی کے سرمایے میں 10,000 روپیے سے 1,50,000 پگوڈا [2] تک کی رقم شامل کرتا تھا۔ 1660 کے بعد سے برطانوی اور ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنیوں کے رکارڈ میں ایسی کتنی ہی کمپنیوں کے نام مل جاتے ہیں۔ ان کی تعداد 1720 سے کم ہونی شروع ہوئی اور اٹھارھویں صدی کے آخر تک یہ تقریباً بالکل غائب ہوگئیں [3] جس محدود مقصد کے تحت اور جس انداز سے اِن کا قیام عمل میں آیا تھا، اس نے حقیقت میں ابتدا میں ہی اِن کی قسمتوں کا فیصلہ کردیا تھا۔ جس دستاویز کی رو سے اِن کا قیام عمل میں آیا تھا وہ خود بنیادی طور پر کسی یورپی کمپنی اور تاجروں کے درمیان کچھ اشیاء کی فراہمی کے سلسلے میں محض ایک ٹھیکے کا کاغذ کہی جاسکتی تھی۔ اس کا کافی بڑا حصّہ فراہم کی جانے والی اشیاء کی تفصیلات، فراہمی کی مدّت، قیمتیں، ادائیگی کی شرائط، اور قلعہ بند بستیوں کی حدود کے اندر یورپی کمپنی کی طرف سے دی جانے والی مراعات (مثال کے طور پر بعض صورتوں میں چنگی محصول سے استثناء) اور سیاسی شورش کے دوران جو تحفظ اِن تاجروں کو بخشے گئے تھے، ان کی تفصیلات وغیرہ سے پُر تھا۔

لیکن اِن کے ساتھ ہی اِس ٹھیکے کی تحریر میں چار یا پانچ مدیں ایسی بھی تھیں جنھیں نہ صرف آسانی سے کسی کاروباری کارپوریشن کے میمورنڈم یا دستور میں شامل کیا جاسکتا تھا، بلکہ یہ کسی حاجھے داری کے معاہدے کا حصّہ بھی بن سکتی تھیں۔ یہ مدیں کچھ اِس انداز کی تھیں: کہ ان تاجروں کو کسی تنظیم یا ایسوسی ایشن میں منظم رہتے ہوئے متعلقہ یورپی کمپنی سے تجارت کرنی چاہیے؛ کہ ان میں سے ہر ایک تاجر کو اپنے اپنے حصوں کی تعداد کے مطابق ایک مقررہ سرمایہ جمع کرنا چاہیے؛ کہ ان میں سے جونیئر شریک کو اشیاء حاصل کرنے کے لیے باری باری بُنائی کے مرکزوں میں جانا چاہیے، اور یہ کہ کمپنی کے انتظامی اُمور میں فیصلوں کے سلسلے میں اپنے منتخبہ سربراہ سینیئر تاجروں سے رجوع کرنا چاہیے اور (عام صورتوں میں) حسابات کو ہر سال طے

---

[1] ملاحظہ ہو میراپ۔ ایچ۔ ڈی تھیسس، صفحات 5-24، نیز رائے چودھری صفحات 5-74

[2] جنوبی ہندوستان میں رائج سونے کے سِکّے۔ ایک پگوڈا تقریباً 12 شلنگ کے برابر تھا۔

[3] ارااسارتنم۔ انڈین اکونومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو۔ صفحات 6 - 85۔

کیاجانا چاہیے۔ اس دستاویز کے کچھ اور اہم رُخ وہ تھے جن کے ذریعے یورپی کمپنی اِن ایسوسی ایشنوں کے سرمایے کو اپنے ساتھ کی جانے والی تجارت کے علاوہ کسی اور مصرف کے لیے استعمال کو ممنوع قرار دیتی تھی اور ان کی خلاف ورزی کی سزا کے سلسلے میں اسی کو حق دیا گیا تھا۔ یورپی کمپنیاں اپنے مفاد کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کسی بھی وقت کسی نئے تاجر کو ان ایسوسی ایشنوں میں داخل کر سکتی تھیں اور سب سے آخر میں ایک ایسی مد بھی موجود تھی جس کی رو سے اس دستاویز کی شرائط کو، اِن یورپی کمپنیوں کی مرضی حاصل کیے بغیر، تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا[1]

ظاہر ہے کہ جس انداز میں ان کمپنیوں کی تشکیل کی گئی تھی اس میں ان کی اُٹھان اور ترقی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس دستاویز سے ایسا لگتا ہے جیسے چند تاجر کسی یورپی کمپنی کو ضروری مال فراہم کرنے کے لیے جمع ہو گئے ہوں اور ٹھیکہ حاصل کر لینے کے بعد انھیں کسی اور ذریعے سے کوئی نیا کاروبار حاصل کرنے کا حق نہ رہا ہو۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں کسی قسم کا مستقل سرمایہ اُبھار لینے اور اس میں اضافہ کرنے یا کسی قسم کا آزاد اور خود مختار انتظامیہ قایم کر لینے کی تحریک موجود نہیں تھی۔ موخرالذکر کی غیر موجودگی سے بعض صورتوں میں ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے تھے جن میں یہ تاجر اپنے انفرادی اور مجموعی مفادات کے درمیان ٹکراو محسوس کرتے تھے، خاص طور پر جب بازار میں مانگ اور رسد کی کیفیت میں تبدیلی پیدا ہوتی تھی اُس وقت یہ ٹکراؤ اور زیادہ واضح ہو جاتا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی یورپی کمپنیوں کی طرف سے حاصل ہونے والی تحریک ختم ہوئی اِن کمپنیوں کا مقصد بھی ساتھ ہی ساتھ ختم ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستانی تاجروں کو خود یہ خیال کبھی پیدا نہیں ہوا کہ وہ اپنے اجتماعی سرمایے کو تنظیمی اعتبار سے یورپی کمپنیوں سے آزاد اور خود مختار کر لیں۔ نہ ان تاجروں نے کبھی دوسرے کاروباروں کے لیے اجتماعی سرمایہ کمپنیاں قایم کر لینے کے متعلق سوچا۔ ایس۔ اراسارتنم کے مطابق ہندوستانی تاجروں میں ساجھے داری کے تصور کے مقبول نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ جنوبی ہندوستان میں تجارت پیشہ

---

[1] اس قسم کے کسی ٹھیکے یا معاہدے کا انگریزی ترجمہ دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو انڈین اکونومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو، صفحات 6-91۔

ذاتیں دو ایسے فرقوں میں برابر برابر تقسیم تھیں جو اکثر لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں[1] مگر آسارتم نے بھی ایسی کوئی وجہ بہرحال پیش نہیں کی کہ یہ خیال ہر ذات کے اندر ہی کیوں نہ اپنایا جا سکا، یا اس کا کیا سبب تھا کہ تقریباً ایک صدی تک اجتماعی سرمایہ کمپنیاں صرف جنوبی ہندوستان میں ہی قایم ہوتی رہیں۔ ہندوستان کے حالات میں یہ بات یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہاں ساجھے داری کا مطلب عام طور پر دو یا اس سے زیادہ افراد کی ساجھے داری نہیں ہوتا بلکہ دو یا اس سے زیادہ مشترک خاندانوں کے کاروبار میں ساجھے داری ہوتا ہے۔ اور یہ رشتہ قایم کر لینا اور اسے طویل عرصے تک برقرار رکھنا نسبتاً زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں جتنی بھی سماجی توجیہات پیش کی جائیں اُن میں ہندو مشترک خاندان کی پابندیوں اور بندشوں کو بھی پیشِ نگاہ رکھنا ضروری ہے[2] دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ ان کمپنیوں کے قایم نہ ہو سکنے میں معاشی تحریک کے فقدان کا اثر بھی رہا ہو۔

تجارت اور صنعت کی تنظیم کچھ رجحانات اور خصوصیات

اٹھارھویں صدی کے دوسرے نصف حصّے میں 'ایسٹ انڈیا کمپنی' ہندوستان کی قسمت کی واحد مالک و مختار کی حیثیت میں اُبھر کر سامنے آئی، جس کے کچھ بالواسطہ اثرات بھی رونما ہوئے[3] اس سے صرف دوسری منشور یافتہ کمپنیوں کے اثرات ہی ختم نہیں ہوئے بلکہ 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے اجارہ دارانہ رجحانات نے اپنے تجارتی مفادات کے حدود دائرے سے باہر تمام دوسری راہوں کو مسدود کر دینے کے حالات بھی پیدا کر دیے۔ خواہ وہ راہیں برطانوی رہی ہوں یا ہندوستانی۔ مثال کے طور پر 1834 تک[4] کمپنی ایک ایسی پالیسی پر

---

[1] 'انڈین اکونومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو'، صفحہ 1-90-(163-67 to On)

[2] ملاحظہ ہوں صفحات 317 تا 326۔ ہندو مشترک خاندان میں زندگی کی کیفیات کے کسی قدر اشتعال انگیز منظر کے لیے، نراد۔ سی چودھری، 'The Cantenent of cene'، 1965، صفحات 1-230۔

[3] 'انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی' نے اٹھارھویں صدی کے ابتدائی حصے سے حالات پر قابو پانا شروع کیا۔ 1717 میں مغل بادشاہوں کی طرف سے دیے جانے والے مخصوص اختیارات سے اس کی حیثیت میں اور مضبوطی پیدا ہوئی۔ رائے چودھری، صفحات 6-75۔

[4] بہرحال 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کو حاصل شدہ اجارہ دارانہ حقوق 1813 میں اس کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

زور دیتی رہی جس کے تحت غیر برطانوی یورپی افراد کو ہندوستانی ساحلوں سے دور رکھنا مقصود تھا، اور اس کی وجہ سے ہندوستان بہت قیمتی اور قابلِ قدر تجارتی تحریک، بنا اور سرمایے سے محروم ہوگیا۔ صرف اتنا ہی نہیں، یہ تک سُنا جاتا ہے : کہ ہندوستان کے شمالی حصوں سے تاجر نکالے بھی گئے اور بحری راستوں سے برآمدات میں مصروف تاجروں کے حوصلے پست کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔[5]

اس پالیسی کے نتیجے کے طور پر آزاد نجی تجارت کا ایک بڑا حصہ کمپنی کے یورپی ملازموں اور کچھ آزاد تاجروں، کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ 'آزاد تاجر'، وہ تاجر تھا جسے 'ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر' نے کسی پریسیڈنسی میں داخل ہونے اور لائسنس حاصل کرلینے کے بعد وہاں تجارت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ کمپنی انھیں پسند تو نہیں کرتی تھی مگر بہر حال انھیں برداشت کرلیا گیا تھا... چونکہ ان کا وجود ضروری تھا : اور سول اور فوجی اشراف اس وقت دولت

(صفحہ 25 سے آگے)
منشور کی تجدید کے وقت ختم کر دیے گئے تھے، اور ہندوستان کو 1815 میں برطانوی تاجروں کی آزادانہ کاروباری تحریک کے لیے کھول دیا گیا تھا۔ بہین، بی لیمب، ' ہندوستان میں معاشی ترقی اور" حکومت'؛ سائمن کُزنیٹ، ولبرٹ، ای۔ مور اور جوزف، جے۔ اسپنگلر کی مرتبہ 'برازیل، ہندوستان اور جاپان میں معاشی ترقی'، مطبوعہ 1955 [اکونومک گروتھ : برازیل، انڈیا اینڈ جاپان۔

[5] این۔ سی۔ سنہا کی 'برطانوی ہندوستان کی معاشیات کا مطالعہ' [اسٹڈیز ان انڈو برٹش اکونومی] میں لارڈ کارنوالیس سے منسوب آر۔ کے۔ مکرجی کا اقتباس، مطبوعہ 1946 صفحہ 4۔ حقیقت میں جنگ پلاسی سے سو سال سے بھی کچھ پہلے سے ہی، "پاسپورٹ" کے طریقے نے، جسے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے رائج کیا تھا، بعد کے سالوں میں کچھ اس طرح اثر ڈالا کہ بنگالی تاجروں کی ساحلی، اور جنوب ایشیائی اور مشرق وسطٰی کی تجارت کے ڈھانچے میں دور رس تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہوگئیں۔ اور حالانکہ کچھ صورتوں میں بنگال کے تاجروں کو اس سے کچھ فائدہ بھی ہوا لیکن مجموعی طور پر ان کمپنیوں کی کارگذاری سے ان کی تجارت میں کمی بھی پیدا ہوئی۔ ان کمپنیوں کی مضبوطی اور طاقت کا راز اصل میں ان کی بحری طاقت میں مضمر تھا جس کی مدد سے انھیں پوری تجارت کی شرائط پر پورا پورا قابو حاصل ہوگیا تھا اور انھیں اپنی مرضی کے مطابق چلاتے رہنے کی صلاحیت ان میں پیدا ہوگئی تھی۔ اوم پرکاش کا مضمون "یورپی تجارتی کمپنیاں اور بنگال کے تاجر 1650 تا 1725"، انڈین اکونومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو، جلد 1 نمبر 3، (تقابل) رائے چودھری، صفحات 6-73۔

کمارہے تھے اور انھیں کسی ایسے ہی معتبر شخص کی ضرورت تھی ــــ پہلا انتخاب ظاہر ہے برطانوی افراد کا ہی ہوسکتا تھا ـــــ جن کے پاس اپنے منافع کو جمع رکھا جاسکے[13]۔ کسی آزاد تاجر کی کامیابی کا راز "اس کی ذاتی موقع شناسی، تدبر ــ یا اس کی کمی ــــ اور اس کی اس صلاحیت میں مضمر تھا کہ وہ تیزی سے بدلتے رہنے والے اُن کرداروں میں، جن کے مفادات کی پرورش کرنا بھی اس کے لیے ضروری تھا۔ ان شخصیتوں کو پہچان لینے میں کامیاب ہوجائے جو ان تبدیلیوں کو جھیل کر آئندہ بھی باقی رہ سکیں گی۔ فوری موت، فوری ذلت و رسوائی اور وقتی غیر یقینی کیفیات میں کسی ایک پر پوری طرح بھروسہ کرلینا بہت مشکل تھا[14]۔" 1710 میں مدراس میں، جو اس وقت 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کا صدر مقام تھا، صرف اُنتیس تاجر تھے، اور اٹھارھویں صدی کے آخر تک ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین گنی یا چار گنی ہوگئی ہوگی[15]۔

کچھ عرصے بعد جب کمپنی کے ملازمین کو نجی تجارت میں حصہ لینا ممنوع قرار دے دیا گیا تو انھوں نے "اپنی عادتوں کو تجارتی کاموں سے زیادہ بہتر طور پر ہم آہنگ پاتے ہوئے، استعفیٰ دے کر اپنے عہدوں سے الگ ہوجانے کی اجازت حاصل کرلی اور ایجنسی اور تجارتی کاروبار میں مصروف ہوگئے[16]۔" اس طرح نجی تجارت کا ایک خاصہ بڑا حصہ چند 'ایجنسی ہاؤسوں' کے

---

[13] ہلٹن براؤن، 'مدراس کے جلابے' [پاریز آف مدراس]، 1954، صفحات 5-4۔

کمپنی کے ملازمین کی کمائی ہوئی 'دولت' کے سلسلے میں ملاحظہ ہو صفحہ 12 پر گیارھویں صفحے کا نوٹ نمبر 3۔ نیز 'لارڈ میکالے کی تحریریں' [ورکس آف لارڈ میکالے] میں لارڈ کلائیو اور ہیسٹنگز پر مضامین، جلد 2۔ (بلا تاریخ)۔ این کے سنہا، 'بنگال کی معاشی تاریخ' [اکونومک ہسٹری آف بنگال]، جلد 1، 1956 (متفرق)، ڈی۔ ایچ۔ بکانن، 'ہندوستان میں سرمایہ کارانہ کاروبار کا ارتقاء' [دی ڈیولپمنٹ آف کیپٹلسٹ انٹر پرائزان انڈیا]۔ 1934 صفحات 5-32۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر 'دیہی بنگال کی تاریخ' [دی اینلس آف رورل بنگال]، 1897، صفحات 4-352، 2-1831۔ X، پہلا حصہ، صفحہ 2-1۔

[14] براؤن، صفحات 5-4۔

[15] براؤن، صفحات 5-4۔

[16] برطانیہ کے پارلیمانی کاغذات [برٹش پارلیمنٹری پیپرس]۔ 2-1831، حصہ II، ضمیمہ 3، صفحہ 496۔

ہاتھوں میں مرکوز ہوگیا جو ساجھے دار ادارے تھے اور یہ برطانوی نجی تجارت کی مخصوص اکائیاں بن گئے: ایجنسی ہاؤس، کو تاجروں کی ایک سیدھی سادی کمپنی نہیں کہا جاسکتا تھا جو نیل یا کسی دوسری ساحلی تجارت میں مصروف ہو۔ اس کی کارگذاریوں میں بہت سے مختلف قسم کے کام شامل تھے، مثال کے طور پر جہازوں کی ملکیت، مکانات کی ملکیت، کھیتی باڑی، اشیا کی پیداوار، بینک کاری، بلوں کی دلالی، بیمہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہاؤس ہندوستان میں یورپی برادری کے غیر تاجر پیشہ افراد کے لیے بینک کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ ان کے سرمایے کے ذرائع بھی لاکھوں اسٹرلنگ پاؤنڈ کی حد تک ہوتے تھے[لہ] اٹھارھویں صدی کے خاتمے تک ان ہاؤسوں نے اتنا عروج اور فوقیت حاصل کرلی تھی کہ حقیقت میں ان کا ایک محدود اجارہ سا قائم ہوگیا تھا جو ملک کی داخلی اور ساحلی تجارت کے ایک بڑے حصے کو قابو میں کیے ہوئے تھا[ٹہ] دوسری

[لہ] ان کے مالی ذرائع کا کچھ اندازہ "ان نقصانات سے لگایا جاسکتا ہے جو ایسٹ انڈیا برادری کو اٹھارھویں صدی کی چوتھی دہائی کے درمیانی عرصے میں تجارتی بحران کی وجہ سے ہندوستان کے ملے جلے نجی بینک کاروں اور تاجروں کے خسارے کے نتیجے میں برداشت کرنا پڑے تھے..." سی۔ این۔ کوکے، 'ہندوستان میں بینک کاری کی موجودہ کیفیات اور نشو و نما' [دی رائز، پروگریس اینڈ پریزنٹ کنڈیشنس آف بینکنگ اِن انڈیا]، 1863، صفحہ 348۔

خسارے کی رقمیں مندرجہ ذیل ہیں۔

'پامر اینڈ کمپنی'	26,00,000	پونڈ
'الیگزینڈر اینڈ کمپنی'	34,40,000	"
'میکنٹوش اینڈ کمپنی'	24,70,000	"
'فرگوسن اینڈ کمپنی'	32,60,000	"
'کولون اینڈ کمپنی'	12,10,000	"
'کروٹینڈن اینڈ کمپنی'	13,50,000	"
میزان	1,43,30,000	پونڈ

[ٹہ] "... ہندوستان میں ساحلی تجارت اور جزیروں کے درمیان تجارت، اور اس کے ساتھ ہی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور وجوہات کے ساتھ ساتھ ان کا اتنا تسلّط ان کے پاس سرمایے کے ذرائع اور تنظیمی اعتبار سے ممتاز صلاحیتوں کی وجہ سے تھا۔

اس بات کو مدِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ جس وقت تک انگریزوں نے 'سپاہیوں کی بغاوت' (1857) کے بعد 'قانون کی حکومت' قایم کی ملک کم و بیش متواتر ہی مہلک جنگوں میں مصروف رہا، جو مغل دورِ حکومت میں جاری رہیں اور جنگ پلاسی کے بعد بھی چلتی رہیں[5] معاشی ترقی کے لیے جو حالات لازمی کہے جاسکتے ہیں، جیسے امن، تحفظ اور حکومت کے قایم کردہ 'سماجی ادارے'، اس وقت عام طور پر موجود نہیں تھے۔ اس سے پہلے کہ حملہ آور فوج کی لائی ہوئی تباہ کاریوں اور نقصانات کی تلافی ہوسکے اور حالات معمول پر آئیں کسی سیاسی تبدیلی کے تحت پھر کوئی نیا اختلال پیدا ہو جاتا تھا۔ ہندوستان کے لوگ نسبتاً غریب تھے اور زراعت سے پیداوار بہت کم تھی[6] اس بات پر بھی ایک عرصے سے زور دیا جاتا رہا ہے کہ اٹھارھویں صدی

(صہ 28 سے آگے)

ملک کی اندرونی تجارت پر کمپنی کے اعلیٰ ملازمین کا اجارہ تھا۔" جے۔ بیوچاجیپ کی 'ہندوستان میں برطانوی سامراجیت' [برٹش امپیریلزم اِن انڈیا]، مطبوعہ 1934 صفحہ 19 میں کارل مارکس کی 'کیپیٹل' [داس کیپیٹل] جلد 1 سے اقتباس "کمپنی کے ملازمین نے اپنے کارکنوں کے لیے ہی نہیں بلکہ خود اپنے لیے بھی لگ بھگ ساری داخلی تجارت پر اجارہ حاصل کر لیا تھا۔" لارڈ میکالے کی تحریریں، [دی ورکس آف لارڈ میکلے] لارڈ کلائیو پر مضمون، جلد 2، صفحہ 4.2۔

[5] 1858 کے بعد دو ہندوستان تھے: برطانوی ہندوستان اور راجاؤں نوابوں کی ریاستوں کا ہندوستان۔ موخر الذکر ہندوستان میں تقریباً 6 سو ریاستیں تھیں جن میں ہندوستانی برِ صغیر کی ایک چوتھائی آبادی تھی اور دو بٹا پانچ حصہ رقبہ تھا۔

* 'سماجی ادارے' (Social over head) مثلاً آمد و رفت اور رسل و رسائل کے ذرائع یا آبپاشی، بجلی کے کارخانے وغیرہ۔ (مترجم)۔

[6] مارِس کے قول کے مطابق: "فی کس حقیقی آمدنی کے اعتبار سے ہندوستانی روایتی سوسائٹی کی بنیاد جدید یورپ بلکہ ٹوکوگاوا (Toko gawa)، جاپان، کے مقابلے میں، نچلے حصے پر زیادہ تھی۔" اپنے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے آخر تک ہندوستان دنیا کی تجارت میں کسی طرح پیچھے نہیں کہا جا سکتا تھا اور صنعتی پیداوار کے اعتبار سے یہ ایک بڑا ملک تھا لیکن ابھی تک کسی نے ہندوستان کی تجارت اور صنعت کی اہمیت کو ملک کی کُل آبادی اور اس کاروبار میں مصروف افراد کے تناسب کے ساتھ منسلک کر کے اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ ایک عام تصور یہ بھی ہے کہ ہندوستان کا زیادہ بڑا حصہ ہزاروں خود کفیل دیہاتوں پر مشتمل تھا اور اس کی تجارت، کاروبار اور صنعت زیادہ تر صرف بندرگاہوں، مذہبی اعتبار سے اہم مقامات، اور راجاؤں اور نوابوں کے اہم اور بڑے شہروں کے ارد گرد پھیلی ہوئی تھی لیکن کپڑے، تانبے کے برتن اور مویشیوں کی پیداوار میں ایسی خصوصی

(صفحہ 29 سے آگے)

اس خیال کی حمایت میں اُس نے تامس کیرج کا حوالہ دیا ہے جس نے 1669 میں لکھا تھا: "حالانکہ اس ملک کو ایک امیر ملک تصور کیا جاتا ہے لیکن ہم اس کی عام آبادی کو کافی ضرورت مند پاتے ہیں..." ڈبلیو فاسٹر کی ہندوستان میں انگریزی کارخانے [دی انگلش فیکٹریز ان انڈیا] 1618 تا 1906، مطبوعہ 1906، صفحہ 138 میں حوالہ۔ نیز ملاحظہ ہو مارس، ڈی۔ مارس، اُنیسویں صدی کی ہندوستانی معاشی تاریخ کی نئی توضیح، [ٹُورڈس اے ری اِنٹرپریٹیشن آف نائنٹینتھ سنچری انڈین اکونومک ہسٹری] "جرنل آف اکونومک ہسٹری"، جلد 23، دسمبر 1963، نمبر 4۔ فٹ نوٹ نمبر 16۔

اس سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ ہندوستانی زراعتی تکنیک اور طریقے غیر ترقی یافتہ تھے یا یہ کہ معیشت کا زراعتی سیکٹر اختراعات کو قبول کرنے کی لچک نہیں رکھتا تھا لیکن موسمی اعتبار سے درجۂ حرارت کی بہت زیادتی اور کمی، فصل کے موسموں کا بہت چھوٹا ہونا، اور آبپاشی کے محدود ذرائع نے زیادہ پیداوار حاصل کر لینا ناممکن کر دیا تھا۔ فصلوں کی تبدیلی، زمین کو خالی چھوڑنا، ہری کھاد کا استعمال اور دوہری فصلیں اُگانا، ان تمام چیزوں کی معلومات ہندوستان میں موجود تھی۔ اسی طرح تمباکو، آلو، مونگ پھلی اور چائے، کافی اور ربر جیسی فصلوں سے جلدی ہی ہندوستان کو متعارف کرا دیا گیا اور ان میں سے بعض تیزی سے پھیل بھی گئیں۔ ایضاً۔ نیز ملاحظہ ہو لونس، ای۔ ہاورڈ، سر البرٹ ہاورڈ ہندوستان میں [سر البرٹ ہاورڈ اِن انڈیا] 1953 اور ہندوستانی زراعت میں ترقی پر سر البرٹ ہاورڈ اور جے۔ اے۔ وو ٹیلیکر کی رپورٹ، 1893۔

لہ اٹھارھویں صدی کے آخری اور انیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں ہندوستان کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مہارت جس میں گاؤں کی ضرورتوں سے بہت زیادہ پیداوار کرنے کا امکان ہو خودکفالت کے تصور کو بھی کسی قدر مشتبہ کر دیتا ہے۔

ہندوستان میں بڑے شہروں میں رہنے والی آبادی کا تناسب اُنیسویں صدی کے درمیانی عرصے تک یورپ اور امریکہ کے بہت سے ملکوں کے مقابلے میں کافی اونچا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بعد شہر کی طرف آبادی کے منتقل ہونے کی شرح کم ہو گئی۔[1] ٹیکنالوجی کے ہوا نے

(صہ 30 سے آگے)

معاشی اور سیاسی حالات کے مطالعے کے لیے ملاحظہ ہوں: ڈبلیو۔ ایچ۔ مورلینڈ اور اے۔ سی چٹرجی، 'ہندوستان کی تاریخ'

[اے شارٹ ہسٹری آف انڈیا]، 1957۔ اے۔ ترپاٹھی 'بنگال پریسیڈنسی میں تجارت اور مالیات، 1733۔ 1893' [ٹریڈ اینڈ فائنانس اِن بنگال پریسیڈنسی] 1955۔ آر۔ ڈی۔ چوکسے، 'بمبئی دکن میں معاشی زندگی' [اکونومک لائف اِن بامبے دکن] 1818۔ 1839' 1955، نیز 'اکونومک لائف اِن بامبے کونکن' [بمبئی کونکن میں معاشی زندگی، 1818۔ 1839، 1960 اے۔ سرداراجو، 'مدراس پریسیڈنسی میں معاشی حالات [اکونومک کنڈیشنس اِن دی مدراس پریسیڈنسی] 1800۔ 1850' مطبوعہ 1941۔

ڈی۔ آر۔ گیڈگل، 'ہندوستانی تاجر طبقے کی ابتداء' [اوریجن آف دی انڈین کلاس] (میمو گراف) (بلا تاریخ) انڈیا آفس لائبریری۔

دیہی خودکفالت اور دیہات کی معاشی زندگی میں رونما ہونے والی بعد کی تبدیلیوں کے مطالعے کے لیے ملاحظہ ہوں: ــــ ڈینئل تھارنر، 'ہندوستانی معیشت کا ظہور' [ایمرجینس آف انڈین اکونومی] 1760 تا 1960' انسائیکلوپیڈیا امریکانا' جلد 15، صفحات 12 تا 19 (1960 اڈیشن) جو ڈینیل اور الائس تھارنر کی 'ہندوستان میں زمین اور مزدور' [لینڈ اینڈ لیبر اِن انڈیا] 1962 میں دوبارہ شائع ہوئی، صفحات 69-51 نیز ایم۔ این۔ سری نواسا اور اے۔ ایم۔ شاہ، 'ہندوستانی دیہات میں خودکفالت کا تصور' [دی متھ آف سیلف سفی شینسی ان دی انڈین ویلجز]، اکونومک ویکلی، 10۔ ستمبر 1960۔

[1] کچھ تقابلی اعداد و شمار کے لیے ملاحظہ ہو: کنگزلے ڈیوس، 'ہندوستان (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے سلسلے میں کوئی بات پختہ طور پر نہیں کہی جا سکتی، حالانکہ عام یقین کے خلاف یہ دعویٰ بھی کیا جاتا رہا ہے کہ ہندوستان اس میدان میں یورپ سے خاصہ پیچھے تھا[ؔ9] یہ بات سچی بھی ہو

(صـ31 سے آگے)

میں ترقی کے سماجی اور آبادی سے متعلق رُخ، [سوشل اینڈ ڈیموگرافک آسپیکٹس آف اکونومک ڈیولپمنٹ اِن انڈیا] مرتبہ کُزنیٹ (و دیگر)، صفحات 77-269۔

ؔ9 مارس کے مطابق: 1400 اور 1700 کے درمیان یورپی تکنیکی ترقی سے اگر ہندوستان کا مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ ہندوستانی ٹیکنالوجی پیداواری اعتبار سے ان معیاروں پر تھی جس پر یورپ قرونِ وسطیٰ کے آخری دور میں تھا۔ اُس کی دلیل ہے کہ حالانکہ ہندوستان نے بہت عمدہ کپڑے اور دستکاری کے کچھ حیرت ناک نمونے پیدا کر لیے تھے، لیکن ہمیں غلطی سے انسانی سُبک دستی کو قوتِ پیداوار تصور نہیں کر لینا چاہیے۔ یا یہ فرض نہیں کر لینا چاہیے کہ سُبک دستی کے ساتھ بہترین مخصوص اوزار اور صنعتی پیداوار کی تکنیک کی موجودگی بھی لازمی ہے۔ حقیقت میں اس کی مخالف بات زیادہ صحیح ہے۔" مارس اس حد تک تو صحیح ہے کہ ہم مخصوص اوزاروں کی موجودگی لازمی نہیں مان سکتے، لیکن اسی دلیل کی بُنیاد پر ہم اس کی برعکس صورت کو بھی صحیح نہیں مان سکتے۔ وہ اس بات میں غلط ہے کہ ہمیں غلطی سے انسانی سُبک دستی کو قوتِ پیداوار تصور نہیں کر لینا چاہیے، کیوں نہیں؟ منطقی اعتبار سے اوزاروں اور تکنیک کی سُبک دستی یا مہارت کے ساتھ استعمال کا نتیجہ بھی، کسی اور قسم کی مہارت کی طرح، زیادہ قوتِ پیداوار کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت کہ ہندوستان کافی بڑی مقدار میں، اٹھارھویں صدی کے تقریباً آخر تک، یورپ کو سُوتی کپڑا برآمد کرتا تھا، اس مفروضے کی تائید کرتی ہے کہ ہندوستان اس میدان میں تقابلی لاگت کے سلسلے میں کچھ اہم فوائد رکھتا تھا۔ یا تو روپ کے پاس اتنا اچھا کپڑا پیدا کرنے کا ہنر موجود نہیں تھا یا دوسری صورت میں اس کی پیداواری لاگت نسبتاً زیادہ ہوگی۔ کل لاگت کا ایک خاصہ بڑا حصہ لازمی طور پر مزدوری کی لاگت میں ظاہر ہوتا ہے۔ معاوضے کی شرح ہندوستان میں کم ہو سکتی تھی اور ممکن ہے کہ خام مال بھی مقامی طور پر پیدا کیا جاتا رہا ہو، لیکن کیا صرف یہ دونوں عناصر ہندوستان اور یورپ کی قیمتوں کے درمیان اتنے بڑے فرق کے ذمے دار کہے جا سکتے ہیں؟ میرے خیال میں نہیں! اس بات کا زیادہ امکان

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سکتی ہے لیکن ہماری موجودہ معلومات کی بُنیاد پر اس مسئلے کو آخری حد تک طے نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی

(صفحہ 32 سے آگے)

ہے کہ ہندوستان میں شرح پیداوار اونچی ہو۔ بعد کے زمانے میں تجارت کے رُخوں میں تبدیلی بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ اپنی دلیل کی حمایت میں مزید ثبوت کے طور پر مارس کہتا ہے کہ، شروع کے دور میں یورپی سیاحوں نے متعدد موقعوں پر ہندوستانی ٹیکنالوجی کو اپنے یہاں کی ٹیکنالوجی کے مقابلے میں قدیم اور دقیانوسی بتلایا ہے" اور یہ کہ "سترھویں صدی کے انگریزی کارخانوں کے رکارڈ میں کپڑے کی رسد میں لوچ کی کمی اور قوتِ پیداوار پر متواتر زور نظر آیا ہے"۔ میں خود اس زمانے کی تحریروں کا ماہر تو نہیں ہوں لیکن موجودہ مواد سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے زمانوں کے مقابلے میں سترھویں صدی کے دوران ہندوستان سے کپڑے کی برآمدات بہت بڑی مقدار میں ہوئی ہیں۔ اس لیے رسد بہرطور پر بڑھی ہی ہوگی۔ ٹی۔ رائے چودھری نے اس کی وضاحت اس مفروضے کے ساتھ کی ہے کہ مانگ کو پورا کرنے کے لیے موجودہ لاحاصل پیداواری گنجائش کو استعمال کیا گیا تھا۔ مارس اور رائے چودھری کے الگ الگ نقطۂ نگاہ کو قریب لایا جا سکتا ہے، اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ کم مستعد مزدوروں کی بھرتی بڑھتی جا رہی تھی۔ مارس اس بات پر بھی یقین رکھتا ہے کہ ہندوستان "دھات کا استعمال بہت کم کرتا تھا"۔ اس خیال کی حمایت میں وہ ثبوت کے طور پر یہ شہادت پیش کرتا ہے کہ 1500 سے 1800 کے درمیان ہندوستان میں کی جانے والی درآمدات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں خاصہ بڑا حصہ مختلف درجوں پر گڑھی ہوئی دھاتوں کا ہوتا تھا۔ میرے خیال میں اس کی شہادت اس کے برعکس ثابت کرتی ہے۔ حالانکہ اس سلسلے میں میں اپنی معلومات کی بنا پر کوئی آخری فیصلہ تو نہیں دے سکتا لیکن احساس یہی ہوتا ہے کہ ہندوستانی دھات کی صنعت صنعتی انقلاب سے پہلے کے یورپ سے پیچھے نہیں تھی، بشرطیکہ ہندوستان میں تیار کیے جانے والے سونے چاندی کے زیورات، تانبے پیتل کے برتن، اور لوہے اور اسٹیل کی اشیاء کی پیداوار کے سلسلے میں کچھ اظہار کرتی ہو ———

ملاحظہ ہو مارس، "جرنل آف اکونومک ہسٹری" سیکشن 3۔ اور رائے چودھری، صفحہ 72۔

رفتار بہت معمولی تھی۔ اس کے لیے اس حقیقت کو ذمّے دار ٹھہرایا جا سکتا ہے کہ ملک کا تجارتی زُمرہ ہمارے ذات پات کے بندھنوں سے جکڑا ہوا تھا، ایسے پیشے جیسے دھات کے برتن بنانا، جو صنعتی برادری کی بُنیاد ہوتے ہیں، صرف نچلی ذاتوں کے لیے مخصوص اور محدود تھے۔ اس طرح سرمایہ ٹیکنالوجی سے بالکل الگ تھلگ ہو گیا تھا اور ظاہر ہے اس کا اثر تکنیکی ترقی پر خراب ہی ہو سکتا تھا۔ حالانکہ یہ تقسیم ذات پات کے نظام کی دین تھی، لیکن اجتماعی سرمایہ کمپنی کے تصورات اور کارخانے کی بُنیادوں پر پیداوار کو منظم کر کے اس پر قابو پایا جا سکتا تھا۔ یہ دونوں ادارے مل کر ترقی کے لیے بہت دور رس امکانات پیدا کر سکتے تھے اور یہ دونوں طریقے سترھویں صدی کے دوسرے نصف حصے سے ہی ہندوستانیوں کو معلوم بھی تھے۔ اس صورتِ حال سے کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ہندوستانیوں میں کاروباری لگن اور تحریک کی کمی تھی، لیکن اس بات پر پورا یقین کر لینا بھی مشکل ہے۔ سترھویں صدی کے آخری حصے میں خود انگلینڈ میں بھی کمپنی کے تصور میں جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے، یعنی یہ امکان کہ سرمایے دار کو جوکھم لینے والے کے ساتھ مِلایا جائے، اس کا بہت خفیف سا ہی تصور پیدا ہو سکا تھا۔[17] اس کے علاوہ یہ بات فرض کر لینا بھی عقلی اعتبار سے صحیح محسوس ہوتا ہے کہ جب کوئی دستکار اشیاء کی پیداوار اپنے گھر پر کر رہا ہو تو لاگت کی کچھ مدوں، جیسے معاوضہ، مکان کا کرایہ، روشنی کا خرچ، گھساوٹ کی لاگت وغیرہ کو کسی ایک شے کی پیداواری کُل لاگت کا حساب کرتے وقت نہ جوڑا جائے اور اس کا اثر قیمتوں کے کم اظہار کی طرف ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کارخانے کی پیداواری لاگت بہ آسانی زیادہ ہو سکتی ہے۔ تپن رائے چودھری کے اس خیال کو کہ کارخانے داری نظام کے شروع کرنے کی تحریک اس لیے کم تھی کہ کپڑے کی مانگ آسانی سے پوری ہو جاتی تھی، اس صورتِ حال کی مکمل وضاحت کے لیے کافی نہیں سمجھا جا سکتا، چونکہ اگر کوئی کاروبار کرنے والا مختلف مقداروں میں حاصل ہو سکنے والی بچت کے امکانات کو محسوس کر سکتا ہے تو اس سے یہ بھی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ پیداوار کے لیے کارخانے داری نظام کی طرف منتقل ہو جاتے گا۔[18] بہرحال اس سلسلے میں کسی بات کو یقینی طور پر کہنے سے پہلے مزید تحقیق

---

[17] ایل۔ سی۔ بی۔ گوور، جدید کمپنی قانون [ماڈرن کمپنی لا] 1957، صفحہ 2.1۔

[18] رائے چودھری، صفحہ 72۔ یورپی کمپنیوں نے پیداوار کے لیے کارخانے داری (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ضروری ہے۔

1850 سے پہلے کمپنی کی ترقی کی منزلیں

ہندوستان میں کمپنی کی ترقی اور نشوونما مُسلسل نہیں تھی اور اس میں کچھ وقفے ایسے بھی گذرے جن کے دوران اس سلسلے میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ 1850 سے پہلے سو سال کے عرصے میں ان کی ترقی کو آسانی سے چار منزلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: پہلی منزل میں بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کا قیام ایک امتیازی خصوصیت ہے؛ دوسری منزل میں 1829 میں کلکتے کے بڑے ایجنسی ہاؤسوں کے ٹوٹنے کے ساتھ بینک کار کمپنیوں کی ترقی کے لیے تحریک پیدا ہونا ایک خصوصیت ہے؛ دُخانی جہازوں کی ایجاد اور کاروبار اور تجارت کے پھیلاؤ نے تیسری منزل کی ابتدا کی، اور سب سے آخر میں اور سب سے زیادہ انقلابی منزل ہندوستان میں ریل کی آمد اور انگلینڈ میں ان معاشی حالات اور عوام میں اس ماحول کے پیدا ہو جانے کی مرہونِ احسان ہے جو ہندوستانی صنعت کی نشوونما کے لیے بہت سازگار تھے۔

پہلا دور، جس میں بینک اور بیمہ کمپنیاں قایم ہوئیں 1880 کی دہائی سے شروع ہوتا ہے۔ اس وقت سرمایہ بازار میں زر اور اُدھار کی بہت سخت قِلت تھی، اور یہی ملک کی تمام تجارت اور پورے کاروبار کو سخت نقصان پہنچا رہی تھی۔ اس صورتِ حال میں بہتری پیدا کرنے کے لیے کسی بینک کار کمپنی کے قیام کو ضروری سمجھا گیا، اور اس طرح جنرل بینک کے قیام کا منصوبہ اپنایا گیا، حالانکہ اس کا قیام بھی کلکتے میں 17 مارچ 1786 کو ایک عام جلسے

(صفحہ 34 سے آگے)

نظام ہندوستان میں بہت محدود درجے پر شروع کیا۔ ان کے اس عمل کی وضاحت مندرجہ ذیل وجوہات کر سکتی ہیں۔ ایک قلع بند آبادی میں مکان کا کرایہ کوئی حقیقی لاگت نہیں تھا۔ مزدور حفاظت کے خیال سے زیادہ آسانی سے وہاں منتقل ہو سکتے تھے۔ دلالوں کے منافعے اور خراب اور ناقابلِ وصول قرضوں سے بچت ہوتی تھی۔ اس قسم کے نظام میں رسد کی مقدار و معیار (جس میں طرز اور فیشن بھی شامل تھا) پر زیادہ قابو رکھ لینا ممکن تھا۔

میں بغیر کسی قسم کی مخالفت کے ممکن نہ ہو سکا[1] 'جنرل بینک' کے دستور میں حیرت ناک طور پر جدید خط و خال نظر آتے ہیں اور اس میں ایک دلچسپ بات یہ بھی نظر آتی ہے کہ اس دستور کی دفعات میں ساجھے داروں کی ذمے داری کو ان کے حصوں کی محض ظاہری قیمت تک محدود رکھنے کی منشا مضمر رکھی گئی تھی[2] کافی قابلِ ذکر اور شاندار خدمات انجام دینے کے

---

[1] اس سے پہلے کی دو دہائیوں میں مندرجہ ذیل دو کمپنیوں کی موجودگی کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن ان کی تفصیلات بہت کم موجود ہیں پہلی 'ایکسکلوسِو سوسائٹی آف ٹریڈ' [Exclusive Society of Trade] ہے، جسے لارڈ کلائیو اور ان کی سلیکٹ کمیٹی نے 'کمپنی' کے ملازمین سے نجی تجارت کی مراعات واپس لیے جانے کے بعد، اگست 1765 میں قایم کیا تھا۔ اس کمپنی کو اس کے مقاصد اور تشکیلی عناصر کے اعتبار سے غیر معمولی سمجھا جانا چاہیے۔ اِسے نمک، سُپاری' اور تمباکو کی تجارت میں اجارہ حاصل تھا "جسے 'کمپنی' کے صرف اعلیٰ ملازمین کے منافعے کے لیے چلایا جاتا تھا۔" "اس میں پروپرائٹروں کے تین درجے تھے اور کُل سرمایے کو 56 ایک بٹا تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، جس میں گورنر کے پاس 5 حصے سیکنڈ ان کاؤنسل' کے پاس 3 حصے، جنرل کے پاس 3 حصے اور دو کرنلوں کے پاس دو دو حصے تھے۔ دوسرا درجہ 18 افراد پر مشتمل تھا، یہ صرف 12 حصے لے سکتے تھے تیسرا درجہ 28 افراد کا تھا، یہ سب ملا کر ⅓ 9 حصے لینے کے حقدار تھے۔" "دوسرے سال میں کُل سرمایہ 60 حصوں میں تقسیم کیا گیا"، لیکن کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرس نے اس کمپنی کو ختم کر دینے کا حکم جاری کیا اور یکم ستمبر 1767 سے اس نے کام بند کر دیا۔ این۔ کے۔ سنہا، صفحات 72، 73، 96۔ دوسری کمپنی جو اس سے قبل 'جنرل بینک' تھی، وارن ہیسٹنگز نے اسے زر کے بازار کی سختی کو کچھ کم کرنے کی کوشش میں قایم کیا تھا بینک کے دو بڑے دفتر تھے۔ ایک کلکتے میں اور ایک مرشد آباد میں، اور 14 شاخیں تھیں۔ "حسابات کے گوشوارے میں ... جون 1773 اور جون 1775 کے درمیانی عرصے میں قابلِ ذکر منافع دکھلایا گیا تھا، جس میں سے آدھا حصہ حکومت نے لے لیا تھا۔ لیکن بہرحال ڈائرکٹر اس منصوبے کے افادے کو پوری طرح نہ سمجھ سکے اور اسے توڑ دیا گیا۔" (ایضاً، صفحہ 144) نیز ملاحظہ ہو ایچ سنہا، ہندوستان میں یورپی بینک کاری کا ابتدائی دور، [ارلی یوروپین بینکنگ اِن انڈیا]، 1927، صفحات 9، 11، 98۔

[2] جب تک کہ فریقین کے درمیان کوئی باقاعدہ 'معاہدہ' نہ ہو معاہدوں کی دستاویزات

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بعد جنگِ میسور سے پیدا ہونے والے زر کے بحران کے اثرات کے تحت یہ بینک 31 مارچ 1791 کو رضاکارانہ طور پر بند کر دیا گیا۔

ہندوستان میں جدید انداز پر بیمے کا کاروبار اٹھارھویں صدی کے دوران مغربی ممالک سے کی جانے والی تجارت کے اثر سے شروع ہوا۔ اس میں سب سے پہلے بحری بیمے کے کام کی ابتدا ہوئی۔ ہندوستان کی بندرگاہوں تک آنے جانے والے، نیز ہندوستان اور مشرقی بندرگاہوں کے درمیان جہازوں کی آمد و رفت بہت کافی تھی جس کے لیے بیمے کا تحفظ درکار تھا۔ اٹھارھویں صدی کی آخری چوتھائی میں ہندوستان کی بین الاقوامی تجارت کا بڑا حصہ یورپی 'ایجنسی ہاؤسوں' کے ہاتھوں میں تھا۔ ابتدا میں بحری بیمے کے تمام ادارے لندن میں قایم تھے لیکن اکثر صورتوں میں وہاں کے بحری بیمہ کارکن رسل و رسائل اور رابطوں کی مشکلات کی وجہ سے اس سلسلے کے تمام جوکھموں اور خدشات سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ جہازوں کے نام معلوم ہو جانے سے پہلے ہی بیمے کا کام مکمل کرنا پڑتا تھا۔ اس کی وجہ سے بحری بیمہ کارکنوں کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت تھی، چونکہ وہ خود بھی اس بات سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے تھے کہ کسی مخصوص جہاز کے بیمے سے اُن پر کُل کتنی ذمے داری عائد ہو رہی ہے[7] حقیقت میں جیسا کہ سمال ووڈ نے لکھا ہے: غالباً کسی بیمے کے لیے یہ بات بھی غیر معمولی نہیں کہی جا سکتی تھی کہ اس سے پہلے کہ بیمہ کارکُن کی پوری ذمے داری ظاہر ہو، بیمہ منسوخ ہو جاتا تھا۔[8] اس کا نتیجہ ظاہر ہے یہ ہوتا ہے کہ پریمیم

(صفحہ 36 سے آگے)

اور پراسپیکٹسوں میں محدود ذمے داری کے بیانات کو انگلینڈ کی Re sea Finex Inswane Co (1854), 3 De.G. M.V.G.459 میں بے اثر سمجھا جاتا تھا: ملاحظہ ہو گوور، صفحہ 35، فٹ نوٹ 65 اور 66 نیز بی۔ سی۔ ہنٹ، 'انگلستان میں بزنس کارپوریشن کا ارتقا' [دی ڈیولپمنٹ آف بزنس کارپوریشن اِن انگلینڈ]، 1800 تا 1867، صفحات 33، 34، 72، 101۔ 99۔

[7] ایچ سنہا، صفحات 6۔ 5

[8] آر۔ پی۔ ایف۔ سمال ووڈ، 'بیمہ کاروبار اور اس کا ڈھانچہ' [دی نیچر اینڈ اسٹرکچر آف انشیورنس]، 1948، صفحہ 184۔

کی شرحیں بہت اونچی ہوتی تھیں، جن جہازوں کے نام اور ان کے متعلق معلومات ہوتی تھی ان کے مقابلے میں ان جہازوں کے مال کے بیمے کی شرحیں نسبتاً اونچی ہوتی تھیں جن کے نام معلوم نہیں ہوتے تھے۔ بعض موقعوں پر کسی مضبوط اور نیک نام بیمہ کمپنی کی طرف سے ضروری تحفظ کا حاصل کر لینا بھی مشکل ہو جاتا تھا[1] ان تمام کیفیات کو دیکھتے ہوئے اٹھارھویں صدی کی آخری دہائی میں یورپی تاجروں کے دل میں مقامی بحری بیمہ کمپنیاں قایم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ان پہلی کمپنیوں میں ایک قابلِ ذکر نام 'کلکتہ انشورنس' کا ہے جو 1798 میں قایم کی گئی تھی[2] اس قسم کی تیرہ اور کمپنیوں کے نام بھی نظر آجاتے ہیں جن کی باقاعدہ 'ڈائرکٹر کمپنیاں' اور ایجنٹ موجود تھے[3] یہ نام '1815 کی بنگال کی جنتری اور ڈائرکٹری' [دی بنگال المناک اینڈ ڈائرکٹری] میں دیے ہوئے ہیں۔ ان کمپنیوں کا کاروبار زیادہ تر بحری بیمہ ہی رہا ہوگا اور ان میں سے کچھ غالباً اٹھارھویں صدی کی آخری دہائی میں قایم ہو گئی ہوں گی لیکن جب تک اس سلسلے میں کوئی مکمل اور کامیاب تحقیق نہ کی جائے

---

[1] آر۔ پی۔ ایف ہمال وُوڈ، صفحہ 184۔

[2] ہیرالڈ، ای۔ رینیس، 'برطانوی بیمے کی تاریخ' [اے ہسٹری آف برٹش انشورنس]، 1948، صفحہ 184۔

[3] یہاں 'ایجنٹ' سے مراد 'مینجنگ ایجنٹ' سے ہے، 'کمیشن ایجنٹ' یا 'دلال' سے نہیں ہے۔

[4] 1. 'ایمیک ایبل انشورنس کمپنی'
2. 'آرین انشورنس کمپنی'
3. 'ایشیاٹک انشورنس کمپنی'
4. 'بنگال انشورنس سوسائٹی'
5. 'کلکتہ انشورنس کمپنی'
6. 'کینٹن انشورنس کمپنی'
7. 'کینٹن انشورنس کمپنی'
8. 'گینجز انشورنس کمپنی'

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ان کی تنظیم اور ان کے کاموں کی مکمل اور صحیح تفصیل معدوم ہی رہے گی۔

بیمے کا کاروبار شروع کرنے کے بعد ایجنسی ہاؤسوں نے تقریباً فوراً ہی اس میدان میں اگلا قدم بڑھایا اور زندگی بیمہ کمپنیاں قایم کیں، ان میں سب سے پہلی 'کلکتہ لاڈ ایبل سوسائٹی' تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ 1797 میں قایم کی گئی تھی۔ اس قیاس کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ تیسری 'کلکتہ لاڈ ایبل سوسائٹی' ایک زندگی بیمہ کمپنی تھی جسے 1809 میں چھ سال کی مقررہ مدت کے لیے قایم کیا گیا تھا اور یہ ایسی ایسی دو مدتیں اس سے پہلے بھی گذار چکی تھی۔ 'کلکتہ لاڈ ایبل سوسائٹی' اور ایک دوسری کمپنی — 'یونین سوسائٹی آف کلکتہ' — جو 23 اپریل 1814 کو قایم کی گئی تھیں، اصل میں باہمی جمع شدہ مالیت سے چلنے والی سوسائٹی کی ایک قسم کہی جا سکتی ہیں جو دوستانہ سوسائٹیوں کی ایک زیادہ گنجلک شکل ہے۔ ان سوسائٹیوں میں پالیسیاں رکھنے والے حصے دار پروپرائٹر بھی ہوتے تھے، لیکن چونکہ ان کی پالیسیاں قابلِ انتقال ہوتی تھیں۔ بشرطیکہ ڈائرکٹروں کی مرضی حاصل کر لی جائے۔ اس لیے اس میں بھی ایک ایسی صورت پیدا کر لی گئی تھی جس میں ایسا سرمایہ موجود تھا جس کے حصے آسانی سے منتقل ہو سکتے تھے[1]۔ کلکتے میں اُبھرتے ہوئے بیمہ کاروبار کا خیال اس دوران ملک کے دوسرے بڑے شہروں میں

(ص 38 سے آگے)

9. 'گلوب انشورنس کمپنی'،
10. 'ہندوستان انشورنس کمپنی'،
11. 'ہوپ انشورنس کمپنی'،
12. 'انڈیا انشورنس کمپنی'،
13. 'فوئنکس انشورنس کمپنی'،
14. 'اسٹار انشورنس کمپنی'۔

دو کمپنیاں ایسی تھیں جن کا ایک ہی نام — 'کینٹن انشورنس کمپنی'، تھا یہ دونوں کینٹن میں قایم ہوئی تھیں اور کلکتے میں ان کی ایجنسیاں تھیں۔ یہ دونوں یکم جنوری 1815 کو ختم ہو گئی تھیں۔

[1] ہیرالڈ، ای۔ رینیس (سابقہ حوالہ)۔

بھی پھیل گیا[1] زندگی بیمہ کمپنیاں اب صرف عارضی 'لاڈابیل سوسائٹیاں' ہی نہیں تھیں بلکہ اب انھیں باقاعدہ کاروباری اور کامرشیل بُنیادوں پر قایم کیا گیا تھا، جن میں اجتماعی شکل تو ضرور موجود تھی لیکن انھیں قانونی مراعات اور حقوق حاصل نہ تھے۔ ان میں سب سے پہلی 'اورینٹل لائف انشورنس کمپنی' تھی جو کلکتے میں 1822 میں قایم ہوئی تھی[2] اسے خاص طور پر یورپی افراد نے خود یورپی افراد کی زندگیوں کے بیمے کے لیے قایم کیا تھا۔ 1834 میں 'نیو اورینٹل انشورنس کمپنی' کے نام سے اس کی جدید اور نئے سرے سے تشکیل کی گئی، اور موتی لال سیل کے اثر سے اس نے ہندوستانی زندگیوں کے بیمے بھی قبول کرنا شروع کر دیے بنگال میں بیمے کے کاروبار کی ترقی اور فروغ کے سلسلے میں دوارکا ناتھ ٹیگور، رام تانو، لاہیری اور رستم جی کواس جی کے ناموں کا ذکر بھی اہم ہے۔ 1850 تک کم سے کم گیارہ دوسری کمپنیاں اس میدان میں کام کر رہی تھیں، لیکن ان میں سے صرف چھ کمپنیاں ہندوستانی بُنیادوں کی حامل تھیں[3]

---

[1] مارِس نے لکھا ہے کہ 1851 تک 25 بیمہ کمپنیاں موجود تھیں جو بمبئی میں کاروبار چلا رہی تھیں۔ لیکن اس نے ان کی کوئی تفصیل نہیں بتلائی۔ ملاحظہ ہو ایم۔ ڈی۔ مارِس۔ ہندوستان میں صنعتی مزدور طاقت کا ظہور' [دی ایمرجنس آف این انڈین لیبر فورس] 1854 تا 1947، صفحہ 15۔

[2] اس کمپنی کے قیام کی تاریخ کا حساب 'نیو اورینٹل کمپنی' کی طرف سے حکومت کو پیش کیے جانے والے ایک میمورنڈم سے لگایا جاسکتا ہے، جس پر 30/جنوری 1850 کی تاریخ پڑی ہوئی تھی، اور جس میں بیان کیا گیا تھا کہ "گذشتہ 28 سال کے دوران جو 'نیو اورینٹل لائف انشورنس کمپنی' کے قیام کے بعد سے اب تک گذرے ہیں ..."، 'لیجسلیٹیو پروسیڈنگس آف انڈیا' 27/دسمبر 1850۔ لیکن این۔ آر سرکار کے مطابق 'اورینٹل' کا قیام 1818 میں عمل میں آیا تھا اور اس کی تنظیم نو 'نیو اورینٹل' کی شکل میں 1834 میں ہوئی تھی۔ آر۔ ایم۔ رے کی 'ہندوستان میں زندگی بیمہ' [لائف انشورنس اِن انڈیا]، 1941 میں اقتباس

[3]

ہندوستان میں قایم شدہ کمپنیاں	سنہ	مقام
۱۔ بامبے لائف انشورنس کمپنی	1823	بمبئی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کمپنی کی ترقی کی اگلی منزل میں کلکتہ 'ایجنسی ہاؤسوں' کا خاتمہ ایک اہم واقعہ نظر آتا ہے جو انگلینڈ میں رونما ہونے والے 1829 کے کاروباری بحران کے بعد عمل میں آیا تھا۔ ہندوستان میں یورپی آبادی اپنی بچتوں کو انہی 'ایجنسی ہاؤسوں' کے پاس جمع کراتی تھی۔ ان ہاؤسوں کی ناکامی کے بعد یورپی لوگ قدرتی طور پر بینک کار کمپنیوں کی نشو ونما اور فروغ کے خواہشمند تھے، تاکہ بینک کاری اور کاروباری عملوں کو علیحدہ علیحدہ کیا جاسکے چنانچہ اس سال کے بعد سے ہندوستان میں بینک کار کمپنیوں میں متواتر ترقی نظر آئی جسے اگر بہت حیرت ناک یا عظیم الشان نہ بھی کہا جائے تب بھی یہ کسی طرح معمولی ترقی نہیں تھی۔ اس طرح 1829 اور 1850 کے درمیانی عرصے میں چودہ نئی بینک کار کمپنیاں قایم ہوئیں۔ ان میں سے 'یونین بینک، کلکتہ، اور 'بنارس بینک' بہرحال 1848 میں ناکام ہوگئے۔ ان کے علاوہ بھی ہندوستان کے باہر کچھ اور کمپنیاں قایم کی گئیں جن کا اہم مقصد ہندوستانی

(صہ 40 سے آگے)

2۔ 'مدراس ایکوٹ ایبل'	1829	مدراس
3۔ 'مدراس وڈوز'	1834	مدراس
4۔ 'کرسچیس میوچول'	1847	پنجاب
5۔ 'ٹینے ویلی ڈائیوسیسن کاؤنسل وڈوز فنڈ'	1849	مدراس

یورپ میں قایم شدہ کمپنیاں

1۔ 'البرٹ لائف انشورنس کمپنی'
2۔ 'یورپین لائف انشورنس کمپنی'
3۔ 'یونیورسل لائف انشورنس کمپنی'
4۔ 'کولونیل لائف انشورنس کمپنی'
5۔ 'رایل انشورنس کمپنی'

آر۔ ایم۔ رے، (متفرق)

بازاروں میں کام کرنا تھا[1]

1820 میں دخانی جہازوں کی ترقی کے نتیجے میں سواریوں، تجارتی سامان اور ڈاک کی آمدورفت میں بردست اضافے کے نئے امکانات پیدا ہوئے تھے اس کے ساتھ کمپنی کی ترقی کا نیا دور شروع ہوا۔ اس کے نتیجے میں بہت سی جہاز رانی، گودی، کشتیاں کھینچنے والی (ٹگ بوٹ) اور گودام کمپنیاں تیسری دہائی میں قایم کی گئیں[2] جہازوں کے لیے کوئلے کی مانگ میں ایک دم اضافے کے نتیجے میں رانی گنج، مرزاپور اور سلہٹ کے علاقوں میں کوئلہ نکالنے کی کچھ کمپنیاں بھی قایم کی گئیں[3]

ہندوستان کے زیادہ تر علاقوں سے سیاسی بے استقلالی کی کیفیات ختم ہوئیں اور سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کے نتیجے میں براہ راست ترقی کی راہیں کھلیں[4] 1833 میں تجارتی میدان میں 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے اجارے کے خاتمے سے معاشی کاروبار میں کچھ اور تیزی آنے کا موقع پیدا ہوا۔ اس کا اثر خاص طور سے چائے باغات پر بہت ہوا۔ اس دور میں بہت سی کمپنیاں قایم کی گئیں جن کا مقصد نیل کی تجارت، سوتی کپڑا ہل، لوہے اور اسٹیل کی صنعت، اور کافی اور چائے کی کھیتی کے کاروبار شروع کرنا تھا[5] لیکن ان رہنمایانہ کوششوں میں سے زیادہ تر بہت تھوڑے عرصے زندہ رہ سکیں حقیقت یہ ہے کہ

---

[1] 1829-50 کے درمیان قایم ہونے والے بینکوں کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 3 -

[2] 1850 تک قایم ہونے والی کمپنیوں کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 4 -

[3] 1850 تک قایم ہونے والی کمپنیوں کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 4 -

[4] 1818 میں مراٹھا سلطنت کی شکست کے بعد لگ بھگ پورے مغربی ہندوستان پر برطانوی تسلط قایم ہو گیا تھا جس نے کاروبار کی ترقی کے لیے براہ راست مواقع فراہم کیے۔ ملاحظہ ہو کینتھ بال ہیچٹ کی مغربی ہندوستان میں سوشل پالیسی اور سماجی تبدیلی [سوشل پالیسی اینڈ سوشل چینج ان ویسٹرن انڈیا] 1817 تا 1830، مطبوعہ 1957۔ 1830 میں بھورے گھاٹ کے کھلنے سے ۔ جو مغربی گھاٹ کے علاقے سے گذرنے والی پہلی بڑی سڑک تھی تجارت کو اور بڑھاوا ملا۔ ملاحظہ ہو مارس، 'مزدور طاقت کا ظہور' [دی ایمرجینس آف اے لیبر فورس]، صفحہ 14 -

[5] ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 5 -

ابھی تک وہ حالات پوری طرح سازگار نہیں ہوئے تھے جن میں کامیابی کے ساتھ کوئی صنعتی ادارہ قایم کیا اور چلایا جا سکے۔

جہاں تک روئی کا سوال تھا، اس سلسلے میں ایک روایتی خیال یہ رہا ہے کہ انگلینڈ میں ہندوستانی کپڑے کے استعمال کے خلاف امتناعی قوانین اور ہندوستانی مال کو مہنگا کرنے کے لیے جو طریقے وضع کیے گئے[1] نیز لنکا شائر کی طرف سے برآمد کیے جانے والے کپڑے کے ڈھیر اور ہندوستان مخالف محاصل کا ایک مہلک نظام[2]، ان تمام چیزوں نے ہندوستان کی ایک ایسی صنعت کا گلا گھونٹ دیا جس کا وجود خود اپنے مقابل کے وجود کے لیے خطرات پیدا کر سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ان اقدامات نے ہندوستان کی طرف سے کی جانے والی کپڑے کی صنعت کی برآمدات کو کافی نقصان پہنچایا لیکن اور دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ اس زمانے میں آمد و رفت اور رسل و رسائل کی دشواریوں نے ہندوستان کے چھوٹے شہروں اور اندرونی حصوں پر لنکا شائر کے اثرات کو بہت ہی محدود رکھا ہوگا[3]

---

[1] این۔ سی۔ سنہا کی کتاب میں ٹکرجی، صفحات 6۔5

[2] براؤن، صفحہ 5۔

[3] ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کپڑے کی صنعت کو سب سے زیادہ نقصان 1813 اور 1833 کے درمیانی عرصے میں پہنچا تھا، اور اس کے نتیجے میں بے روزگاری کی شکل میں جو تکلیفیں نظر آئیں وہ سب سے زیادہ سخت انیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں تھیں۔ ملاحظہ ہو ایچ۔ آر۔ گھوشال 'انیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں بنگال پریسیڈنسی میں صنعتی پیداوار کی تنظیم میں تبدیلیاں' [چینجز ان دی آرگنائزیشن آف انڈسٹریل پروڈکشن ان دی بنگال پریسیڈنسی ان دی ارلی نائنٹینتھ سنچری]، مرتبہ گنگولی، صفحات 33- 124۔ اس سلسلے میں مباحثے کی رپورٹ، بھی ملاحظہ ہو۔ ایضاً، صفحات 53-152۔ یہ بات بھی سوچی جا سکتی ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی، برطانوی صنعت کاروں کو ہندوستان میں داخل ہونے سے روک سکتی تھی لیکن غالباً کوئی شخص سنجیدگی کے ساتھ اس خیال کا اظہار نہ کرے گا کہ یہ ایک حقیقی اور عملی سیاست کا حصہ تھا۔ برطانیہ سے یقیناً اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ہندوستان سے درآمدات

بقیہ اگلے صفحہ پر

ہندوستانی ہتھ کرگھے کی صنعت کی پریشانیاں بمبئی میں روئی ملوں کے عروج اور رسل و رسائل میں بہتری پیدا ہونے کے نتیجے میں شاید سب سے زیادہ بڑھیں۔

شکرسازی کی صنعت کی صورت کچھ مختلف تھی۔ یورپی ایجنسی ہاؤسوں نے گنے کی کاشت اور شکر کی صنعت میں 1820 کی دہائی سے دلچسپی لینا شروع کر دی تھی لیکن "یہ بھی کہا جاتا تھا کہ 'ویسٹ انڈین' مفادات 90 پارلیمانی ممبروں کو جیب میں رکھتے ہوئے، اس حیثیت میں ضرور تھے کہ امتناعی محصولوں کے ذریعے ہندوستانی پیداوار کو داخل ہونے سے روکے رہیں[1]"

(صفحہ 43 سے آگے)

مستقل طور پر جاری رکھتا۔ ہتھ کرگھے کی صنعت کو بہرطور پر نقصان اٹھانا تھا، اگر یہ نقصان برطانیہ کے ہاتھوں نہ بھی ہوتا تو بمبئی کے ملوں کے ہاتھوں پہنچنا یقینی تھا۔ اس صنعت کا ڈھانچہ تبدیل ہونا تھا لیکن یہ ممکن تھا کہ اس ردو بدل کے وقفے کو مصنوعی طور پر کچھ بڑھا دیا جاتا بنکاشائر کے ابتدائی اثرات کے بعد ہتھ کرگھے کی صنعت کو خود ہندوستانی ملوں سے مقابلے کے ایک مستقل خطرے میں زندہ رہنا تھا۔ یہ ایک ایسا مقابلہ تھا جو قوتِ پیداوار، پیداواری گنجائش اور رسل و رسائل میں اضافے کے ساتھ مستقل سخت سے سخت تر ہوتا چلا جاتا۔ اس کے باوجود بھی ہتھ کرگھے کی صنعت بڑے پیمانے پر زندہ رہی۔ اس کی وضاحت کے سلسلے میں لاگت میں اس کٹوتی کا خیال رکھنا ضروری ہے جو ملوں سے پیدا شدہ دھاگے کے استعمال سے حاصل ہوئی اور ساتھ ہی ہندوستانی پسند کو بھی اس میں دخل تھا مثال کے طور پر ہتھ کرگھے کی ساڑیوں، تولیوں اور کچھ اقسام کے ریشمی کپڑے کے لیے ہندوستانی پسند۔ آبادی میں اضافہ اور مندرجہ بالا وجوہات، اگر دوسرے تمام عناصر کو ساکت مان لیا جائے، تو ان کا اثر یہ ہوگا کہ مانگ کا قوس دائیں طرف اور ساتھ ہی ساتھ مانگ کی لکیر کے ساتھ ساتھ نیچے کی طرف بڑھے گا۔ ہتھ کرگھے کی صنعت کو آمدنی میں اضافے کے ساتھ سب سے بڑا خطرہ شاید نائلون اور ایسی دوسری مصنوعات سے لاحق ہوگا۔ لیکن یہ بات خارج از بحث ہے۔ مارس بھی ملاحظہ ہو: جرنل آف اکونومک ہسٹری'

[1] براؤن، صفحہ 5۔ اس کے باوجود 1846 تک انگلینڈ کو کی جانے والی شکر کی برآمدات کا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس کے ساتھ ہی 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے سامنے وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہنے والے کچھ خدشات ـــــ مثلاً "ہندوستانی صنعت کاروں کی تباہی کا لازمی نتیجہ انگلینڈ کو بھیجی جانے والی رقموں ... اور حکومت کی وصولیابی کے نقصان کی شکل میں ظاہر ہوگا[1]" اس عمل میں مزاحم تھے کہ دقیانوسی قسم کے صنعتی اداروں کو فوری طور پر بدل ڈالا جائے اور اس طرح "دیسی صنعتوں کے مکمل خاتمے اور نئے کارخانوں اور بڑے پیمانے کے معاشی اداروں ایک پختہ وسیلے اور کڑی ...[2]" کی خدمات انجام دی جائیں۔

اس کے علاوہ "حکومتِ برطانیہ" انگلینڈ سے کاریگروں کے باہر جانے اور مشینوں کی برآمدات (درآمدات) کو ممنوع قرار دے کر ہنر، معلومات اور صنعتی مستعدی میں ایک برتری برقرار رکھنا چاہتی تھی[3]۔ یورپ کے دوسرے ممالک کی انگلینڈ سے جغرافیائی قربت اسے یورپ میں اس مقصد کے حصول میں ناکام کر رہی تھی[4] اب یہ قواعد ہندوستان پر بھی عائد ہوتے تھے یا نہیں[5]

(صفحہ 44 سے آگے)

اوسط 60,000 ٹن سالانہ تھا لیکن اس کے بعد 'عدم مداخلت معیشت' [ha.ssege Fava] کی پالیسی کے تحت شکر کی صنعت کو نقصان پہنچا اور ہندوستان شکر درآمد کرنے والا ملک ہوگیا جو زیادہ تر جاوا اور ماریشس سے درآمد کی جاتی تھی' سُنیت کمار سین، ہندوستان میں معاشی پالیسی اور ترقی کا مطالعہ' 1848 تا 1926' [اسٹڈیز ان اکونومک ڈیولپمنٹ ان انڈیا]، 1966، صفحات 72-71 ۔ نیز مرتبہ گنگولی اڈیشن، صفحات 3-152 بھی ملاحظہ ہو۔

[1] این۔سی۔ سنہا کی کتاب میں مکرجی، صفحہ 5 ، دیباچہ۔

[2] جی۔ای۔ ہبارڈ، 'مشرق میں صنعتی ترقی اور مغرب پر اس کے اثرات' [ایسٹرن انڈسٹریلائیزیشن اینڈ اِٹس ایفیکٹس آن دی ویسٹ]، 1938، صفحہ 251 ۔

[3] سی۔کے۔ ہابسن، 'سرمایے کی برآمد' [دی ایکسپورٹ آف کیپیٹل]۔ اس سلسلے میں پہلا قانون 1774 میں پاس کیا گیا لیکن 1825 میں مشینوں کی برآمدات میں کسی قدر ڈھیل دی گئی اور 1843 میں اسے پوری طرح کھول دیا گیا۔ ایل۔سی۔اے۔ نولیس کی 'انیسویں صدی کے دوران برطانیہ عظمیٰ میں صنعتی اور کامرشیل انقلاب [انڈسٹریل اینڈ کامرشیل ریوولیوشن اِن گریٹ بریٹین ڈیورنگ نائنٹینتھ سنچری]، مطبوعہ 1937، صفحہ 129

[4] ایضاً، صفحہ 107 ۔

[5] 1774 کے ایکٹ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عائد ہوتے تھے۔

اس کو یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن وہ فاصلہ جو ہندوستان کو نئی صنعتی معلومات کے اس مرکز سے دور کیے ہوئے تھا، اور اس کے ساتھ مذہبی توہمات اور دوسرے سماجی تعصبات جن میں یہاں کے عوام مبتلا تھے، یہ سب چیزیں صنعت کی نئی تکنیک کے حصول کی راہ میں کافی حد تک مزاحم تھیں۔ پھر ہندوستانی حکومت نے، جاپان کے مقابلے میں، ایک ایسی پالیسی اپنائی جس کے تحت تکنیکی تعلیم کے حصول کے لیے طالب علموں کو باہر نہیں بھیجا جاتا تھا[1] جہاں تک ملک کے اندر ذرائع آمد و رفت کی دشواریوں کا سوال ہے، ان مقامات پر جہاں ان کی وجہ سے رکاوٹ نہیں بھی پیدا ہوئی وہاں خام مال کا حصول، ایندھن، مشینوں اور ان کے فاضل پرزوں کی فراہمی بہت مہنگی پڑتی تھی اور ان کی فراہمی میں بہت وقت لگتا تھا[2] اس کے علاوہ ایک سب سے اہم بات یہ تھی کہ کمپنی کے تصور کی صحیح صحیح اہمیت کو 1830 تک بھی پوری طرح محسوس نہیں کیا جا سکا تھا۔ تعلیم یافتہ حلقے میں بھی سرمایے کی بڑی بڑی رقموں کو حصوں کے ذریعے حاصل کرنا ایک ایسی برائی سمجھا جاتا تھا جس سے مفر ممکن نہیں تھا[3]

---

[1] ہبارڈ، صفحہ 250۔

[2] "ریلوے دور سے پہلے بھی ہندوستان میں جدید صنعتوں کو قایم کرنے کی متعدد کوششیں کی گئی تھیں، (جیسے روئی مل اور لوہے کے کارخانے) لیکن یہ تمام کوششیں صرف ذرائع آمد و رفت کی آسانیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ناکام ہو گئی تھیں ..." "ہندوستان کی معاشی ترقی" [دی اکونومک ڈیولپمنٹ آف انڈیا] مطبوعہ 1929، صفحات 9-128 اور ڈی۔ایچ۔ بکانن، صفحات 9-128 اچھے اور مستعد قسم کے ذرائع آمد و رفت کی کمی یقیناً ایک بہت سخت دشواری اور رکاوٹ تھی لیکن 1820 سے 1850 کے درمیانی عرصے میں صنعتی اداروں کی ناکامی کا اہم ترین سبب یہ نہیں تھا۔ کچھ اور بھی دوسری وجوہات تھیں جن میں کمزور تنظیم، خراب مینجمینٹ، اور ان کارخانوں کا خراب اور نامناسب وقوع وغیرہ بھی اہم اسباب کہے جا سکتے ہیں۔ تھے۔

[3] دخانی جہازوں کے ذریعے انگلینڈ سے رابطہ قایم کرنے کے موضوع پر مندرجہ ذیل رائے اس سلسلے میں بڑی خوبی سے روشنی ڈالتی ہے: "ایک دخانی (جہاز) کمپنی، جس کا اجتماعی سرمایہ حصوں کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

انیسویں صدی کے درمیانی عرصے میں کمپنی کی ترقی کی آخری منزل نظر آتی ہے جس نے ملک کو کمپنی کی نشو و نما کے سلسلے میں ایک ایسا دور بخشا جس کی مثال اس سے پہلے نظر نہیں آئی تھی۔ اس وقت تک انگلینڈ کا معاشی ماحول بھی کچھ اس طرح بدل چکا تھا کہ یہ سرمایے کے اجتماع کے لیے بہت سازگار تھا[1]۔ یہ تازہ معاشی ماحول اور اس کے ساتھ بڑھتے ہوئے معاوضے[2] اور امریکہ سے روئی کی رسد کی نازک صورتِ حال[3]، ان تمام حالات نے برطانوی سرمایہ کاروں

(صفحہ 46 سے آگے)

ذریعے، مناسب منافع حاصل کرنے کے واحد مقصد کے تحت جمع کیا گیا ہو، اور جس کے پاس معقول ڈائرکٹر اور اچھے کارکن بھی موجود ہوں ایک بہت مختلف کارگذاری کا نمونہ پیش کرے گی۔ اور اگر کسی تجارتی کمپنی کے پاس اتنے کافی ذرائع موجود ہوں کہ وہ یہ تمام سرمایہ خود ہی فراہم کرلے تو شاید وہ اس کاروبار کا انتظام اور بھی بہتر طور پر چلا سکتی ہے۔" 'فرینڈ آف انڈیا'، 21 رمئی 1883 کا اداریہ۔

[1] سرمایہ بہت تیزی سے جمع ہو رہا تھا اور اجتماعی سرمایہ ادارے اب یورپ سے باہر نگاہیں ڈال رہے تھے۔ اس طرح اس صدی کے تیسرے چوتھائی حصے میں بڑی مقداروں میں سرمایے نے مشرق کی طرف بڑھنا شروع کیا اور آخر کار ہندوستان کو جدید صنعتی دور بخش دیا۔" این۔ بی۔ سنہا، صفحہ 10۔

[2] "... انیسویں صدی میں ٹریڈ یونین کی تنظیم اور برطانوی مزدوروں میں بڑھتا ہوا اتفاق و اتحاد، پٹ سن کے صنعت کاروں کو اچھے معاوضوں اور نسبتاً نرم رویے اور بہتر حالات کی مانگوں کے سامنے جھک جانے پر مجبور کر رہا تھا۔ یہ لوگ (برطانوی صنعت کار) محسوس کر رہے تھے کہ سرمایے کو ہندوستان کی طرف منتقل کر کے اور یہاں پٹ سن مل قایم کر کے، تقریباً نہ دینے کے برابر اجرت کی تقسیم کے بعد ہندوستان کے ان مزدوروں کو حاصل کر سکیں گے جو کبھی کسان تھے لیکن اب بالکل محتاج ہیں، اور اس طرح ان کی شرحِ استحصال میں اضافہ ہوگا..." بیوچامپ (Beu champ)، صفحہ 44۔

[3] "1845 میں نظر آنے والے جنون نے لندن میں تقریباً ایک درجن کمپنیاں ایسی پیدا کر دیں جنھوں نے ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر کی پیش کش کی۔" لیکن "اس ہیجان کو صرف دو کمپنیاں ہی جھیل سکیں۔" "ایک 'ایسٹ انڈیا ریلوے کمپنی' تھی جسے میکڈانلڈ اسٹیفنسن نے قایم کیا تھا، جو غالباً سب سے پہلا وہ شخص تھا جس نے ہندوستان کے لیے ریلوے کا منصوبہ بنایا تھا۔ 'کو کرل اینڈ کمپنی'

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کی توجہ ہندوستان کی طرف مبذول کردی اور انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے آخری حصے میں متعدد ریل کمپنیوں کا اجرا عمل میں آیا تاکہ بردوان کے کوئلہ پیدا کرنے والے اضلاع اور ناگپور کی روئی پیدا کرنے والی پٹی کو بالترتیب کلکتہ اور بمبئی کی بندرگاہوں سے ریل کے ذریعے جوڑ دیا جائے۔ ہندوستان میں ریلوے لائنیں بچھانے کے کام نے بہت سے جانے اور انجانے نتائج پیدا کیے[1] بہرطور اس نے خاص طور پر سرمایہ دارانہ کاروبار کی بنیاد ضرور رکھ دی۔

لیکن انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں کمپنیوں کی ترقی بہت حد تک اپنے پیش رفتہ ہراول دستے ـــ 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے سول اور فوجی کارکن، یورپی 'ایجنسی ہاؤسوں' اور ہندوستان کے تجارت پیشہ زمرے ـــ کی مرہونِ منت ہے۔ خاص طور پر 1850 میں پہلے کمپنی ایکٹ کے پاس ہوجانے سے، کمپنیوں کی طرف سے اور خود ان

(صہ 47 سے آگے)

[Cockerell + Co.]؛ فلیپر الیکز نیڈر اینڈ کمپنی'، کرافورڈ کالون اینڈ کمپنی'، پامیر میکی لوپ اینڈ ڈینٹ' اور عظیم ایسٹ انڈیا ہاؤسز کے دوسرے شرکار' نیز جہازوں کے ذریعے تجارتی مفادات کی وجہ سے نئی' P & O '(پیننسلر اینڈ اورینٹل کمپنی) جو صرف ہندوستانی تجارت کو ہی بڑھانے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی بلکہ بردوان کی کوئلہ کانوں تک رسائی کی بھی خواہش مند تھی، یہ تمام کمپنیاں اشٹیفنسن کی پشت پر تھیں۔ دوسری ریلوے کمپنی 'گریٹ انڈین پیننسلر' ایک ایسی لائن کا منصوبہ ذہن میں لیے بیٹھی تھی جس کے ذریعے بمبئی کو روئی کی زبردست پیداکرنے والے ضلعوں سے ملایا جاسکے۔ اسے بمبئی اور لیورپول سے حمایت ملی اور لنکا شائر کے مل مالکوں نے اس کے مقصد کو اپنا مقصد بناکر پیش کیا۔ 1846 کے روئی کے قحط نے یونائیٹڈ اسٹیٹس (امریکہ) پر لنکا شائر کے مکمل انحصار کو پوری طرح واضح کردیا تھا اور 48-1847 کے پارلیمانی اجلاس کے دوران ایک پارلیمانی کمیٹی نے، جس کے سربراہ جان برائٹ تھے، ہندوستان میں روئی کی کاشت کی چھان بین کی اور اس بات کا اقرار کیا کہ اس سلسلے میں سخت ترین دقت ذرائع آمدورفت کا ناکافی ہونا ہے۔' ایل ایچ جینکس، 1875 تک برطانوی سرمایے کی ہجرت [دی مائیگریشن آف برٹش کیپٹل ٹو 1875] مطبوعہ 1927، صفحات 11-210۔

[1] ڈی ایچ بکانن، صفحہ 181۔ یہ بھی دلیل دی جاتی ہے کہ برطانیہ کے لوگ ہندوستان میں ریلوے کی نشوونما کے سیاسی نتائج کو پہلے سے سمجھ لینے میں ناکام رہے۔ ملاحظہ ہو: یوجا لپ، صفحہ 42۔

پر مقدمہ چلائے جانے کی اجازت دے کر، وہ سب سے بڑی رُکاوٹ بھی ہٹ گئی جو اِن کی ترقی اور نشو ونما میں حائل تھی "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے کارکُن "ایجنسی ہاؤسوں" اور ہندوستانی تاجروں نے، کمپنیوں کو شروع کرنے اور انھیں سرمایہ فراہم کرنے میں جو حصہ لیا، نیز 1850 تک کے دور میں کمپنیوں کے سامنے جو قانونی مسائل پیدا ہوئے، اُن پر اگلے دو بابوں میں بحث کی گئی ہے۔

دوسرا باب

1850 تک کمپنیوں کی ابتدا اور ان کی مالیات

اٹھارھویں صدی کے درمیانی عرصے تک ہندوستانی تاجر زیادہ تر ملک کی وسیع داخلی تجارت میں ہی سرمایہ لگاتے تھے[2] یہ تاجر عام طور پر کافی خوشحال تھے اور یورپین کمپنیوں کے لیے خریدی جانے والی اشیاء کی دلالی، اور خاص طور پر برطانوی 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کی سرمایہ کاریوں اور اس کے کارکنوں کی نجی تجارت میں کافی اہم جگہ کے مالک تھے لیکن 'کمپنی' کی سرمایہ کاری کی پالیسی میں تبدیلی اور 1750 کے بعد کے کچھ سالوں میں ملک کی سیاسی طاقت پر ان کے حقیقی تسلط نے ملک کی داخلی تجارت کے ڈھانچے میں ایک انقلاب سا پیدا کر دیا[3] 1757 کے بعد سے ہندوستانی دلالوں کی اہمیت میں آہستہ آہستہ کچھ کمی پیدا ہونی شروع ہوئی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے کی جانے والی خرید کے سلسلے میں 'کمپنی' کے ملازمین ان پر سبقت لیتے چلے

---

[1] یہ باب صفحات 39 تا 73 میرے ایک مضمون مطبوعہ 'انڈین جرنل آف اکونومکس' سے اجازت کے بعد اس کتاب کے لیے اپنایا گیا ہے۔ جلد XLVI، نمبر 183، اپریل 1966، صفحات 86-477۔

[2] این۔ سی۔ سنہا کی کتاب میں مکرجی، صفحہ IV میں کہا گیا ہے کہ یہ تاجر دستکاریوں کی صنعت پر بھی سرمایہ لگاتے تھے، میرے خیال میں ان کا مطلب ان رقموں کی ادائیگی سے ہے جو وہ اشیاء کی رسد حاصل کرنے کے لیے دستکاروں کو پیشگی کے طور پر دیتے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ پیشگی ادائیگی کو سرمایہ کاری کا نام دینا غلط ہے چونکہ ان دستکار اداروں کے نفع یا نقصان میں ان سرمایہ کاروں کا کوئی جوکھم نہیں ہوتا تھا۔

[3] این۔ کے۔ سنہا، صفحات 21، 23 تا 24۔

گئے[7] کمپنی کے ملازمین کو ذاتی طور پر بھی تجارت کرنے کی اجازت تھی لیکن بڑے پیمانے پر بدعنوانیوں کے نتیجے میں 'کمپنی' نے اس رعایت کو کچھ عرصے بعد واپس لے لیا[8] ان تبدیلیوں سے جس زمرے کو سب سے زیادہ فائدہ ہوا وہ وہی 'آزاد تاجر' تھے جنھوں نے اس کے فوراً بعد مشہور و معروف ایجنسی ہاؤس قایم کیے۔ اس دوران ملک کی زراعتی کیفیات بھی کافی حد تک غیر یقینی سی رہی تھیں، جس کے نتیجے میں انسانی ذرائع اور سرمایہ کا پورا پورا استعمال نہیں ہو رہا تھا۔ 1890 کی دہائی سے شروع ہو کر تقریباً نصف صدی بعد تک برطانوی حکومت نے زمین کی ملکیت، مالگذاری، تعلیم اور ملک کے قانونی نظام میں کافی دور رس تبدیلیوں کی ابتدا کی جس کے اثر سے زمین پر سرمایہ کاری اور دوسری طرف 'سول سروس' کی ملازمتوں میں کافی دلچسپی بڑھ گئی۔ اس طرح زمین کی ملکیت کی طرف جو سرمایہ بڑھا اس کے متعلق یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے جدید معاشی اداروں کی نشوونما پر خراب اثر ڈالا[9]

---

[7] این۔ کے سنہا۔

[8] ایضاً، صفحہ 90۔ ملک میں 'کمپنی' کے ملازمین کی طرف سے کی جانے والی رعایت یافتہ داخلی تجارت مختلف شکلوں میں 1757 سے 1767 تک چلی اور 1771 تک یہ کسی حد تک باقی رہی۔

[9] این۔ سی۔ سنہا کی کتاب میں مکرجی، صفحہ VII۔ این۔ سی۔ سنہا صفحات 31-30، 37-36۔ ترپاٹھی صفحہ 223 اور ایس۔ کے سین 'معاشی پالیسی' [اکونومک پالیسی]، صفحات 59-58، اس سلسلے میں رائیں مختلف ہیں کہ آیا کارنوالس شعوری طور پر صنعتی ترقی میں دلچسپی کم کرنا چاہتا تھا یا اس کے قول میں سنجیدگی سے یہ امید موجود تھی کہ زمین کی طرف تازہ سرمایہ بڑھنے سے ملک کی زراعت کو فائدہ پہنچے گا۔ "اس توقع کی کافی گنجائش موجود ہے کہ بہت سی دیسی افراد کی ملکیت میں کافی مقدار میں جو سرمایہ موجود ہے... جیسے ہی حقوقِ ملکیت کے تحفظ کا اعلان کیا جائے گا وہ زمینی جائداد کی خرید کی طرف منتقل ہو جائے گا۔" (ترپاٹھی کی کتاب میں صفحہ 18 پر اقتباس) بہرحال اس سلسلے میں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے تبدیلی بہت سست رہی۔ اس سلسلے میں بندوبست کو پختہ ہونے میں کم سے کم نصف صدی کا عرصہ لگ گیا اور اس حصے میں تو جسے آج کل بہار کہا جاتا ہے عارضی بندوبست 1860 تک باقی رہا۔ مرتبہ گنگولی میں مباحثے پر رپورٹ، مرتبہ گنگولی میں ہی رائے چودھری۔ ہندوستان کے کچھ بڑے حصوں پر تو حکومتِ برطانیہ کا شروع کردہ مالگذاری نظام کبھی بھی اثر انداز نہ ہو سکا۔

عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ جدید معاشی اداروں کی نشو و نما میں ہندوستانیوں کا حصہ امید شکن حد تک کم رہا ہے۔ اگر محض واجبی معیاروں سے ہی اسے ناپا جائے تو یہ بات صحیح بھی ہو سکتی ہے، لیکن اس کمی کو مندرجہ بالا کیفیات کی روشنی میں بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن دوسری طرف اگر ان کی شمولیت کو اس مجموعی حصول کے مقابلے میں رکھ کر دیکھا جائے جو اس دور میں اجتماعی میدان میں حاصل ہوا تھا، تو ان کا حصہ کسی طرح کم بھی نظر نہیں آتا۔ بہر حال اس میں بیمے کا میدان ضرور مستثنیٰ تھا، جو اس دور میں پوری طرح یورپی ہاتھوں میں مرکوز تھا۔ ہندوستانیوں کا سب سے بڑا حصہ بینک کار کمپنیوں کے شروع کرنے میں تھا۔ اس دور میں اہم حیثیت رکھنے والی کوئی کمپنی ایسی نہیں تھی جس کا وجود کسی نہ کسی حد تک ہندوستانیوں کے سرمایے کا مرہونِ احسان نہ ہو۔[1] ان کی سرمایہ کاری کی ایک ممتاز مثال 'بنگال چائے ایسوسی ایشن' ہے۔ 1839 میں

---

[1] بینک	شروع کرنے والے اور / یا ڈائرکٹر	
1۔ 'بینک آف بنگال'	مہاراج سوکمائے	صفحہ 96*
2۔ 'اورینٹل بینک'	دادابھائی رستم جی+	
	جگون ناتھ سنکر سیٹھ	
3۔ 'یونین بینک'	ڈی ٹیگور	
	پرسونو کمار ٹیگور	صفحہ 187
	پرمو تھو ڈے	
4۔ 'دی دہلی بینک کارپوریشن'	لالہ چنی مل (ٹرسٹی)	صفحہ 234
5۔ 'ڈھاکہ بینک'	خواجہ علیم الدین	صفحہ 234
	بابو نند لال دت	
	قاضی عبد الغنی	

* صفحوں کے حوالے کوکے کی کتاب سے تعلق رکھتے ہیں۔

+ ہندوستان کی لیجسلیٹو پروسیڈنگس کا حوالہ۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

لندن میں قایم شدہ 'آسام کمپنی' ہندوستان کی چائے کی پیداوار کے سلسلے میں پہلی کمپنی نہیں تھی۔ اس موقع پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ 'بنگال چائے ایسوسی ایشن' کے قیام کی تحریک 'ٹیگور اینڈ کمپنی' کلکتہ کے دفتر سے ہی ہوئی تھی، جو 'کلکتہ اسٹیم ٹگ* ایسوسی ایشن' کے سکریٹریوں کے فرائض انجام دیتی تھی اور یہ کمپنی 'انڈیا جنرل اسٹیم نیویگیشن کمپنی' کے قیام میں شریک رہی تھی [1] لیکن اس

(صفحہ 52 سے آگے)

6. 'بنارس بینک' — بابو بہوری چند، لالہ سمبھو ناتھ — صفحہ 237

[اس بینک کے ساجھے داروں کے ایک اہم جلسے میں 23 میں سے 15 ساجھے دار ہندوستانی تھے]

7. 'آگرہ سیونگز فنڈ' — پرتاب روت — صفحہ 334

8. 'کامرشیل بینک آف انڈیا' — بیرام جی، جی۔ جی بھائی؛ سوراب جی، جی۔ جی بھائی؛ یسم جی مانک جی؛ منگل داس ناتھ بھائی

[اس کے شروع کرنے والوں میں چار پارسی نام اور بھی تھے۔ اس کے آڈیٹر بھی پارسی ہی تھے۔ سوراب جی بیسٹون جی فرام جی صفحات 330، 335۔]

9. 'چارٹرڈ مرکنٹائل بینک آف انڈیا لندن اور چین'۔ دیگر اشخاص کے علاوہ اس کے ابھارنے والوں میں مندرجہ ذیل نام بھی تھے۔

جوگون ناتھ سنکر سیٹھ
کواس جی جہانگیر ہیرجی
منگل داس ناتھو بھائی
کواس جی نانا بھائی

[1] بنگال چائے ایسوایشن کے شروع کرنے والوں میں مندرجہ ذیل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

* وہ دخانی کشتیاں جو سمندر میں دوسری کشتیوں کو کھینچنے میں استعمال کی جاتی ہیں [مترجم]

ترقی میں ہندوستانیوں کی شرکت پورے ملک میں کسی طرح یکساں نہیں کہی جاسکتی کیونکہ مختلف حصوں میں اس سلسلے میں کافی فرق نظر آتا ہے[1]

اس وقت ہندوستان میں موجود یورپی افراد کی ایک بڑی اکثریت ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارکنوں کی تھی، چونکہ اعداد و شمار کے مطابق ہندوستان کے ساحل پر اترنے والے ہر ایک 'آزاد تاجر' کے ساتھ ۱۱ فوجی، 87 تنخواہ دار ملازمین (کیڈٹ)، ۱۱ سرجن، اور ۱۱۵ ملاح ہوتے تھے[2] معاشی تاریخ میں کوئی ایسی دوسری مثال کہیں اور ملنا مشکل ہے جس میں فوجی اور حکومت کے سول ملازمین نے کسی ملک کی تجارت میں عام طور پر اور اجتماعی سرمایہ کاری میں خاص طور پر اس حد تک اور اتنا براہِ راست حصہ لیا ہو۔ اس مخصوص صورتِ حال کی وجہ ہمیں اس رعایتی نجی تجارت میں مل سکتی ہے جس کی اجازت کمپنی کے کارکنوں کو دے دی گئی تھی اور جس کی مدد سے انھیں زبردست دولت جمع کر لینے کے مواقع فراہم ہوتے تھے۔ اور چونکہ ان کے منافعے کو عام صورتوں میں انگلینڈ نہیں بھیجا جاسکتا تھا اس لیے انھوں نے ہندوستان میں ہی محفوظ سرمایہ

(صہ 53 سے آگے)
ہندوستانی تھے۔
دوارکا ناتھ ٹیگور
پردسونو کمار ٹیگور
رستم جی کو اس جی
موتی لال سیل
حاجی اصفہانی
موتی لال سیل پہلے ڈائرکٹروں میں سے بھی ایک رہے اور بعد میں پردسونو کمار ٹیگور 'ایملگمیٹڈ' (ضم شدہ) آسام کمپنی کے ڈائرکٹر ہوئے۔ ایچ۔ اے۔ انٹوبس، 'آسام کمپنی کی تاریخ' [اے ہسٹری آف آسام کمپنی] 1839 تا 1953 مطبوعہ 1957 صفحات 39، 401، 404۔

[1] ملاحظہ ہوں صفحات 49 تا 56۔

[2] براؤن صفحہ 4۔

کاری اور منافعے کے مواقع تلاش کر لینا چاہیے[15] پھر جب یہ رعایت ان سے واپس لی گئی، اور یہ لوگ نجی تجارت کر سکنے کے قابل نہ رہے تو اس وقت غالبًا اپنے مالک کے احکامات کو توڑنے موڑنے اور ان پر گھما پھرا کر عمل کرنے کی غرض سے انھیں کمپنی کے تصور میں ہی ایک مناسب راستہ نظر آیا۔ چنانچہ 'جنرل بینک'، جسے غیر اجتماعی کمپنی (Unincorporated) کہا جا سکتا ہے، اس کا قیام انہی کی سرمایہ کارانہ سوجھ بوجھ کا نتیجہ تھا[16]

ان کے پاس صرف بہت سا سرمایہ ہی موجود نہیں تھا، بلکہ ان میں سے بہت سے لوگ مختلف میدانوں میں اچھی تکنیکی معلومات بھی رکھتے تھے۔ اپنی ملازمت کے دوران یہ لوگ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں متعین رہ چکے تھے جس کے نتیجے میں انھوں نے ملک کی معدنی دولت کی معلومات بھی بخوبی حاصل کر لی تھی اور اس کے کاروباری امکانات کو پوری طرح دریافت کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان میں پہلا لوہے کا کارخانہ 'پورٹو نووو سٹیل اینڈ آئرن کمپنی' — ایک شخص ہیتھ نے قایم کیا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایک انجینئر کی حیثیت سے ملازم تھا[17] اسی طرح وہ پہلا شخص جس نے کوئلے کی کھدائی کا کام شروع کیا غالبًا چھوٹا ناگپور کا برطانوی مجسٹریٹ تھا اور 'کمپنی' کا ملازم تھا[18] کسی ادارے کو چلانے کے لیے جس انتظامی صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے 'کمپنی' کے ملازمین اس تجربے کے بھی حامل تھے، اور پھر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ ان کے پاس ایک اور اہم اثاثہ بھی تھا یعنی حکومت میں ان کے خیر خواہوں اور دوستوں کا ایک بہت بڑا گروہ موجود تھا۔ اس طرح ان کے پاس وہ تمام صلاحیتیں اور لیاقتیں پوری طرح موجود تھیں جو کسی کمپنی کے اجرا، مالیت کاری، اور اس کی ہدایت کاری کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ خاص طور پر بینک کاری کے

---

[15] "اس ناجائز طور پر جمع کی ہوئی دولت کو کسی نہ کسی طرح گھر بھیجا جاتا تھا لیکن 'ایسٹ انڈیا کمپنی' اس بات کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھی کہ وہ خود اسی کے توسط سے اپنی دولت کو اُدھر منتقل کر دیں۔ خود اس کے کارکن بھی اس عمل کو کوئی سمجھداری کا کام نہیں سمجھتے تھے..." این۔ کے سنہا، صفحات 11-10۔

[16] ملاحظہ ہو ایچ۔ سنہا (سابقہ حوالہ)۔

[17] براؤن، صفحات 65-64۔

[18] اس کا نام ایس۔ جی۔ ہیٹلی (S.G.Hotely) تھا۔ ڈی۔ ایچ۔ بکانن، صفحہ 255۔

کاروبار میں ان کی صلاحیتیں ایک ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ کاروبار کی دوسری شاخوں میں یہ اتنے کامیاب نہیں ہو سکے، یہ شاید اس لیے ہوا کہ ان میں حقیقی کاروباری سوجھ بوجھ یا زود فہمی کی کمی تھی یا شاید یہ وجہ رہی ہو کہ ان لوگوں نے جن کاروباروں میں ابتدائی کوششیں کیں ان کے لیے ہندوستان ابھی پوری طرح تیار نہیں ہوا تھا۔

دولت کے حصول کے لیے کھینچ تان میں جس وقت منظم کاروبار کی راہیں کھل رہی تھیں تو دوسری طرف اسی دوران ایجنسی ہاؤسوں کے عروج کے ساتھ ساتھ رعایت یافتہ داخلی تجارت کا خاتمہ بھی ہو رہا تھا۔ 'آزاد تاجروں' نے خود کو بڑی بڑی ساجھے داریوں میں منظم کرنا شروع کر دیا جن کو بعد میں 'ایجنسی ہاؤسوں' کا نام دے دیا گیا[1] اٹھارھویں صدی کے آخری حصے تک یہ 'ایجنسی ہاؤس' پوری باقاعدگی اختیار کر کے کاروبار میں قدم جما چکے تھے۔ اس کے بعد چند سالوں میں ان کی دولت کی ساکھ اور وقار اس حد تک بڑھ گیا کہ انھیں 'ہندوستان کے تاجر شہزادوں' کے نام سے یاد کیا جانے لگا[2] 1790 اور 1830 کے درمیان یہ ہاؤس ہی کثیر مقدار سرمایے کا ایک سرچشمہ تھے۔ سرمایہ کارانہ سوجھ بوجھ نظم و نسق اور تنظیمی صلاحیتوں کا مرکز تھے اور اس کے ساتھ سیاسی اور معاشی طاقت و اختیار پر بھی ان کا قابو ہو چکا تھا[3] ہندوستانی فرموں اور 'کمپنی' ملازمین کے دائرہ عمل کے برعکس، یہ تجارت اور صنعت کی تمام شاخوں میں دلچسپی رکھتے تھے اور جہاز رانی، شکر کی صنعت، کوئلے اور بیمے کے کاروبار کے

---

[1] "1803 میں 'ایسٹ انڈیا ایجنسی ہاؤسوں' کی تعداد صرف 29 تھی"۔ این۔ کے سنہا، صفحہ 90 'بنگال اور آگرہ کی ڈائرکٹری اور 1850 کا سالانہ رجسٹر' [دی بنگال اینڈ آگرہ ڈائرکٹری اینڈ اینول رجسٹر فار 1850] میں 99 تاجروں اور ایجنسی ہاؤسوں کے نام درج تھے۔ ان میں سے 29 ایجنسی ہاؤس ایوانِ تجارت (چیمبر آف کامرس) کے ممبر بھی تھے۔

[2] کوکے، صفحہ 18۔

[3] "1830 تک ایجنسیوں کے 7 بنیادی اور 3 ثانوی ہاؤس موجود تھے اور کلکتے میں 20 نسبتاً چھوٹے تجارتی ہاؤس تھے... کلکتے کی حکومت ان کی کوششوں میں مدد پہنچاتی تھی اور 1812 اور 1829 کے درمیان متعدد موقعوں پر ان ہاؤسوں کو کل 98 لاکھ (98,00,000) روپیہ اُدھار بھی دیا تھا۔" سی۔ ایچ فلپس، 'دی ایسٹ انڈیا کمپنی' 1784 تا 1834، مطبوعہ 1940، صفحہ 277۔

سِلسلے میں کمپنی کے تصور کی توسیع میں انہی کو بنیادی طور پر ذمے دار کہا جا سکتا ہے ۔ مینجنگ ایجنسی کا طریقہ بھی ان ہی کے دیے ہوئے قابلِ قدر طریقوں میں سے ایک ہے[1]۔

لیکن اگر ان کے پاس موجود سرمایے کے ذرائع، کاروباری لیاقت، اور ملک کے متعلق اس قابلِ قدر معلومات کو نگاہ میں رکھا جائے، جو ان 'ایجنسی ہاؤسوں' کے ممبروں کے پاس موجود تھی، تو ان کی یہ کامیابیاں اور حصول نسبتاً معمولی محسوس ہونے لگتے ہیں ۔ اس کے لیے بہت سی توجیہات پیش کی جا سکتی ہیں پہلی بات یہ کہ ان کے پاس سرمایے کے ذرائع باوجودیکہ بہت وسیع تھے لیکن یہ سرمایہ ان کے روایتی کاروباروں — نیل روئی، سوتی پارچہ جات افیون — میں پوری طرح لگا ہوا تھا و جیسا کہ اس حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے کہ 1825 اور 1845 کے دو کاروباری بحرانوں میں ان اشیاء کا اِسپیکولیشن ہی ان میں سے بہت سے ہاؤسوں کی تباہی کا ذمے دار تھا[2] دوسری بات یہ تھی کہ ان تجارتوں میں جتنا تیز اور زبردست کاروبار چل رہا تھا اس کے اثر سے ان ایجنسی ہاؤسوں کا رجحان دوسرے میدانوں میں قسمت آزمائی کے لیے کم تھا، اور ان میں دوسرے ایسے صنعتی اداروں کے سلسلے میں ضرورت سے زیادہ محتاط رہنے کا ایک خاص انداز سا پیدا ہو گیا تھا جن کی ابتداء بہرحال مشکل تھی اور ان میں متعدد خطرات اور خدشات ضرور موجود تھے[3] اور آخر میں ان کے کچھ ذاتی اعتراض و مقاصد

---

[1] ملاحظہ ہو بارھواں باب۔

[2] فلپس، صفحہ 277 : بنگال اور آگرہ کی ڈائرکٹری . . . وغیرہ (سابقہ حوالہ) میں 142 ایسے ہاؤسوں کی فہرست درج ہے جو 50-1849 میں دیوالیہ اور بھگتان کی منزلوں سے گذر رہے تھے۔

[3] ہندوستان میں قایم شدہ روئی کتائی ملوں پر رائے زنی کرتے ہوئے 'الیگزنڈر اینڈ کمپنی کے ساجھے دار' تامس بریکن نے کہا تھا: "مجھے اس بات میں بہت شبہ ہے کہ یہ مِل انگلینڈ کے ملوں سے مقابلے کے قابل بھی ہو سکیں گے! اس کی وجہ یہ ہے کہ کلکتے میں استعمال ہونے والی مشینوں کی مرمت میں فی الحال بہت دشواریاں ہیں، اور ان کو اگر کوئی حادثہ پیش آ جائے تو یہ پورے کارخانے کے کاروبار کو روک سکتی ہیں ۔ جو سوتی دھاگا اب تک تیار کیا جا چکا ہے جتنا انگریزوں کو بُرا لگتا ہے اتنا ہی دیسی لوگوں کو بھی ناپسند ہے ۔ ممکن ہے یہ محض وہم ہی ہو لیکن انگلینڈ سے آنے والے مال کے حق میں بہرحال ایک

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کچھ مخصوص میدانوں سے وابستہ تھے کم از کم 'جنرل بینک' اور 'بینک آف بامبے' کی تشکیل کی مزاحمت میں کی جانے والی کوششوں سے یہی اظہار ہوتا ہے[1]

تین حصے دار کمپنیوں — 'بینک آف بامبے'، 'بینک آف مدراس' اور 'بنگال بونڈڈ ویر ہاؤس ایسوسی ایشن' (بنگال گودام محدود ایسوسی ایشن) — جو بالترتیب بمبئی مدراس اور کلکتے میں واقع تھیں ان کے حصے داروں کے تجزیے کے ذریعے ان میں شریک تینوں طبقوں یعنی 'ہندوستانی تاجر'، 'کمپنی کارکن' اور 'ایجنسی ہاؤس' کی تقابلی اہمیت کا کسی قدر اندازہ لگانا ممکن ہے۔ یہ کمپنیاں 1840 کے آس پاس قایم ہوئی تھیں اور جہاں تک بمبئی اور مدراس کا سوال ہے یہاں کے مذکورہ بالا بینک حصے دار کمپنیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

بینک آف بمبئی کا قیام قانون ساز کاؤنسل کے ایک ایکٹ کے ذریعے 1840 میں عمل میں آیا تھا۔ اس کا کُل حصے داری سرمایہ ایک ایک ہزار (1000) روپیے کے 5,225 حصوں میں تقسیم تھا۔ ابتدا میں 5,090 حصے 387 افراد نے لیے تھے۔ ان افراد میں سے 38 فیصدی ہندوستانی ساجھے دار تھے جنھوں نے کُل 1553 حصے یعنی کل حصوں کے 30.5 فیصدی حاصل کیے تھے[2] کوکے نے 1840 کی کچھ بعد کی تاریخ میں (جو درج نہیں ہے)[3] ان حصوں کی مندرجہ ذیل :

(صفحہ 57 سے آگے)

تعصب موجود ہے۔"

پھر آگے کلکتے میں بڑے پیمانے پر مشین سازی کی صنعت کے قیام کے امکان پر رائے زنی کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے: "... بہت حد تک اس کا انحصار 'گلوسٹر ملز' کی کامیابی پر ہے۔ فریقین فی الحال اس قسم کے کاروبار کے قیام پر مشکل سے ہی رضامند ہوتے محسوس ہوتے ہیں تا وقتیکہ وہ اس بات کو صفائی کے ساتھ نہ دیکھ لیں کہ آیا سوتی دھاگے اور سوتی پارچے جات کی تیاری ہندوستان میں منافع بخش کاروبار ہے یا نہیں۔"

[1] برطانوی پالیمارلیمانی کاغذات: 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے معاملات پر 'سیلیکٹ کمیٹی' کے سامنے دی گئی شہادتوں کی روداد، دوسرا حصہ، مالیت، 24 مارچ 1832 صفحہ 154۔

[2] جی۔ڈبلیو۔تھیوبالڈ، کاؤنسل میں ہندوستان کے گورنر جنرل کے قانونی ایکٹ [لیجسلیٹو ایکٹس آف دی گورنر جنرل آف انڈیا۔ اِن۔کاؤنسل] 71-1834۔

[3] کوکے صفحہ 165۔

تقسیم دی ہے۔

قومیت	حصے دار تعداد	حصے دار فی صد	حاصل شدہ حصے تعداد	حاصل شدہ حصے فی صد
یورپی				
ہندوستان میں رہائش پذیر	173	52	3,261	66٫2
ہندوستانی				
دیسی عیسائی	12		49	
مسلمان	3		55	
پارسی	109		1,233	
ہندو	35		327	
	159	48	1,664	33٫8
	332	100	4,925	100٫0

[حکومتِ بمبئی کے پاس بھی 300 حصے تھے]

حصے داری کے انداز کے سلسلے میں مندرجہ بالا دو مثالوں سے یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ کل حصے داروں میں ہندوستانیوں کا تناسب 10 فیصد تک بڑھا تھا لیکن حاصل شدہ حصوں میں ان کے تناسب میں صرف 3٫3 فیصد کا اضافہ ہوا تھا۔ دوسرے لفظوں میں حصے داروں کی کل تعداد کا یہ نصف سے کچھ کم تھے اور کل حصوں کا ایک تہائی سے کچھ زیادہ حصہ ان کے پاس تھا۔ اس طرح بمبئی میں ہندوستانی حصے داروں نے جو حصہ لیا اسے کسی طرح کم نہیں کہا جا سکتا۔ کوکے کے اس گوشوارے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستانی حصے داروں میں پارسیوں کا گروہ سب سے زیادہ اہم تھا۔ حصے داروں کی تعداد اور ان کے پاس موجودہ حصوں، دونوں اعتبار سے۔ یورپی حصے دار بنیادی طور پر وہ افسر تھے جو فوجی اور سول خدمات پر مامور تھے[1]

---

[1] کوکے، صفحہ 165۔

1848 میں اسی بینک کا انداز کچھ اس طرح تھا،

قومیت	حصے دار تعداد	حصے دار فی صد	حاصل شدہ حصے تعداد	حاصل شدہ حصے فی صد
یورپی				
ہندوستان میں رہائش پذیر	91		1,473	
ہندوستان میں غیر رہائش پذیر	95		2,365	
	186	59،4	3,838	78
ہندوستانی				
دیسی عیسائی	13		62	
مسلمان	1		18	
پارسی	88		877	
ہندو	25		130	
	127	40،6	1,087	22
	313	100،0	4,925	100

[ان کے علاوہ اب بھی حکومتِ بمبئی کے پاس 300 حصے موجود تھے]

مندرجہ بالا دونوں گوشواروں کے تقابل سے کچھ دلچسپ باتیں ظاہر ہوتی ہیں 1840 اور 1848 کے درمیانی عرصے میں ہندوستانی حصے داروں کی شرح کل حصے داروں میں کم ہو کر 48 سے 40،6 فی صد رہ گئی۔ ان کے حاصل کردہ حصوں کی تعداد میں گراوٹ اور بھی زیادہ سخت تھی جو 33،8 سے گھٹ کر 22 فی صد رہ گئی۔ اس کے لیے دو وجوہات کا امکان ہو سکتا ہے پہلی یہ کہ 1840 والی رقموں کے گوشوارے میں تھوڑا بہت حصہ ایسے حصوں (شیئرس) کا بھی ضرور ہوگا جو ابتدا میں وقتی فائدہ کمانے کے لیے یا سٹے کے طور پر خریدے گئے ہوں گے[1]

---

[1] "... دیسی خریدار... نہیں ملتے... اتنے بڑے پیمانے پر حکومت کی طرف سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور دوسری یہ کہ 1845 کے بیوپاری بحران کے بعد بینک کے حصوں میں، دوسری سرمایہ کاری کے مقابلے میں، نسبتاً کم کشش رہ گئی تھی[1]

اس سلسلے میں ایک اور قابلِ ذکر اور دلچسپ وہ تبدیلی ہے جو خود یورپی حصے داروں میں نظر آتی ہے۔ آٹھ سال کے اس درمیانی عرصے میں آدھے سے زیادہ حصے دار ہندوستانی سماج میں اس متواتر اور عام تبدیلی کی نذر ہوکر ریٹائر ہو چکے تھے جو اس سوسائٹی کی خصوصیت بن چکی تھی، اور یہ لوگ واپس جاکر انگلینڈ میں ہی آباد ہو گئے تھے حصوں کی تعداد کے سلسلے میں، ریٹائر ہوکر انگلینڈ میں آباد سابقہ حصے داروں کا حصہ اب 61،6 فی صد تھا۔ اور اسی سے کوکے کو یہ خوف محسوس ہوا تھا کہ، "آئندہ چند سال کے عرصے میں سرمایے کا زیادہ بڑا حصہ ایسے فریقوں کے پاس مجتمع ہو جائے گا جو انگلینڈ میں رہائش پذیر ہوں گے"[2]

مدراس میں لگائے گئے سرمایے میں ہندوستانی حصہ یقیناً بہت قلیل تھا: 'بینک آف مدراس' میں، جو 1843 میں حصوں کی بنیاد پر قایم کیا گیا تھا، پہلے حصے داروں کی فہرست میں 237 افراد کے نام تھے جنھوں نے ایک ایک ہزار روپے کے حصوں میں 2,700 حصوں کے لیے رقمیں جمع کی تھیں۔ ان میں صرف 18 افراد کے نام ہندوستانی تھے[3] ہندوستانی ناموں کی تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں بھی 9 افراد شمالی ہندوستان کے تھے اور باقی افراد جنوبی ہندوستان کے چیٹی فرقے کے متمول طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

یورپی حصے داروں میں 61 افراد کی حد تک فوجی افسر تھے، جن میں کپتان کے عہدوں سے میجر جنرل کے عہدے تک کے افراد شامل تھے اور باقی میں 13 افراد سند یافتہ سرجن اور فزیشین تھے۔ اس سے بہرحال ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ 'کمپنی' کے کارکنوں کی شرکت اور ہمت افزائی کے بغیر 'بینک آف مدراس' جیسے اہم معاشی شعبے کا اجرا، اگر ناممکن نہیں تو کم از کم انتہائی

(ص60 سے آگے)

جاری کردہ حصوں میں سرمایہ لگانے والے، جتنا ہمارے ملک والے سرمایہ لگاتے ہیں، وقتی مقاصد کے تحت یاسٹے کی خرید کے طور پر (سرمایہ لگانے والوں) کے علاوہ۔" کوکے، صفحہ 79۔

[1] کوکے، صفحہ 332۔

[2] ایضاً۔

[3] تھیوبالڈ، ایکٹ 19۔ 1843۔

مشکل ضرور تھا۔

اس زمانے میں کلکتے میں تین باقاعدہ قانونی (Statutory) کمپنیاں موجود تھیں — 'آسام کمپنی'، 'بینک آف بنگال' اور 'بنگال بونڈڈ ویئرہاؤس ایسوسی ایشن'۔ بمبئی اور مدراس میں ایسی ہی ایک ایک کمپنی تھی۔ 'آسام کمپنی' 1839 میں انگلینڈ میں قایم کی گئی تھی جس کا مقصد ہندوستان میں چائے کی کاشت کا کاروبار کرنا تھا اور اس کے حصوں کا سرمایہ 50 پونڈ فی حصے کے حساب سے کل 10,000 حصوں پر مشتمل تھا۔ ہندوستان میں ایک اور کمپنی 'بنگال ٹی ایسوسی ایشن' پہلے سے ہی موجود تھی، ان وقت ان دولوں کمپنیوں کو ضم کر دیا گیا۔ انضمام کی مختلف شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ 'آسام کمپنی' کے 2,000 حصے ایسے جاری کیے جائیں گے جن کی ادائیگی ہندوستان میں ہوگی، اور ان میں سے 1,400 حصے 'بنگال ٹی ایسوسی ایشن' کے بانیوں کے لیے وقف ہوں گے۔ یہ 2,000 حصے کافی لالچ اور بڑی تیزی کے ساتھ خرید لیے گئے۔ 'آسام ٹی کمپنی' کے حصے داروں کی پہلی فہرست میں صرف 9 ہندوستانی تھے جن کے پاس 275 یا ہندوستان کے لیے کل متعینہ حصوں کا صرف 14 فی صد تھے[1] لیکن جہاں تک اس میں ہندوستانی شرکت کی حقیقی صلاحیت کا سوال ہے اس سے صورتِ حال کا صحیح صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا چونکہ 2,000 میں سے 1400 حصے ایک ایسے گروہ کے لیے وقف تھے جس میں زیادہ تر لوگ یورپی تھے اور غالباً باقی حصے بھی اس گروہ سے باہر نہ نکلے ہوں گے۔

'بنگال بونڈڈ ویئرہاؤس ایسوسی ایشن' کے حصے داروں کی پہلی فہرست سے بنگال کے علاقے میں ہندوستانی شرکت کچھ بہتر محسوس ہوتی ہے۔ یہ تنظیم جسے اجتماعی سرمایے سے 1838 میں جاری کیا گیا تھا کل 10,00,000 روپے کا اجتماعی سرمایہ رکھتی تھی جو پانچ پانچ ہزار روپے کے 2,000 حصوں میں تقسیم تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ ضابطے کی رو سے اس کمپنی کے اجتماعی سرمایے میں شرکت کو صرف بنگال پریسیڈنسی میں رہنے والوں کے لیے محدود کر دیا گیا تھا۔ شروع کے 171 حصے داروں میں 45 ہندوستانی تھے جن میں سے ایک فرد کو چھوڑ کر تمام کے تمام بنگالی تھے[2] اس طرح ہندوستانی نمائندگی کل حصے داروں میں 26,3

---

[1] انطروبس: 'آسام کمپنی'، صفحہ 40۔

[2] اس کا نام برجوبلبھ داس اور گوکل داس تھا (یہ حصہ مشترکہ تھا) یہ دونوں نام (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فی صد تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ یہ اسی تناسب سے حصے واری کاروبار میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ بدقسمتی سے حصوں کی ملکیت کی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔

یورپی حصے داروں کے تجزیے سے یہ بھی اظہار ہوتا ہے کہ حصے یورپی ایجنسی ہاؤسوں اور ان کے شرکاء کے ہاتھوں میں مرکوز تھے۔ ان حصے داروں میں صرف 9 افراد فوجی افسر تھے جو مدراس کے مقابلے میں بہت کم تعداد ہے۔ اس کی وضاحت اس حقیقت کی روشنی میں کی جا سکتی ہے کہ بیوپاری نقطۂ نگاہ سے یہ ادارہ ملک کی ساحلی اور خارجی تجارت میں ایک اہم جگہ کا حامل تھا: اس لیے ایجنسی ہاؤس اس میں قدرتی طور پر گہری دلچسپی رکھتے تھے اور اپنے مفادات کے تحفظ کی غرض سے ان لوگوں نے اتنے زیادہ سے زیادہ حصے حاصل کر لیے تھے جتنے یہ امکانی طور پر کر سکتے تھے۔ ظاہر ہے اس کے مقابلے میں دوسروں کے لیے یہ حصے حاصل کر لینا اتنا ہی مشکل ہو گیا ہوگا۔

مختصراً ان تینوں میں سے ہر طبقے نے اجتماعی سرمایہ کاری کی نشوونما اور اٹھان میں اہم کردار ادا کیا۔ ملے جلے یورپی عنصر — کمپنی کے کارکن اور ایجنسی ہاؤس — نے یقیناً سب سے زیادہ حصہ لیا، لیکن ہندوستانی حصہ بھی کسی طرح غیر اہم یا قلیل نہیں کہا جا سکتا، حالانکہ جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا جا چکا ہے، ملک کے تمام علاقوں میں یہ یکساں طور پر اہم نہیں تھا۔ بمبئی میں پارسیوں کے ایک چھوٹے سے فرقے نے تجارت اور صنعت کے سلسلے میں مکمل جوش و خروش کے ساتھ، اجتماعی سرمایہ کمپنی کی ابتدا اور اس کی ترقی میں پورے انہماک کے ساتھ دلچسپی لی۔ کلکتے میں 'بنگال بونڈڈ ویئر ہاؤس ایسوسی ایشن' کے کل حصے داروں میں بنگالی ایک چوتھائی سے زیادہ کی نمائندگی کرتے تھے۔ یہ حقیقت اس روشنی میں اور اہم محسوس ہونے لگتی ہے کہ بنگالیوں کے متعلق روایتی طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بیوپاری معاملات کے مقابلے میں فنون لطیفہ سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔[1] مدراس میں ہندوستانی حصہ ظاہرہ طور پر بہت تھوڑا تھا لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ماننی پڑے گی کہ بنگال اور بمبئی کے مقابلے میں معاشی

(صفحہ 62 سے آگے)

پورے ہندوستان میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ تھیوبالڈ، ایگزٹ 5، 1838۔

[1] بنگالی سرمایہ کارانہ سوجھ بوجھ کے لیے ملاحظہ ہوں صفحات ..... نیز ایس۔ کے سین کی 'معاشی پالیسی' [اکونومک پالیسی] صفحات 57 تا 73۔

اعتبار سے مدراس نسبتاً کم اہم حیثیت رکھتا تھا، جیسا کہ ان تین پریسیڈنسیوں میں جاری کردہ کرنسی نوٹوں کی سالانہ رقموں سے اظہار ہوتا ہے[1]

'بینک آف بنگال' 1,16,00,000 1835ء

'بینک آف بامبے' 1,28,12,000 (1862 سے پہلے کی سب سے اونچی رقم)

'بینک آف مدراس' 30,00,000 (1862 سے پہلے کی سب سے اونچی رقم عام طور پر 20,00,000 سے نیچے ہوتی تھی)

سرمایہ بازار اور کمپنی مالیات کی کچھ خصوصیات

سب سے پہلے یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ اس وقت ہندوستان میں کوئی منظم سرمایہ بازار یا اسٹاک بازار موجود نہیں تھا۔ دیسی بینک کار اور یورپی ایجنسی ہاؤس ہی صرف ایک ایسا وسیلہ کہے جا سکتے تھے جو کمپنیوں کے لیے پیداواری میدانوں میں راہیں فراہم کرتے تھے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے 1829 تک جدید یورپی انداز کا صرف ایک بینک 'بینک آف بنگال' موجود تھا لیکن یہ بنیادی طور پر ایک سرکاری بینک تھا اور اپنے منشور کی مختلف کمزوریوں اور کوتاہیوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کام چلا رہا تھا۔ اس لیے جب 1829 میں کلکتے کا 'یونین بینک' قایم ہوا تو اس کے اہم ترین مقاصد میں ایک یہ بھی تھا کہ اس کے ذریعے "بینک آف بنگال کے منشور سے عائد شدہ پابندیوں کی وجہ سے زر کے بازار میں جو خلا موجود تھی اس کو پُر کیا جائے[2]" اگلی دو دہائیوں میں پورے ملک میں بینک کار کمپنیوں میں ایک ایسی ترقی نظر آئی جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی لیکن اس ترقی کی بنیادیں حقیقت میں ایجنسی ہاؤسوں کے بننے میں تھیں اور اس لیے اس کا فوری اثر یہ تھا کہ ان ایجنسی ہاؤسوں کے زوال سے زر کے بازار میں جو خلا نمودار ہوئی تھی وہ ضرور پُر ہو گئی۔ بہرحال ان کمپنیوں کی ترقی منظم سرمایہ بازار کی ابتدا کے لیے ایک سنگِ میل کی حیثیت اور اہمیت رکھتی ہے۔

مختلف دھاتوں کی بہت سی کرنسیوں کے استعمال، اور روپیے پیسے کو ایک سے دوسری

---

[1] گوہے، صفحات 105، 152، 168۔

[2] گوہے، صفحہ 177، فٹ نوٹ۔

جگہ منتقل کرنے کے لیے محفوظ اور تیز ذرائع کی کمی کے اثر سے ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں سرمایہ مہیا کرنے کی لاگت بہت زیادہ تھی[1] اس نے مفصل بینکوں کی ترقی کو بھی ضرور نقصان پہنچایا ہوگا۔ بینک کاری کی سہولتوں کی کمی بلکہ غیر موجودگی لوگوں کو اپنی بچائی ہوئی رقموں کو سونے چاندی کے زیورات کی شکل میں دبائے رکھنے کی ترغیب مہیا کرتی تھی اور ممکن ہے کہ زمینی ملکیت کی طرف سرمایے کے جھکاؤ کے سلسلے میں یہ بھی ایک وجہ رہی ہو[2] مفصل سے سرمایے کے دوسری طرف پھیلنے کی راہوں میں یہ وجوہات رکاوٹیں پیدا کر رہی تھیں۔ اس کے باوجود بھی اس دور میں سرمایے کی کمی کو صنعتی ترقی کے لیے اہم اور بنیادی وجہ قرار نہیں دیا سکتا[3] اس میں بھی شک نہیں ہے کہ صنعتی پیداوار کے ادارے قایم کرنے کے لیے کچھ کارخانے داروں کو ضروری سرمایہ فراہم کر لینے میں دشواریاں پیش آتی تھیں لیکن ایسی مثال تلاش کرلینا مشکل ہے کہ کسی منصوبے کو صرف اس لیے بند کیا گیا ہو کہ اس کے لیے ضروری سرمایہ مہیا نہ ہو سکا ہو[4] کوئی

---

[1] ہندوستان میں 80 مختلف قسم کے سکے رائج تھے، اور 1836 تک ہندوستان میں برطانوی حکومت بھی پانچ مختلف قسم کے روپیے جاری کرتی تھی۔ این۔سی۔سنہا، صفحات 21-20

[2] ذخیرہ اندوزی اور زمینی ملکیتوں کے لیے ملاحظہ ہو صفحات 111 تا 115

[3] اس سلسلے میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ این۔سی۔سنہا نے اس دور کے ایک لکھنے والے کا قول نقل کیا ہے: "ہندوستان کے سرمایے کے ذرائع تو کافی تھے، صرف وہ منتشر تھے" صفحہ 22۔

[4] اس سلسلے میں آر۔ایچ۔ ماہون کی 'ہندوستان میں لوہے اور اسٹیل کی صنعتی پیداوار پر رپورٹ' مطبوعہ 1899 بھی ملاحظہ ہو۔ اس میں ہیتھ کی قایم کردہ 'پورٹو نوو آئرن ورکس' کی تفصیل دی گئی ہے۔ 1818 میں قایم شدہ 'بوریا کاٹن مل' کارخانوں کے سلسلے کے لیے ملاحظہ ہوں صفحات 32-31 X 18 ' پیپر II۔ 5 تا 7۔ ڈی۔ بریکن کی شہادتیں، صفحات 55-154 'پبلیکیشنز پر وسیڈنگس ان انڈیا' 1840، H.C.VIII پیپر 527۔ ایچ۔ گوجر (H Gauger) کی شہادتیں، صفحات 19-116۔ اس دور کے اور کارخانوں اور اداروں کی تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو، انڈرولس کی 'آسام کمپنی' (سابقہ حوالہ)، 'اینڈ ریو یول اینڈ کمپنی' 1863 تا 1963' (بنگال کول کمپنی کے مینجنگ ایجنٹس) کلکتہ 1963۔ الفریڈ برام، 'دی انڈیا جنرل اسٹیم نیویگیشن کمپنی' 1900 اور بلیئر، بی۔ کلنگ، 'ہندوستان میں مینجنگ ایجنسی کی ابتدا' [دی اوریجن آف دی مینجنگ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ایسی مثال بھی نظر نہیں آتی جس سے یہ اظہار ہوتا ہو کہ 'کمپنی کارکنوں'، 'آزاد تاجروں'، یا 'ایجنسی ہاؤسوں' کو سرمایہ کہیں بیرونِ ملک سے درآمد کرنا پڑا ہو، حالانکہ دو تین موقعوں پر لندن میں سرمایہ جمع کرنے کو زیادہ بہتر اور مناسب ضرور خیال کیا گیا تھا[1] سرمایہ کاری کے نسبتاً روایتی طریقوں کے لیے کم از کم بمبئی اور کلکتے میں تو کبھی سرمایے کی قلت کی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ لوگوں نے بینکوں کے حصوں اور حکومت کے قرضوں کے لیے آسانی سے سرمایہ دیا[2] حقیقت اگر کچھ تھی تو صرف اتنی تھی کہ خود صنعتی سرمایے کی مانگ ہی زیادہ نہیں تھی[3] وہ صنعتی کوششیں جن کے متعلق اس

(صفحہ 65 سے آگے)

ایجنسی اِن انڈیا]' جرنل آف ایشین اسٹڈیز' جلد XXVI، نمبر 66 صفحات 47-37۔ کلنگ کے مضمون میں ان کمپنیوں کی تفصیلات درج ہیں جن سے 'کار ٹیگور اینڈ کمپنی' کا رشتہ تھا۔ جیسے 'کلکتہ اسٹیم ٹگ ایسوسی ایشن'، 'دی انڈیا جنرل'، 'دی بنگال کول کمپنیز'۔

[1] این بی سنہا نے سِلی مان کا قول نقل کیا ہے کہ ایجنسی ہاؤسوں نے "گھر سے سرمایے کا ایک پیسہ بھی" درآمد نہیں کیا۔ صفحہ 23۔

[2] ملاحظہ ہو صفحہ 62 'بینک آف ایشیا کے سلسلے میں، جیسے لندن میں اُبھارا گیا تھا۔ ہندوستان میں جتنے حصوں کا سرمایہ جمع کیا گیا وہ برطانیہ کے 392،1 کے مقابلے میں 5،283 تھے۔ اور ہندوستان میں ان کی مانگ اتنی زیادہ تھی کہ ان حصوں کی قیمت اجرا پر 12 فیصدی پریمیم کی صلاحیت موجود تھی۔ گوکے صفحہ 342۔

[3] ایک جگہ گوکے کہتا ہے: "کوئی بھی ملک، خواہ اس کی حکومت کسی بھی طرز کی ہو... اس کے لوگوں کی خواہ کوئی بھی صنعت یا کوئی بھی ہنر ہو، یا اس کی زمین میں سبزی یا معدنیات کی کیسی بھی دولت موجود ہو، صرف اس صورت میں ترقی کر سکتا ہے جب یہاں زرِ سود 20، 30، 40، اور 50 فیصد شرح پر ہو" (صفحہ 349)۔ دوسری جگہ پر وہ کہتا ہے کہ سرمایے کی قلت اس لیے محسوس ہوتی تھی کہ "فاضل رقمیں یا تو ملک سے باہر لے جائی جا رہی (تھیں) یا حکومت کی طرف سے کھولے گئے بہت سے قرضوں میں منتقل ہو جاتی تھیں" (صفحہ 74) اگر شرح سود عام طور پر اتنی اونچی ہو تو قدرتی طور پر کوئی شخص عام صورت میں صرف 5 فیصد یا اتنے ہی معاوضے پر سرکاری ضمانتیں (سیکیورٹی)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

دقت غور و فکر کیے جانے کا علم ہے، اور یا جو شروع کی گئیں، ان کی تعداد بہت کم ہے۔

مجموعی طور پر کمپنیاں بہت کم تھیں۔ اس لیے حصہ بازار کی ساخت کچھ ایسی ہوگئی تھی جس پر اشراف اور رئیسوں کا تسلط تھا، اس کا پھیلاؤ ملک میں چند یورپی افراد تک محدود تھا اور ہندوستانیوں میں مدراس کے مٹھی بھر چیٹی فرقے کے متمول لوگوں، بمبئی کے پارسیوں کے ایک چھوٹے سے فرقے اور بنگال میں کلکتے کے کچھ اعلیٰ افراد کے ہاتھوں میں گھرا ہوا تھا۔ یہ اس لیے تھا کہ ملک کے عام آدمی کے پاس اس کے لیے نہ ذرائع موجود تھے اور نہ اس میں حصہ لینے کے لیے اس ادارے کی نزاکتوں اور پیچیدگیوں کی صحیح معلومات اس کے پاس تھی[1] ضلعے کے بینک کار جو متمول زمیندار طبقے کی رقمیں اپنے پاس جمع رکھتے تھے وہ بھی نامعلوم پریشانیوں کے مقابلے میں معلوم اور جانی پہچانی پریشانیوں کو ترجیح دیتے تھے اور روایتی اور پرانے قسم کے کاروبار میں مصروف رہتے تھے[2]

نئے کارخانوں کی ضمانتوں (سیکیورٹی) کی خرید و فروخت کے لیے کسی منظم بازار کے موجود نہ ہونے کے نتیجے میں ان کو بیچنے کے لیے کچھ بہت دلچسپ طریقے استعمال میں لائے جاتے تھے۔ کوئی ایسا ممتاز اور علیحدہ گروپ موجود نہیں تھا جس نے حصہ بازار کے کاروبار کے اس

(صفحہ 66 سے آگے)

خریدنے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ عام طور پر دیہاتوں کے مہاجن بہت اونچی شرح سود لیتے تھے، کاروباری قرضوں کے لیے کہیں بھی شرح سود اتنی اونچی نہیں تھی۔ یہ حقیقت کہ لوگ سرکاری قرضوں میں 4 یا 5 فیصد سود پر سرمایہ لگانے کے لیے تیار تھے، اور بینکوں کے حصے خریدنے کے لیے بے چین تھے، اور دوسری طرف کچھ بینکوں کو صرف اس لیے اپنے جمع شدہ سرمایے کو کم کرنا پڑا کہ بعض صورتوں میں سرمایہ کاری ممکن نہ ہوسکی، اس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ غالباً نجی سیکٹر کی طرف سے سرمایے مانگ کم تھی۔

[1] یہاں کے عوام کی غربت کی حدوں کا اندازہ شاید اس حقیقت سے زیادہ بہتر کسی اور چیز سے نہیں لگایا جاسکتا کہ یہاں کی چھوٹی ریزگاری ایک سمندری کیڑے کے خول میں نظر آتی تھی، جسے کوڑی کہا جاتا تھا اور سب سے چھوٹے سکے میں 80 کوڑیاں ملتی تھیں، جس کا مطلب تھا ایک روپے میں 5,120 کوڑیاں"۔ کوکے، صفحہ 20۔

[2] کوکے، صفحات 14-13۔

رُخ کے لیے خود کو پوری طرح وقف کر رکھا ہو۔ 1840 کی دہائی میں بمبئی میں صرف 6 دلال تھے جو حصہ بازاری کا کام کرتے تھے۔ حالانکہ کلکتے میں ان کی تعداد کے بارے میں معلومات موجود نہیں ہیں۔ لیکن اتنا بہرحال کہا جا سکتا ہے کہ یہ تعداد بمبئی سے کچھ بہت زیادہ نہیں تھی[1]۔ لیکن جب خود کمپنیاں ہی اتنی کم تھیں تو اِن چند دلالوں کا انحصار بھی سرکاری ضمانتوں کے لین دین کی آمدنی پر ہی زیادہ رہا ہوگا[2]۔

متوقع حصے داروں سے بُنیادی طور پر صرف عام جلسوں میں[3] اور اخبارات میں اشتہارات کے ذریعے[4] ہی رابطہ قایم کیا جاتا تھا۔ جہاں تک بینک کارکمپنیوں کا سوال تھا، حصے داروں کی فہرست خاص طور پر شہروں میں، آسانی سے پُر کر لی جاتی تھی، چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی اور سول کارکن اس سلسلے میں اتنا انہماک اور جوش و خروش دکھلاتے تھے کہ ایسے کسی منصوبے کی محض معمولی سی جانکاری بھی ان کو ایک دوسرے پر، اور اس منصوبے کے حامی تاجر پیشہ زمرے پر سبقت لے جانے کی کوششوں کے لیے کافی تھی[5]۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایسی کمپنیوں کے لیے سرمایہ اُبھار لینا بےحد آسان تھا۔ جاری شدہ سرمایے سے کہیں زیادہ حصوں کے لیے ان کے دفتروں میں درخواستوں کا ایک سیلاب سا آجاتا تھا۔ اس مانگ کو پورا کرنے کے لیے عام طور پر مزید سرمایہ بھی جاری کر دیا جاتا تھا[6]۔ بینک کے حصوں میں 60 سے 70 فیصد تک پریمیم حاصل کر لینے کی فوری صلاحیت موجود تھی[7]۔ مانگ کے اس مستقل دباؤ سے ملک میں تقریباً ہر ایسی کمپنی اس

---

[1] 'بمبئی اسٹاک ایکسچینج چھان بین کمیٹی کی رپورٹ' [بامبے اسٹاک ایکسچینج انکوائری کمیٹی رپورٹ]، مطبوعہ 1924، صفحہ 3۔

[2] 'کلکتہ اسٹاک ایکسچینج کا دفتری سالنامہ' [کلکتہ اسٹاک ایکسچینج آفیشیل ایئر بک]، مطبوعہ 1940، صفحہ 34، نیز ملاحظہ ہو وی۔ آر۔ کریوانٹے کی 'ہندوستانی سرمایہ بازار' [دی انڈین کیپیٹل مارکیٹ]، مطبوعہ 1956، صفحہ 34۔

[3] ایچ سنہا، صفحہ 10۔ کوکے، صفحہ 163۔

[4] مثال کے لیے ملاحظہ ہو 'یونین بینک کا پراسپکٹس'، 'فرینڈ آف انڈیا'، 1838، صفحہ 149۔

[5] کوکے، صفحہ 163۔

[6] 'بینک آف بامبے' کو مجبور ہو کر اپنے حصوں کے ذریعے حاصل ہونے والے سرمایے کو 30,00,000 روپیے سے بڑھا کر 52,25,000 روپیے کرنا پڑا تاکہ درخواست دینے والوں کی خواہشات کو پورا کیا جا سکے۔ ایضاً، صفحہ 164۔

[7] ایضاً، صفحہ 164۔

حیثیت میں ہوتی تھی کہ کافی آسانی سے ہر سال، بلکہ بعض صورتوں میں ہر چھ مہینے بعد حصے جاری کر کے اپنا سرمایہ بڑھا سکے[1]

بہر حال اگر کسی کمپنی کے کاروباری معاملات خراب ہو جاتے یا آئندہ کے لیے اس کی ترقی کی توقعات مشتبہ ہو جاتیں تو صورتِ حال ضرور مختلف ہوتی۔ ان حالات میں سرمایے کے لیے اپیلوں کے لیے کچھ مخصوص گروہوں کے پاس پہنچا جاتا تھا جن میں عام طور پر ہندوستانی دولتمند افراد ہوتے تھے۔ یہ صورت 'آسام کمپنی' کے سلسلے میں نظر آتی ہے۔ ہندوستان کے لیے مخصوص شدہ پہلے دو ہزار حصوں کی فوری فروخت کے بعد کلکتہ بورڈ کی اپنی ہی درخواست پر اس کے لیے مزید 223 حصے لندن کے بڑے بورڈ نے مخصوص کر دیے تھے لیکن جب تک یہ ہندوستان پہنچیں ان پر منافع کم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ کلکتہ بورڈ کے جلسے منعقدہ 6 مارچ 1841 کی روداد میں مندرجہ ذیل حصہ درج ہے[3]

---

[1] مثال کے طور پر 'یونین بینک آف کلکتہ' نے اپنے سرمایے میں مندرجہ ذیل تاریخوں پر اضافہ کیا جنوری، مئی، 1836، اپریل 1837، جنوری، مئی، 1838، جون 1839۔ ان برسوں کے دوران سرمایے کو بنیادی رقم 15,00,000 روپیے سے بڑھا کر 1,00,00,000 روپیے کیا گیا۔ ایضاً صفحات 9-178 اسی طرح 'آگرہ اینڈ یونائیٹڈ سروس بینک' اور 'نارتھ ویسٹرن بینک' نے اپنے سرمایے کو مندرجہ ذیل رقموں سے بڑھایا:

'آگرہ اینڈ یونائیٹڈ بینک'

تاریخ	جاری شدہ حصے
1841	1,000
1842	3,000
1844	1,000
1845	2,000
1846	1,000
1847	1,000

'نارتھ ویسٹرن بینک'

تاریخ	حصوں کی تعداد	رقم (۰۰۰ روپے میں)
جولائی 1844	1,000	500
جنوری 1845	2,000	1,000
جنوری 1846	2,000	1,000
مئی 1847	1,000	500
ستمبر 1847	1,000	500

[2] ایضاً صفحات 209، 25-224۔

[3] انٹروبس، 'آسام کمپنی' صفحہ 413۔

"چونکہ سکریٹری کوفی الوقت بازار میں ان حصوں کی کوئی مانگ نہیں مل رہی ہے اس
لیے یہ بات طے کی جاتی ہے کہ بورڈ کے ممبر فرداً فرداً غیر مقبوضہ حصوں کو بیچنے کی غرض سے
اپنی ذاتی کوششوں کو کام میں لائیں اور کمپنی کے اغراض و مقاصد کو انتہائی بااثر
دیسی افراد کی معلومات میں لائیں۔"

'بنارس بینک' کے ڈائرکٹر کی طرف سے ایک حصے دار کو لکھے گئے مندرجہ ذیل خط' اور دوسرے
خطوط کے اقتباسات میں، پورے دباؤ کے ساتھ حصے فروخت کرنے کے انداز اور اس دور میں
اپنائے جانے والے غیر صحت مندانہ مالیاتی طریقوں کی ایک واضح مثال مل جاتی ہے:

"گزشتہ ماہ کی 17۔تاریخ کے خط میں جو بات تم نے لکھی تھی وہ مجھے منظور ہے۔
میرا مشورہ ہے کہ جتنے بھی زیادہ سے زیادہ حصے ممکن ہو سکیں تم خرید لو، چونکہ اس
میں کسی قسم کے شک و شبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ ایک کامیاب بینک ہوگا میرا خیال
ہے کہ میں پرانے حصوں کو نئے حصوں کے روپ میں، جن پر 31 جنوری کی تاریخ ہو،
اور انہی شرائط پر جن پر تم نے اپنا آخری حصہ خریدا تھا (یعنی 50 فیصدی پریمیم)
تمھیں دلانے کا وعدہ کر سکتا ہوں لیکن تمھیں اپنی مرضی کو مجھے لکھنے میں عجلت کرنی
چاہیے، تاکہ میں سکریٹری کو ہدایت کر دوں، جو تمھیں ہر وہ رقم دے دے گا جس
کی تمھیں ان حصوں کی خرید کے سلسلے میں ضرورت ہو، تم اِسے قسطوں میں واپس
کر دینا، چھوٹی یا بڑی قسطیں، جس میں بھی تمھیں آسانی ہو۔
جواب جلد دو۔ تمھارا خیر خواہ

(پی ایل پیو)

"... تم لوگوں کو بڑی تعداد میں اس بینک میں شامل ہونے کے لیے
ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، فوراً، اس سے پہلے کہ حصوں کی تعداد طے ہو، تم
لوگوں کو حصوں پر صرف بہت زیادہ منافع ہی نہیں ملے گا بلکہ ہم سطح نئے حصے ہر
چھ مہینے بعد بھی مل سکیں گے۔ اس میں اپنے تمام دولتمند دوستوں کو لے آؤ۔
چونکہ بینکوں میں یہ سب سے اچھا بینک ہوگا، ہر ایک زبردست اور شاندار
کاروبار..."

"...ادائیگیوں کے سلسلے میں پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں

ہے۔۔۔ ڈیپنام تمھیں پورا سرمایہ دے دے گا، جب تک بھی تمھیں یہ درکار ہوگا۔۔"

پھر اس میں حیرت کی کون سی بات ہے کہ یہ بینک دیوالیہ ہوگیا!

کبھی کبھی حصوں کے دلال اولین جاری شدہ سرمایے کو حاصل کرنے کے لیے بھی مقرر کیے جاتے تھے[7] یہ طریقہ کافی باا‌ثر تھا اور ایسی کمپنیوں کے لیے تقریباً لازمی تھا جو اپنے مقامات اور اس کے گرد و نواح سے باہر بھی حصے بیچنا چاہتی تھیں۔ چونکہ اس زمانے میں، جب رسل و رسائل اور ذرائع آمد و رفت انتہائی مشکل اور خطرناک تھے، لوگوں کی درخواستوں، الاٹمنٹ کی اطلاعات، ترسیلِ زر، اور رُقعوں کے اجرار وغیرہ کو ڈاک کے ذریعے بھیجا جانا انتہائی مہلک حد تک خطرناک ثابت ہوتا تھا۔

جب ایک بار کمپنی اپنا اولین جاری شدہ سرمایہ حصوں کے ذریعے حاصل کرلیتی تھی تو بعد میں حصوں کے اجرار کا مسئلہ اتنا مشکل نہیں ہوتا تھا۔ ان مزید حصوں کو ہمیشہ موجودہ حصے داروں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور دس میں سے نو صورتوں میں انھیں یہی لوگ خرید لیتے تھے[8]

اصل کار کے سرمایہ حاصل کرچکنے کے بعد اگر وہ ان حصوں کو بعد میں بیچنا چاہتا تھا تو یا تو وہ ان کے لیے مقامی اخباروں میں اشتہار دیتا تھا یا پھر وہ کسی مقامی حصوں کے دلال کی خدمات حاصل کرتا تھا۔ اس زمانے کے اخباروں کی چھان بین سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر طریقہ زیادہ عام تھا۔

بہت سی مشکلات کے باوجود بینک کار کمپنیوں کا جاری سرمایہ، عام صورتوں میں فوری طور

---

[7] مثال کے طور پر، 'بینک آف ایشیا' قایم شدہ لندن، نے ہندوستان میں مندرجہ ذیل کو حصوں کا دلال متعین کیا:

'گرے اینڈ رسل' ـــــ بمبئی

'کائر اینڈ کمپنی' ـــــ کلکتہ

'لائن اینڈ کمپنی' ـــــ مدراس

کوکے، صفحات 44-343۔

[8] کوکے، صفحات 9-267۔

پر ضرورت سے زائد جمع کر دیا جاتا تھا، یہ اس لیے تھا کہ بہت تھوڑی سی کمپنیاں ہونے کی وجہ سے سرمایے کے ذرائع پر حقیقت میں کسی قسم کا دباؤ موجود نہیں تھا۔ حصوں کی اونچی ظاہری قدر ہی اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ حصے محض دولتمند افراد کے لیے جاری کیے گئے تھے۔ ایسے ہندوستانیوں کی تعداد جو 1,000 روپے کی ظاہری قدر کے حصے خرید سکیں بہت تھوڑی ہی رہی ہوگی۔ لیکن اسے بھی ایک مخفی خوش قسمتی ہی کہا جا سکتا ہے، چونکہ نیچی قیمتوں کے حصوں سے بعض موقعوں پر بدعنوانیوں اور خراب حرکتوں کا موقع مل جاتا تھا۔[1]

1840 کی دہائی میں جاری کیے گئے حکومتِ ہند کے ایک حکم نے یہاں کے سرمایہ بازار پر کسی قدر خراب اثر پیدا کیا۔ بعض موقعوں پر سرکاری ملازمین کو کچھ ضمانت دینی ضروری ہوتی تھی اور اب تک نجی کمپنیوں کے حصے اس کے لیے جمع کیے جاتے رہے تھے۔ اب اسے ممنوع قرار دے دیا گیا، چونکہ اس قسم کے حصوں کے بڑھتے ہوئے استعمال نے سرکاری حلقوں میں تشویش پیدا کرنی شروع کر دی تھی۔ لیکن سرمایہ کاری پر اس کا جتنا بھی منفی اثر پڑا ہوگا اس سے کچھ زیادہ نعم البدل انشورنس کمپنیوں اور بینکوں کی طرف سے حصوں کی خرید میں سرمایہ کاری کے اضافے نے فراہم کر دیا ہوگا۔[2]

حصوں کی قیمتوں کے تعین میں حصے داروں کے جذبات زیادہ اہم کردار ادا کرتے تھے چونکہ یہ قیمت عام طور پر کسی مخصوص حصے کی متوقع کمائی کا پہلے سے حساب کرنے کے بعد، بازار کے

---

[1] فرانس کی دوسری سلطنت کے متعلق ذکر کرتے ہوتے اے۔ بی لیوی لکھتا ہے: "سب سے زیادہ بد احتیاطی کے ساتھ جاری کی جانے والی کمپنیاں بہت چھوٹی رقموں کے حصوں پر قایم کی جاتی تھیں۔ چھوٹی اور جعلی کمپنیاں متعدد موقعوں پر اپنے سرمایے کو صرف ایک فرانک کے حصوں پر تقسیم کرتی تھیں تاکہ عوام کے غریب اور سادہ لوح لوگ اس میں دلچسپی لیں اور اس طرح ان کو ان کی بچتوں سے محروم کیا جا سکے۔" 'نجی کارپوریشنیں اور ان پر تسلط' [پرائیویٹ کارپوریشنیں اینڈ دیر کنٹرول] جلد ۱ ۔ 1950، صفحہ 90 ۔

[2] "کمپنی سونا، چاندی اور سرکاری ہنڈیاں خرید سکتی ہے ... اور ہندوستان کے منشور یافتہ بینکوں میں حصے، جیسا بھی ڈائرکٹر مناسب سمجھتا ہو۔" 'کامرشیل بینک آف انڈیا کے تصفیے کی دستاویز' [ڈیڈ آف سیٹلمنٹ آف دی کامرشیل بینک آف انڈیا] کوکے، صفحہ 331 ۔ کلکتہ لاڈ ابل سوسائٹی کی شق 24 نے ڈائرکٹروں کو بینکوں میں سرمایہ کاری کا اختیار بھی دیا تھا۔ 'بنگال جنتری' (سابقہ حوالہ)

بازار میں دباؤ وغیرہ کی مناسبت کو مدنظر رکھ کر متعین نہیں ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر حکومت اور 'بینک آف مدراس' کے درمیان بینک کے نوٹوں کی تعداد کی ایک حد پر معاہدے کے نتیجے میں حصوں کے پریمیم ۱۴ فیصدی سے بڑھ کر ایک دم ۱۰۰ فیصدی ہوگئے[1] حالانکہ جو حد مقرر کی گئی تھی وہ گذشتہ سالوں کے جاری کردہ نوٹوں کی تعداد سے کچھ کم ہی تھی اور حصوں کے منافع میں کسی قدر کمی ہی آتی تھی[2] اسی طرح 1834 میں کچھ جعل سازیوں کے نتیجے میں 'بینک آف بنگال' نے اپنے قیام کے بعد سے پہلی بار حصوں پر کسی قسم کے منافعے کا اعلان نہیں کیا اور گذشتہ آدھے سال کے تمام منافعے کو احمقانہ انداز میں نفعے اور نقصان دونوں کھاتوں سے منسوخ کردیا۔ چنانچہ اس سے بازار میں اتنی زبردست گھبراہٹ پھیلی کہ بینک کے حصوں کا پریمیم ۱۰,۰۰۰ روپے ہم سطح برائے نام قدر پر 6,000 روپے رہ گیا[3]

حصہ بازار کی ایک بہت ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے کارکنوں کا اثر اس کو ایک استحکام اور جماؤ بخشتا تھا۔ زر کے بازار پر وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے مختلف دباؤوں کے نتیجے میں حصوں کی قیمتوں میں جو کمیاں پیدا ہوجاتی تھیں اُن کے خلاف 'کمپنی' کارکن ایک تحفظ فراہم کرتے تھے، چونکہ یہ ایک محفوظ اور طویل مدتی سرمایہ کاری کے خواہاں تھے اور فوری طور پر نفع حاصل کرلینا ان کا مقصد نہیں تھا[4] بہرحال اس سے نجی کمپنیوں کے حصے سرکاری قرضوں کے اجراء سے خاص طور پر متاثر ہونے لگے۔ اس طرح جب 44-1843 میں 42-1841 کا جاری شدہ قرض بند کیا گیا، اور 4 فیصدی پر ہنڈیوں اور دوسری دستاویزات کی قیمت اس کے برابر تھی، اس وقت 'بینک آف بامبے' کے حصے 52 فیصدی پریمیم پر تھے، اور پھر بعد میں 47-1846 میں 5 فیصدی سود پر قرض دوبارہ جاری کیا گیا تو ان حصوں کا پریمیم 36 فیصدی رہ گیا، حالانکہ بعد کے سالوں میں حصوں پر منافع 7 سے 8 فیصدی کردیا گیا تھا[5] قیمت میں یہ نیا

---

[1] کوکے، صفحہ 152۔

[2] ایضاً، صفحہ 154۔

[3] ایضاً، صفحہ 104۔

[4] ایضاً، صفحہ 176۔

[5] کوکے، صفحہ 176۔

توازن فی الوقت غیرضروری یا نامناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن اس زمانے میں قیمت میں یہ گراوٹ بہت زیادہ سمجھی جاتی تھی۔

کمپنیوں کے سرمایے کا ڈھانچہ بہت آسان اور سیدھا سادا تھا، چونکہ سارا کا سارا سرمایہ بلا استثنا معمولی حصوں کے ذریعے ہی ابھارا جاتا تھا۔ اپنے ابتدائی سرمایے کے حصول کے سلسلے میں ان کمپنیوں کے اندازِ فکر میں ناعاقبت اندیشی کا اظہار ہوتا ہے۔ ابتدا میں یہ سرمایہ عام طور پر بہت تھوڑا ہوتا تھا اور کسی حد تک اسی وجہ سے تقریباً ہر سال اور بعض موقعوں پر سال میں دو بار اسے بڑھانا پڑتا تھا، اس طرح بار بار مزید طلب کے اعلان کے ذریعے سرمایہ حاصل کیا جاتا اور ظاہرہ طور پر یہ کُل ادائیگی والے حصے ہوتے تھے[1]

محدود ذمے داری کے نہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ کسی کمپنی کی ناکامی پورے حصہ بازار میں ایک خوف و ہراس پیدا کر دے۔ 'یونین بینک آف کلکتہ' کی تاریخ سے یہی اظہار ہوتا ہے[2] ترجیحی حصوں کا استعمال غیر محدود ذمے داری کے ساتھ تضاد رکھتا تھا۔ ترجیحی حصوں اور قرض ناموں (ڈبنچر) کو انگلینڈ میں محدود ذمے داری رکھنے والی منشور یافتہ کمپنیوں نے فروغ دیا تھا اور یہ نہروں اور ریلوے کی تعمیر کے کچھ مخصوص مسائل کا نتیجہ تھا۔ لیکن اس وقت ہندوستان میں ایسی کمپنیاں موجود نہیں تھیں جن کا تقابل ان سے کیا جا سکے[3] عوامی افادیت کے اداروں کا کم و بیش پوری طرح

---

[1] "اسٹاک کو 250 روپیے فی حصہ کی طلب کے ذریعے دوگنا کر لیا گیا اور حصوں کی قیمت کو بڑھا کر 500 روپیے فی حصہ کر دیا گیا، اور اس طرح سرمایہ حاصل کیا گیا۔۔" ایضاً صفحہ 209۔

[2] ایضاً صفحہ 293۔

[3] "ترجیحی حصے 'ذرائع آمد و رفت' سے متعلق ابتدائی کمپنیوں کے سامنے درپیش مالی پریشانیوں کی دین تھے۔ ایسے منصوبے، عام طور پر، بلا استثنا انجینیری مشکلات اور ان کے مناسب حل پر پوری طرح غور کیے بغیر شروع کر دیے جاتے تھے، جس کے نتیجے میں تعمیری لاگت امید سے زیادہ ہو جاتی تھی۔۔" "رہن، سالیانہ (Annenty)، پرامسری نوٹ، اور قرض کی دوسری دستاویزات کو عام طور پر بہت زیادہ پسند نہیں کیا جاتا تھا۔۔" "۔۔۔کہیں 1800 میں جا کر، جس دوران نہروں کی تعمیر کا زبردست کام ہوا، نئے قسم کے حصے پوری طرح پیر جما سکے۔۔۔" "۔۔۔ریلوے نے اس قسم کی مالیت کاری کی ضرورت کو اور بڑھا وا دیا، جس کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

فقدان تھا اور ریلوے کی تعمیر کا کام 1850 کی دہائی کے ابتدائی حصے میں شروع ہوا تھا۔

کچھ صنعتی کمپنیوں نے وقتاً فوقتاً فوری مالیات کی ضرورت کو محسوس کیا تھا، لیکن عام طور پر اس قسم کی رقمیں کمپنی کی ملکیتوں کی ضمانتوں پر بینکوں سے اُدھار لی جاتی تھیں[10] مخصوص حالات میں حکومت بھی قرض دینا منظور کر لیتی، جیسا کہ 'پورلوٹو لو دو اسٹیل اینڈ آئرن ورکس' کے سلسلے میں ہوا۔ ایسے حصوں کی ضمانت حصے داروں کو شخصی حیثیت سے دینی ہوتی تھی[11]

خالص معاشیات کے نظریے کی اصطلاحات کے مطابق، جدید ماہرینِ معاشیات اس دور میں حصے پر منافعے کے سلسلے میں کمپنیوں کی پالیسی کو بہت بڑی حد تک بہت اطمینان بخش محسوس کریں گے[12] لیکن کیا اس پالیسی کو شعوری طور پر اپنایا گیا تھا؟ یہ بات ذرا مختلف ہے۔ کمپنیاں اصولی طور پر اپنے تمام حاصل شدہ منافعے کو حصوں پر منافع کے طور پر تقسیم کر دیتی تھیں، جس کا حساب عام طور پر چھ مہینے بعد کیا جاتا تھا۔ اس منافعے میں ایک باقاعدگی اور توازن پیدا کر لینے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی جس کے نتیجے میں اس منافعے میں سال بہ سال زبردست تبدیلی نظر آتی ہے[13] کان کنی اور ایسی ہی دوسری کمپنیاں آج بھی ہر جگہ یہی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ایک ریزرو (محفوظ سرمایہ) پیدا کر لینے کا تصور، جو بفر کے طور پر استعمال کیا جا سکے، جنرل بینک

(صفحہ 74 سے آگے)

نتیجے میں 1850 تک 100 سے بھی زیادہ ترجیحی حصے فروخت کیے جا چکے تھے۔۔۔" جی۔ ایچ۔ ایوانس 'برطانوی کارپوریشن مالیت کاری' [برٹش کارپوریشن فائنانس] 1775 تا 1850، مطبوعہ 1936، صفحات 50-149۔

[10] کوکے، صفحات 91-188۔

[11] براؤن، صفحہ 65۔

[12] "اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ڈائرکٹر پوری طرح اس کوشش میں مصروف ہیں کہ حصے داروں کو زیادہ سے زیادہ خالص حاصل ملتا رہے، تو ظاہر ہے کہ منافع کا کوئی حصہ دوبارہ سرمایہ کاری میں صرف کرنا اس وقت تک ضروری نہیں ہونا چاہیے جب تک کہ اس طرح لگائے گئے زائد سرمایے سے منافع کم از کم اتنا نہ ہو جتنا کہ اگر یہ سرمایہ کسی اور جگہ۔ یعنی اس کارخانے سے باہر۔ لگایا جاتا تب ہوتا۔" ملاحظہ ہو منافعے کی تقسیم میں اصولِ مختتم۔ این۔ ایس۔ بکانن 'اجتماعی رائے اداروں کی معاشیات' [دی اکونومکس آف کارپوریٹ انٹرپرائزز] 1940، صفحہ 34۔

[13] کوکے، صفحات 3-142۔

آف انڈیا کے وقت سے ہی نظر آنا شروع ہو جاتا ہے[51] لیکن یہ طریقہ اس وقت تک عام نہیں ہوا جب تک تجارت یا دوسرے کاموں میں کاروباری بحران یا غیر متوقع نقصانات کے اثر سے اس طریقے کا پورا افادہ محسوس نہیں کر لیا گیا۔ جہاں یہ ریزرو پیدا کیا گیا تھا وہاں چھ مہینے کے کُل منافعے میں سے ایک متعینہ فیصد رقم اس کے لیے علیحدہ کر دی جاتی تھی، تاوقتیکہ ریزرو کی یہ رقم کل جمع شدہ سرمایے کے ایک متعینہ فیصد حصے تک نہ پہنچ جائے۔ ایک مثال ایسی بھی ہے جہاں ریزرو سرمایے میں کسی قسم کی جمع سے پہلے سرمایے کا کم از کم 6 فیصدی حصہ حصوں پر منافعے کی شکل میں ادا کرنا ضروری تھا[52] لیکن یہ ریزرو رقم ہمیشہ غیر معمولی حالات کے مقابلے کے لیے ہی استعمال ہوتی تھی، اس سے کبھی حصوں پر منافعے میں توازن نہیں پیدا کیا جاتا تھا کبھی کبھی اس ریزرو سے ایک پونڈ فی حصہ کی شرح سے بونس ضرور ادا کر دیا جاتا تھا لیکن منافعے کو دوبارہ کاروبار میں لگانے کا تصور بعد کی اختراع ہے۔

سرمایے میں سے حصوں پر منافعے کی ادائیگی کے نتائج اور اس کی پیچیدگیوں کو بخوبی سمجھا جاتا تھا، اور بعض صورتوں میں کمپنی کے دستور یا تحریری قانون کے ذریعے ایسی ادائیگی کی ممانعت بھی کر دی گئی تھی[53] لیکن ایسی مثالیں مل جانا بھی بہت مشکل نہیں ہیں جہاں پر منافع سرمایے سے ہی ادا کیا گیا ہو[54] اور 'یونین بینک' کی صورت میں تو عوام سے حاصل شدہ جمع تک سے اس کی ادائیگی کی گئی تھی[55]

---

[51] 'جنرل بینک' کی شق 11 میں تحریر تھا: "... کل خالص منافعے کا ایک بٹا تین سے زیادہ حصہ حصوں پر منافعے کی شکل میں تقسیم نہیں کیا جائے گا..." لیکن ایک عام اجلاس منعقدہ یکم دسمبر 1787 کو اسے منسوخ کر دیا گیا تھا۔ ایچ سنہا، صفحہ 146۔

[52] کوکے، صفحہ 3-142۔

[53] 'اورینٹل بینک کارپوریشن' کے 'رایل چارٹر' کی دفعہ 2 میں تحریر تھا کہ "سرمایے میں سے حصوں پر کوئی منافع ادا نہ کیا جائے۔" ایضاً صفحہ 146۔

[54] ملاحظہ ہو کوکے کی کتاب میں 'یونین بینک آف کلکتہ'، 'اور بنارس بینک' (سابقہ حوالہ) اور انشورنس کی آسام کمپنی میں اس کمپنی کا ذکر۔ ان تمام کمپنیوں نے اپنے سرمایے میں سے ہی حصوں پر منافعے کی ادائیگی کی تھی۔

[55] "... کہ اس (یونین بینک) نے حصوں پر جن منافعوں کا اعلان کیا تھا، اور جن کو اس (بقیہ اگلے صفحہ پر)

"بینک کاری کی تاریخ، بدانتظامی کی اس سے بڑی کوئی اور مثال شاید پیش نہ کر سکے جیسی اس کمپنی کی بدعنوانیوں نے کی ہے، اور جس نے اس کمپنی کے ذریعہ ایک لاکھ اسٹرلنگ پاؤنڈ کو تباہ کرنے کا موقع فراہم کیا۔ پروپرائٹر، خود اپنے ڈائرکٹروں کی حرکتوں کی وجہ سے اپنا کُل سرمایہ گنوا چکے ہیں... اور اس کے بعد یہ لوگ، اپنی کل ذاتی ملکیتوں کی حد تک، کمپنی کے بقیہ الحاق کی وجہ سے عوام کے دین دار ہیں[1]"

روداد کے مندرجہ بالا اقتباس میں، جس پر اور دوسروں کے ساتھ لارڈ ڈلہوزی کے دستخط بھی موجود ہیں، بدانتظامی کی ایک ایسی مثال نظر آتی ہے جس کی وجہ سے آخر میں مجبور ہو کر ہندوستان میں پہلا 'کمپنی ایکٹ' پاس کرنا پڑا۔ اس عرصے میں کمپنیوں کو جن قانونی مسائل سے دوچار ہونا پڑا اُن پر اگلے باب میں بحث کی گئی ہے۔

(صفحہ 76 سے آگے)

نے اتنی شہرت دی تھی، وہ سرمایے سے نہیں لیے گئے تھے، چونکہ یہ حد تو بہت ہی گذر چکی تھی ۔ بلکہ یہ ان جمع شدہ رقموں سے ادا کیے گئے تھے جن کی حفاظت کے سلسلے میں لوگ ابھی تک اس پر اعتماد رکھتے تھے... بلاکو کے صفحہ 186۔

[1] مالیاتی شعبے میں گورنر جنرل ان کاؤنسل کی روداد۔ 27 مئی 1848، (1848 کا نمبر 29)

تیسرا باب

1850 تک کمپنی قانون کے مسائل

آج کمپنی کے نام سے ہی اس کے اجتماعی کردار کا تصور ذہن میں آجاتا ہے لیکن گذشتہ صدی کے ابتدائی حصے میں اس کا یہ کردار صرف شاہی منشور، لیٹرز پیٹنٹ (Letters Patent)، برطانوی پارلیمنٹ یا بعد میں ہندوستانی قانون ساز اسمبلی کے کسی ایکٹ کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اور یہ وہ رعایت تھی جو مشکل سے ہی کسی کمپنی کو بخشی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں برطانوی 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کی مداخلتوں کے نتیجے میں اُن برطانوی کمپنیوں کے لیے مشکلات اور بھی زیادہ سخت ہو جاتی تھیں جو ہندوستان میں کاروبار۔ چاہتی تھیں، چونکہ اس قسم کے تمام معاملات میں 'کمپنی' سے ضرور مشورہ کیا جاتا تھا[2]۔ ہندوستان میں کاروبار کرنے والی کسی کمپنی کے لیے منشور کے معاملے میں 'ایسٹ انڈیا کمپنی' ہمیشہ مخالفت کا اظہار کرتی تھی، خاص طور پر بینک کار کمپنیوں کے سلسلے میں یہ مخالفت اور بھی سخت

---

[1] یہ باب، اجازت حاصل کرنے کے بعد 'امریکن جرنل آف لیگل ہسٹری'، جلد 6، نمبر 3، جولائی 1962، صفحات 298 تا 308 میں چھپے میرے مضمون سے اس کتاب کے لیے اپنایا گیا ہے۔

[2] "شاہی منشور کے سلسلے میں پریوی کاؤنسل کو مشورے دینے کے لیے عام طور پر تجارتی بورڈ (بورڈ آف ٹریڈ) ذمے دار تھا لیکن نوآبادیات سے متعلقہ مسائل کے سلسلے میں ہمیشہ خزانے (ٹریژری) کو رجوع کیا جاتا تھا، اور ٹریژری ہندوستان میں ہندوستان کے لیے بورڈ آف کنٹرول سے مشورہ کرتی تھی تاکہ اس سلسلے میں 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کی رائے کا اندازہ کیا جا سکے۔" سی میکنزی، 'چاندی کی مملکت مشرق میں بینک کاری کے سو سال'، [ریلمس آف سلور ہنڈرڈ ایرس آف بینکنگ ان دی ایسٹ] 1954، صفحہ 16۔

ہوتی تھی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے تحت[2] ہندوستان میں بینکوں کو منشور عطا کرنے کا اختیار مقامی حکومت کو سونپا جا چکا ہے، اس لیے جب تک کوئی بینک 'کمپنی' کی منظوری حاصل نہ کرے ہندوستان میں اس کا قیام قانونی حیثیت سے غلط ہے۔

بینک کاری کے لیے منشور پر غور کیے جانے کے سلسلے میں 'کمپنی' نے دو قاعدے وضع کیے تھے، (ا) ہندوستان میں بینک کاری کی مزید آسانیوں کی ضرورت ہو، اور (ب) اگر ایسا ہو تو مجوزہ بینک عوامی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے منافعے اور تحفظ کے ساتھ ان آسانیوں کو فراہم کر سکے۔ ان شرطوں کی وجہ سے، جیسا کہ بعد کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے، منشور کی درخواستوں کو نامنظور کر دینے کے لیے حکومت کو بہانہ تراش لینے میں ضرور مدد مل گئی۔ اس بات کا اظہار 'بینک آف انڈیا، آسٹریلیا اینڈ چائنا' اور 'بینک آف ایشیا' کی کوششوں کی مثال سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ایسا اس زمانے میں کیا جا رہا تھا جب 'عدم مداخلت معیشت' کی ہوا چل رہی تھی اور لوگ اس انداز میں سوچ رہے تھے کہ حکومت کو معاشی معاملات میں کم سے کم دخل دینا چاہیے۔

ہندوستان میں کاروبار کے لیے کسی بینک کو 1850 سے پہلے منشور عطا نہیں کیا گیا۔ اکتوبر 1851 میں 'کمپنی' نے جو اب بھی کافی مضبوط تھی، غیر ارادی طور پر 'اورینٹل بینک کارپوریشن' کو منشور دینے کے لیے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے بینکوں کے لیے بھی ہندوستان کے دروازے کھل گئے۔ ہندوستان میں صنعتی مفادات رکھنے والا زمرہ ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان شرح مبادلہ کے سلسلے میں 'کمپنی' کی ترکیبوں اور جوڑ توڑ کی وجہ سے کافی خفا رہتا تھا اور یہ خفگی بڑھ ہی رہی تھی۔ اس سلسلے میں بڑھتے ہوئے احتجاج سے خود خزانے کو ایک مستقل پریشانی اور کشمکش کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ چنانچہ 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کو بھی کافی بددلی کے ساتھ ان کے سامنے جھکنا پڑا اور دوسری بینک کار کمپنیوں کو منشور عطا کر دیے جانے پر راضی ہونا پڑا۔ چونکہ 'اورینٹل بینک' کے منشور کے قانونی جواز پر حرف رکھنا ممکن نہیں تھا اور یہ بات بھی عوامی مفاد کے خلاف ہوتی کہ اس کارپوریشن کو زر مبادلہ کے کاروبار میں مکمل اجارہ دے دیا جاتے[3]، اس

---

[2] 47. George III. 68, S.8

[3] میکنزی، صفحہ 16، منشور حاصل کرنے کے لیے دی گئی درخواستوں کی فہرست اور ان کے نتائج

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

دور میں منشور کا عطا ہو جانا بھی اپنے طور پر ایک برتری کی صورت تھی، چونکہ اس سے ساتھ کمپنی کے وقار میں اضافہ ہوتا تھا اور عام طور پر حصے داروں کو اپنی ذمے داری کو محدود کرنے کی اجازت ہوتی تھی، دوسری طرف حالانکہ 1850 میں حصہ دار کمپنیوں کے لیے ایک عمومی ایکٹ پاس ہو چکا تھا لیکن اس کے تحت 1860 تک بھی محدود ذمے داری کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

ہندوستان میں 1850 کے آخر تک صرف پانچ مخصوص حصے دار کمپنیوں کے ایکٹ پاس ہوئے تھے، ان میں تین پریسیڈنسیوں — کلکتہ، بمبئی اور مدراس — کے بینکوں کے سلسلے میں پاس کیے گئے ایکٹ بھی شامل تھے [1] 'یونین بینک آف کلکتہ' جو 1829 میں قایم ہوا تھا، 1845 تک بھی اپنے افسروں کے ذریعے مقدمہ چلانے اور ادارے پر چلائے گئے کسی مقدمے کی پیروی کرنے کی جزوی رعایت حاصل نہیں کر سکا تھا۔ حصے دار کمپنیوں کو ملنے والی مراعات حاصل کرنے کا ایک بالواسطہ طریقہ یہ تھا کہ کوئی منسوخ شدہ منشور حاصل کر لیا جائے یا کمپنی کو کسی اور منشور یافتہ کمپنی کے ساتھ ضم کر دیا جائے لیکن یہ طریقہ بہت کم استعمال کیا جاتا تھا، چنانچہ ہندوستان میں اس قسم کی صرف ایک مثال ہے جس کی کچھ تفصیل بھی موجود ہے [2]

باقی اور کمپنیوں کے معاملات میں ہندوستانی وکیل، اپنے انگریزی ہمعصروں کی عام طور پر برابری کرتے ہوتے، اُنہی قانونی راہوں کا سہارا لینے پر مجبور تھے جو اس وقت ان کے سامنے موجود تھیں. ساجھے داری ۔۔۔ نا تنظیم کو کسی حد تک اجتماعی سرمایہ کمپنی کی ضروریات کے مطابق ڈھالا

(صفحہ 79 سے آگے)

کے لیے ملاحظہ ہو 'برطانوی پارلیمنٹری پیپرس' 1854 (299) L xv .611-. اس دور کے مختلف بینکوں کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو، کوکے۔ (سابقہ حوالہ)

[1] دو حصے دار کمپنیاں — 'بنگال بونڈڈ ویئر ہاؤس ایسوسی ایشن' اور 'آسام کمپنی' — جنھیں 1838 کے ایکٹ اور 1848 کے ایکٹ XIV کے ذریعے بالترتیب حصے دار کمپنیاں قرار دیا گیا تھا۔ ہندوستان کے تین بڑے شہروں — کلکتہ، بمبئی اور مدراس — کو پریسیڈنسی شہروں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور 'بینک آف بنگال'، 'بینک آف بامبے'، اور 'بینک آف مدراس'، جن میں کل حصوں کا ایک تہائی خود حکومت رکھتی تھی، 'پریسیڈنسی بینک' کہے جاتے تھے۔

[2] 'اورینٹل بینک کارپوریشن' نے 'بینک آف سیلون' کا منشور حاصل کر لیا تھا۔ کوکے صفحات 5-144۔

جاسکتا تھا۔ کسی کمپنی کی مشترک ملکیتوں کو آسانی کے ساتھ اور موثر طور پر ایک ٹرسٹ اور ڈائرکٹروں کے انتظامیہ (مینجمنٹ) کے ذریعے قایم رکھا جاسکتا تھا[4]۔ اس کے نتیجے میں جو دوغلی تنظیم پیدا ہوتی تھی وہ اپنے ڈھانچے کے اعتبار سے منشور یافتہ کمپنی سے بہت تھوڑی ہی مختلف ہوتی تھی، لیکن قانون کی نگاہوں میں اسے ایک وسیع ساجھے دار تنظیم سے زیادہ کچھ تصور نہیں کیا جاتا تھا، چونکہ وہ قانونی امتیاز جو ساجھے دار اور اجتماعی سرمایہ کمپنی کے درمیان آج اتنا واضح اور صاف نظر آتا ہے اس وقت تک قایم نہیں ہوسکا تھا۔ گذشتہ صدی کی پہلی چوتھائی کے خاتمے تک بھی بُبل ایکٹ[5] (Bubble act) کے تحت انگلینڈ میں ان اجتماعی تنظیموں کا قیام ایک غیر قانونی فعل تھا۔ خوش قسمتی سے ہندوستان میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں تھا۔

مقدمات میں مدعی اور مدعا علیہ بننے کے سلسلے میں جو مشکلات درپیش تھیں ان کے لیے ٹرسٹ کا طریقہ تھوڑا بہت حل ضرور فراہم کرتا تھا[6] لیکن چونکہ انھیں کسی طرح ساجھے دار کمپنیوں

---

[4] "کامرشیل بینک آف انڈیا" جو پہلی اکتوبر 1845 کو بمبئی میں قایم کیا گیا تھا، جس میں 19,00,000 روپیے کا مجوزہ سرمایہ تھا، اور 348 حصے تھے، اس کے منیجر ایس۔ ڈی۔ مرے نے بیان کیا تھا کہ: "اپنی ایسوی ایشن پر ساجھے داری کے ان قوانین کو عائد کرنے کے سلسلے میں" بینک کو "سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن کے تحت اس ایسوسی ایشن کو بار بار ٹرسٹیوں کے ناموں کے استعمال اور تیسری پارٹیوں کی مداخلت کے ساتھ اپنی ملکیت کو سخت خطرات میں رکھنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے" لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا، 27/دسمبر 1850۔

[5] بُبل ایکٹ (Bubble act) (6, Geo D.C.18) انگلینڈ میں یہ بات مدنظر رکھتے ہوئے پاس کیا گیا تھا کہ ایک باقاعدہ منشور یا ایسی ہی کسی قرار داد کی منظوری کے بغیر اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کی تشکیل کو روکا جاسکے۔ قانون کی کتابوں میں یہ ایکٹ کم و بیش ایک صدی تک موجود رہا، لیکن مختلف اختراعی ترکیبوں کے اثر سے جنھیں بیوپاری اور صنعت کار مستقل استعمال کرتے رہتے تھے، اس کے پیچھے جو مقصد کارفرما تھا وہ حاصل نہ ہوسکا۔ ملاحظہ ہو بی۔ سی۔ ہنٹ، "انگلینڈ میں بزنس کارپوریشن کا ارتقا" [دی رائز آف بزنس کارپوریشن ان انگلینڈ] 1800 تا 1867، مطبوعہ 1936، خاص طور پر پہلا اور دوسرا باب۔

[6] "... بینک کو قانون کے ذریعے اپنے قرضوں کی وصولیابی میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ ایسی ہیں جن پر قابو پانا کم و بیش ناممکن ہے اور اگر ان کا علم عام لوگوں کو ہوجائے تو حصے داروں کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے الگ نہیں کیا گیا تھا اس لیے اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کو وہ تمام قانونی بندشیں اور پابندیاں بھی برداشت کرنی پڑتی تھیں جو ساجھے داری پر عائد ہوتی تھیں، اور یہ اُن کی مشکلات کے اسباب میں ایک اہم وجہ تھی۔ یہ مشکلات انگریزی اصولِ انصاف (ایکوٹی لاء) اور قانونِ عرفی (کامن لاء) کو اپنانے سے پیدا ہوئی تھیں۔

'قانونِ عرفی' کے اصولوں میں پہلا اصول تھا کہ ساجھے داروں کے مابین کوئی بھی عمل ایسی صورت میں حق بجانب قرار نہیں دیا جاسکتا جس میں حسابات سے متعلق معاملات بھی موجود ہوں یا جس میں اگر تاوان کا مطالبہ موجود ہو، اور وہ تاوان وصول کرلیا جائے، تو وہ کمپنی کی ملکیت قرار دیا جائے؛ دوسرے یہ کہ ساجھے داروں کے، قرض دار کے خلاف، کسی بھی عمل میں تمام ساجھے دار ملے جُلے مدعی ہوں گے (چونکہ کمپنی کی علیحدہ طور پر کوئی قانونی حیثیت تسلیم نہیں کی گئی تھی) اور تیسرے یہ کہ کوئی بھی ساجھے دار معاہدوں کی رو سے ساجھے داری کاروبار کے دائرے میں آنے والے تمام ساجھے داروں کو مقدمے میں شامل کرسکتا تھا۔

ان تین اصولوں میں سے پہلے اصول کو کمپنیوں کے لیے اپنا لینے کا اثر یہ تھا کہ ڈائرکٹروں کی طرف سے حصے داروں کے خلاف کوئی مطالبہ عائد نہیں کیا جاسکتا تھا، چونکہ ڈائرکٹر خود حصے داروں کے ساجھے دار مانے جاتے تھے۔ بہت سے حصے داروں نے کسی قسم کی قانونی چارہ جوئی کو دوسرے اصول

(صفحہ 81 سے آگے)

مفادات کو سخت دھکا بھی پہنچا سکتی ہیں۔" اورینٹل بینک، بمبئی کے مینیجنگ ڈائرکٹر ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ کارگل کی طرف سے میمورنڈم: 'لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا' 27 / دسمبر 1850۔ اس میمورنڈم کے ساتھ بینک کے قانونی مشیر کا ایک خط بھی شامل تھا جس نے بیان کیا تھا "بینک کے ٹرسٹیز کے عمل میں جو ... کے خلاف تھا، جج نے ... کسی ایسے واضح ایکٹ کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ـــ جس کے تحت بینک کے کسی افسر کو مقدمہ چلانے اور بینک پر قائم کسی مقدمے کی پیروی کرنے کی اجازت ہو ـــ ان مشکلات کا ذکر کیا تھا جس سے عام لوگوں اور بینک کو دوچار ہونا پڑتا ہے، اور یہ بھی اظہار کیا تھا کہ فی الحال اس کی رائے میں بینک تمام حصے داروں کو مدعی بنائے بغیر مقدمہ دائر نہیں کرسکتا۔" انگلینڈ میں ان مشکلات کو وسیع پیمانے پر ثالثی کے ذریعے حاصل کرلیا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو اے۔ بی۔ ڈیوبائس، 'ببل ایکٹ کے بعد انگلش کاروباری کمپنی'، [دی انگلش بزنس کمپنی آفٹر دی ببل ایکٹ]، 1720 تا 1800، مطبوعہ 1938، صفحہ 221۔

کے تحت عملی طور پر ناممکن کر دیا تھا۔ جہاں تک تیسرے اصول کا سوال ہے، مختلف فتنوں اور الجھنوں کا جو میدان اس کی وجہ سے کھلتا تھا وہ بھی بہت وسیع تھا۔

اصولِ انصاف (ایکوٹی) کے زمرے میں جو اصول آتے تھے ان میں پہلا یہ تھا کہ کسی ساجھے دار کی طرف سے چلائے گئے مقدمے کے نتیجے میں کسی دوسرے ساجھے دار کو رقم کی ادائیگی پر مجبور کرنے سے پہلے مجموعی حساب کتاب کیا جانا ضروری تھا۔ دوسرا یہ تھا کہ کوئی ساجھے دار اگر حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرنا چاہتا ہو یا ساجھے داری معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کرنا چاہتا ہو تو اسے اختتامی رقم (Desso lention) کی ادائیگی کرنی ضروری تھی؛ اور تیسرا اصول یہ تھا کہ عدالت اس وقت تک مداخلت کی مجاز نہیں تھی جب تک تمام ساجھے دار اس کے سامنے موجود نہ ہوں۔

اور ایک قاعدہ، کہ ساجھے داری کو کسی ایک ساجھے دار کی مرضی پر ختم کیا جاسکتا ہے، اگر اس سلسلے میں کوئی شرط عائد نہ کی جائے تو کمپنیوں کے لیے اس کے اپنائے جانے سے کچھ عجیب عجیب نتائج برآمد ہو سکتے تھے[1]

اور آخر میں ایک غیر حصے دار کمپنی کے حصے داروں کی ذمے داری ہمیشہ ہی غیر محدود ہوتی تھی۔

اِن قوائد نے بینک کار کمپنیوں کے لیے خاص طور پر بہت سخت مشکلات پیدا کیں چونکہ ان کا سارا کا سارا کاروبار محض روپیے کے لین دین سے ہی تعلق رکھتا تھا۔

ان مشکلات کو برداشت کرنے والی صرف کمپنیاں ہی نہیں تھیں، لین دار بھی انہی پریشانیوں سے دوچار تھے۔ کسی کمپنی کا اداشدہ سرمایہ ان کی رقموں کے لیے کوئی ضمانت نہیں تھا چونکہ اسے صرف مینیجمنٹ کی مرضی سے ہی اتنا کم کیا جاسکتا تھا کہ یہ کچھ بھی باقی نہ رہے۔ اس وقت سرمایے میں تخفیف کے خلاف کوئی قانون موجود نہیں تھا۔ اگر یہ بالکل نہ ہونے کی حد تک کم نہیں بھی ہوتا تھا تب بھی مکمل اور صحیح حسابات کی غیر موجودگی میں یہ کہنا بہت مشکل ہوتا تھا کہ یہ حقیقت میں گنوایا نہیں جا چکا ہے۔ تمام حصے داروں کے متعلق پوری معلومات اور ان کو کسی جگہ جمع کر لینا بھی ناممکن حد تک مشکل تھا جس کی وجہ سے کمپنی کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی کرنا بیکار ثابت ہوتا تھا۔ اس لیے لین دار اپنے قرضوں کی وصولی کے لیے حصے داروں میں سے کچھ کو چن لیتے تھے اور ان پر مقدمہ دائر کر دیتے

---

[1] وِھٹلے اسٹوکس ہندوستانی کمپنی ایکٹ 1866، [انڈین کمپنیز ایکٹ] مطبوعہ 1866، دیباچہ۔

تھے۔ چونکہ کمپنیوں پر فاحصے کا، یا دیوالیے کا کوئی قانون عائد نہیں ہوتا تھا اس لیے ایک ہوشیار اور تیز قسم کا لین دار حصے داروں کی ملکیتوں پر قانونی حملے میں پہل کر کے اپنے ساتھیوں سے سبقت لے جا سکتا تھا۔

اور سب سے آخر میں حصے دار کی پریشانیاں سب سے زیادہ کٹھن تھیں۔ کمپنی سے قرضوں کی وصولی کے سلسلے میں اسے ذاتی طور پر چنا جا سکتا تھا اور اس کے پاس اپنی بے باقی اور چھٹکارے کے لیے بھی کوئی راستہ موجود نہیں تھا۔

اس سلسلے میں جو بات سب سے زیادہ حیرت ناک محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ 1847 سے پہلے قانون کو بدلنے کی بھی مشکل سے ہی کوئی کوشش کی گئی تھی ـــــ صرف دو ایسی صورتیں نظر آتی ہیں جن میں کمپنی کے افسروں کے ذریعے مقدمہ چلانے اور کمپنی پر چلاتے گئے مقدمے کی پیروی کرنے کا حق حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تھی[1]۔ تین پریسیڈنسیوں کے 'ایوانِ تجارت' (پریسیڈنسی چیمبرس آف کامرس) کی طرف سے اس سلسلے میں کسی قسم کا اعتراض بھی نہیں کیا گیا جو اور بھی زیادہ حیرت کی بات محسوس ہوتی ہے[2]۔

دوسری طرف حکومت 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کی درخواست پر 1846 میں ایک چھان بین کروائی جس کے ذریعے شمال مغربی صوبے، بمبئی اور مدراس میں ہندوستان کی نجی بینک کاری کی موجودہ کیفیات اور اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے قانونی مداخلت کی ضرورت پر غور کیا جانا تھا۔ اس سلسلے میں رائیں مختلف تھیں لیکن ہندوستانی قانون ساز کاؤنسل میں کاؤنسل کے صدر نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہندوستان میں بینک کاری نہ تو "اتنی ترقی یافتہ" ہے اور نہ "اتنی مستحکم حالت میں" ہے کہ اس میں قانونی مداخلت کی ضرورت ہو، سوائے اس کے کہ کچھ اداروں کو اپنے افسروں کے ذریعے مقدمے

(صفحہ 83 سے آگے)

مترادف ہے۔ حکمنامہ (Statute 3 & 4W.M.IV C.85,S.43) کے تحت ان کی دلیل تھی کہ گورنر جنرل کو ایسا اختیار حاصل نہیں ہے کہ یہ ایک ایسا قانون باقاعدہ بنائے جو کسی بھی طرح بادشاہ کے اختیاراتِ خصوصی پر اثر انداز ہو۔ 'لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا' 27/دسمبر 1850

[1] ملاحظہ ہوں 'کامرشیل بینک' اور 'بمبئی' اور 'اورینٹل بینک، بمبئی' کی طرف سے پیش کیے گئے میمورنڈم۔ لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا۔ 27/دسمبر 1850۔

[2] بنگال ایوانِ تجارت (بنگال چیمبر آف کامرس) کا پیش رو، کلکتہ ایوانِ تجارت، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

چلانے اور کمپنیوں پر دائر کیے گئے مقدموں کی پیروی کی اجازت دے دی جائے اور عوام کے تحفظ کی غرض سے پروپرائٹروں اور ان کی متعدد اور مشترکہ ذمے داریوں کو آسانی سے قانون کی گرفت میں لے آیا جائے[1]۔

اور اس کے فوراً بعد 'یونین بینک آف کلکتہ' اور 'بنارس بینک' کی ناکامی وجود میں آئی اور ان دونوں صورتوں سے ڈائرکٹروں کی بدعنوانیوں اور حسابات میں جعل سازیوں کا انکشاف ہوا۔ ان واقعات کا ایک اثر یہ ہوا کہ تمام حصے داروں کو ملوث کیے بغیر کسی کمپنی پر عوام کی طرف سے مقدمہ چلانے کی اجازت سے جو فوائد انھیں حاصل ہو سکتے تھے ان کے سلسلے میں حکومت کو کوئی شبہ باقی نہ رہا لیکن پھر بھی یہ اثر اتنا گہرا نہیں تھا کہ حکومت اس سلسلے میں مزید اصلاحات کی ضرورت کو پوری طرح محسوس کر لیتی، چنانچہ اس وقت کے تمام بیانات سے یہی اظہار ہوتا ہے کہ حکومت اس مسئلے پر دو زاویوں سے غور کر رہی تھی — اول لین داروں، اور دوسرے مینجمنٹ کے زاویۂ نگاہ سے — بہرحال حصے داروں کے مفادات سے اب بھی چشم پوشی برتی جا رہی تھی[2]۔

خود کمپنیوں نے بھی ابھی تک کسی قسم کی عرضداشتیں یا آسانیوں کے حصوں کے لیے تجویزیں پیش نہیں کی تھیں۔ صرف ایک درخواست ایک عام قسم کے اصلاحی قدم کے لیے آگرہ کے کچھ تاجروں کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔ بہرحال اتنی بات ضرور تھی کہ ہندوستان کی سپریم کاؤنسل کے قانونی ممبر بیتھون (Bethune)[3] کو کسی ایک سلسلے میں کوئی قانون وضع کرنے کا طریقہ ناپسند تھا، خاص

(صفحہ 84 سے آگے)

1834 میں قایم ہوا تھا مدراس اور بمبئی ایوانِ تجارت 1836 میں قایم کیے گئے تھے ان کے ممبر بنیادی طور پر پریسیڈنسی شہروں میں موجود یورپی ایجنسی ہاؤس تھے اور اس طرح انھیں اس دور کی تعلیم یافتہ کامرشیل رائے کا نمائندہ سمجھا جا سکتا ہے۔

[1] مالیاتی شعبے میں گورنر جنرل ان کاؤنسل کی روداد - 27/ مئی 1848 (1848 کا نمبر 29-)

[2] مالیاتی شعبے میں گورنر جنرل اِن کاؤنسل کی روداد۔ 27/ مئی 1848، (1848 کا نمبر 29۔ اسٹوکس)

[3] جے۔ ای۔ ڈی بیتھون کو 1848 میں گورنر جنرل ان کاؤنسل (سپریم کاؤنسل) کا چوتھا معمولی یا قانونی ممبر متعین کیا گیا تھا۔ جلدی ہی اس نے ایک ممتاز ہندوستانی قانون داں اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے شہرت حاصل کر لی: قومی سوانح حیات کی فرہنگ' [ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی] IV لندن، مطبوعہ 1885، صفحات 434-5۔ ہندوستان سے متعلق انتظامیہ کی نشوونما اور 1818 اور 1885 کے درمیان ہندوستانی آئین کے ڈھانچے کے سلسلے میں ملاحظہ ہو کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد 6۔ لندن مطبوعہ 1932، صفحات 1-8۔

طور پرایسی صورت میں کہ جب اسی مقصد کو، اگر ضروری سمجھا جائے، تو ایک عمومی قانون سے بھی حاصل کیا جاسکتا تھا۔ اس کے وضع کردہ قانون کے مسودے میں ایک بہت سیدھے سادے قدم کا خاکہ پیش کیا گیا تھا۔ اسے صرف اس حد تک محدود رکھا گیا تھا کہ چھ افراد سے زیادہ ساجھے داری کے کسی ادارے کو اپنے افسروں کے ذریعے مقدمہ چلانے اور ادارے پر چلائے گئے مقدمے کی پیروی کا حق دے دیا جائے۔ مگر حقیقت میں یہ وہ چیز نہیں تھی جسے حصے دار حاصل کرنا چاہتے تھے۔ حصے دار ایک ایسے قدم کے خواہشمند تھے جس کے اثر سے وہ بنیادی طور پر لین داروں کے مقدمات کے خطرے سے محفوظ رہ سکیں۔ اس سلسلے میں قانونی رائے پوری طرح اور متفقہ طور پر ان کی حامی تھی اور ایک جج کی رائے کے مطابق: "اس کے لیے کافی معقول حالات و وجوہات موجود تھیں کہ سب سے پہلے کمپنی کی مالیات کے لیے ایک مامن فراہم کیا جائے"[1]

اس بل کی دوسری خواندگی میں اسے بالکل نئے سرے سے تشکیل دیا گیا، حالانکہ اس پر کچھ ناکام قسم کے اعتراضات بھی ضرور کیے گئے[2] لیکن 27/دسمبر 1850 کو 'کمپنیز ایکٹ' بہرحال پاس کر دیا گیا۔

کوئی بھی غیر حصے دار (Unen Corporatio) کمپنی جس میں سات یا سات سے زیادہ ایسے افراد شامل ہوں جن کے حصے بقیہ تمام حصے داروں کی منشا حاصل کیے بغیر منتقل کیے جاسکیں اس ایکٹ کے تحت رجسٹر کرائے جانے کی متقاضی تھی، لیکن پھر بھی اندراج لازمی نہیں تھا۔ ایکٹ صرف درج شدہ کمپنیوں سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ انھیں کچھ مراعات دیتا تھا اور اس کے بدلے میں ان پر مینجمنٹ کی آزادی کے سلسلے میں کچھ پابندیاں بھی عائد کرتا تھا۔ ان پابندیوں کے متعلق خاص طور پر بمبئی کی کمپنیوں کے مینجمنٹ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ فوائد کے مقابلے میں بہت زیادہ

---

[1] لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا، 27/دسمبر 1850۔

[2] مدراس سپریم کورٹ کے ججوں نے دلیل دی کہ کمپنیز ایکٹ جیسے ہندوستان کی قانون ساز کاؤنسل پاس کرنا چاہتی ہے ہندوستان کے گورنر جنرل ان کاؤنسل کے اختیارات سے ہی باہر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے ادارے قایم کرنا، جو کارپوریشن کی خصوصیات کے حامل ہوں، بادشاہ کے اختیاراتِ خصوصی میں بیجا مداخلت کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

تھیں لہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی سال تک کلکتے کی کچھ کمپنیوں کو چھوڑ کر، ہندوستان بھر میں کمپنیاں اندراج (رجسٹریشن) سے گریز کرتی رہیں ثہ

انگریزی قانون میں (جس کی نقل ہندوستان میں کی جا رہی تھی) اندراج لازمی تھا اور ایسی کوئی خاص وجہ بھی نظر نہیں آتی جس سے اظہار ہو سکے کہ ہندوستان میں اس سے مختلف راستہ کیوں اپنایا گیا تھا ثہ خواہ عدم مداخلت معیشت، کا فلسفہ اس کی وجہ رہی ہو یا اس سلسلے میں ضرورت سے زیادہ رعایت پرستانہ خیال اس کا سبب ہو کہ رائے عامہ کی طاقت اس سلسلے میں کافی ثابت ہوگی، بہرحال جیسا کہ بعض حلقوں میں محسوس کیا جاتا تھا شہ نتیجہ یہی تھا کہ یہ ایکٹ ایسا قانون رہا جو نافذ نہ ہو سکا۔ ایکٹ میں مانگ کی گئی تھی کہ دو یا دو سے زیادہ آڈیٹروں کے ذریعے سال میں کم سے کم دو بار کمپنی کے حسابات کو آڈٹ کرایا جائے۔ ان آڈیٹروں کے لیے ضروری تھا کہ یہ کمپنی کے ڈائرکٹر یا دوسرے افسر نہ ہوں، اور انھیں حصے داروں کے عام اجلاس میں چنا گیا ہو۔ آڈیٹروں کی رپورٹ کی کاپی (اگر ہو) حسابات کے گوشوارے، فائدوں اور نقصانات کے حساب کی ایک علیحدہ نقل، سرمایے کے حسابات — جس میں لگائے گئے سرمایے کی یہ تفصیل کہ اسے کس طرح لگایا

لہ "ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بمبئی میں تو اسے بالکل ہی رد کر دیا گیا تھا۔ اس پریسیڈنسی کے جرنل کو اس میں سرے سے کوئی فائدہ یا خوبی نظر ہی نہیں آئی، صرف عیب نظر کرتے۔ شاید یہی وہاں کی عام رائے بھی تھی کہ کوئی اجتماعی سرمایہ ایسوسی ایشن اس وقت تک اس ایکٹ میں دی گئی آسانیوں کا فائدہ نہیں اٹھا سکتی جب تک وہ اپنے انداز اور اپنے کردار کو پوری طرح فراموش نہ کر دے۔" فرینڈ آف انڈیا۔ کلکتے کا ایک ممتاز روزنامچہ۔ اداریہ۔ 30 جنوری 1851۔

ثہ 'حکومتِ برطانیہ کے تحت ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' [اسٹیٹسٹیکل ٹیبلس فار برٹش انڈیا] جو پہلے 1877 میں شائع کیے گئے تھے اور بعد میں انھیں 1894 میں 'حکومتِ برطانیہ کے تحت ہندوستان کے لیے مالیاتی اور کامرشیل شماریات'، کا نام دیا گیا تھا — جب تک 1857 میں کمپنی قانون کو بدل نہیں دیا گیا بنگال کے باہر کمپنیوں نے اندراج کرانا نہیں شروع کیا۔

ھہ اس عام یقین کے برخلاف کہ ہندوستانی ایکٹ انگریزی قانون کا چربہ تھا، بعض صورتوں میں یہ ایکٹ اس سے مادی اعتبار سے اور نا عاقبت اندیشانہ انداز میں مختلف بھی تھا۔

ثہ مثال کے لیے ملاحظہ ہو، قانونی معاملات کے اہلکار (Remembrancer) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

گیا، اوراس کی قدر کا تخمینہ، جس کے ساتھ آڈیٹروں کی طرف سے ایک تصدیق نامہ بھی شامل ہو۔۔۔ ان سب کو عدالت میں داخل کرنا ضروری تھا۔ آڈیٹروں کو پورے اختیارات دیے گئے تھے کہ وہ کمپنی کے کسی بھی ممبر سے پوچھ تاچھ کرسکتے تھے اور تمام کاغذات اور دستاویزوں تک ان کو رسائی کا اختیار تھا۔

چونکہ اس وقت پیشہ ور آڈیٹر موجود نہیں تھے اس لیے جو آڈیٹر بھی متعین کیے جاتے تھے وہ کمپنی کے حصے دار ہی ہوتے تھے۔ ایکٹ میں اس کا موقع فراہم کیے جانے سے پہلے بھی، ایسی صورتوں میں جہاں متواتر نقصانات کی وجہ سے حصے داروں کے ذہنوں میں شبہات پیدا ہوجاتے تھے، وقتاً فوقتاً حسابات کو آڈٹ بھی کروایا جاتا تھا حالانکہ آڈٹ کا پیشہ ابھی پوری طرح پختہ نہیں ہوا تھا لیکن اس کے اثرات اور مفہوم کو ضرور بخوبی سمجھ لیا گیا تھا اور آڈیٹر کے کام کو صرف واؤچروں اور رسیدوں وغیرہ کی مدد سے حسابات کی صحت کی جانچ پڑتال سے زیادہ اہم کام سمجھا جاتا تھا۔[1]

اس سلسلے میں بھی بحث جاری تھی کہ کیا کسی حکومت کے افسر کو آڈیٹر کی حیثیت پر متعین کرنا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟ بیوپاری طبقے کے ایک حصے نے اس کا سجھاؤ دیا تھا لیکن حکومت نے اسے اس بنیاد پر مسترد کردیا کہ اس قسم کے اقدام سے حکومت پر ایک اور غیر ضروری ذمے داری عائد ہوجائے گی اور ممکن ہے اس سے عوام کے ذہنوں میں کوئی ایسی غلط فہمی پیدا ہوجائے کہ خود حکومت ہی حسابات کی صحت کی ضامن ہوگئی ہے۔

اس ایکٹ میں سرمایہ کھاتے کی تیاری، رقموں کے اظہار، سرمایہ کاری کی قدر اور اس کے اندازے وغیرہ کے سلسلے میں جو طریقے طے کیے گئے تھے وہ کچھ عجیب تھے۔ اس ایکٹ کی روداد سے یہ وضاحت نہیں ہوپاتی کہ سرمایے کی 'قدر' سے مراد اس کے کھاتے کی قدر سے تھی یا موجودہ قیمتوں کی مناسبت سے ان کی قدر کو دوبارہ متعین کیا جانا تھا۔

ایکٹ میں کمپنیوں کے لیے خود اپنے حصوں کی خرید کی اور ان پر کچھ پیشگی ادائیگیوں کی ممانعت کردی گئی تھی، سوائے اس صورت کے کہ جب ان حصوں کو ضبط کرلیا گیا ہو اور حصوں کی رقموں کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ان کو دوبارہ جاری کیا جارہا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ کمپنی اپنے سرمایے

(صـ87 سے آگے)
کی طرف سے خط۔ بمبئی لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا۔ 27/دسمبر 1850۔

[1] لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا، 27/دسمبر 1850۔

کو کم کرنے کا حق نہیں رکھتی تھی۔ اب بھی اجلاسِ عام کی قرارداد کے ذریعے کچھ حصوں کو منسوخ کیا جا سکتا تھا۔ ان اقدامات کا ہر طرف خیر مقدم کیا گیا لیکن اس سلسلے میں بھی بعض ذہنوں میں کچھ غلط فہمیاں ضرور موجود رہیں[1] اس وقت کمپنیوں کے لیے خود اپنے حصے خریدنا اور بیچنا ایک عام بات تھی۔ عام صورتوں میں سرمایہ اس لیے نہیں گھٹایا جاتا تھا کہ اس کے برابر کمپنی کا کوئی اثاثہ ضائع ہو گیا تھا بلکہ اس طرح ایسے سرمایے کو واپس کیا جانا مقصود ہوتا تھا جس کی سرمایہ کاری ممکن نہیں تھی۔ بہرحال حصوں کی خرید اور فروخت کے طریقے کو بیجا طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور اس سے حصوں کے سلسلے میں بے ایمانی کے راستے کھل گئے تھے۔

حالانکہ اس ایکٹ کے ذریعے کمپنی کے فنڈ سے ڈائرکٹروں کو قرض دیے جانے کی بھی ممانعت کی گئی تھی، لیکن بینکوں میں رائے عامہ کے دباؤ سے مجبور ہوتے ہوئے حکومت کو یہ بات بہرحال ماننی پڑی تھی کہ ڈائرکٹر یا کمپنی کے رجسٹرڈ افسر ایک معاہدے کے تحت، یا حصے داروں کے جلسۂ عام کے ذریعے، ایک متعینہ رقم اُدھار دے سکتے تھے۔ ایسے قرضوں کی اطلاع جلسۂ عام کو بھی دی جانی ضروری تھی، جس میں متعلقہ اشخاص کے نام اور قرضوں کے لیے دی گئی ضمانتوں کی تفصیل دی جاتی تھی۔ معاہدہ شکنی کی صورت میں پوری عمر کے لیے جلاوطنی کی سزا مقرر کی گئی تھی۔ یہ رعایت بھی غیر اطمینان بخش سمجھی جا رہی تھی چونکہ "ہر تہذیب یافتہ آبادی میں نجی اُدھار کو جو ایک احترام و تقدس بخشا گیا ہے،" عام لوگوں کے سامنے اس قسم کے لین دین کا اظہار اس کے منافی تھا[2]

---

[1] مثال کے طور پر 'بمبئی ٹائمز' نے، جو اس صوبے کا ایک اہم روزنامہ تھا، رائے ظاہر کی تھی کہ اس ایکٹ نے کمپنیوں کو کٹوتی کے ساتھ خود اپنے حصوں کی خرید کی ممانعت کر کے غلطی کی ہے۔ اس نے اپنی رائے کو 'بمبئی اسٹیم نیویگیشن کمپنی' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واضح کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ بہت سے حصے داروں پر مشتمل ایک کمپنی تھی اور اس کے حصے کچھ عرصے سے اپنی ظاہری قدر کے ایک تہائی پر بک رہے تھے۔ روزنامے میں سوال کیا گیا تھا: "ایسی صورت میں اس کمپنی کو اتنی زبردست کٹوتی پر اپنے حصوں کو خرید لینے سے کیوں باز رکھا جائے؟ اگر حصے داروں میں سے امیر طبقہ یہ سوچتا ہے کہ اس طریقے سے اسے کافی معاوضہ حاصل ہو سکتا ہے؟" بہرحال یہ بھی اس ایکٹ کی ایک غلط توجیہ تھی۔ اس نے حصے داروں کو کبھی بھی اس بات کے لیے نہیں روکا تھا کہ وہ فرداً فرداً حصے خریدیں۔ یہ ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے۔ 'فرینڈ آف انڈیا' 30 جنوری 1851 سے اقتباس۔

[2] کچھ اسی قسم کی دفعات اس ایکٹ کے پاس ہونے سے پہلے بھی معاہدوں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بیوپاری اور غیر بیوپاری دونوں ہی حلقوں میں اس اقدام کی سخت مخالفت ہوئی۔ اس سلسلے میں دلیل یہ تھی کہ اس قسم کا لین دین کمپنی کا بالکل داخلی معاملہ ہوتا ہے، اور ان پابندیوں کو دیکھتے ہوئے مناسب تجربے اور معیار کے حامل افراد اس قسم کی شرطوں اور عہدوں پر کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے حقیقت میں اس زمانے میں کمپنی کے انتظامیہ کے لیے مناسب قسم کے افراد کا حاصل کر لینا کسی قدر مشکل بھی تھا۔

اس ایکٹ میں انگلینڈ میں پاس شدہ 1848 اور 1849 کے دو ایکٹ، جو اب ختم کیے جا رہے تھے، ان کی کچھ دفعات کو بھی شامل کر دیا گیا تھا۔ ایسی کمپنیاں جو ضبطی کی حدود میں ہوں انھیں دیوالیہ کمپنی عدالت کے حلقۂ اختیار میں دیا جاتا تھا۔ دیوالیہ ہو جانے کے فیصلے کے ساتھ کمپنی کی ملکیتوں کو حکومت کی طرف سے ایک متعین افسر کو سونپ دیا جاتا تھا تاکہ وہ کمپنی کے اثاثے سے روپیہ حاصل کر کے حصے داروں کی جمع کو پورا کر دے۔ دیوالیہ کی صورت اس حالت میں بھی جاتی تھی جب یا تو اجلاسِ عام میں ایک معمولی قرار داد کے ذریعے ڈائرکٹر اس بات کا اعلان کر دیں کہ کمپنی اپنے معاہدوں کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہی ہے یا دوسری صورت میں کمپنی اپنے خلاف پانچ سو روپے سے زیادہ کی ڈگری کا بھگتان دو مہینے کے اندر اندر نہ کر سکے۔ حالانکہ اپنے متوازی ایکٹ کی طرح اس ایکٹ میں بھی، عدالتوں کے لیے اپنے بنیادی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے، کمپنیوں کو ختم کرنے کی ممانعت نہیں کی گئی تھی، لیکن اس میں اب بھی حصے داروں کو ساجھے داروں کی حیثیت ہی دی گئی تھی، جو کمپنی کے تمام اُدھاروں کے سلسلے میں اپنی ملکیت کی آخری پائی کی حد تک، ادائیگی کے ذمے دار تھے، اور صرف ذمے دار ہی نہیں تھے بلکہ شخصی حیثیت سے ان میں سے کسی پر بھی لین داروں کی طرف سے مقدمہ چلایا جا سکتا تھا۔ پھر چونکہ اس ایکٹ کے تحت کسی کمپنی کو ختم کرنے کا کام کسی لین دار کی طرف سے نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ صرف حصے داروں کا ہی کام تھا جس میں انھیں تمام قرضوں کو اپنے حصوں کے مطابق پورا کرنا ہوتا

(صفحہ 89 سے آگے)

کی دستاویزوں میں شامل کر دی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر اورینٹل بینک آف بامبے کے معاہدے کی دستاویز کی دفعہ 28 میں ڈائرکٹروں کے لیے ضمانت یا متوازی کفالت کے بغیر قرض دیے جانے پر پابندی عائد کی گئی تھی لیکن ان پر عمل شاذ و نادر ہی کبھی ہوتا تھا۔ لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا، 27/دسمبر 1850۔

تھا، اور یہ بات لین دار ورں کے فائدے میں تھی کہ وہ ایک دیوالیہ کمپنی سے اپنی رقمیں وصول کریں[1]

ایکٹ میں یہ بات بھی ضروری قرار دی گئی تھی کہ اگر کوئی کمپنی بروئے کار سرمایے کو الگ مد میں رکھتی ہے تو اس سرمایے کی رقم کو اور ان حصوں کی تعداد کو جن میں اس سرمایے کو تقسیم کیا گیا ہو، علیحدہ ظاہر کیا جائے۔ اس قسم کا امتیاز غیر معمولی ضرور محسوس ہو سکتا ہے لیکن بہت سی پٹ سن کمپنیاں 1870 اور 1880 کی دہائیوں تک اس طریقے پر عمل پیرا نظر آتی ہیں حالانکہ یہ طریقہ ناقابلِ عمل ضرور محسوس ہوتا ہے۔

ایکٹ میں رجسٹرڈ کمپنیوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ سال میں دو بار حصے داروں کا عام اجلاس منعقد کریں اور اگر سات ممبر درخواست کریں تو ایک غیر معمولی اجلاس بھی بلائیں۔ اور آخر میں حصوں کے منتقل کیے جانے کی صورت میں ان کا اندراج کمپنی کے دفتر میں بھی کرایا جانا ضروری تھا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بیوپاری معاملات کے سلسلے میں پریس اس زمانے میں بہت کم معلومات رکھتا تھا۔ کلکتہ اور بمبئی میں، جو اس وقت اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کے مرکز تھے، اس ایکٹ پر اداریہ کی طرف سے کی گئی رائے زنی کو دیکھ کر بڑی ناامیدی ہوتی ہے۔ کلکتے کے پریس نے اس سلسلے میں حکومت کی مکمل حمایت کی۔ دوسری طرف بمبئی کا پریس صرف بیوپاریوں کے مفادات کو ہی دیکھ سکا۔ کسی نے بھی اس ایکٹ کی دفعات پر کوئی تعمیری تنقید نہیں کی اور دونوں جگہوں پر، خاص طور پر بمبئی کے پریس میں، اس کے بعض حصوں کی غلط توجیہ و تشریح نظر آئی۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی رجسٹریشن کو لازمی قرار دیے جانے کے سلسلے میں اس ایکٹ کی بنیادی ناکامی کا ذکر تک نہیں کیا اور کلکتے میں 'فرینڈ آف انڈیا' نے تو حصے داروں کی غیر محدود ذمے داری کے باقی رہنے پر پورے اطمینان کا اظہار کیا اور اس پر مبارکباد بھی دی[2]

1850 کا 'ہندوستانی کمپنیز ایکٹ' اس لحاظ سے ضرور کافی اہم تھا کہ اس نے اجتماعی سرمایہ داروں کی باقاعدگی کے سلسلے میں ایک قانونی تنظیم کی تشکیل میں پہلا زینہ متعین کر دیا۔ یہی وہ پہلا موقع بھی تھا جب ہندوستان کی حکومت نے کامرشیل اداروں میں بھی ایک قانونی دلچسپی کا

---

[1] اسٹوکس، دیباچہ۔

[2] 'فرینڈ آف انڈیا' 30/جنوری 1851۔

مظاہرہ کیا تھا۔ ایکٹ کی مدیں کافی مستحکم تھیں اور دنیا کے سارے کمپنی قانون میں اب بھی نظر آجاتی ہیں لیکن اندراج کو لازمی قرار دینے کے سلسلے میں اس کی ناکامی نے اس ایکٹ کو بڑی حد تک بے اثر کر دیا تھا۔ کمپنی کے دستوروں کے سلسلے میں کسی قسم کا حوالہ نہ دیا جانا کافی عجیب بات محسوس ہوتی ہے۔ خاص طور پر جب یہ بھی خیال کیا جاتا ہو کہ اس ایکٹ کے لیے 1844 کے برطانوی ایکٹ کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایکٹ کو تیار کرنے والوں نے محدود ذمے داری کے سلسلے میں بھی کم ہمتی کا اظہار کیا تھا۔ ایسی باتیں جو انگلینڈ کے قانون کا حصہ نہیں تھیں ان کے سلسلے میں بھی انھوں نے اختراعات سے کام نہیں لیا۔

چوتھا باب

1857 سے 1860 تک اجتماعی سیکٹر کی ترقی

سرکاری رکارڈ کے مطابق 1850 کے ایکٹ کے تحت درج ہونے والی کمپنیوں میں سب سے پہلی 'نیو لائف انشورنس کمپنی' تھی، جس کا اندراج بنگال میں 16 / جون 1851 کو عمل میں آیا تھا[1] لیکن جنوری 1859 کے بعد سے ہی بنگال سے باہر بھی کمپنیوں کا اندراج ہونا شروع ہو گیا[2] چنانچہ دسمبر 1860 تک بمبئی، شمال مغربی صوبے اور مدراس میں کچھ کمپنیاں درج ہوئیں۔ ان درج شدہ کمپنیوں میں کچھ 1851 سے پہلے بھی موجود تھیں، یہ صرف اس لیے درج کروائی گئی تھیں کہ یہ 1850 کے کمپنی ایکٹ کے فوائد حاصل کر سکیں[3] لیکن کچھ کمپنیاں اب بھی ایسی موجود تھیں جنھوں نے اس قانون سے باہر ہی رہنا پسند کیا تھا[4] درج شدہ کمپنیوں کی صنعتی تقسیم مندرجہ ذیل انداز پر تھی۔

---

[1] اس کے مجوزہ سرمائے کی رقم 10,00,000 روپیے تھی اور کل اداشدہ سرمایہ 250,000 روپیے تھا۔

[2] یہ بیان 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' میں دی گئی اجتماعی کمپنیوں کی فہرست پر مبنی ہے۔

[3] مثال کے طور پر 'انڈیا جنرل انشورنس کمپنی' اور 'بنگال کول کمپنی'۔

[4] مثال کے طور پر 'اپولو پریس کمپنی' اور 'کولابا کمپنی'۔

گوشوارہ نمبر ۱

1850 سے 1860 تک درج شدہ کمپنیوں کی صنعتی تقسیم

		متفرق	
بینک کاری	7		
بیمہ	5		
چائے	10	چھپائی	4
سوتی مل	5	بنجر زمینوں کی بازیابی (ری کلیمیشن)	3
پٹ سن مل	1		
روئی کی گانٹھوں کی تیاری	1	بازاروں کی تشکیل	1
جہاز رانی	8	صنعتی پیداوار	8
کوئلہ	2	تجارت	5
کل		1	60

اس فہرست کی کل 60 کمپنیوں میں سے بارہ کمپنیاں 1860 تک بند ہو چکی تھیں۔ لیکن بعض صورتوں میں کمپنیوں کا خاتمہ محض ایک قانونی دکھاوے سے زیادہ کچھ نہیں تھا اور یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ اس ایکٹ کے تحت انھیں دوبارہ درج کرایا جا سکے جس میں بینک کار اور بیمہ کمپنیوں کے علاوہ تمام کمپنیوں کو محدود ذمے داری رکھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس مد میں آنے والی کمپنیوں کی صنعتی تقسیم مندرجہ ذیل انداز پر تھی۔

گوشوارہ نمبر ۲

185 سے 1860 تک بند ہونے والی کمپنیوں کی صنعتی تقسیم

	دوبارہ درج کرائی جانے والی کمپنیاں	بند ہونے والی کمپنیاں
بینک کار	2	—
کوئلہ	1	—
جہاز رانی	2	—

سوتی مل	—		1
چائے	[illegible]		$\frac{1}{2}$
نامعلوم		5	
کل		12	

اس طرح یہ بات بآسانی محسوس کی جاسکتی ہے کہ 1860 کے آخر تک حقیقت میں صرف اڑتالیس کمپنیاں ہی کاروبار میں مصروف تھیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی پوری طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کی ترقی اس دور میں بہت محدود تھی۔ حکومتِ برطانیہ کے تحت آٹھ ہندوستانی صوبوں میں سے چار صوبوں میں ابھی تک کوئی بھی درج شدہ کمپنی موجود نہیں تھی۔

مندرجہ ذیل گوشوارے سے ان سالوں کے دوران کمپنیوں کی ترقی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

گوشوارہ نمبر 3

1851 سے 1860 تک، ہر سال کے آخر میں، کاروبار میں مصروف کمپنیوں کی تعداد

سال	کمپنیاں						
	بینک کار	چائے	سوتی مل	پٹ سن اور روئی کی گانٹھیں بنانا	جہازرانی	دیگر	کل
1851	—	—	—	—	1	1.	2
1852	2	—	—	—	1	1	4
1853	2	—	—		2	3	7
1854	4	—	—	—	2	5	11
1855	4	—	—	—	2	5	11
1856	4	—	—	—	2	6	12
1857	4	—	—	—	2	10	16
1858	4	1	—	1	2	14	22
1859	4	6	2	1	6	19	38
1860	5	9	4	1	6	23	48

ترقی کی رفتار کے مطالعے کے ساتھ ساتھ اس دور میں ملک کے معاشی حالات میں رونما ہونے والی کچھ تبدیلیوں کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

47-1845 کے کاروباری بحران سے گذر چکنے کے بعد ملک 1850 کے بعد کی دہائی کے ابتدائی دور میں اس بحران سے ابھی اُبھرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ چنانچہ ان سالوں میں ایسی کوئی کمپنی درج نہیں ہوئی جو 1850 سے پہلے موجود نہ تھی۔ 1853 ہندوستان میں پہلی ریلوے لائن کی ابتدا کا سال ہے لیکن اس کے بعد بھی ملک میں ریلوے لائنوں کا جال پھیلنے میں کئی سال لگ گئے۔ اس عرصے میں ذرائع آمدو رفت کی دشواریاں نئی صنعتی مہمیں شروع کرنے کے سلسلے میں کاروباری منتظموں کی راہ میں کافی مشکلات پیدا کرتی رہیں۔ 1854 وہ پہلا سال ہے جب ملک میں کسی حقیقی صنعتی ادارے کی ابتدا نظر آتی ہے۔ اس سال کے دوران ایک روئی مل کے کاروبار کے اجراء کی اہمیت کو کسی طرح معمولی نہیں ٹھہرایا جا سکتا پھر 1857 میں آکلینڈ اور سَین نے کلکتے میں ہندوستان کا سب سے پہلا پٹ سن مل قایم کیا۔ 1850 کی دہائی کے درمیانی عرصے تک ملک کے صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کے ذہنوں میں روئی اور پٹ سن مل کھولنے کا خیال گردش کرنے لگا تھا، اور 1857 کے ایکٹ نے جس کی رو سے اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کو محدود ذمے داری رکھنے کی اجازت بھی حاصل ہو گئی تھی، کچھ اور ترغیب فراہم کی۔ لیکن اس سلسلے کی مزید ترقی کی راہ میں 'سپاہیوں کی بغاوت' حائل ہو گئی۔ اس بغاوت کی وجہ سے شمال مغربی صوبے تک آمدورفت بالکل ناممکن ہو گئی، اور بنگال میں بھی خطرے کا احساس نظر آیا جس کے اثر سے سرمایہ داروں نے "ہر اس چیز کو جھپٹ کر دبالیا جسے وہ حاصل کر سکتے تھے[1]"۔ فروری 1858 تک گھبراہٹ کا یہ دور ختم ہو گیا، سڑکیں دوبارہ کھلیں اور عام طور پر یہ احساس پیدا ہونا شروع ہوا کہ جلدی ہی کلکتے میں زر ایک ایسی جنس ہو جائے گا جس کی کوئی مانگ نہ ہوگی۔ جیسے جیسے تجارت میں دوبارہ اُٹھان شروع ہوئی۔ تقریباً آدھے درجن مختلف کمپنیاں ـــــ ایک ادمنی بس* کمپنی، چھاپے کے کام کی کمپنی، ٹبلوں کی کمپنی، نیلام کمپنی، بُنائی کمپنی، اور ایک زراعتی (سُندربنڈ) کمپنی ـــ قایم کی گئیں لیکن اس کام کو اس وقت بھی کسی حد تک غیر ضروری ہی خیال کیا جا رہا تھا[2]۔

---

[1] 'فرینڈ آف انڈیا' 25/فروری 1858۔

[2] ایضاً۔

* مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ـــــ کثیر المقاصد۔

1859 کا سال بھی اس لیے اہم کہا جا سکتا ہے کہ اس میں چائے کے کاروبار میں ایک نئی زندگی پیدا ہوئی اور اس صنعت میں بھی ہندوستانی کمپنیوں نے کام شروع کیا۔ اسی سال کے دوران جہازرانی کمپنیاں بھی دو سے بڑھ کر چھ ہو گئیں۔ 'انڈیا جنرل'، 'کلکتہ برما' اور کچھ دوسری کشتی رانی ایسوسی ایشنوں کے قیام کے بعد سے اس دہائی کے آخری برسوں میں اسٹیمر چلانے، اور ملک کے داخلی حصوں میں آبی آمدورفت کے سلسلے میں کچھ منصوبے ذہنوں میں اُبھر رہے تھے۔ یہ نیا خیال اصل میں اس لیے پیدا ہوا تھا کہ 'سپاہی بغاوت' کے زمانے میں حکومت نے کچھ کمپنیوں سے اسٹیمر حاصل کیے تھے اور اس سے ان کمپنیوں کو غیر معمولی طور پر منافع ہوا تھا۔ یہ منافعے اتنے زیادہ تھے کہ 1858 میں ایک کمپنی نے 50 فیصدی منافع تقسیم کرنے تک کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔[1] 'فرینڈ آف انڈیا' میں لکھا گیا کہ "ہماری دریائی آمدورفت کے سلسلے میں کچھ ایسی حقیقتیں موجود ہیں، اور ان کی معلومات یہاں عام لوگوں کو بھی ہے، کہ اگر اس قسم کی بات کونٹی نینٹ کے کسی دریا کے سلسلے میں محسوس کر لی جائے تو شاید پورا کا پورا لندن اس کے لیے اسپیکولیشن میں کود پڑے گا۔"[2] اس میں شک نہیں کہ دریائی آمدورفت سے اچھا منافع کما لینے کے امکانات کافی روشن تھے لیکن اس سلسلے میں لوگوں کے ذہنوں پر ریلوے کے اُبھرتے ہوئے نظام سے سخت مقابلے کا خوف بھی بہرحال اثرانداز ہو رہا تھا۔[3]

1860 کے دوران بیوپار میں تھوڑی بہت ترقی جاری رہی، چنانچہ سال کے آخر میں کاروبار میں مصروف کمپنیوں کی تعداد دس سے بڑھ کر اڑتالیس تک پہنچ گئی۔ اور یہ سال امریکی خانہ جنگی کے اثر سے پیدا ہونے والی اسپیکولیشن کی تیزی سے پہلے کا آخری معمولی سال تھا۔

لیکن اس پوری دہائی میں مجموعی ترقی کو بہرحال بہت محدود ہی کہا جا سکتا ہے۔ مناسب ذرائع آمدورفت اور مالیاتی اداروں کی آسانیوں میں کمی اور خرابی، تکنیکی معلومات کی غیر موجودگی، اور ایک صنعتی مزدور طاقت پیدا کر لینے کی دشواریاں اس محدود ترقی کی براہ راست وجوہات تھیں۔

آج کسی صنعتی ادارے کے سامنے ذرائع آمدورفت کے سلسلے میں جو مسائل درپیش ہوتے ہیں وہ صرف کچے مال اور تیار شدہ سامان کی نقل و حمل سے متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن گذشتہ صدی کے

---

[1] ایضاً۔

[2] 'فرینڈ آف انڈیا' 25/فروری 1858۔

[3] ایضاً۔

درمیانی عرصے میں کچھ اور بھی بہت سی مشکلات درپیش تھیں انگلینڈ سے تکنیکی ماہرین اور مشینوں کو لانے، اور ملک کے دور دراز علاقوں سے مزدوروں کے حاصل کرلینے میں جو خدشات اور جو کھم تھے وہ بھی بہت سخت تھے۔

1858 میں جب رنچھوڑلال احمدآباد میں ایک سوتی کپڑا مل قایم کرنے کی کوشش میں مصروف تھا تو لنکاشائر سے آنے والی مشینوں کی پہلی کھیپ سمندر میں ہی ضائع ہوگئی جب دوسری کھیپ بمبئی پہنچی، جو احمدآباد سے قریب ترین بندرگاہ تھی، تو رنچھوڑلال کو خود ہی مشینوں کو جہاز سے اتروانے اور بیل گاڑیوں پر لدوانے کے کام کی نگرانی بھی کرنی پڑی۔ احمدآباد تک مشینوں کے پہنچنے میں چار مہینے اور لگ گئے[1]

آسام جو اس وقت چائے کی پیداوار کا مرکز تھا وہاں جو ذرائع آمد و رفت موجود تھے وہ بس دیسی کشتیاں، ہاتھی، ہاتھی گاڑیاں اور پالکیاں تھیں چنانچہ چائے کمپنیوں کو سب سے پہلے خود اپنے ہی ہاتھی اور کشتیوں کی فراہمی کا انتظام کرنا پڑتا تھا[2] دریاؤں میں کشتی رانی مشکل تھی اور دھارے کے خلاف سفر میں سارے راستے کشتیوں کو رسیوں کے ذریعے کھینچا جاتا تھا عام طور پر مہینوں میں سفر طے ہوتا تھا۔ 1860 میں 'انڈیا جنرل اسٹیم نیویگیشن کمپنی' نے سب سے پہلے سردیوں کے موسم میں چھ مہینے میں ایک بار اسٹیمر بھیجنے کا انتظام کیا تھا[3]

1855 تک رانی گنج کی کانوں سے کلکتے تک کوئلہ بھیجنے کا واحد طریقہ "اتھلی اور غیر محفوظ" کشتیوں کے ذریعے ہی تھا جنھیں دامودر دریا میں صرف برسات کے زمانے میں استعمال کیا جاتا تھا اسی طرح 1895 تک جھریا کی کوئلہ کانیں، جو صرف پچاس میل کی دوری پر واقع تھیں، اس لیے کام نہیں کر رہی تھیں کہ ریلوے کا کوئی سلسلہ کلکتے تک موجود نہیں تھا[4]

ملک میں تکنیکی معلومات کی کمی نے حالات کو اور بھی پیچیدہ کر دیا تھا۔ صرف مشینیں ہی

---

[1] ایس۔ ڈی مہتا، 'ہندوستان کے روئی مل' [دی کاٹن ملز آف انڈیا] 1854 تا 1954 مطبوعہ 1954 صفحہ 23۔

[2] ایچ۔ اے۔ انٹروبس، 'جورہاٹ چائے کمپنی لمیٹیڈ' کی تاریخ [اے ہسٹری آف دی جورہاٹ ٹی کمپنی لمیٹیڈ] 1859 تا 1946 مطبوعہ 1946 صفحہ 67۔

[3] اے۔ بریم، 'دی انڈیا جنرل اسٹیم نیویگیشن کمپنی' 1900، صفحات 7-66۔

[4] 'کوئلہ کان کنی کمیٹی کی رپورٹ' [رپورٹ آف دی کول مائننگ کمیٹی]، 1937، صفحات 10-9۔

نہیں بلکہ تقریباً ہر قسم کے تکنیکی کارکن بھی برطانیہ سے بُلوانے پڑتے تھے۔ سند یافتہ تکنیکی کارکنوں کی بھرتی بہت مشکل تھی۔ مالکان کے لیے ان کے موجودہ جوکھموں میں ان حالات سے اور زیادتی ہو جاتی تھی۔ کسی اہم تکنیکی کارکن کی نالائقی یا اس کی موت کا مطلب یہ تھا کہ جب تک یہ خالی اسامی مناسب طور پر پُر نہ کر لی جائے کام کئی کئی مہینوں تک رُکا پڑا رہے[1] 1895 میں بھی ایچ۔ بکانن نے لکھا تھا کہ 'بمبئی سوتی کپڑا مل' میں 42.4 فیصد منیجر اور میکانکی انجینئر یورپی تھے[2] حالانکہ ستر میں سے صرف چھ مل یورپی مینجنگ ایجنسیوں کے تحت کام کر رہے تھے[3] اس سے یہ بھی اظہار ہوتا ہے کہ خود مالکان بھی ان حالات کو سُدھار لینے کے سلسلے میں خاص طور پر کوشاں نہیں تھے یا کسی قسم کے اہم اقدامات اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

ہنرمند مزدوروں کی فراہمی کو یقینی طور پر قایم رکھنا بھی کوئی کم اہم مسئلہ نہیں تھا۔ صنعتی طریقہ کار میں مقامی رنگروٹوں کو تربیت دینے کا کام بھی ضرور بہت سخت رہا ہوگا۔ کم از کم یہ بات ابتدائی دور میں تو ضرور رہی ہوگی، چونکہ زبان کی دُشواریوں کی وجہ سے کسی برطانوی تکنیکی ماہر اور ہندوستانی مزدور کے درمیان ایک دوسرے کی بات سمجھ لینے کی صلاحیت بہت آہستہ آہستہ پیدا ہو سکتی تھی[4] اس سلسلے میں صرف کام کے دوران تربیت دینا ہی ایک واحد طریقہ باقی رہ جاتا تھا جیسے جیسے نئے مِل کھلتے گئے تربیت یافتہ مزدوروں کو اپنے کارخانے چھوڑ کر نئے کارخانوں میں آنے کے لیے لالچ دینے پڑے۔ چنانچہ گذشتہ پوری صدی میں مزدوروں کی مانگ ان کی فراہمی سے زیادہ رہی[5]

---

[1] ایس۔ ڈی۔ مہتا، صفحات 23، 101۔

[2] ڈی۔ ایچ۔ بکانن، صفحہ 135۔

[3] ملاحظہ ہو گوشوارہ نمبر 21، صفحہ 466۔

[4] ایس۔ ڈی۔ مہتا، صفحات 17-116۔

[5] بمبئی کے کارخانوں کی کارکردگی کی کیفیات اور ایک فیکٹری ایکٹ پاس کیے جانے کی ضرورت یا عدم ضرورت، کے سلسلے میں بمبئی کے گورنر اِن کاؤنسل کے مقرر کردہ کمشنروں کی رپورٹ مطبوعہ 1875 صفحہ 28۔ بمبئی پریسیڈنسی کی فیکٹریوں کی کارکردگی کو دیکھنے کے لیے مقرر شدہ کمیشن کی رپورٹ اور روداد، 1885 صفحہ 27۔ (انسپکٹر جونس کی شہادت) اور صفحہ 132 (جی جگموہن داس کی شہادت) 'بمبئی مل مالکوں کی ایسوسی ایشن کی سالانہ رپورٹ' 1907، صفحات IX، XIII۔ مارس۔ ڈی۔ مارس کی کتاب میں بھی اس

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مزدوروں کی فراہمی کے سلسلے کی تحریروں میں ہنرمند اور غیر ہنرمند مزدوروں کے درمیان مشکل سے ہی کبھی کوئی واضح اور ممتاز فرق کیا گیا ہے اور اسی طرح ان کے پھیر بدل اور ڈسپلن کے سوال پر بھی بہت کم سوچا گیا ہے۔ ایک عام یقین یہ بھی رہا ہے کہ ہندوستان کی صنعتی ترقی میں مزدوروں کی قلت بھی ایک پریشان کن عنصر رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ مزدوروں میں نقل و حرکت کی کمی تھی۔ نقل و حرکت کی کمی کے لیے کم اور خراب ذرائع آمد و رفت، اور کسی حد تک عزیزداری، ذات پات، اور گاؤں سے لگاؤ کو ذمے دار مانا جاتا ہے، جو لوگوں کو اپنی زمین سے چپکے رہنے کے لیے ایک بندھن کا کام کرتے تھے۔ مزدور عارضی طور پر کام کرنے کے لیے شہروں میں جاتے، چونکہ دیہی سماج کی بہت سی پابندیاں اور کششیں انھیں گاؤں کی طرف واپس کھینچ لینے میں ایک مضبوط رشتے اور ایک زبردست طاقت کا کام دیتی تھیں۔ مزدوروں کی بھرتی اور ان میں صنعتی باقاعدگی پیدا کرنے کے سلسلے میں فورمین مزدور دلال (Foreman Jobber) کے استعمال کا نتیجہ مزدوروں کے اور زیادہ پھیر بدل اور مزید بے قاعدگیوں کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا، چونکہ یہ لوگ رشوتیں لیتے تھے۔

لیکن اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غیر ہنرمند مزدوروں کی قلت کے مسئلے نے بمبئی ملوں کے سامنے کبھی بھی کوئی سنجیدہ رُخ اختیار نہیں کیا۔ 1850 کے بعد دیہاتوں سے فاضل مزدور شہروں میں کام

(صـ99ـ سے آگے)

مسئلے پر بحث کی گئی ہے۔ 'بمبئی سوتی کپڑا صنعت کے لیے مزدوروں کی فراہمی کے سلسلے میں اشارات' 1854 تا 1951، 'بمبئی اکونومک جرنل'، 1953، صفحات 52-138۔

ایضاً۔

ایس۔ڈی۔مہتا، صفحات 16-114، 'ہندوستانی فیکٹری مزدور کمیشن کی رپورٹ' [رپورٹ آف دی انڈین فیکٹری لیبر کمیشن]، 1908، جلد اول، صفحہ 19، اور 'ہندوستان میں مزدوروں پر رایل کمیشن کی رپورٹ' [رپورٹ آف دی رایل کمیشن آن لیبر اِن انڈیا] 1931، صفحہ 21۔

سی۔ای۔مائیرس 'ہندوستان کی صنعتی ترقی میں مزدور مسائل' [دی لیبر پروبلمس ان دی انڈسٹریلائزیشن آف انڈیا] مطبوعہ 1958، صفحات 45-43۔

سی۔اے۔مائیرس 'ہندوستان کی صنعتی ترقی میں مزدور مسائل' مطبوعہ 1958، صفحات 45-43۔

علاوہ ان غیر معمولی عرصوں کے۔ جیسے 97-1896 کے طاعون کے دوران۔ ملاحظہ ہو (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کرنے جاتے رہے[ٹه] اور ایک عرصے تک ملوں نے بمبئی کی مستقل آبادی میں سے بھی کافی تعداد میں مزدور بھرتی کیے اور یہ تعداد متواتر بڑھتی رہی[ٹه] مزدور کی رسد اتنی زیادہ تھی کہ مل مالک محض گذارے برابر اُجرت دیتے تھے اور انھیں اپنے ملازمین کی طرزِ زندگی اور کام کے حالات پر توجہ دینے کی ذرا بھی پرواہ نہیں تھی[ٹه] مارس کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزدوروں کو بھرتی کے وقت دیے جانے والے معاوضے کی شرح حیرتناک حد تک ایک جگہ قایم تھی مشینوں کے مزید استعمال کی طرف بھی کوئی خاص رجحان موجود نہیں تھا۔ اور حالانکہ متوقع منافعے کی شرح کافی اونچی تھی لیکن جہاں تک معاوضے کا سوال ہے وہ کل لاگت کا ایک بہت تھوڑا سا حصہ ہوتی تھی، اس کے باوجود بھی مزدور طاقت آہستہ آہستہ مگر متواتر پھیل رہی تھی[ٹه] یہ صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب مزدوروں کی فراہمی کافی ہو، کیونکہ معاوضے کی شرحیں بازار کی کیفیات کے موافق اثر قبول کر رہی تھیں[ٹه]

مزدور پھیر بدل کی شرح بہرحال اونچی تھی، ممکن ہے یہ اتنی اونچی، یعنی 50 یا 75 فیصدی کی حد تک، نہ بھی رہی ہو، جیساکہ تھارنر کا خیال ہے[ٹه] مارس یہ بات ضرور مانتا ہے کہ عملی اعتبار سے یہ مزدور طاقت وقتی یا عارضی تھی[ٹه] لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اعداد وشمار کی بنیاد پر بہرحال اس

(صفحہ 100 سے آگے)

بمبئی مل مالکان کی ایسوسی ایشن کی رپورٹ' [بامبے مل اونرس ایسوسی ایشن رپورٹ] 1896، صفحات 1، 135، 147-48؛ بمبئی پریسیڈنسی کی سالانہ فیکٹری رپورٹ' [انیول فیکٹری رپورٹ آف دی پریسیڈنسی آف بامبے] 1897، صفحات 709؛ بمبئی مل مالکان کی ایسوسی ایشن کی رپورٹ، 1897، صفحہ 2۔

سه مارس، 'انڈین اکونومک جرنل' I، نمبر 2، اکتوبر 1953، صفحات 44-139۔ نیز تھارنرس کی 'زمین اور مزدور' [لینڈ اینڈ لیبر]، صفحہ 60۔

شه مارس، 'مزدور طاقت کا ارتقاء' [ایمرجنس آف اے لیبر فورس]، صفحہ 200۔

ثه تھارنرس، 'زمین اور مزدور'، صفحہ 60۔

شه مارس، 'مزدور طاقت کا ارتقاء'، صفحہ 199۔

که ایضاً۔

گه تھارنرس 'زمین اور مزدور'، صفحہ 60۔

ته مارس، 'مزدور طاقت کا ارتقاء'۔

دعوے کی حمایت نہیں ہوپاتی کہ صنعتی اداروں میں غیر حاضریوں کی شرح ہیں، دیہی سیکٹر میں زراعتی ضرورتوں کے مطابق کوئی بہت زبردست ہونے کی تبدیلی پیدا ہوجاتی تھی۔له اس کا خیال یہ بھی ہے کہ "مزدور پھیر بدل کا ایک بہت بڑا حصہ، اگر اُسے کُل نہ بھی مان لیا جائے، تو مزدوروں کے ملوں سے دیہی علاقوں کی طرف انتقال کے بجائے زیادہ تر خود ایک مِل سے دوسری طرف تھا۔شه ظاہر ہے ایسی صورت میں یہ سوال بھی کیا جاسکتا ہے کہ مزدور ایک مِل سے دوسری طرف کیوں منتقل ہوتے تھے۔ مارِس کے خیال میں کام کے حالات وکیفیات، جن میں معاوضے بھی شامل تھے، مِلوں کے درمیان مزدوروں کی منتقلی کے ذمے دار نہیں ہوسکتے تھے۔ ایسی صورت میں صرف یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مزدور دلال محض ذاتی فائدے کی غرض سے بہت سے مزدوروں کی نوکریوں کو عمداً خود ہی ختم کردیتے تھے۔ یہ حصہ جسے 'فالتو مزدور' کہا جاسکتا ہے، دوسرے مِلوں میں موجودہ معاوضے کی شرحوں پر ہی نوکریاں تلاش کرنے پر مجبور کردیا جاتا تھا لیکن مزدوروں کے سلسلے میں اس بے ایمانی اور رشوت ستانی کو مِل مالک کیوں برداشت کرتا تھا، خاص طور پر جب کہ یہ بات بآسانی محسوس کی جاسکتی ہے کہ ہر مالک غیر مستقل مزدوروں کے مقابلے میں مستقل مزدوروں کو رکھنا پسند کرتا ہے۔ اس سلسلے میں مارِس کا قول ہے کہ "کاروبار کے پورے عرصے کے دوران بمبئی کپڑا صنعت کو ایسے مزدوروں کی ضرورت پیش آئی جنھیں بالکل وقتی ٹریننگ درکار ہوتی تھی اور ان پر بہت محدود قسم کی نگہداشت رکھنا ضروری ہوتا تھا۔ اور اس لیے کسی فردِ واحد کے کسی کام پر مستقل جمے رہنے میں مالکوں کو کوئی مخصوص یا بنیادی دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔ثه لیکن اس کے اس خیال میں اور مالکوں کی ان شکایات میں توازن پیدا کرنا مشکل ہے، جن میں وہ تربیت یافتہ مزدوروں کی کمی کا اظہار متواتر کرتے نظر آتے ہیں۔

ایک دوسرے حصے میں مارِس کہتا ہے کہ مزدور طاقت کے طرزِ عمل میں اگر کوئی فرق تھا (جس میں مزدور کا استقلال اور جماؤ بھی شامل ہے) تو وہ مالکوں کی اپنی پالیسیوں کے نتیجے میں تھا، نئے بھرتی ہونے والوں کی نفسیاتی کیفیات میں کسی قابلِ ذکر تبدیلی، یا ان کے روایتی دیہی ماحول اور

له ایضاً صفحہ 200۔

شه ایضاً۔ (تقابل) تھارنر، 'زمین اور مزدور' صفحہ 66۔

ثه مارِس، 'مزدور طاقت کا ارتقاء' صفحہ 309۔

موجودہ کیفیات میں غیر مشابہت، کی وجہ سے اتنا نہیں تھا[1] وہ دلیل کے طور پر کہتا ہے کہ صنعتی ٹیکنالوجی اور بازار کی عائد کردہ ضرورتیں، مالکوں کو مجبور کرتی تھیں کردہ ڈسپلن کے مختلف طریقہ کار چنیں اور انہی سے یہ بات طے ہوتی تھی کہ مزدور کس طرح کام کریں گے[2] اس میں شک نہیں ہے کہ تربیت اور ٹریننگ کے معیار اور مزدوروں پر نگہداشت کا عمل، کارخانے میں ٹیکنالوجی کے استعمال کے فرق کے ساتھ ساتھ بدلتے ہیں، لیکن ایک مستقل اور غیر مستقل مزدور طاقت کے متبادلوں میں ہر مالک بہر طور پہلی ہی صورت کو پسند کرے گا، بشرطیکہ پہلی صورت کو اپنانے میں کسی قسم کی مزید لاگت، اس سے حاصل ہونے والے منافعے سے زیادہ نہ آرہی ہو۔ اب چونکہ اُجرتیں بہت حد تک قایم تھیں اور بہت محدود قسم کی نگرانی اور نگہداشت درکار تھی، اس لیے یہ نتیجہ نکال لینا کہ مزدور دلال کے نظام کے بدلے کسی اور متبادل کو اپنا لینے کی لاگت، نسبتاً زیادہ ہو جاتی، بہت زیادہ معقول نہیں محسوس ہوتا۔ شاید یہی بات صحیح ہو کہ اس وقت کی صورتِ حال میں مزدوروں کی کافی فراہمی کو مستقل بنائے رکھنے کے لیے مزدور دلالوں کا موجود رہنا ضروری تھا۔ بہرحال اس سلسلے میں روایتی مفروضے کو پورے وثوق کے ساتھ مسترد کرنے سے پہلے مزدور دلال کے کردار کو اور زیادہ جاننا ضروری ہے۔

مارس کی اس تحقیق سے کہ "جب بھی اور جہاں بھی صنعتی کارکردگی نے یہ بات ضروری سمجھی کہ روایتی امتیازات (جیسے ذاتوں اور تحتی ذاتوں) کے نظام کو منتشر کر دیا جائے، تو ظاہرہ طور پر اسے کافی آسانی کے ساتھ راہ سے ہٹا بھی دیا گیا[3] بہرحال اس سے اس بات کا ضرور اظہار ہو جاتا ہے کہ ان عناصر کے مخالف اثرات کو روایتی انداز میں جتنی اہمیت دی جاتی رہی تھی، اس میں کسی قدر مبالغے کو بھی دخل تھا۔

اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بمبئی کے ملوں کو ایک صنعتی مزدور طاقت پیدا کر لینے میں کسی خاص دقت یا دشواری کا سامنا نہیں ہوا، لیکن اسی بنیاد پر اس خیال کو ہندوستان کی باقی تمام صنعتوں کے لیے پھیلا دینا یا مناسب سمجھ لینا صحیح نہیں ہوگا۔ آسام کمپنی، کی ان زبردست کوششوں کو، جو اس نے گنگا کے میدانی علاقوں سے مزدوروں کی فراہمی کے سلسلے میں کیں، اور جس

---

[1] ایضاً، صفحہ 210۔

[2] ایضاً۔

[3] مارس: مزدور طاقت کا ارتقاء، صفحہ 201۔

کے نتیجے میں سیکڑوں جانیں بھی ضائع ہوئیں، انھیں اُن بہت سی مشکلات میں سے ایک مثال کہا جا سکتا ہے جن کا مقابلہ چائے کی صنعت کو اپنے ابتدائی دور میں کرنا پڑا تھا[51] اس میں شک نہیں کہ فاصلے کی مشکلات کے مسئلے میں مالکوں کی اس بے حسی نے اور اضافہ کر دیا تھا کہ یہ لوگ مزدوروں کی آمد و رفت اور ان کی آبادکاری کے لیے مناسب انتظامات نہیں کرتے تھے[52] لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صورت حال مختلف صنعتوں میں یکساں نہیں تھی۔ بہرحال جب تک دوسری صنعتوں — جیسے کوئلہ کانوں، ریلوے، پٹ سن، کاغذ سازی اور شکر کے کارخانوں — میں مزدور کے مسائل کا پوری طرح مطالعہ نہ کیا جائے، جن میں مزدوروں کی قسموں اور ان کے معیاروں میں بھی اختلاف تھا، پھر مینجمنٹ کے مسائل اور ان صنعتوں کی جگہیں بھی مختلف تھیں، اس وقت تک اس سلسلے میں پورے ہندوستان کے لیے کوئی باوثوق عمومی رائے قایم نہیں کی جا سکتی۔

کسی صنعت کے لیے سرمایے کی فراہمی کا انحصار محض اس ملک کی بچتوں پر ہی نہیں ہوتا، خواہ وہ ضرورت کے اعتبار سے کافی بھی ہوں۔ اس کا دارومدار بہت حد تک اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ اس سرمایے کے مالک کس قسم کے جوکھم برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں اور سرمایے کو اُبھارنے کے کیا کیا طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ ان بچتوں کو بڑی مقدار میں سرمایہ کاری کی طرف لانے اور ایسے پیداواری سرمایہ کاری کی طرف منتقل کرنے کے لیے ایک منظم کوشش درکار ہوتی ہے اور مالیاتی شعبوں کے ایک وسیع جال کی ضرورت ہوتی ہے۔ حالانکہ اب تک ہندوستان میں کامرشیل بینکوں کی تعداد تھوڑی بہت ضرور بڑھ گئی تھی[53] لیکن اس عرصے میں کمپنیوں کے لیے مالیت فراہم کر لینے کی آسانیوں میں کوئی حقیقی ترقی نہیں ہوئی تھی[54] اس میں بھی شبہے کی گنجائش موجود ہے کہ اگر مزید آسانیاں موجود بھی ہوتیں تب بھی موجودہ مانگ کو پورا کرنے کے لیے ملک کے اندرونی ذرائع کافی سرمایہ فراہم کر پاتے یا نہیں۔

---

[51] 'بنگال میں چائے صنعت کے سلسلے میں مضامین' [پیپرس ریکارڈنگ ٹی انڈسٹری ان بنگال]، 1873، صفحہ 34۔ انٹروبس کی 'آسام' بھی ملاحظہ ہو، صفحات 90-385، نیز جوربارٹ، صفحات 51-50

[52] ملاحظہ ہوں صفحات 9-198۔

[53] ملاحظہ ہو گوشوارے نمبر 1 اور 3۔

[54] کوئلے، صفحات 8-77۔

سرمایے کی فراہمی میں عام کمی کا اظہار مختلف طریقوں سے ہو جاتا ہے۔ عوام کی غربت کوئی چھپی ہوئی حقیقت نہیں ہے اور شاید اس کی سب سے بڑی وجہ بھی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ اور باتیں تھیں۔ 1875 تک 9,50,00,000 پونڈ سرمایہ برطانوی کمپنیوں کی طرف سے ہندوستانی ضمانت شدہ ریلوے میں لگایا جا چکا تھا[1] اس کے مقابلے میں تمام قسم کی ہندوستانی کمپنیوں کا روپیے میں کُل اداشدہ سرمایہ مارچ 1901 کے آخر تک صرف 2,50,00,000 پونڈ کے برابر تھا[2] چائے کی صنعت میں

---

[1] ڈبلیو۔ جے۔ فیکفرسن، ہندوستانی ریلویز میں سرمایہ کاری' [انویسٹمنٹ ان انڈین ریلویز] 1845 تا 1875، 'اکونومک ہسٹری ریویو' دسمبر 1955، صفحات 86-177۔

ریلوے کی تاریخ کے ایک عمومی خاکے کے لیے ملاحظہ ہو، این۔ سانیال، 'ہندوستانی ریلویز کی ترقی' [ڈیولپمنٹ آف انڈین ریلویز] مطبوعہ 1930، نیز این۔ بی۔ مہتا، 'ہندوستانی ریلویز' [انڈین ریلویز] مطبوعہ 1927، آر۔ ڈی۔ تیواری، 'جدید ہندوستان میں ریلویز' [ریلویز ان ماڈرن انڈیا] مطبوعہ 1941، اور امبا پرشاد 'ہندوستانی ریلویز' [انڈین ریلویز] مطبوعہ 1960۔

[2] 16 پنس فی روپیہ کی شرح پر تبدیل کیا گیا۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 18۔ مزید براں 1870 میں ہندوستانی ریلویز میں برطانوی 51,519 حصے داروں کے مقابلے میں ہندوستانی حصے دار صرف 368 تھے۔ ملاحظہ ہو 'ہندوستانی ریلویز کی کارگذاری کی رپورٹ' [رپورٹ آن دی ورکنگ آف دی انڈین ریلویز]، 1875، صفحہ 15۔ نیز ڈی۔ ایچ۔ بکانن، صفحہ 152۔ اس لیے اس میں بھی شبہے کی گنجائش موجود ہے کہ ہندوستانی تاجروں کو ہندوستانی ریلویز کی تعمیر کے لیے ضروری سرمایہ مل سکتا تھا۔ کلکتے کے برطانوی تاجر تک جھجک گئے تھے۔ (ملاحظہ ہو [illegible]، گذشتہ حوالہ) لیکن بہرحال ہندوستانی حکومت کے لیے ضروری مالیت کا اُبھار لینا پوری طرح ممکن تھا۔ گذشتہ صدی تک ریلوے میں کل سرمایہ کاری کا تقریباً نصف حصہ بہرحال اسی کے پاس تھا۔ اگر ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ ریلوے کی تعمیر کے لیے ضروری سرمایہ ہندوستانی نجی ذرائع سے اُبھارا بھی جا سکتا تھا، تب بھی تھوڑا بہت یہ امکان ضرور باقی رہ جاتا ہے کہ ریلوے کی تعمیر اور گاڑیوں کے متحرک اسٹاک کی درآمدات کی ادائیگی نے اسٹرلنگ سے ہندوستانی شرح مبادلہ پر منفی اثرات پیدا کیے ہوں۔ اس کے علاوہ ملک کے داخلی سرمایے کی لاگت اس لاگت سے زیادہ ہو سکتی تھی جو برطانیہ سے یہ سرمایہ اُدھار لینے کی صورت میں ہوتی۔ حالانکہ غیر ملکی توازنِ ادائیگی، مقامی سرمایہ بازار کی ترقی اور صنعت کے ارتقا کے سلسلے میں اس کے دوررس اثرات کافی حد تک مختلف ہوتے لیکن اس ہم کے سلسلے میں پیش آنے والے تنظیمی مسائل نے ریلوے کی ترقی کو آسانی ایک طوف [illegible]

برطانوی کمپنیوں کو چھوڑ کر خود ہندوستانی کمپنیوں کے کُل سرمایے کے چھ میں سے پانچ حصے کے برابر سرمایہ پونڈ میں تھا[16] پٹ سن کی صنعت میں بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی[17] عام طور پر یہ صنعتیں حصوں پر منافع بھی اچھا دیتی تھیں[18] اور اس لیے اس نتیجے کو اخذ کرلینے کے سلسلے میں مخالفت مشکل ہے کہ ایسے ہندوستانیوں کے پاس، جو جوکھم برداشت کرنے کے لیے بھی تیار تھے، سرمایے کی مقدار بہت کم تھی۔

حقیقت یہی تھی کہ ہندوستان میں سالانہ فی کس آمدنی کی شرح بہت نیچی تھی[19] اور ساتھ ہی دیہی علاقوں میں چھوٹی بچتوں کو حاصل کرلینے والے ادارے بھی موجود نہیں تھے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے اگر جو کچھ چھوٹی چھوٹی بچتیں کی جاسکتی تھیں ان کا بھی کافی بڑا حصہ، بُرے وقت پر کام آنے کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات کی شکل میں جمع کرکے دبالیا جاتا تھا[20] نیز یہ ایک غیر رضاکارانہ عمل تھا جسے صرف ثانوی قسم کا بہترین متبادل کہا جاسکتا تھا۔ لیکن اس میں بھی شبہے کی گنجائش موجود ہے کہ زیورات کی شکل میں کی جانے والی بچت کو پوری طرح غیر رضاکارانہ عمل مان لیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں 'بنیادی

---

[16] 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' 1896۔

[17] 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' 1902 اور 1906۔ ڈی۔ آر۔ والیس [دی رومانس آف جوٹ] مطبوعہ 1909 اور کلکتے کے ڈنڈی (Dandee) ایڈورٹائزروں کے مخصوص نامہ نگار کی طرف سے بنگال کے پٹ سن ملوں کے لیے بیانات'، 1880۔ ان ذرائع سے مختلف تاریخوں کے لیے سرمایہ کاری کی رقموں کی معلومات حاصل ہوجاتی ہیں۔

[18] انڈرولس، جورہاٹ، صفحات 9-47 اور آسام، صفحات 8-406، این۔ زیڈ۔ احمد، ہندوستانی معاشیات کے نجی سیکٹر میں برطانوی سرمایہ کاری کی تاریخ کے کچھ پہلو' [سم آسپکٹس آف ہسٹری آف برٹش انویسٹمنٹ ان دی پرائیویٹ سیکٹر آف دی انڈین اکونومی] 1874 تا 1914، ایم۔ ایس سی معاشیات (لندن، 1955) غیر مطبوعہ مقالہ، صفحہ 215۔

[19] اس سلسلے میں تخمینے 20 روپیے سے 40 روپیے کے درمیان لگائے جاتے ہیں۔ اس دور میں آمدنی کے تخمینوں کے سلسلے میں تنقیدی مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو ڈی۔ تھارنر' ہندوستان میں پیداوار کے لیے طویل مدتی رجحانات' [لانگ ٹرم ٹرینڈس ان آؤٹ پٹ ان انڈیا]، مرتبہ گزینٹ و دیگر میں صفحات 28-103، نیز ایم۔ بکرجی' ہندوستان میں قومی آمدنی کی ترقی کا ابتدائی مطالعہ' [اے پریلمنری اسٹڈی آف دی گروتھ آف دی نیشنل انکم ان انڈیا] 1857 تا 1957، 'ایشیا میں آمدنی اور دولت کا مطالعہ' [ایشین اسٹڈیز ان انکم اینڈ ویلتھ] مطبوعہ 1956۔

[20] ڈی۔ ایچ۔ بکانن، صفحات 52-148، انسٹے، مطبوعہ 1952، صفحات 57، 331، 332، 403، 419۔ جی۔ بی۔ جاتھر اور ایس۔ جی۔ بیری، 'ہندوستانی معاشیات' [انڈین اکونومکس]، نواں اڈیشن، 1952، صفحات 358، 361 (جلد 2)۔

طور پر زیورات کے طور پر استعمال کی غرض سے بھی خریدا جاتا تھا۔ کم از کم اوسط درجے کے لوگ تو ایسا ہی کرتے تھے۔ راجہ، مہاراجہ، نواب اور زمیندار بھی قیمتی دھاتیں بڑی مقداروں میں جمع کرتے تھے[۵] ان کا یہ عمل اس لیے نہیں تھا کہ سرمایہ کاری کے مواقع موجود نہیں تھے۔ یہ لوگ بھی کبھی کبھی صنعتی منصوبوں میں تھوڑا بہت سرمایہ لگا دیتے تھے[۶] لیکن ان کے ذہنوں میں سرمایہ کاری ایک کمزور محرک تھی۔ اس کے بجائے یہ لوگ بڑے پیمانے پر ظاہرداری کے خرچوں میں زیادہ مصروف رہتے تھے۔ سماجی بندھنوں کا خوف تقریباً ہر خاندان کے سربراہ کو پیدائشوں، شادیوں، موت اور ایسے ہی دوسرے موقعوں پر شان و شوکت کے ساتھ تقریبات کرنے پر مجبور کیے رہتا۔ اور یہ کچھ ایسے ہی خرچے تھے جن سے آمدنیاں بڑھنے کے بجائے کم ہوتی تھیں۔

گذشتہ صدی کے تقریباً درمیانی عرصے تک دیہی اقتصادیات میں گاؤں کا تاجر ایک ثانوی حیثیت کا مالک تھا۔ اس کے سرمایے کے ذرائع بہت محدود تھے اور روپیے پیسے کا لین دین اس کے کاروبار کا صرف ایک عارضی حصہ کہا جا سکتا تھا۔ بہت سی وجوہات کی بنا پر انیسویں صدی کے آخری حصے میں ہندوستانی کسان بیچے جانے والی فصلوں کی کاشت کی طرف زیادہ دھیان دے رہا تھا۔ بازار کے لیے پیدا کی جانے والی فصلوں کے لیے اُسے اُدھار سرمایے کی ضرورت پیش آتی، اس سلسلے میں

---

۵ ایضاً۔ (گذشتہ حوالے) نیز ملاحظہ ہو فنڈلے شیراس، 'سونا اور ہندوستان میں برطانوی سرمایہ' [گولڈ اینڈ برٹش کیپیٹل اِن انڈیا] 'اکونومک جرنل' دسمبر 1929، صفحات 36-629، ہندوستان کا سونے اور چاندی کا ذخیرہ امریکہ کے بعد شاید دوسرے نمبر پر تھا۔ ہندوستان 20-1919 اور 29-1928 کے درمیان دنیا کی سونے کی کل پیداوار کا 20 فیصدی درآمد کرتا تھا جس کا بڑا حصہ ذخیرہ اندوزی میں ہی استعمال ہوتا تھا۔ ایضاً صفحہ 630۔ (تقابل) پی پی۔ پلائی؛ ہندوستان میں معاشی حالات، [اکونومک کنڈیشنس ان انڈیا] مطبوعہ 1925، صفحات 200، 72-270 1868-69 سے خزانے کی خالص درآمدات کی پنجسالہ رقوم کی بنیاد پر سالانہ اوسط کے لیے ملاحظہ ہو نسٹے کی دی ہوئی رقم نمبر 6 صفحہ 330۔ 69-1868 سے 99-1898 کے درمیانی عرصے کے لیے پنجسالہ رقموں کی بنیاد پر حاصل کیے گئے اوسط سے خالص درآمد کا اوسط 1,10,00,000 روپیے سالانہ کا حاصل ہوتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی کے جدید نظریے پر بحث کے سلسلے میں، خاص طور پر محصول کی ادائیگی کے طریقوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے، ملاحظہ ہو این۔ کالڈور؛ ہندوستانی محصول، مطالعات: انڈین ٹیکس ریفارمس، مطبوعہ 1950، صفحات د-107، 20-115۔

۶ خاص طور پر مہاراجہ گوالیار، بڑودا کے گائیکواڑ اور نظام حیدرآباد۔ ڈی۔ آر۔ گاڈگل صفحہ 152۔

روپیے کے لین دین کے کاروبار نے نیز فصلوں کی خرید و فروخت نے بھی مقامی تاجر کو بہت اہم بنادیا تھا[51] تھارنر کے قول کے مطابق: "زمین کی ملکیت کے نئے طریقے، زمین پر مالگذاری کے نظام، قانونی طریقہ کار اور بیچے جانے والی فصلوں کی زراعت نے... روپیہ اُدھار دینے والے مہاجنوں کے لیے ایک سُنہری دور کا آغاز کر دیا[52] ان کی تعداد بھی بڑھی اور ان کی دولت میں بھی اضافہ ہوا اور انھیں غیر یقینی قسم کے صنعتی اداروں میں پھنسے بغیر اپنے سرمایے پر اچھے منافعے کا یقین ہوگیا[53]

شہری علاقوں میں وہ پیشہ ور افراد اور تنخواہ دار ملازمین جو سرمایہ کاری کی حد تک بچت کر لیتے تھے انھیں بھی اپنے سرمایے کو زمینی ملکیتوں میں لگا دینے میں زیادہ کشش محسوس ہوئی چونکہ رسل و رسائل اور ذرائع آمد و رفت میں ترقی کے ساتھ گذشتہ صدی کے درمیانی عرصے سے زمینوں کی قدر و قیمت میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہوا[54] حالانکہ ان لوگوں نے صنعتوں میں بھی سرمایہ لگایا لیکن اس کی کُل مقدار اتنی کافی نہیں تھی کہ اس سے کوئی قابل ذکر اثر پیدا ہوتا۔

1850 سے پہلے کمپنی کے ارتقاء اور کالیت کاری پر بہت حد تک 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے ملازمین کا ہی بہت بڑا اثر نظر آتا ہے[55] ان لوگوں میں جوکھم جھیلنے کا ایک ایسا جذبہ اور ولولہ موجود تھا جس پر تجارتی باقاعدگی اور ڈسپلن کی پابندیاں پوری طرح اثرانداز نہیں ہوئی تھیں لیکن چھٹی دہائی میں یہ بھی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے چلے گئے اور پس منظر میں آگئے۔

اس دور میں کمپنیوں کی تعداد میں جو کچھ بھی تھوڑا بہت اضافہ نظر آتا ہے وہ ان برطانوی یا ہندوستانی تاجروں کی سرمایہ کارانہ کوششوں کا نتیجہ تھا جو زیادہ تر بمبئی اور کلکتے میں رہتے تھے۔ مدراس میں ان تاجروں کی تعداد نسبتاً کم تھی اور اس زمانے میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے درمیان سرمایہ کاری کم و بیش نہ ہونے کے برابر تھی۔ عام طور پر کسی تاجر کی سرمایہ کارانہ سوجھ بوجھ اپنے طبقے کے قواعد

---

[51] تھارنرس، زمین اور مزدور، صفحات 7-54۔

[52] ایضاً، صفحہ 55۔

[53] ڈی۔ ایچ۔ بکانن، صفحات 52-148۔

[54] ڈی۔ ایچ۔ بکانن، صفحہ 152۔

[55] ملاحظہ ہو دوسرا باب، نیز ڈی۔ تھارنر، 'سامراج میں سرمایہ کاری' [انویسٹمنٹ ان ایمپائر] 1825 تا 1849، مطبوعہ 1950، صفحات 99-96۔

اور ذہنی ترتیب سے محدود ہوتی ہے۔ فوری منافعے کا حصول اور اصل سرمایے کی فوری واپسی ان قواعد کی دو اہم خصوصیتیں ہیں۔ اس طرح سرمایہ کاری کے لیے جو اصول تاجر طبقہ اپناتا ہے وہ بنیادی طور پر صنعت کاروں کے اصولوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ صنعت کار کی نگاہ مستقبل پر بہت دور تک ہوتی ہے اور وہ امید رکھتا ہے کہ اس کا سرمایہ ابتدا میں کئی سال تک ڈوبا رہے گا اور پھر اس سے آہستہ آہستہ منافع بڑھنا شروع ہوگا۔ اس لیے تاجر صرف ان صنعتوں کی ترقی میں حصہ لیتے تھے اور انہی کاروباروں کی حمایت کرتے تھے جن سے فوری کامیابی متوقع ہوتی تھی۔ ایسی صنعتیں جو تکنیکی یا دوسرے مسائل پیدا کرتیں ان کے لیے بہت کم تاجر کوشاں ہوتے اور انھیں تاجر طبقے سے جو حمایت یا مدد مل پاتی تھی اسے زیادہ سے زیادہ نیم گرم یا بددلی کے ساتھ دی گئی حمایت کہا جا سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ یہ صنعتیں یا تو ختم ہو گئیں یا پھر اگر باقی بھی رہیں تب بھی یہ آئندہ ترقی کے لیے بنیادی مرکز نہ بن سکیں[17] تاجرانہ قواعد و ترتیب، مشکلات اور رکاوٹوں سے ہمت اور بے جگری کے ساتھ گذر جانے کی صلاحیت نہیں پیدا کرتے، چونکہ ان میں مقصد کی اس مضبوطی اور استقلال کا فقدان ہوتا ہے جسے جوکھم برداشت کرنے والے ہر فرد کے لیے ایک حقیقی اور لازمی شرط کہا جا سکتا ہے۔ پھر بھی ہندوستانی حالات میں یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ اس طبقے کے علاوہ اور کون سا طبقہ اس قسم کی تحریک فراہم کر سکتا تھا، اور چونکہ ایسے تاجروں کی تعداد بہت کم تھی جو کسی حد تک یہ جوکھم بھی برداشت کر سکیں، اور اس میں اضافے کی رفتار بھی بہت دھیمی تھی، اس لیے جب تک ان کی ایک خاصی بڑی تعداد صنعتوں میں داخل ہو کر اپنی جگہ نہ پیدا کر لیتی، اجتماعی سیکٹر کی ترقی بھی دھیمی رہنا لازمی تھی۔

چھٹی دہائی میں خود تاجر طبقے میں بہت اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان میں سے تین تبدیلیاں یہ تھیں، بمبئی میں پارسی فرقہ آہستہ آہستہ سبقت لیتا جا رہا تھا، بنگالی تاجر کلکتے میں زوال پذیر تھے اور یورپی ہاؤسوں کی ساخت میں تبدیلی پیدا ہو رہی تھی۔

پارسی فرقہ "زمین جوتنے والے ایک نچلے اور معمولی طبقے[18] سے اٹھ کر، تاجر شہزادوں" کے

---

[17] براؤن، صفحات 66-64، جے کارکن براؤن، 'ہندوستان میں لوہے اور اسٹیل کی صنعت' [آئرن اینڈ اسٹیل انڈسٹری آف انڈیا] (مضامین، جو جون، جولائی کے 'مائننگ میگزین' کے شمارے میں سے دوبارہ چھاپے گئے)، صفحات 6-5 ایس۔ ڈی۔ مہتا، صفحات 5-4، کاغذ مل کے قیام کے سلسلے میں مشکلات کے سلسلے میں۔

[18] 13 / جون 1879 کے 'ٹائمز آف انڈیا' کے ایک تبصرے سے ('پارسی پرکاشن' کے ہفتہ واری (بقیہ اگلے صفحے پر)

درجے تک پہنچ گیا تھا جو ایک طرف ہندوستان سے چین تک، ور دوسری طرف لندن تک پھیل چکا تھا۔ ایک فرقے کی حیثیت سے عمل کرتے ہوئے اور ایک ایسی پالیسی اپنا کر، جس میں ایک دوسرے کے ساتھ مصالحت اور رواداری مخصوص طور پر شامل تھی، ان لوگوں نے ہندو راجاؤں، مغل نوابوں، مراٹھا پیشواؤں اور برطانوی حکومت کے دلوں میں اپنی ایک مخصوص جگہ بنالی تھی اور انھیں ان کا مکمل اعتماد اور حمایت حاصل تھی۔ جو مختلف فرقے اور نسلیں ان کے تعلق میں آئیں، پارسی ان کے ساتھ بھی ہمیشہ پورے امن و اتحاد کے ساتھ رہتے رہے۔ یہ لوگ یورپی تاجروں کے ساتھ پوری طرح مل کر روئی اور افیون کی تجارت کرتے تھے جس سے انھیں کافی دولت جمع کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

اٹھارھویں صدی کے خاتمے سے پہلے ہی کچھ پارسیوں نے چین سے تجارت شروع کر دی تھی۔ 1812 تک ان میں سے بہت سے افراد کا شمار 'متمول' زمرے میں ہونے لگا تھا اور بمبئی میں شاید ہی کوئی یورپی ایجنسی ہاؤس ایسا ہو جس سے کوئی نہ کوئی پارسی تاجر "اس کے غیر ملکی اسپیکولیشنوں میں سے زیادہ تر" میں شریک نہ ہو[7] جس سے روئی اور افیون کی تجارت پارسیوں کا مخصوص حصہ تھی۔ جمشید جی جیجی بھائی (جنھیں ہندوستانی پارسیوں میں پہلا 'بیرونیٹ' کا خطاب دیا گیا تھا) اور خورشید جی رستم جی کاما (جنھوں نے 1855 میں لندن میں پہلا ہندوستانی بزنس ہاؤس قایم کیا) نوشیرواں جی اور جمشید جی ٹاٹا (مشہور و معروف انڈسٹریل ہاؤس کے قایم کرنے والے) ان سب نے شروع میں اپنی ولایت بمبئی یا کلکتے ہی کو بنایا۔ چین، ہانگ کانگ، شنگھائی یا کینٹن میں شاخ کھولی، اور پھر دنیا کے دوسرے حصوں میں پھیل گئے[8]۔ بہت سے نسبتاً کم اہم اور کم شہرت یافتہ پارسی تاجروں اور دلالوں نے بھی اسی انداز پر ترقی کی۔

عام طور پر ایک ابھرنے والا پارسی تاجر اپنی تربیت کی ابتدا کسی یورپی ایجنسی ہاؤس میں ایک ملازم لڑکے کی حیثیت سے کرتا تھا، جہاں سے بیوپاری معلومات حاصل کر چکنے کے بعد اسے اس

(صفحہ 109 سے آگے)

اڈیشن) میں بومن جی برام جی پاٹل۔

[7] ملبرن: 'اورینٹل کامرس' میں ایس۔ کے سین کی 'معاشی پالیسی' صفحہ 54 میں اقتباس۔

[8] ایضاً صفحات 7-54، نیز ملاحظہ ہو کوورجی ناظر جی کی 'پہلا پارسی بیرونیٹ' [فرسٹ پارسی بیرونیٹ]، 1866، ایس۔ ایم۔ ایڈورڈس، کے۔ آر۔ کاما اور ایف۔ آر۔ حارث کی 'جے۔ این۔ ٹاٹا'، 1858۔

فرم کے دلال کے فرائض انجام دینے کی اجازت مل جاتی تھی، آخر میں یہ اپنے سرمایے سے یا دوسرے پارسی یا یورپی ساجھے داروں کی شرکت میں خود کوئی فرم قایم کرلیتا تھا۔ اس طرح جن پارسیوں نے بینک قایم کیے، روئی کی گانٹھیں تیار کرنے کی کمپنیاں کھولی یا بمبئی میں روئی ملوں کے قیام میں ممتاز حیثیت حاصل کی، ان سب کے پاس خود اپنے بھی کافی ذرائع موجود تھے اور انھیں اپنے تجربے، معلومات اور دیانت داری کی وجہ سے ایک مضبوط حیثیت حاصل تھی اور یہ تمام خصوصیات تجارتی میدان میں ایک اچھی اور مضبوط ساکھ کے لیے ضروری عنصر سمجھی جاتی ہیں[51]

دوسری طرف بنگالی تاجر عام طور پر پٹ سن، چاول، بیجوں اور ایسی ہی دوسری اشیاء کی تجارت میں مصروف تھے[52] اٹھارھویں صدی میں برطانوی نجی تجارت کے لیے یہ لوگ دلالوں کی حیثیت سے بہت اہم سمجھے جاتے تھے گوکل گھوشال، بابا ناتھ گھوش، بید آم کرجی، مہاراجہ کرشنا گنگا گووند سنگھ اور کرشنا کانت نندی اٹھارھویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں لکھ پتی نبیوں میں سے کچھ لوگ تھے[53] انیسویں صدی کے ابتدائی نصف حصے میں بھی کلکتے کے بنگالیوں نے یورپی ازادکے ساتھ مل کر اجتماعی سرمایہ اوارے کی ابتدا میں بہت اہم حصہ لیا[54] اس عرصے میں اس فرقے میں جو شخص سب سے زیادہ پیش پیش تھا وہ بلاشبہ عظیم النسان دوست دوارکا ناتھ ٹیگور تھا۔ اس نے اپنی ساری دولت ایک زمیندار اور 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے نمک اور افیون کے شعبے کے دیوانِ اعلیٰ کی حیثیت سے جمع کی تھی۔ اس کے بعد اس نے نیل کی فیکٹریاں قایم کیں، گنے کی کاشت کی اور پھر مشہور اور معروف 'کار ٹیگور اینڈ کمپنی' قایم کی۔ اس وقت شاید ہی کوئی کمپنی ایسی رہی ہو جس کا قیام یا اس کی بقا اس شخص کی عنایت کی مرہونِ احسان نہ ہو۔ ٹیگور نے 'یونین بینک' (1829 میں) 'اسٹیم ٹگ ایسوسی ایشن' (1837 میں)، 'بنگال ٹی (چائے) ایسوسی ایشن' (1839 میں)، 'انڈیا جنرل اسٹیم نیویگیشن کمپنی' (1844 میں) اور 'بنگال کول (کوئلہ) کمپنی' (1845 میں) جاری

---

[51] ایس۔ ڈی۔ مہتا، صفحات 25-3۔

[52] سالانہ عام اجلاس کی روداد 'بنگال قومی ایوانِ تجارت کی رپورٹ' [رپورٹ آف دی بنگال نیشنل چیمبر آف کامرس]، 1887، ایس۔ کے سین کی 'معاشی پالیسی' میں اقتباس، صفحہ 58۔

[53] این۔ کے سنہا، صفحہ 6-90۔

[54] ایچ۔ بنرجی، 'ٹیگور برادران کا بزنس ہاؤس' [دی ہاؤس آف دی ٹیگورس] مطبوعہ 1956، نیز ملاحظہ ہو کوکے، صفحات 9-77 'تھارنر' سامراج میں سرمایہ کاری، صفحات 53-44۔

کی تھیں، اوران کمپنیوں کے بڑے بڑے حصے اس کے پاس تھے۔ 1845 میں ان کمپنیوں کا مجموعی سرمایہ دسیوں لاکھ روپیے کی حد تک تھا۔ 'انڈیا جنرل' اور 'بنگال کول کمپنی' تو آج تک باقی ہیں اور اپنے اپنے میدانوں میں پہلی صف کی کمپنیاں مانی جاتی ہیں۔ 'ایسٹ انڈیا ریلوے کمپنی' کے قیام سے پہلے، اس نے کلکتہ، رانی گنج لائن کے لیے ضروری اصل کا ایک تہائی سرمایہ اُبھار لینے کا وعدہ کیا تھا۔ انیسویں صدی کی پانچویں دہائی کے درمیانی عرصے کے بیوپاری بحران کے بعد، جس کے اثر سے بہت سے بیوپار ناکام ہوتے[1]، 'کار ٹیگور کمپنی' بھی 1851 میں بیٹھ گئی۔ اسی سبب سے شاید دوسرے ممتاز بنگالی نام بھی بنگال کی صنعت اور بیوپاری تاریخ کے صفحات سے غائب ہو گئے۔

اس وقت جب کہ بیوپاری بحران کے اثر سے کلکتے کے یورپی ایجنسی ہاؤسوں میں کافی حد تک تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں، ملک کی اقتصادی کیفیات کے کچھ دوسرے رُخوں میں بھی حالات تبدیل ہو رہے تھے۔ دُخانی جہازوں، ریلوے اور ٹیلیگراف کے استعمال سے بیوپاری حالات و کیفیات میں ایک نیا موڑ آنے کی توقعات پیدا ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ آکلینڈ اور ستین نے کامیابی کے ساتھ کلکتے میں ایک پٹ سن مل قایم کر لیا تھا۔ 'آسام ٹی کمپنی'، جو ایک عرصے سے دم توڑتی محسوس ہو رہی تھی، اب اس نے پھر حصوں پر منافع تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا[2]۔ برطانوی سرمایہ دار بھی دوسرے ملکوں میں سرمایہ کاری کی راہیں تلاش کر رہے تھے۔ ان بدلتے ہوئے حالات کی اہمیت کو کلکتے کے برطانوی تاجروں نے بھی فراموش نہیں کیا۔ انھوں نے اس موقعے کا پوری سرگرمی سے فائدہ اٹھایا اور خود بھی صنعتوں میں سرمایہ لگایا اور انگلینڈ میں دوسرے سرمایہ داروں کو اس کام کے لیے آمادہ کیا۔ مینیجنگ ایجنسی کے طریقے نے، جو اب تک ہندوستان میں مینجمنٹ کی ایک خصوصیت بن چکا تھا، اس سلسلے میں اہم اور ضروری رشتے کا کام دیا[3]۔

سرمایہ اُبھارنے کا کام بہت حد تک انفرادی کوششوں سے ہی انجام پاتا تھا۔ اجتماعی کمپنیوں

---

[1] بریم، صفحہ 31۔ فٹ نوٹ۔

[2] انٹروبس، 'آسام'، صفحات 7-406، 'کمپنی کی شماریات' [کمپنیز اسٹیٹسٹکس] نیز 'بنگال میں چائے صنعت کے متعلق مضامین' (سابقہ حوالہ)۔ مسٹر ایکر کا خط، صفحہ VII۔

[3] ملاحظہ ہو بارھواں باب۔

کی ابتدا کے لیے عام جلسے منعقد کرنے کا زمانہ اب ختم ہوچکا تھا[50] اب ان منصوبوں سے متعلق ایجنسی ہاؤسوں کے دفتروں کے اندر ہی ابتدائی گفت وشنید اور تبادلۂ خیال ہوجاتا تھا یہیں کسی منصوبے کا بانی اپنے قریب ترین بیوپاری ساتھیوں سے ملتا تھا، ادارے کے متعلق باتیں طے کرتا تھا، اور اس کا اجرا کرتا تھا پراسپکٹس، درخواستیں اور حصوں کا تعین اور ان کی تقسیم، اور رقموں کی وصولی وغیرہ، سب کچھ انہی دفتروں میں ہوتی تھی[51]

کمپنی کی مالیت کاری کے سلسلے میں صرف معمولی قسم کے حصے استعمال کیے جاتے تھے مجوزہ سرمایے کا ستر سے اسّی فیصد حصہ کسی فرم کے وجود میں آتے ہی ادا کر دیا جاتا تھا[52] اگر طلب کیا گیا سرمایہ کم ہوتا تو اسے ایسے کم حصوں میں تقسیم کیا جاتا کہ جن کی ظاہری قدر زیادہ ہوتی، اور عام طور پر اسے محدود تعداد میں دولتمند قسم کے تاجر ہی مہیا کر دیتے[53] لیکن اگر اس کے برعکس مطلوبہ رقم بڑی ہوتی، تو حصوں کی ظاہری قدر کو نسبتاً کم رکھا جاتا تاکہ سرمایہ کاروں کی ایک بڑی تعداد میں اس سلسلے میں دلچسپی پیدا کرائی جاسکے[54]

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے بمبئی میں کمپنیاں قایم کرنے والے کافی حد تک خود اپنے بھی ذرائع رکھتے تھے اور بازار میں ان کی ساکھ بھی مضبوط تھی۔ اس کے نتیجے میں ان کی طرف سے مالیت کی فراہمی کے لیے اگر کوئی اپیل کی جاتی تو عوام کی طرف سے اسے فوری حمایت حاصل ہوجاتی اور کسی اجرا سے زیادہ رقم کی فراہمی بھی بعض موقعوں پر کوئی غیر معمولی بات نہ ہوتی۔ لیکن بمبئی سے باہر تھوڑا سا بھی سرمایہ ابھار لینا یقیناً بہت مشکل کام تھا۔ بمبئی سے اتنے قریب، احمد آباد میں رنچھوڑلال برہمن کی ایک روئی مل کے لیے سرمایہ ابھار لینے کی کوششیں، اس کی بہترین مثال ہیں۔ 1848ء میں مقامی سرمایہ داروں کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے 'احمد آباد سماچار' میں اس نے روئی مل کے

---

[50] ملاحظہ ہوں ایچ سنہا؛ جنرل بینک آف انڈیا کے حالات کے لیے، کوکے، 'کمرشیل بینک آف انڈیا' کے حالات کے لیے تھارنر، 'سامراج میں سرمایہ کاری'، 'گریٹ ویسٹرن ریلوے' کے تاریخی حالات کے لیے۔

[51] ملاحظہ ہو کوکے، متعدد بینکوں کے حالات کے لیے، ایس۔ ڈی۔ مہتا؛ پیٹٹ مل؛ (Pakt Mill

[52] ایضاً۔

[53] ایس۔ ڈی۔ مہتا، 'پیٹٹ مل'۔

[54] ملاحظہ ہو کوکے، مرکنٹائل بینک اور سنٹرل بینک کے حالات کے لیے۔

سلسلے میں اپنا منصوبہ اور اس کا تخمینہ شائع کیا، لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ بعد میں اسے ایک انگریز جیمس لینڈن مل گیا، جو اس کے اس خیال میں شریک ہوگیا اور یہ طے پایا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کُل ضروری سرمایے کے حصول کے لیے پانچ پانچ لاکھ روپیہ اُبھارے گا۔ راج پیپلا ریاست کا حکمراں اور بھاونگر کا ایک سیاست داں گوری شنکر اوزا ان افراد میں سے دو شخصیتیں تھیں جنھیں رنچھوڑلال نے اپنی کمپنی کے حصے لینے کے لیے تیار کیا تھا لیکن یہ منصوبہ بھی بار آور نہ ہوسکا چونکہ ہندوستانی حصے دار اس خیال سے کمزور پڑگئے کہ انھیں جیمس لینڈن پر شبہ تھا کہ اس معاہدے میں وہ اپنا کام پورا نہ کرسکے گا۔ کہیں 1858 میں رنچھوڑلال ایک چھوٹی سی مل کمپنی کے اجرا میں کامیاب ہوسکا، جس کا کُل سرمایہ صرف 1,00,000 روپیے تھا، جسے بیس حصوں کے ذریعے آہستہ آہستہ حاصل کرلیا گیا۔ سب سے پہلے حصے داروں میں رنچھوڑلال خود تھا اور راؤ بہادر مگن داس کرم چند، تھے جنھوں نے دو حصے لیے تھے۔ راؤ پرتیا بھائی، ہتھی سنگھ، کیشر سنگھ، کے علاوہ دھائٹ تھا جو رنچھوڑلال کا بہت اچھا دوست تھا[1]

ہندوستان کے تاجروں کی طرف سے جیمس لینڈن پر اعتماد کی کمی کے مظاہرے کے باوجود رنچھوڑلال نے ہمت نہیں ہاری اور اس نے 1854 میں 'لیکی اینڈ سنز، بمبئی، کی مدد سے پہلا کامیاب روئی مل قایم کر دیا، حالانکہ اسے اپنے ایک انتہائی منافع بخش مل کو اس کمپنی کی طرف منتقل کرنا پڑا۔ اس نئی کمپنی 'بھڑوچ روئی مل'، کا سرمایہ 5,000 روپیے کے 80 حصوں میں تقسیم تھا، جن میں سے 20 حصے ایسے تھے جن کا کل سرمایہ اس باہمت شخص کو لوٹا کر دیا گیا تاکہ یہ خود اپنے خرچ پر لندن جاکر کارخانے کی عمارتوں کی تعمیر اور مشینوں کی خرید اور اس کے لگائے جانے کے انتظامات مکمل کرلے[2]

کلکتے کی صورتِ حال مختلف تھی یہاں کی کمپنیوں کا آغاز بمبئی کے پارسیوں کے مقابلے میں خود برطانوی تاجروں نے ہی کیا تھا۔ اور یہ محض قومیت کا ہی فرق نہیں تھا ــــ ایک طرف پارسیوں کا اثر و رسوخ صرف بمبئی کے سرمایہ بازار تک ہی محدود تھا تو دوسری طرف برطانیہ کے تاجروں کی رسائی برطانیہ کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے سرمایہ بازار تک بھی تھی۔

چنانچہ جب ولیم میکینن نے اپنی تازہ قایم شدہ تجارتی کمپنی 'میکینن میکنزی اینڈ کمپنی' کی طرف سے کلکتہ اور رنگون کے درمیان ڈاک لانے لے جانے کا ٹھیکہ حاصل کیا تو وہ اپنے وطن گیا، کلکتہ اور

---

[1] ایس۔ ڈی۔ مہتا صفحات 3-22۔

[2] ایضاً، صفحات 3-12۔

برما اسٹیم نیویگیشن کمپنی لمیٹڈ کے قیام کے لیے لندن اور گلاسگو میں سرمایہ جمع کیا اور اس کمپنی کو 24/ستمبر 1856 کو درج کروالیا۔ جو سرمایہ جمع کیا گیا تھا اسے آج کے معیار سے صرف 35,000 پونڈ کہا جاسکتا ہے جو 700 حصوں میں تقسیم تھا۔ اس میں سب سے زیادہ سرمایہ دینے والا ایک واحد شخص جے۔ ہالیڈے تھا، جس نے کل 4,000 پونڈ کے 80 حصے لیے تھے میکینن نے بذات خود اور اپنی کمپنی کی طرف سے 3,000 پونڈ کے حصے حاصل کیے، اور اس زمانے کے رواج کے مطابق پوری چالاکی کے ساتھ 7,500 پونڈ کے حصے "اس کاروبار میں دلچسپی رکھنے والے ہندوستانی فریقین کے لیے"[1] محفوظ رکھے۔

اسی طرح سے ولیم رَو برنس اور ہنری برکن نیگ 'آسام ٹی کمپنی' سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے وطن واپس آئے اور یہاں 'جورہاٹ ٹی کمپنی لمیٹڈ' کی بنیاد رکھی۔ یہ کمپنی 29/جون 1859 کو لندن میں رجسٹر ہوئی۔ اس کا سرمایہ 20 پونڈ کے 3,000 حصوں میں تقسیم تھا اور اس طرح کل 60,000 پونڈ سرمایہ ابھارا گیا تھا۔ یہ ہندوستان کی چوتھی چائے کمپنی تھی اور لندن میں رجسٹر ہونے والی دوسری[2]۔

'جارج ہنڈرسن اینڈ کمپنی' ایک ایسی مثال ہے جس میں مینجنگ ایجنسی ہاؤس نے اپنے ایک شریک جارج ہنڈرسن سینیئر کے ذریعے ابتدائی اور ممتاز ترین کردار ادا کیا۔ 1857 میں کلکتے کے دورے میں اس کی ملاقات آکلینڈ سے ہوئی، جو پٹ سن مل کے سلسلے میں پیش پیش تھا، اور اسے پٹ سن صنعت کی کامیابی کا احساس ہوا چنانچہ اپنے وطن واپس جانے کے بعد اس نے 'بورنیو کمپنی' پر زور ڈالا کہ وہ پٹ سن مل کے کاروبار میں بھی چند لاکھ کی رقم لگادیں ——— 'بورنیو کمپنی' کے لیے اس کی کلکتے کی فرم ایجنٹ کے فرائض انجام دیتی تھی ——— اور 'بورنیو کمپنی' کے پاس ایک بہت بڑا سرمایہ فالتو پڑا ہوا تھا۔ 'بورنیو پٹ سن کمپنی'، جس نے 1859 میں کام شروع کیا، ہندوستان کی پٹ سن صنعت میں پہلی ایسی کمپنی تھی جس کا سرمایہ پونڈ میں تھا[3]۔

1860 تک ہندوستان میں درج ہونے والی کمپنیوں کے کل اور اوسط ادا شدہ سرمایے کی رقموں سے ——— جیسا کہ مندرجہ ذیل گوشوارے میں دکھلایا بھی گیا ہے ——— ظاہر ہوتا ہے کہ بنگال میں سرمایے کی فراہمی کی شرح، ہندوستان کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں بہت

---

[1] بی بلیک، B.I.Centenary (1856 تا 1956) مطبوعہ 1956، صفحات 9-24۔

[2] انٹرولس، جورہاٹ، صفحات 13-36۔

[3] والیس، صفحات 17-18۔

اونچی تھی[۱۷] بنگال کے کُل سرمایے کا تقریباً 75 فیصدی حصہ ان کمپنیوں سے متعلق تھا جو 1851 سے پہلے

گوشوارہ نمبر۴

1860 تک کمپنیوں کی علاقائی تقسیم اوران کا اداشدہ سرمایہ

علاقہ	کمپنیوں کی تعداد	سرمایہ (روپیے میں)			کل سرمائے کا فیصدی
		مجوزہ	اداشدہ	اوسط اداشدہ	
بنگال	34	3,59,43,000	2,47,22,000	7,27,118	87.0
بمبئی	5	39,75,000	34,59,000	6,91,800	12·2
ہندوستان کے باقی علاقے	2	2,03,000	2,03,000	1,01,500	0·8
	41	4,01,21,000	2,83,84000	6,92,293	100·0

شروع کی گئی تھیں[۱۸] لیکن اس کو الگ کرنے کے بعد بھی بنگال کا کل سرمایہ ہندوستان کے باقی علاقوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ تھا۔

مدراس میں صورت حال عام اندازوں سے بھی زیادہ خراب تھی۔ 1860ء کے آخر تک یہاں صرف ایک کمپنی رجسٹر کرائی گئی تھی، اور یہ 'میل کوچ کیری انگ کمپنی لمٹیڈ' (ڈاک گاڑیاں لے جانے والی) بھی 7/دسمبر 1860 کو رجسٹر کرائی گئی تھی۔ اس کا مجوزہ سرمایہ صرف 50,000 روپیے تھا۔ اسے ڈاک اور مسافروں کی آمدورفت کے لیے قایم کیاجاتا تھا لیکن اس نے بھی کاروبار کبھی نہیں کیا[۱۹] ایک اور دوسری کمپنی جس کے متعلق معلومات موجود ہے یا جو تھوڑی بہت اہمیت رکھتی تھی 'ایسٹ انڈیا آئرن

---

[۱۷] 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' 1883۔

[۱۸] پٹ سن اور چائے کمپنیوں کے علاوہ تقریباً باقی تمام کمپنیاں 1851 سے پہلے ہی شروع کی گئی تھیں۔ پٹ سن اور چائے کمپنیوں کا کُل سرمایہ صرف 31,00,000 روپیے تھا۔

[۱۹] 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' (کمپنی نمبر 816) صفحہ 91۔

کمپنی تھی۔ اسے 1850 میں مدراس کے بیوپاریوں کی ایک تنظیم نے 40,000 پونڈ کے سرمایے سے، سابقہ 'پورٹو نوو آئرن کمپنی' کا کاروبار سنبھالنے کی غرض سے قایم کیا تھا، لیکن یہ بار بار تکنیکی اور مالیاتی مشکلات میں گرفتار نظر آئی اور 'ہندوستانی کمپنی ایکٹ' کے تحت اسے کبھی بھی رجسٹر نہیں کروایا گیا[1]۔ مدراس، جو ایک زمانے میں معاشی اعتبار سے ایک اہم مرکز تھا، اس کے تنزل کے سلسلے میں اس سے پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے[2]۔

اجتماعی سیکٹر کی اتنی وسیع اٹھان کے باوجود بھی اس عرصے کی کچھ اہم خصوصیات ضرور ہیں۔ اجتماعی کمپنیوں کے وسیلے سے بڑی مقدار میں پونڈ سرمائے کا ملک میں داخلہ اور دوسرے ملکوں میں اس کا رجسٹر ہونا اور وہیں سے اس کی دیکھ بھال اور انتظام بھی ان میں سے ایک خصوصیت ہے۔

مندرجہ ذیل گوشوارے میں ایسی کمپنیوں کی تعداد اور ان کی صنعتی تقسیم دکھائی گئی ہے جو 1860 سے پہلے موجود تھیں یا اس سال کے آخر تک قایم کی گئی تھیں۔

گوشوارہ نمبر 5 (الف)

ان کمپنیوں کی تعداد جو صرف ہندوستان میں بیوپار کر رہی تھیں لیکن انھیں حصوں کے ذریعے برطانیہ میں جاری کیا گیا تھا

ریلویز	6
آبی آمدورفت (نیویگیشن)	1
پٹ سن مل	1
چائے	2
کُل	10

---

[1] اس کمپنی نے بھی متعدد بار حکومت سے قرض لیا اور بار بار اس کے ڈھانچے کو تبدیل کیا گیا۔ براؤن صفحات 6-61 مع کوگن براؤن، صفحات 6-5۔

[2] ملاحظہ ہو صفحہ 56۔

ان کمپنیوں کی تعداد جو ہندوستان کے ساتھ دوسری جگہوں پر بھی کاروبار کر رہی تھیں

بینک کار کمپنیاں(ب)	7
زندگی بیمہ کمپنیاں(ج)	8
آبی آمد و رفت(د) (نیویگیشن)	1

[ایسی بحری کمپنیوں کی تعداد جو صرف ہندوستان میں بیوپار کر رہی ہوں صحیح صحیح معلوم نہیں ہو سکی، اس لیے انھیں شامل نہیں کیا گیا]۔

(الف) 'لندن اسٹاک ایکسچینج کے سالنامے'، انسٹے (1952 اڈیشن)، بلیک، (سابقہ حوالہ) (جوٹ ملس بائی اے ڈنڈی کرسپونڈنیٹ)، گوولس اور اسٹینٹن 'ہندوستان اور لنکا کی چائے پیدا کرنے والی کمپنیاں'، [ٹی پروڈیوسنگ کمپنیز آف انڈیا اینڈ سیلون] مطبوعہ 1897، انڑوبس، جورہاٹ'۔

(ب) ڈی ایس۔ساؤکار، 'ہندوستان میں اجتماعی بینک کاری' [جوائنٹ اسٹاک بینکنگ ان انڈیا] مطبوعہ 1938، صفحات 4-53۔

(ج) آر۔ایم۔رے، 'ہندوستان میں زندگی بیمہ' [لائف انشورنس ان انڈیا]

(د) 'پینِنسلر اینڈ اورینٹل کمپنی' ہے۔اس کے قیام کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو تھارنر 'سامراج میں سرمایہ کاری'۔

معاشی ترقی اور اجتماعی کمپنیوں کی اٹھان کے نقطۂ نظر سے تمام غیر ملکی کمپنیاں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھیں[1]۔ ان کمپنیوں کے قیام سے پہلے ــــ جن کا سب سے ممتاز کارکن آر۔ایم۔اسٹیفنسن تھا[2] ــ چند سال اختلافات، گفت و شنید، کشمکش اور ذہنی تیاری کے گذرے۔ آخر میں یہ طے پایا کہ ریلوے کی تعمیر نجی سرمایہ کاری سے ہو اور سرکار اس میں کوئی حصہ نہ لے لیکن وہ ان کے سرمایے پر کم سے کم 5 فیصدی منافعے کی ضامن ہو جائے۔ یہ بات ایک ٹھیکے کے ذریعے کی گئی تھی جس کی تفصیلات میں اس پر گرفت، نگرانی، زمین کی فراہمی، ریلوز کو حکومت کی طرف سے خرید لیے جانے یا مالکان کی

---

[1] تیواری۔ (سابقہ حوالہ)، ملاحظہ ہو ریلوے کی ترقی سے متعلق باب۔

[2] تھارنر، 'سامراج میں سرمایہ کاری'، آر۔ایم۔اسٹیفنسن پر۔

طرف سے اسے حکومت کے حق میں چھوڑ دینے، وغیرہ کے سلسلے میں بہت سی شرائط شامل تھیں۔ 1857 کے موسم گرما تک 1,40,00,000 پونڈ کی رقم لندن کے سرمایہ بازار سے حاصل کی جاچکی تھی[1]۔

دخانی جہازوں کے ذریعے آمد ورفت میں ترقی کے اثر سے ہندوستان، چین اور آسٹریلیا کے درمیان تجارت میں جو اضافہ ہوا اس نے غیر ملکی مبادلۂ زر اور ارسال زر کے بیوپار میں اور بھی زیادہ کشش پیدا کردی[2]۔ بہت سے ایسے بینک لندن میں قایم کیے گئے جنھیں 'ایکسچینج بینک' (مبادلہ بینک) کہا جاتا تھا۔ ان بینکوں کے پاس اچھے اور بہت سے آمدنی کے ذرائع موجود تھے اور ان کے بیوپار کا خاصہ بڑا حصہ ہندوستان میں ہی تھا۔ کامپشائر نیشنل ڈی اسکومپٹے ڈی پیرس [Comptoir National De Escompte De Paris] ہی ایک واحد ایسا غیر ملکی بینک تھا جس کی ابتدا لندن میں نہیں ہوئی تھی[3]۔

وہ انگریز لوگ جو اپنی ہندوستانی ملازمتوں کے بعد ریٹائر ہوتے تھے انھوں نے ان بینکوں کے قیام میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ ان کے ناموں سے ڈائرکٹروں کے بورڈ میں کچھ زیادہ وقعت اور اہمیت پیدا ہوجاتی تھی اور ان کی وجہ سے عوام سے زیادہ آسانی سے بڑی رقمیں جمع ہوجاتی تھیں۔ ان میں سے کچھ بینکوں کی ابتدا ہندوستان میں ہی ہوئی تھی اور بعد میں ان کے صدر مقام لندن منتقل ہو گئے تھے[4]۔ ان بینکوں پر گرفت اور ان کے مینجمنٹ کے سلسلے میں لندن اور ہندوستان کے حصے داروں کے درمیان بعض موقعوں پر اختلافات اور جھگڑے کھڑے ہوجاتے تھے[5]۔ ہندوستانی بینک کار کمپنیوں کی نشوونما پر ان بینکوں نے کیا اثرات پیدا کیے، یہ مسئلہ موجودہ صدی میں ایک زبردست اختلافی موضوع رہا ہے، لیکن چونکہ اس مسئلے کا بہت گہرا تعلق ایک اور اہم مسئلے، یعنی ہندوستان کی غیر ملکی تجارت پر برطانوی اثرات، سے ہے، اور چونکہ ایسی کوئی مثال نظر نہیں آتی کہ کوئی ہندوستانی بینک زیر بحث دور میں محض ان اثرات کی وجہ سے ناکام ہوا ہو، اس لیے اس سوال پر آگے بحث نہیں کی گئی۔

---

[1] ایل۔ایچ جینکس، صفحہ 206۔

[2] کوکے، صفحات 9-368، ملاحظہ ہو 'چارٹرڈ بینک آف انڈیا، آسٹریلیا اینڈ چائنا' کا پراسپکٹس۔

[3] ساؤکار، صفحات 4-53۔

[4] کوکے، ملاحظہ ہو 'اورینٹل بینک کارپوریشن' کے حالات، صفحات 51-141، اور 'چارٹرڈ مرکنٹائل بینک آف انڈیا، لندن' وغیرہ۔

[5] ملاحظہ ہو بارھواں باب۔

وہ زندگی بیمہ کمپنیاں جو ہندوستان میں کام کر رہی تھیں، عام طور پر پونڈ سرمایہ کمپنیوں کی ایجنسیاں ہی تھیں۔ ان کا بیوپار بھی محض یورپی افراد تک ہی پھیلا ہوا تھا لیکن اس موضوع پر اس دور کے ایک ماہر نے اتنے محدود بیوپار کا تخمینہ بھی 50,00,000 پونڈ لگایا تھا[51] صرف 'سپاہی بغاوت' کے دوران ہی ڈھائی لاکھ پونڈ سے زیادہ رقم زندگی بیمہ دفتروں سے ان لوگوں کی زندگی کی پالیسیوں کے عوض دی گئی تھی جو اس عرصے میں کام آئے تھے۔ ہندوستان میں ہونے والے بیوپار کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے، ایسی کمپنیوں کی فہرست میں اہم ترین کمپنیاں 'البرٹ' اور 'یورپین' نام کی تھیں۔ ان کمپنیوں کو یہ افضلیت مختلف کمپنیوں کو ضم کر لینے کے بعد اور کچھ ہندوستانی اور کچھ غیر ملکی کمپنیوں کو اپنے ساتھ شامل کر لینے کے بعد حاصل ہوئی تھی[52]

کمپنی قانون میں تبدیلی بھی اس دور کی ایک اہم خصوصیت تھی۔ 1857 کے ایک ایکٹ کے ذریعے، بینک کار اور بیمہ کمپنیوں کو چھوڑ کر، باقی تمام کمپنیوں کو محدود ذمے داری کی بنیادوں پر قایم کیے جانے کی اجازت دے دی گئی تھی[53]

آج محدود ذمے داری کے اصول کو پوری طرح اور بے چون و چرا تسلیم کر لیا گیا ہے۔ لیکن صرف سو سال پہلے ہی یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر زبردست بحث جاری تھی۔ مختلف وجوہات کی بنا پر ہندوستان میں اس کی مانگ بھی 1849 سے پہلے نظر نہیں آتی۔ اس سلسلے میں پہلی بات یہ تھی کہ پہلی کہ پہلی ایسی کامرشیل کمپنی جو کسی قدر اہمیت کی حامل نظر آتی ہے، وہ 'یونین بینک' تھی، جو 1829 میں ہی قایم ہوا تھا، اور اگلے بیس سال کے عرصے میں ایسی کمپنیوں کی تعداد اتنی نہ تھی کہ وہ عوام کے ذہنوں پر اثر انداز ہو سکیں[54] دوسری وجہ یہ تھی کہ 1848 میں جب تک 'یونین' اور 'بنارس'

---

[51] ڈی۔ ایم سیلرز 'ہندوستان میں ویسی زندگی بیمے کی ابتدار اور ترقی' ['رائز اینڈ پروگریس آف نیٹو لائف انشورنس ان انڈیا'] ، 1897، صفحہ 4۔

[52] آر۔ ایم۔ رے (سابقہ حوالہ)

[53] حکومت ہند کا 1857 کا ایکٹ XIX

[54] 1786 میں 'جنرل بینک آف انڈیا' نے بھی اپنے حصے داروں کے لیے محدود ذمے داری کا اعلان کیا تھا۔ اس کے دستور میں ایک مد اس قسم کی بھی شامل کی گئی تھی اور اسی حقیقت کا عوام میں اعلان بھی شائع کیا گیا تھا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بینکوں کی ناکامی عمل میں نہیں آئی، کمپنیوں کے سامنے کافی آسان راستے کھلے ہوئے تھے جس کی وجہ سے خود حصے دار بھی غیر محدود کمپنیوں کے خدشات و خطرات کے سلسلے میں کچھ مطمئن ہو گئے تھے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ حصے داروں میں، کمپنی کے دستوروں میں عام طور پر شامل کی جانے والی ایک مد سے ایک طرح کے تحفظ کا احساس پیدا ہو گیا تھا جس کے تحت، یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ اگر کمپنی کسی وقت بھی اپنے سرمایے کا ایک تہائی حصہ کھو چکی ہوگی تو یہ فوراً کام کرنا چھوڑ دے گی اور اس کے تمام کاروبار بند کر دیے جائیں گے۔[1] اگر اس مد پر پوری طرح عمل کیا جاتا تو اس سے وہ بات حاصل ہو جاتی جسے ایک طرح کی محدود ذمے داری بھی کہا جا سکتا تھا، لیکن چونکہ اس کی پشت پر کوئی قانونی مضبوطی موجود نہیں تھی، اس لیے اس ضمانت کو پورا کیے جانے کے سلسلے میں حصے دار صرف اپنے ڈائرکٹروں پر ہی انحصار رکھتے تھے۔ بہر حال حصے دار اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ اس بات کی امید کرنا کسی طرح بھی حقیقت پر مبنی نہیں تھا کہ کوئی ڈائرکٹر کسی چلتی ہوئی کمپنی کے کاروبار کو بند کر دے گا۔ اس میں شک نہیں کہ آڈٹ کے مواقع بھی فراہم کیے گئے تھے لیکن اس سلسلے میں بھی، اس کام کے لیے جو لوگ منتخب کیے جاتے تھے، وہ نہ تو اس کام کے لیے مناسب طور پر سند یافتہ تھے نہ یہ کام ان کی کوئی قانونی ذمے داری تھی اور نہ ہی ان کو وہ اختیارات حاصل ہوتے تھے جن کو مکمل آزادی کہا جا سکے۔ حصے داروں کے سامنے جو حساب پیش کیے جاتے تھے، ان کو بھی متعدد موقعوں پر محض لیپا پوتی ہی کہا جا سکتا تھا۔ خاص طور پر ان مشکل موقعوں پر جہاں ان کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس ہوتی تھی۔[2] اس طرح بہت سے حصے داروں کو اس وقت تک اپنی کمپنی کے صحیح صحیح حالات کا علم نہیں ہو سکتا تھا جب تک یہ پوری طرح دیوالیہ نہیں ہو جاتی تھی۔ 'یونین بینک' کی ناکامی نے حصے داروں کے اس تحفظ کے اعتماد کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ تمام ادا شدہ سرمایے کا ضائع ہونا، جو 10 لاکھ پونڈ کی حد تک تھا؛ اس میں رقمیں جمع کرانے والوں اور بینک سے متعلق دوسرے

(صفحہ 120 سے آگے)

اب یہ دعویٰ، جس کی بنیاد صرف 'نوٹس' کا اصول تھا، قانونی عدالت میں بھی قائم رہ سکتا تھا، یہ بھی طے نہیں ہو پایا لیکن جو کچھ بھی ہو، یہ ایک دلچسپ مثال ہی تھی۔ ہندوستان میں اس مسئلے پر باقاعدہ بحث 1849 میں یونین بینک کی ناکامی کے بعد ہی شروع ہوئی۔

[1] ملاحظہ ہو ایکٹ XIII، 1850 سے متعلق کاغذات میں 'یونائیٹڈ بینک'، لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا 7 دسمبر 1850۔

[2] گوکھلے، 'یونین بینک' کے حالات۔

ین واروں[51] کے جو تمام دعوے بینک پر تھے، ان تمام چیزوں نے ایک اجتماعی تنظیم کے غیر محدود ہونے سے پیدا ہونے والے خطرات و خدشات کی یاد دہانی اتنی دیر سے کرائی کہ جب کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بمبئی کلکتے اور دوسرے مقامات کے ممتاز بینکوں کے حصے واروں نے اپنے ڈائرکٹروں کے بورڈوں پر حکومت سے اس قسم کی اپیل کرنے پر زور دیا کہ حکومت محدود ذمے داری کے سلسلے میں ایک ایکٹ پاس کرے[52]

اس سلسلے میں جو مباحثہ ہوا اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ غیر محدود ذمے داری کو لین داروں کے لیے ایک تحفظ قرار دینا محض ایک دھوکا تھا[53] کسی کمپنی کی وہ قانونی حیثیت جس میں اسے ساجھے داری کا درجہ دے کر اس کے تمام حصے داروں کو کسی مقدمے میں ملوث کیا جاتا تھا۔ اس سے غیر محدود ذمے داری کا تصور محض ایک حماقت محسوس ہوا۔ ہندوستانی حالات میں یہ کچھ اور بھی زیادہ نامعقول نظر آتا تھا، چونکہ کسی بھی ہندوستانی کمپنی میں بڑا حصہ یورپی تاجروں یا 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے ان ملازمین سے متعلق ہوتا تھا جو وقتی طور پر ہندوستان میں رہائش پذیر ہوتے تھے اور تین یا چار سال کے عرصے میں ان میں سے آدھے لوگ یا کسی نئے بیوپار کی کوشش میں یا ریٹائر ہو کر سنگاپور، ہانگ کانگ یا برطانیہ واپس چلے جاتے تھے[54] پھر یورپی افراد کے لیے یہ بات بھی کوئی غیر معمولی نہیں تھی کہ پریشانی کے حالات کا اشارہ پاتے ہی یہ ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں، جس سے ان کے ہندوستانی ساتھیوں کی پریشانیوں میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا تھا[55] اس کے علاوہ ہندوستان میں رہنے والے افراد کوئی خاص اور حقیقی ملکیت بھی نہیں رکھتے تھے، اس لیے اگر ان کے خلاف کوئی قانونی فیصلہ حاصل بھی کر لیا جاتا تھا تب بھی کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہوتی تھی جس پر اسے عائد کیا جا سکے[56] ایک دلیل یہ بھی دی گئی کہ

---

[51] ایضاً۔

[52] 'لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا' دسمبر 1850۔

[53] ایضاً۔

[54] ایضاً۔

[55] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو آٹھواں باب 'جنوبی ہندوستان میں سونے کی گرم بازاری' میں 'ٹریمانٹے اینڈ کمپنی' کے حالات اور دسویں باب میں 'بنگال ٹرسٹ' اور 'لندن کمپنی' کے واقعات۔

[56] 'لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا' دسمبر 1850۔

غیر محدود ذمے داری سرمایہ کاری پر خراب اثر ڈالتی ہے، چونکہ جیسا کہ متعدد موقعوں پر ہوا، یورپی افراد نے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے حصوں کو بیچ دیا اور اپنا سرمایہ واپس لے گئے، جبکہ اگر ہندوستان میں حالات اور سازگار ہوتے تو یہ اسے اپنی واپسی کے بعد بھی ہندوستان میں چھوڑ سکتے تھے۔

اس کے علاوہ چار مفصل بینکوں نے 'لیجسلیٹو کاؤنسل' کے سامنے ایک اجتماعی میمورنڈم کے ذریعے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ "غیر محدود ذمے داری کا بے جا استعمال بھی ایک لازمی امر ہے" اور "بینکنگ تنظیمیں اپنے ساتھی ساجھے داروں کو دبانے کے لیے بھی اس کا استعمال کر سکتی ہیں، اور ایسا طریقہ اپنا سکتی ہیں جو ایکوٹی اصول کے خلاف ہو اور اس سے بہت بڑے خطرات پیدا ہو جائیں"۔ جیسا کہ ہندوستانی تجربات سے بھی ہو چکا تھا۔ غالباً اس میں 'بنارس بینک' کے ڈائرکٹروں کی طرف اشارہ تھا جنھوں نے اس وقت جب بینک دیوالیہ ہونے کے قریب تھا خود اپنے بہت سے حصے منسوخ کر دیے تھے اور اسی تناسب سے دوسروں کے حصوں کو منسوخ نہیں کیا تھا۔

اجتماعی مالیت کاری کے نقطۂ نگاہ سے، غیر محدود ذمے داری کو باقی رکھنے میں دو اور بھی نقصانات تھے۔ وہ تمسکات (سیکیورٹی) جن میں شمولیت کے حقوق محدود ہوتے تھے — جیسے ترجیحی حصے — ان کو جاری نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لیے ایکوٹی حصے دار سرمایہ کاری کو بہت سی کمپنیوں میں پھیلا کر اپنے نقصانات کے جوکھم کو کم نہیں کر سکتے تھے۔ یہ دونوں ہی باتیں کمپنیوں میں سرمایہ کاری کے لیے رکاوٹ پیدا کرتی ہیں اور نقصان پہنچاتی ہیں۔ لیکن چونکہ ان کمزوریوں کو، اس موضوع پر ہونے والی بحث میں، اس وقت نہیں اٹھایا گیا تھا، اس لیے انھیں علمی دلچسپی کا حامل کہا جا سکتا ہے۔

اس موقع پر اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے، حالانکہ یہ کسی حد تک عجیب ضرور محسوس ہوگا، کہ 'آگرہ اور یونائیٹڈ سروس بینک' کے ڈائرکٹروں نے محدود ذمے داری کے خیال کی تائید و حمایت نہیں کی۔ اپنے حصے داروں کی خواہشات کے خلاف ان کی دلیل یہ تھی کہ "عوام کو پورے پورے تحفظ کا جائز طور پر حق حاصل ہے اور اسے ہمیشہ باقی رہنا چاہیے"، اور یہ انھیں صرف غیر محدود

ایضاً۔

ایضاً۔

کو کے۔ ملاحظہ ہو 'بنارس بینک کے حالات'۔

ایف۔ ڈبلیو۔ پالکی: 'بیوپاری مالیات' [بزنس فائنانس]، 1967، صفحات 2-41۔

ذمے داری سے ہی حاصل ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ "عوام بینک کے بیوپار پر نہ تو کسی قسم کا قابو رکھ سکتے ہیں اور نہ پوری طرح اس پر نگاہ رکھ سکتے ہیں۔" اور اس طرح صرف یہی "مناسب بھی تھا کہ مالکوں (پروپرائٹری) کو — جو خود یہ کام کر سکتے ہیں — اپنے مالیات کے استعمال، اپنے معاملات کی دیکھ بھال، اسے صحیح طرح چلانے اور ایک ایسے مناسب عاملہ کے انتخاب کی طرف توجہ دینی چاہیے، دوسری طرف اگر یہ لوگ اپنے عاملہ پر بہت زیادہ اور بہت طویل عرصے تک اعتماد رکھتے ہیں تو اس ضرورت سے زیادہ اعتماد اور بے تعلقی کی ذمے داری صرف انہی (مالکوں) کو برداشت کرنی چاہیے، اور انھیں اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہیے کہ یہ دوسروں کی تباہی کا باعث بنیں۔" ان ڈائرکٹروں کو یہ بھی خوف تھا کہ "مالکوں کی طرف سے" اپنے معاملات کو چلانے کے طریقوں کی طرف دی جانے والی توجہ "جو پہلے ہی بہت کم اور ناکافی تھی۔۔۔ اور بھی۔۔۔ کم ہو جائے گی۔۔۔" اور محدود ذمے داری کی وجہ سے "ڈائرکٹر اس حد تک بھی ذمے داری محسوس کرنا بند کر دیں گے۔"[لہ]

مگر یہ واحد مثال تھی جہاں کسی کمپنی کے ڈائرکٹروں نے محدود ذمے داری کی مخالفت کی تھی۔ اس سے بہرحال اس بات کا ضرور اظہار ہو جاتا ہے کہ ہندوستان میں اس موضوع پر کتنی صدق دلی سے بحث ہو رہی تھی اور لوگوں کے سامنے کیا کیا خدشات اور غلط تصورات موجود تھے۔

حصے داروں کی ذمے داری کو محدود کیے جانے کے طریقے کے سلسلے میں دو خیالات زیادہ عام اور مقبول نظر آتے ہیں۔ ان میں — پہلا یہ تھا کہ یہ ذمے داری صرف اس حد تک محدود ہونی چاہیے جس حد تک کسی حصے دار نے روپیہ لگایا ہے، یا اگر اسے حکومت ناکافی سمجھتی ہے تو اس رقم سے دگنی حد تک محدود رہنی چاہیے۔ اس صورت میں تجویز یہ تھی کہ ہر حصے دار کو ایک پرونوٹ دینا چاہیے، جو اس کے حصے کی قدر کے برابر ہو اور ڈائرکٹروں کی ضرورت اور مانگ کے مطابق اس کی ادائیگی پوری یا کسی حصے کی حد تک ہو سکے۔ اس قسم کی تجویزوں کے پیش کرنے والوں کے مطابق "اس قسم کی تفصیلات کے نوٹ لین داروں کو صرف محدود ذمے داری کے مقابلے میں بہت زیادہ تحفظ دے سکیں گے۔"[شہ] اس تجویز کا مقصد خواہ جو کچھ بھی رہا ہو — اور اس میں کچھ فوائد موجود بھی ضرور تھے — بہرحال اس کی جدت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

لہ لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا، 1850۔

شہ ایضاً۔

دوسری رائے حصے دار کی ذمے داری پر وقت کی قید عائد کرنے کے سلسلے میں تھی۔ اس قسم کے دو سُجھاؤ پیش کیے گئے تھے: یہ کہ، کسی حصے دار کی ذمے داری کمپنی کے حصوں کو کسی دوسرے فریق کے ہاتھ بیچ دینے کے ایک سال بعد ختم ہوجانی چاہیے[51] یا پھر اس کی ذمے داری صرف کمپنی کے لیے ہوئے اُس وقت تک کے قرضوں تک محدود ہونی چاہیے جب تک وہ حصے اس کی ملکیت میں تھے۔[52]

لیکن زبردست اختلافِ رائے، ماہرین کی مجموعی ناموافقت اور مختلف صوبوں میں حکومت کے اہم افسروں کی مخالفت کی وجہ سے[53] جو لین داروں کے مفادات کو ترجیح دیتے تھے، حکومتِ ہند نے محدود ذمے داری کے تصور کو سرے سے ہی منسوخ کر دیا۔ اس لیے اس مسئلے کو 1850 کے کمپنی ایکٹ کے موقعے پر التوا میں ڈال دیا گیا۔

اس سلسلے میں کوئی قدم اس وقت تک پھر نہیں اٹھایا گیا جب تک خود انگلینڈ میں ہی رائے عامہ میں تبدیلی نہیں آگئی۔ 1856 میں برطانوی پارلیمنٹ نے ایک ایکٹ (19 & 20,Vic.c47) پاس کیا جس میں، بینک کار اور بیمہ کمپنیوں کے استثنا کے ساتھ، اجازت دی گئی تھی کہ وہ محدود ذمے داری کے اصولوں پر اپنی تشکیل کر سکتی تھیں اور اگلے ہی سال ہندوستان کے قانون نے بھی مثال پر عمل کیا۔ برطانوی پارلیمنٹ پر انحصار کی وجہ ـــــ حالانکہ یہ ظاہری طور پر ہی غیر اطمینان بخش اور ناکافی محسوس

---

[51] چونکہ ایک حصے دار قانونی طور پر ایک ساجھے دار تصور کیا جاتا تھا اس لیے اس کی ذمے داری اپنے حصوں کی ملکیت کی فروخت کے ساتھ خود بخود ختم نہیں ہوجاتی تھی۔ اس اصول کا جواز یہ تھا کہ جب کوئی کمپنی بالکل دیوالیہ کی حدوں پر پہنچ رہی ہوتی تھی، تو کوئی دولت مند حصے دار ذمے داری سے بچ نکلنے کے لیے دھوکے کے ساتھ اپنے حصوں کو بیچ سکتا تھا۔

[52] 'لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا'، 27 / دسمبر 1850۔

[53] مثال کے طور پر مسٹر بیتھو   نے ـــ جنھوں نے 1850 کا ایکٹ تیار کیا تھا ـــ مسٹر جرمن لائنڈ، جو لندن کے ایک مشہور معروف بینک کار تھے، کی رائے کو اپنی حمایت کے ساتھ نقل کیا تھا۔ مسٹر لائنڈ نے کمپنی قانون کی اصلاحات کے لیے 'ہاؤس آف کامنز' کی کمیٹی کے سامنے بیان دیا تھا: "ڈائرکٹروں کی کارگذاریوں پر نگاہ رکھنے کا واحد طریقہ، اور وہ بھی بہت حد تک ناکافی ثابت ہو چکا ہے، یہی ہے کہ ان پر مالکوں (پروپرائٹروں) کی ایک تنظیم کے ذریعے مستقل نگاہ رکھی جائے جن کی تمام ملکیتیں جوئے کی اس بازی پر لگی ہوئی ہیں جو حصوں کی ظاہری قدر کی برابر ذمے داری کے ساتھ پبلک کو نسبتاً آزادی کے ساتھ لوٹا جا سکتا ہے۔" لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا، 27 دسمبر 1850۔

ہوتی تھی ــــ یہ تھی کہ یہ بات مناسب سی محسوس ہوتی ہے کہ " انگلینڈ کے قوانین اور ہندوستان کے قوانین ... یکساں ہوں ... تاکہ انگلینڈ میں وہ افراد جو محدود ذمے داری کے اصول پر ساجھے داریوں میں منظم ہوتے ہیں، اور اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ اپنا کل بیوپار یا اس کا کوئی حصہ ہندوستان میں چلائیں، ان کے علم میں یہ بات ضرور ہونی چاہیے کہ دونوں ملکوں میں اس سلسلے کا قانون کا فی حد تک ایک ہے، اور یہ کہ ان کے حکم ہندوستان میں انگلینڈ کے حکموں سے زیادہ نہیں ہوں گے۔"[1]

اس ایکٹ کی اہمیت صرف محدود ذمے داری کی آسانیاں حاصل ہو جانے تک ہی محدود نہیں ہے۔ یہ پہلا ایسا ایکٹ تھا جس نے اجتماعی سرمایہ کاری کو مجموعی اعتبار سے پیش نگاہ رکھا تھا جس میں اس کے ابتدائی درجوں سے لے کر، پوری طرح بروئے کار ہونے اور اس وقت تک جب تک یہ دیوالیہ یا خاتمے کی منزلوں سے گذر رہی ہو، ایک باقاعدگی پیدا کرنے کی طرف توجہ دی گئی تھی۔ نیچے اس ایکٹ کے ذریعے پیدا کی گئی کچھ اہم تبدیلیاں اور قواعد دیے گئے ہیں[2]

اب تک کمپنیوں کا اندراج اختیاری تھا۔ نئے ایکٹ نے کمپنیوں کو اندراج کے سلسلے میں چار قسموں میں تقسیم کیا تھا:

(الف) اگر کوئی ایسی کمپنی جس میں بیس سے زیادہ حصے دار ہوں، اپنی ذمے داری کو محدود کرنے کی خواہشمند ہو، تو اسے اندراج کرانا ضروری تھا؛

(ب) ان کمپنیوں کے لیے اندراج اختیاری تھا جن میں حصے داروں کی تعداد سات اور بیس کے درمیان ہو۔ لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ یہ کمپنیاں اپنی ذمے داری کو محدود کر سکتی تھیں یا نہیں۔ لیکن چونکہ محدود ذمے داری کی رعایت ایکٹ کے ذریعے عطا ہوئی تھی۔ تو یہ خیال کرنا بھی معقول محسوس ہوگا کہ صرف وہی کمپنیاں جن کا اندراج اس ایکٹ کے تحت ہوا تھا اس رعایت کے حاصل کرنے کی مجاز تھیں؛

(ج) وہ کمپنیاں جن کے حصے داروں کی تعداد سات سے کم تھی اندراج کرانے کی

---

[1] لیجسلیٹو کاؤنسل کی پروسیڈنگس کے خلاصے۔ [ایبسٹریکٹس آف پروسیڈنگس آف دی لیجسلیٹو کاؤنسل] صفحہ 603۔

[2] ایکٹ XIX، 1857۔

حق دار نہیں تھیں، اور

(د) پہلی دو قسم کی کمپنیاں جو ایکٹ پاس ہونے سے پہلے موجود تھیں صرف ـ
صورت میں درج کی جا سکتی تھیں جب ان کے حصے داروں کا تین چوتھائی حصہ اس
کے حق میں رائے ظاہر کرے۔ لیکن اس قسم کا اندراج بھی ان ذمے داریوں پر اثر انداز
نہیں ہوتا تھا جو کمپنیاں پہلے ہی سے اپنائے ہوئے تھیں۔

حصوں پر منافع صرف کمپنی کے منافعے سے ہی ادا کیا جا سکتا تھا، اور اگر اس کے خلاف کسی اور
مد سے ادا کیا جاتا تو وہ ڈائرکٹر جو اس کے حق میں رائے دیتے انھیں کمپنی کے تمام قرضوں کا ذمے دار
ٹھہرایا جاتا لیکن ایکٹ نے لفظ 'منافع' کی تشریح و توضیح نہیں کی تھی[1]

کُل حصے داروں کے ایک بٹا پانچ حصے داروں کی درخواست پر حکومت انسپکٹر مقرر کر
سکتی تھی[2]

اس کے علاوہ ایکٹ میں آڈٹ کا بھی انتظام رکھا گیا تھا حسابات کے گوشوارے اور حصے داروں
کی سالانہ فہرست کو کمپنی کے رجسٹرار کے سامنے پیش کیا جانا ضروری تھا حصوں کی منتقلی، حصے داروں
کے عام اجلاس کے بلائے جانے، خود اختیاری طور پر کمپنی کو بند کرنے کے ساتھ ساتھ عدالت کی طرف
سے کسی کمپنی کو بند کیے جانے کی اطلاعات بھی رجسٹرار کو دی جاتی تھیں۔

اس ایکٹ نے 1850 کے ایکٹ کا وہ طریقہ بھی منسوخ کیا جس کے تحت کمپنیوں کم سے
کم مقررہ رقم حاصل کرنی ضروری تھی تاکہ یہ اس سے زیادہ رقم طلب نہ کریں جتنی ابتدائی منزل میں
استعمال کے لیے ضروری ہو[3]

ہندوستانی ایکٹ اور اس کے متوازی برطانوی ایکٹ کے موازنے سے دو اہم اختلافات
اُبھر کر سامنے آتے ہیں پہلی بات یہ کہ ہندوستانی قانون نے تمام درج شدہ کمپنیوں کے لیے اصولی طور
پر یہ بات لازمی قرار دی تھی کہ وہ اپنے حسابات کا گوشوارہ کمپنیوں کے رجسٹرار کو پیش کرتی رہیں برطانوی

---

[1] ایکٹ XIX 1857، ملاحظہ ہوں سیکشن 12 اور 34۔
[2] ایضاً، سیکشن 48۔
[3] 'لیجسلیٹو کاؤنسل کی پروسیڈنگس کا خلاصہ'۔

یکٹ میں یہ بات اختیاری تھی[1] حسابات کی تفصیلات کی پبلسٹی اسی وقت سے ہندوستانی کمپنیوں کی ایک اہم خصوصیت رہی ہے۔ دوسرا فرق مصلحتِ وقت اور خود غرضی سے تعلق رکھتا تھا۔ برطانوی ایکٹ کے تحت اگر کسی کمپنی کے حصے داروں کی تعداد سات سے کم ہوجاتی تھی اور کمپنی اس کے باوجود بھی کاروبار میں مصروف رہتی تھی تو اس کے تمام حصے دار کمپنی کے تمام قرضوں کے لیے ذاتی حیثیت سے ذمے دار ہوتے تھے۔ اس کے مقابلے میں ہندوستانی ایکٹ کی رو سے ان حالات میں صرف ڈائرکٹر ہی ذمے دار ٹھہرائے جاتے تھے چونکہ اس بات کو مناسب نہیں سمجھا گیا تھا کہ ہندوستانی کمپنیوں کے برطانوی حصے دار، حصے داروں کی گھٹتی بڑھتی فہرست پر بھی متواتر نگاہ رکھیں[2]

اس ایکٹ کا ایک سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ اس میں پراسپکٹس کے اجرا کی کوئی مد نہیں رکھی گئی تھی۔

اس ایکٹ نے کمپنیوں کے قیام کو زبردست بڑھاوا دیا[3] لیکن بینک کار اور بیمہ کمپنیاں اب بھی محدود ذمے داری کی بنیاد پر درج نہیں کرائی جاسکتی تھیں۔ مسٹر پیکاک نے، جنھوں نے ہندوستانی ایکٹ کا مسودہ تیار کیا تھا، خود بھی اس کا اقرار کیا تھا کہ "بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کو، اگر دوسرے اداروں کی طرح محدود ذمے داری کے اصول پر تعلق رکھنے کے لیے تیار ہوں، تو انھیں اس اصول سے محروم کردینا... نامناسب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ اشارہ بھی موجود تھا کہ "چونکہ انگلینڈ میں ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا... اس لیے کم از کم اس وقت تک جب تک محدود ذمے داری کے اس نئے قانون کی پوری طرح جانچ نہ ہوجائے، اور جب تک آج کے مقابلے میں اسے اور زیادہ بہتر طور پر نہ سمجھ لیا جائے یہی مناسب محسوس ہوتا ہے کہ وہی راستہ یہاں بھی اختیار کیا جائے..."[4] ان سطور میں ہندوستانی قانون ساز کی جو کمزوری چھپی ہوئی ہے اسے بہ آسانی پڑھا جاسکتا ہے۔

1858 کے برطانوی ایکٹ کی مثال کو اپناتے ہوئے حکومت ہند نے بھی 1860 میں ایک اور ایکٹ پاس کیا[5] جس کے ذریعے محدود ذمے داری کی رعایت کو بینک کار کمپنیوں تک بھی بڑھا دیا گیا لیکن

---

[1] لیجسلیٹو کاؤنسل کی پروسیڈنگس کا خلاصہ، صفحات 8-607
[2] ایضاً، صفحات 7-608۔
[3] ملاحظہ ہو گوشوارہ نمبر 3۔
[4] لیجسلیٹو کاؤنسل کی پروسیڈنگس کا خلاصہ، صفحات 9-608۔
[5] 1860 کا ایکٹ۔

بیمہ کمپنیوں کی کیفیت پہلی جیسی ہی رہی۔

اس دور کی اہمیت کو پوری طرح اور مناسب طور پر سمجھنے کے لیے، آخر میں اس بات کی اہمیت کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے کہ اس عرصے میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں انھوں نے تقریباً اس سلسلے کے ہر پہلو میں ایک ایسا رخ پیدا کر دیا جو اس صدی کے باقی حصے میں کم وبیش ویسا ہی رہا۔

ریلوے لائنوں کی موجودگی اور ٹیرف (جہازی محصول) پالیسی پر مختلف صنعتوں کی ترقی کی رفتار منحصر تھی۔ ہندوستانی اقتصادیات میں سب سے پہلے پٹ سن اور روئی ملوں نے ایک سنگِ میل کی حیثیت اختیار کی۔ چائے کی صنعت میں بھی جو نئی دلچسپی پیدا ہوئی تھی وہ اس دور میں بڑھتی رہی اور ذمے داری کا اصول جو بینک کاری کمپنیوں تک پہنچا یا گیا آگے چل کر اس صدی کی اجتماعی سیکٹر کی تاریخ میں سب سے اہم موڑ ثابت ہوا۔ اس اصول نے حصوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں تو پاگل پن کی حد تک دلچسپی پیدا کر دی

پانچواں باب

امریکی خانہ جنگی اور بمبئی میں بینک کاروبار میں اضافہ

'ساؤتھ سی ببل' [South Sea Bubble] 'جان لا کے مسی سپی منصوبے' [Mississipi Scheme of the Law] اور 1846 کے 'ریلوے جنون' کو بمبئی میں جون 1864 اور مارچ 1865 کے درمیانی دس مہینوں میں ایک جانشین مل گیا جس سے عوام کو دھوکا دینے کے سلسلے میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ امریکی خانہ جنگی[1] کے شروع ہوتے ہی روئی کی قیمت میں اضافے سے بہت تیزی سے دولت پیدا ہوئی، اسی کے ساتھ ساتھ جائز طریقوں سے سرمایہ کاری کے مواقع کی کمی نے[2] جسے دوسرے لفظوں میں ملک میں سرمایہ کارانہ سوجھ بوجھ کی کمی بھی کہا جا سکتا ہے[3] ضرورت سے

---

[1] چار سال کے عرصے میں بمبئی نے 8,50,00,000 پونڈ حاصل کیے، کس وجہ سے؟ صرف امریکی خانہ جنگی نے تو اسے اس رقم کا ایک چوتھائی سے زیادہ نہ بخشا ہوتا۔ 'فرینڈ آف انڈیا' 4 جنوری 1866 (ہفتہ واری اڈیشن) ایس۔ ڈی مہتا نے اس کا تخمینہ 8 کروڑ پونڈ لگایا ہے۔ ڈی۔ ای۔ واچا کی 'بمبئی شہر کی تاریخ میں ایک مالیاتی باب' [اے فائنانشیل چیپٹر ان دی ہسٹری آف بامبے] مطبوعہ 1900 صفحہ 12 اور 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' 1883 بھی ملاحظہ ہوں۔

[2] 'بینک آف بامبے کی ناکامی پر کمیشن کی رپورٹ' [رپورٹ آف دی کمیشن آن دی فیلیور آف بینک آف بامبے] صفحہ 11، برطانوی پارلیمنٹری پیپرس، XV، 1868-69۔

[3] 'بمبئی کے ایوانِ تجارت کی رپورٹ' [رپورٹ آف بامبے چیمبر آف کامرس]، واچا، 'ایک مالیاتی باب' میں اقتباس۔

کہیں زیادہ اسپیکولیشن* (Speculation) کے سلسلے کو جنم دیا۔

امریکہ میں خانہ جنگی 12 اپریل 1861 کو شروع ہوئی، اور لنکاشائر کے ملوں کو روئی کی رسد بند ہوگئی۔ لنکاشائر کے کاروبار کے بالکل رُک جانے سے اب صرف ہندوستان ہی ایک بازار باقی تھا، اس سے ہندوستانی روئی کی قیمت اتنی بڑھ گئی جتنی اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ اس کی مانگ اس حد تک بڑھی کہ کہا جاتا ہے کہ سوتی دریاں تک طلب کرلی گئیں۔ جو مال 2.7 آنے کا بکتا تھا، اس گرم بازاری کے نقطۂ عروج پر 11.5 آنے کا بِک رہا تھا[1]

---

* حالانکہ 'Speculation' اور ہندوستانی اصلاح 'سٹے' میں بنیادی طور پر کوئی بہت بڑا فرق نہیں کیا جا سکتا، چونکہ دونوں میں اشیاء یا حصوں کی خرید و فروخت مستقبل میں ہونے والے منافعے یا خسارے کی امیدوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے کی جاتی ہے، لیکن اس باب میں 'Speculation' کے ساتھ کچھ اور مخصوص کیفیات بھی ملحق ہیں، جن کی وجہ سے 'Speculation' کو 'سٹے' سے کسی قدر ممتاز کیا جانا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ اس صورت کو ذہن میں رکھتے ہوئے پورے باب میں 'اسپیکولیشن' کو 'سٹے' کے پوری طرح مترادف سمجھ کر استعمال نہیں کیا گیا۔ اور چونکہ کوئی اور لفظ ان معاشی خصوصیات کا اظہار کرنے والا اردو کی موجودہ اصطلاحات میں نظر نہیں آیا اس لیے اسپیکولیشن ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس لفظ کے فاعل (محض اسپیکولیشن کے تحت سرمایہ لگانے والے) کو بھی عبارت کی روانی اور آسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے 'اسپیکولیٹر' لکھا گیا ہے۔ (مترجم)۔

[1] ہندوستانی روئی کی قیمت فی پاؤنڈ، آنوں میں

1866	1865	1864	1863	1862	1861	1860	1859
6.2	7.1	11.5	10.5	5.5	4.2	3.7	2.7

[ماخذ۔ ڈی۔ آر۔ گیڈگل۔ 'موجودہ دور میں ہندوستان کا صنعتی ارتقاء' [دی انڈسٹریل ایوولیوشن آف انڈیا ان ریسنٹ ٹائمس] ، چوتھا اڈیشن، 1954 صفحہ 15، سابقہ حوالہ، واچا: ایک مالیاتی باب، صفحہ 12۔]

برطانیہ میں ہندوستان سے کچی روئی کی درآمدات (گانٹھوں میں)

1865	1864	1863	1862	1861	1860	1859
12,66,513	13,99,514	12,29,984	10,71,768	986,280	5,62,738	509,695

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

پہلی جنوری 1861 سے 31 دسمبر 1863 تک کے درمیانی عرصے میں پریسیڈنسی میں صرف نو نئی کمپنیوں کا اندراج عمل میں آیا[1] لیکن اس کے بعد کے برسوں میں، غالباً اس وجہ سے کہ خانہ جنگی کے طویل عرصے تک کھنچنے کا یقین پختہ ہو گیا تھا، کمپنیوں کے قیام کے سلسلے میں جو جھجک موجود تھی وہ آہستہ آہستہ دور ہوتی چلی گئی۔ دوسری طرف پریسیڈنسی میں دولت مستقل جمع ہوتی رہی اور بیوپاری طبقے میں پھیلتی رہی۔ اس کی وجہ سے کمپنیوں کے قیام کے پہلے ریلے میں ہی، صرف ایک سال کے دوران، چھیالیس نئی کمپنیاں حصوں کی بنیاد پر کھولی گئیں، جبکہ اس سے پہلے چار سال کے دوران ایسی صرف چار کمپنیاں ہی وجود میں آئی تھیں، روئی کی گانٹھیں بنانے والی (12)، دخانی جہاز رانی (اسٹیم نیویگیشن) (9)، بینک کار کمپنیاں (6)، بحری بیمہ کمپنیاں (4) اور جہاز رانی ایجنسیاں (3)۔[2] ان میں سب سے پہلے قایم ہونے والی بحری بیمہ کمپنیاں تھیں۔ ان کے فوراً بعد ہی:

(صفحہ 13 سے آگے)

[ماخذ: جی۔ واٹ کی 'ہندوستان کی معاشی پیداواروں کی ڈکشنری' [ڈکشنری آف اکونومک پروڈکٹس آف انڈیا] میں روئی پر مضمون، جس کا اقتباس گیڈگل نے 1954 میں، صفحہ 15 پر دیا۔ گیڈگل نے سی۔ پی۔ اور برار کے روئی کمشنر کی 8-1867 کی 'سنٹرل پراونسز کی سالانہ پیداواری رپورٹ' کا حوالہ دیتے ہوئے روئی کی کاشت میں اضافے کی مقداریں بھی نقل کی ہیں۔ (صفحہ 132) جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ روئی کے سلسلے میں 2-1861 میں زیر کاشت لائے والا رقبہ 3,75,623 ایکڑ سے بڑھ کر 5-1864 میں 6,81,198 ایکڑ ہو گیا، اور اگلے دو سالوں میں تھوڑی سی گراوٹ کے بعد یہ 9-1868 میں 750,875 ایکڑ ہو گیا۔ گیڈگل: 'صنعتی ارتقا' 1954، صفحہ 16۔

مارس کی 'مزدور طاقت کا ارتقا' صفحہ 18، فٹ نوٹ میں نقل کی ہوئی مقداریں جو اس نے 'ہندوستانی روئی کے سلسلے میں شماریاتی گوشوارے' [اسٹیٹسٹیکل ٹیبلس ریلیٹنگ ٹو انڈین کاٹن] گوشوارہ نمبر 29، صفحہ 59 سے نقل کی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ 1861 میں بمبئی سے روئی کی برآمد جو ایک کروڑ گانٹھوں کی تھی 1865 تک بہت زیادہ آگے نہ بڑھ سکی، اس وقت یہ ایک کروڑ دس لاکھ گانٹھوں تک پہنچ گئی، لیکن ان مقداروں کی تصدیق نہیں ہو پائی۔ نیز زیر کاشت علاقے میں اضافہ اور پھیلاؤ ایک مزید اور آزاد وسیلہ ہے جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ روئی کی رسد حیرتناک طور پر بے لوچ ہی نہیں تھی بلکہ قیمت سے پوری طرح اثر پذیر تھی۔

[1] 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' 1882 ملاحظہ ہوں۔

[2] ایضاً۔

روئی کی گانٹھیں تیار کرنے والی کمپنیاں قایم ہوئیں، اور سال کے آخری حصے میں، جب سرمایہ کارانہ لگن اور جذبے میں جھجک ختم ہوئی اور نئے میدانوں میں سرمایہ لگانے کی ہمت اور بڑھ گئی تو کچھ بہت بڑے بڑے بینک کار ادارے اور دخانی جہاز رانی کمپنیاں جاری کی گئیں۔

سال کے آخری حصے تک ضرورت سے زیادہ اسپیکولیشن کے آثار نظر آنے لگے تھے لیکن ابھی مجموعی اقتصادیات کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوا تھا۔ کمپنیوں کی اس تازی اور بڑی فصل کو، جو غیر متوقع طور پر وجود میں آگئی تھی، اِس پسِ منظر میں بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ پریسیڈنسی کی ان جائز مانگوں کو پورا کر رہی تھی جو روئی کی برآمدات میں اضافے کا نتیجہ تھیں اور جس سے موجودہ بیوپاری، مالیاتی، اور صنعتی اداروں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ پڑ رہا تھا۔

اس وقت تک بینک کاری کے روایتی انداز کو بھی کمزور بلکہ ایک حد تک تاریخی غلطی تصور کیا جانے لگا تھا[1]۔ فائنانشیل ایسوسی ایشن آف انڈیا اینڈ چائنا، جس کا قیام 22/جون 1864 کو 1,00,000 روپیے کی مالیت سے، کچھ ممتاز ترین شہریوں کے ذریعے عمل میں آیا تھا، پہلا ایسا بینک کار ادارہ تھا، جس نے بینک کاری کے طریقوں میں ایک نیا راستہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔ بیوپاری طریقوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا مقصد کافی حد تک انقلابی تھا اور تجارت کو چھوڑ کر بیوپاری کاموں میں کوئی ایسا عمل نہیں تھا جسے یہ ادارہ نہ کرنا چاہتا ہو[3]۔ اس ایسوسی ایشن کے قیام کے ایک ہی

---

[1] واچا، ایک مالیاتی باب، صفحہ 17۔

[2] ایضاً۔

[3] "ایسوسی ایشن روپیہ اُدھار دے گی، جس کی ادائیگی مقررہ شرح سود کے ساتھ، یا مندرجہ ذیل قسم کی ضمانتوں کی بنیاد پر قسطوں میں ہوگی؛ . . .

پہلی۔ زمینی ملکیتیں، اول درجے کی مکانی جائداد، اور منقولہ ملکیتیں، ہر قسم کی، ہر طرح کے پٹوں سمیت۔

دوسری۔ تمام قسم کے حسابات (Of Rates)، دوسروں کی طرف نکلنے والے اُدھار (Dues) مالیت کے تخمینے (Assessments)، جو کافی قانونی جواز کی بنیاد پر متعین ہوں۔

تیسری۔ حکومت کے اسٹاک (حصے)، ریلوے کے قرضنامے (ڈبنچر)، پبلک کمپنیوں کے حصے، وغیرہ،

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مہینے بعد ایک ایسا ہی زبردست ادارہ 'بمبئی ری کلیمیشن* کمپنی' [جسے عام طور پر 'بیک بے کمپنی' (Back Bay Co) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا] وجود میں آیا۔ اس کے جاری کرنے والے افراد بھی کافی مشہور اور اہم حیثیتوں کے مالک تھے اور اس کے علاوہ اسے حکومتِ بمبئی کی حمایت بھی حاصل تھی شروع میں حکومت اس کمپنی میں چار سو حصے لینے کا ارادہ رکھتی تھی، لیکن بعد میں حکومتِ ہند کے احکامات کی پابندی کرتے ہوئے وہ اس خیال سے باز رہی۔

یہ کمپنیاں بنیادی طور پر کوئی کمزور کمپنیاں نہیں تھیں،[1] اور نسبتاً پُر سکون زمانے میں کامیابی کی منزلیں بھی طے کرسکتی تھیں،[2] لیکن عوام میں ان کی یکلخت مقبولیت اور ہر طرف سے ان کے حصوں کی مانگ نے جلد منافع کمانے کے لیے روپیہ لگانے اور اسپیکولیشن کو بھی زبردست بڑھاوا دیا۔

6/جولائی 1864 کو جیسے ہی 'بیک بے کمپنی' کے 400 حصے، جنھیں حکومتِ بمبئی نے خریدنے سے انکار کردیا تھا، عام نیلام کے لیے رکھے گئے تو محض اسپیکولیشن میں صرف 2,00,000 روپے کی اداشدہ قدر کے لیے 1,05,00,000 روپے حاصل کرلیے گئے۔ اس کی وجہ سے اسپیکولیشن کے خواہشمند افراد میں امید کی ایک نئی اور زبردست لہر پیدا ہوگئی اور بمبئی اسپیکولیشن میں

(صہ 133 سے آگے)

ایسوسی ایشن، کمیشن پر، حصوں کی خرید و فروخت کا کام بھی کرتی ہے — بمبئی کے شہریوں کی طرف سے ملک کے شمالی حصوں کے لیے، یا انگلینڈ میں رہنے والوں کی طرف سے اور... متعینہ مدتوں کے لیے میعادی امانتوں (Fixed Deposits)... کو وصول کرتی ہے اور ان کی حفاظت کرتی ہے...۔

چار مہینے کے لیے — 5 فیصدی پریمیم سالانہ پر۔

چھ مہینے کے لیے — 7 فیصدی سالانہ پر

بارہ مہینے کے لیے — 8 فیصدی سالانہ پر

(ٹائمز آف انڈیا 11/اگست 1864، اشتہار)

اس موقع پر یہ بات دیکھی جاسکتی ہے کہ یہ ادارہ کوئی بینک نہیں تھا بلکہ یہ ایک امدادی یا تکمیلی مالیاتی ادارہ تھا، چونکہ یہ ہنڈیوں کا کاروبار نہیں کرتا تھا یا جاری کھاتے نہیں کھولتا تھا۔

[1] 'برطانوی پارلیمنٹری پیپرس' XV، 9-1868، صفحہ 11۔

* 'ری کلیمیشن' (Reclamation)، سمندر کو پاٹ کر زمین کی بازیابی۔ مترجم

دیوانہ[1] سا ہو گیا۔ 1864 کے باقی حصے میں اور 1865 کے ابتدائی حصے میں اس قسم کے منصوبوں کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔ 'بیک بے کمپنی' کے حصوں کی نیلامی کے بعد وہ لوگ جو حصہ بازار کے رُخوں کو پوری طرح سمجھتے تھے انھیں سیدھے سادے عوام کو دھوکا دینے اور بیوقوف بنانے کے مواقع نظر آگئے۔ جلدی ہی کمپنیاں قایم کرنے والوں کا ایک بے ایمان گروہ اُبھر آیا اور ہر قسم کے خیالی مقاصد کے لیے کمپنیاں کھولی جانے لگیں ــــ بینک اور مالیاتی ادارے، زمین کی بازیابی کمپنیاں، تجارتی کمپنیاں، روئی صاف کرنے کے کارخانے، روئی کی گانٹھیں بنانے اور کتائی کے کارخانے، کافی کی کاشت، کرائے کے گھوڑوں کے اسطبل، اینٹوں اور ٹائیلوں کے بھٹے اور اس قسم کی کمپنیوں کا اجرا ر ناعاقبت اندیشانہ بلکہ نامعقولیت کی حد تک بڑھ گیا[2]۔

لیکن اسپیکولیشن میں روپیہ جھونکنے کے حقیقی مواقع بہرحال بینکوں، سرمایہ کار اداروں (فائنانشیل) اور 'کھادو' (زمین بازیابی کمپنیوں) کے اپنائے ہوئے مالیاتی طریقوں کی ہی دین تھے مختلف قسم کی چھوٹی چھوٹی کمپنیاں خود اپنے طور پر کمزوریوں اور خرابیوں کی حامل ہو سکتی تھیں لیکن ان سے مجموعی اقتصادیات کو کوئی خطرہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ 'انڈیا اینڈ چائنا فائنانشیل ایسوسی ایشن' جسے عام طور پر 'اولڈ فائنانشیل' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، کے قیام سے گیارہ مہینے کے عرصے میں ہی، کُل اڑتالیس دوسرے بینک کار اور سرمایہ کار اداروں اور تین مزید 'کھادو' کو بمبئی پریسیڈنسی میں درج کرایا گیا۔ 1863 اور 1865 کے درمیان درج کرائی گئی کمپنیوں کا کل ادا شدہ سرمایہ 20,60,00,000 روپے تھا[3] اس میں سے 94.4 فیصدی کی حد تک حصہ بینکوں، سرمایہ کار اداروں، اور 'کھادو' سے ہی متعلق تھا[4] اس کے علاوہ 1861 سے پہلے قایم ہونے والی کمپنیوں نے بھی اس ہیجانی دور میں اپنے سرمائے میں اضافہ کیا اور کچھ دوسری کمپنیاں، حالانکہ یہ صرف مقامی ہی تھیں، لندن میں بھی درج کرائی گئی تھیں۔

---

[1] ایضاً۔

[2] کمپنیوں کی فہرست، ان کے مقاصد اور سرمایے کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے'، حصہ xvii 1883

[3] 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے'، حصہ xvii 1883۔

[4] واچا، 'ایک مالیاتی باب'، صفحات 32-26 ان رقموں کو 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' 1883 سے متوازن کیا گیا۔

1865 میں آنے والی تباہی سے پہلے جتنی کمپنیاں موجود تھیں ان کا مجموعی اداشدہ سرمایہ لگ بھگ 3 کروڑ پونڈ تھا، جس کا 96.5 فیصدی حصہ بینکوں، سرمایہ کار اداروں اور کھادوں سے ہی تعلق رکھتا تھا۔[1]

1864 میں، جب اسپیکولیشن میں روپیہ جھونکنے کا ہیجان حقیقت میں شروع ہوا تھا، اس وقت سب سے پہلے بینک کار کمپنیاں قایم ہوئیں، ان کے بعد سرمایہ کار ادارے (فائنانشیل) اور پھر کھادو قایم ہوئے، جو ان میں سب سے زیادہ شاندار اور بڑے تھے اور انہی سے منافع کمانے کی سب سے زیادہ امیدیں بھی وابستہ کی گئی تھیں۔ واچا نے صحیح ہی کہا تھا "اس دور کے ممتاز مالیت کاروں کا یہ ایک مخصوص طریقہ یا فیشن سا بن گیا تھا کہ سب سے زیادہ بااثر بینک اپنے ساتھ اتنا ہی بااثر ایک سرمایہ کار ادارہ بھی ملحق رکھے اور پھر ان دونوں اداروں کے ضمیمے کے طور پر ایک مضبوط اور طاقتور زمین بازیابی کمپنی بھی موجود ہو۔[2]" واچا نے کچھ ایسے اداروں کی مثالیں بھی دی ہیں جنہیں "اول درجے" کے تکون اداروں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا جو ایسے دوسرے اداروں سے یا تو بہت گہرا تعلق رکھتے تھے، یا ان سے باقاعدہ طور پر ملحق ہوتے تھے اور ان کے ڈائرکٹروں کا بورڈ کم و بیش متوازی ہی ہوتا تھا[3]

'ایشیاٹک بینک' — 'اولڈ فائنانشیل' — 'بیک بے'

'کریڈٹ موبیلائزر' — 'اولڈ فائنانشیل' — 'مزگاؤں'

'سنٹرل بینک' — 'جوائنٹ اسٹاک فائنانشیل' — 'کولابا لینڈ'

'سٹی بینک' — 'ایشیاٹک فائنانشیل' — 'فری لینڈ'

اس پورے سلسلے کا طریقہ کار بھی کافی سیدھا تھا۔ جب کوئی سرمایہ کار ادارہ شروع کیا جاتا تو بینک اس میں خود حصے خرید کر اس کے اسپیکولیشن میں مدد دیتا۔ پھر اس کے بعد جب یہ سرمایہ کار ادارہ خود زمین بازیابی کمپنی کا اجرا کرتا تو یہ سرمایہ کار ادارہ بھی اسپیکولیشن میں بینک کا شریک ہو جاتا[4]

اس ہیجان کے نقطۂ عروج پر کل 3 کروڑ پونڈ کے اداشدہ سرمایہ پر 3,50,00,000 پونڈ کی حد تک پریمیم بتلایا جاتا ہے[5] یہ رقمیں ان غلطیوں اور اسپیکولیشن کے اس غیر ذمے دارانہ انداز کا پوری طرح اظہار

---

[1] برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، حصہ XVII 1883۔

[2] واچا۔

[3] ایضاً صفحہ 36۔

[4] واچا، ایک مالیاتی باب

[5] ایضاً صفحات 7-24۔

کردیتی ہیں جو جون 1864 اور مارچ 1865 کے درمیانی دس مہینوں میں پیدا ہوگیا تھا۔ اسپیکولیشن کے طور پر اتنی بڑی مقدار میں سرمایہ کاری کی بنیاد اس اُدھار پر تھی جو بہت سے ایسے بینک اور سرمایہ کار ادارے دینے کے لیے تیار ہوگئے تھے جو اس قسم کی سرمایہ کاری میں پھنسے ہوئے تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ ان کے پاس بہت بڑی مقدار میں جو سرمایہ موجود تھا اس کے استعمال کرنے کے لیے جائز ذریعے بھی نہیں تھے اور اس لیے اس قسم کی سرمایہ کاری کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور متبادل موجود نہیں تھا۔ اور پھر جب یہ بازی ایک بار شروع ہوجاتی تو پھر کسی بینک یا سرمایہ کار ادارے کے لیے اس کی حمایت اور پشت پناہی ایک لازمی امر ہو جاتی تھی چونکہ ان کے تمام اثاثے ایک دوسرے میں حصوں کی شکل میں ہی پھنسے ہوتے تھے۔

اسپیکولیشن اتنا نہ پھیلا ہوتا اگر حصہ بازار میں "وقتی سودے" کے طریقہ کا استعمال نہ شروع ہوجاتا۔ 'وقتی سودے بازیاں' اشیاء کی پیش بازاری (سٹے) کی ایک خصوصیت پہلے ہی بن چکی تھیں — خاص طور پر روئی کی تجارت میں یہ طریقہ کافی عام تھا — اور یہیں سے یہ آہستہ آہستہ حصہ بازار میں بھی سرایت کرگیا۔ حصہ بازار میں وقتی سودے کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ ایک ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس کی رو سے ایک فریق دوسرے فریق کو کسی خاص کمپنی کے کچھ مقررہ حصے بیچنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، جو اسے مستقبل میں کسی مقررہ تاریخ پر دینے ہوتے ہیں اور جن کی قیمت اس معاہدے کی تکمیل کے وقت متعین ہوجاتی ہے۔ قانونی اعتبار سے اس معاہدے کا لُبِ لباب یا جوہر حصوں کی حقیقی سپردگی تھا۔ اس کے علاوہ قانون کی نگاہ میں اس کی حیثیت محض کسی شرط کے معاہدے یا ہندوستانی اصطلاح 'سٹے' سے زیادہ نہیں تھی لیکن جیسا کہ ظاہر ہوا اسپیکولیشن کے طور پر سرمایہ کاری کے اس طریقے کا پورا تانا بانا صرف 'سٹے' کی ہی بنیاد پر بُنا ہوا تھا[1] چونکہ اس قسم کے کاروبار میں معروف لوگ، اس معاہدے کی رو سے قیمتوں میں جو فرق یا 'پریمیم' بنتا تھا، اسی کو حاصل کرلینے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ بہت سی صورتوں میں تو یہ معاہدے کسی مخصوص کمپنی کے موجودہ رُقعوں (حصوں) سے بھی کئی گنا حصوں کے لیے ہوجاتے تھے۔ جن لوگوں کے پاس حصے ہوتے تھے وہ مشکل سے ہی انھیں دینے کے لیے تیار ہوتے تھے، اس طرح حصوں کی حقیقی سپردگی عملی طور پر ایک غیر امکانی

---

[1] ملاحظہ ہو بھیم جی گردھر کے مقدمے میں جسٹس آنسٹے کا فیصلہ۔ 'ٹائمس آف انڈیا' (غیر ملکی اڈیشن) 8 تا 23 اگست 1865۔

صورت ہو گئی تھی[1]

اُدھار حاصل کر لینے کی اتنی آسانیاں، فوری طور پر پریمیم کا مل جانا، اور وقتی سودے کے معاہدے کے لیے زرِ پیشگی کے طور پر بہت تھوڑی سی رقم کی ضرورت، ان تمام وجوہات کے اثر سے لین دین کا ایک ایسا ریلا سا پیدا ہو گیا جس میں بیوپاری طبقے کے بہت سے حصے شامل ہو گئے۔[2] پہلے یہ لوگ خریدتے تھے، پھر یہ نقصانات سے بچنے کے لیے حصار بندی میں مصروف ہوتے تھے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اس کبھی ختم نہ ہونے والے دائرے میں پریمیم متواتر بڑھتے رہتے تھے، اور اس دائرے کی وسعت میں اس طویل وقفے کی وجہ سے اور آسانی پیدا ہو جاتی تھی جس کے لیے یہ وقتی سودے عام طور پر کیے جاتے تھے۔ اصولی طور پر یہ مدت تین سے چھ مہینے کی ہوتی لیکن حقیقت میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ صرف جولائی 1865 کو چکانے کی غرض سے کیے گئے تھے۔ اس وقت کے اخباروں یا واچا کے مطالعے سے یہ بات واضح نہیں ہو پاتی کہ آیا حسابات کی بے باقیاں درمیانی مدت میں وقتی طور پر بھی کی گئی تھیں یا نہیں۔ لیکن اگر کچھ ایسے حسابات کیے بھی گئے تھے تب بھی یہ فرض کر لینا معقول ہو گا کہ حصوں کی حقیقی سپردگی عمل میں نہیں آتی تھی اور قیمتوں میں فرق سے جو رقمیں پیدا ہوتی تھیں صرف وہی منتقل ہوتی تھیں۔ پھر ایسی صورت میں یہ بات مشکل سے ہی حیرتناک کہی جا سکتی ہے کہ یہ ایک سو پچاس سے زیادہ کمپنیاں، جو چند ہی مہینے کی عمر رکھتی تھیں، اور جنھوں نے ابھی تک ایک بار بھی حصوں پر منافع تقسیم نہیں کیا تھا، وہ اپنے حصوں پر اتنا بڑا پریمیم رکھنے کی قدرت بھی رکھتی تھیں جو ان کی حقیقی قدر کے اعتبار سے کہیں زیادہ اور غیر متناسب تھا۔

---

[1] 'وقتی سودا' [ٹائم بارگین] 'بمبئی گزٹ' 18 رمئی 1865۔

[2] ''حصوں اور پریمیم کے علاوہ کچھ اور بات کانوں میں نہ پڑنے سے یقیناً اب اکتاہٹ سی پیدا ہونے لگی ہوگی ... جہاں تک خواتین کا سوال ہے، ان کے لیے تو اب یہ بات ناقابلِ برداشت ہو گئی ہوگی۔ یقیناً لیڈی برٹی اور بیلیر جیسی خواتین اس سے مستثنیٰ ہیں، جو کم و بیش خود بھی حصہ بازار میں کچھ بیوپار کرتی ہیں۔'' ٹائمز آف انڈیا' 19 رجنوری 1865۔

''ہم یہ بات کہنے میں بہت زیادہ غلط نہیں ہوں گے کہ اس پریسیڈنسی میں دو تہائی (فوجی) افسر حصہ بازار میں ڈوبے ہوئے ہیں، کم و بیش 'بمبئی کا سٹیچر کا تبصرہ' [بامبے سٹینڈرڈ ریویو] 'ٹائمز آف انڈیا' 12 راگست 1865 میں اقتباس۔

اسپیکولیشن میں روپیہ جھونکنے کے میدان میں 'ایشیاٹک بینک' نے رہنمائی کی۔ اس نے 'بیک بے' کے حصوں کے لیے رقمیں اُدھار دینے میں پہل کی اور اس کے ساتھ ہی 'بینک آف بمبئے' نے، جو بہت کافی عرصے پہلے پریسیڈنسی کی ساکھ بنائے رکھنے اور اس میں بہتری پیدا کرنے کے ظاہری مقصد سے قایم کیا گیا تھا، پریم چند رائے چند کے تباہ کار اور گندے اثرات کے تحت ہر شخص کے لیے اپنی تھیلیوں کے منہ کھول دیے اور اس کی مالی مضبوطی یا ساکھ کو بھی نگاہ میں نہ رکھا۔

'ایشیاٹک بینک' جس کا سرمایہ 50,00,000 روپے تھا اور جو جلدی ہی دُگنا ہو گیا تھا بنیادی طور پر مبادلے کے کاروبار سے منافع کمانے کی غرض سے قایم کیا گیا تھا۔ اس کے ڈائرکٹروں کا بورڈ بھی بہت بااثر تھا، جس کا ہر فرد شہر کے مالیت کاروں اور تاجروں کے طبقے میں ایک عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا[1]۔ جس وقت 1864 کے درمیانی عرصے میں 'بیک بے' کا اجرا عمل میں آیا، تو اس نے کافی اونچی شرح سود پر لگ بھگ 2,00,00,000 روپے کی رقم اپنی طرف کھینچ لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 'ایشیاٹک بینک' کی تھیلیاں روپیوں سے بھر گئیں اور اس اتنے زبردست سرمایے کو منافع بخش طور پر استعمال کرنے کا صرف یہی واحد طریقہ رہ گیا کہ اسے اونچی شرح سود پر اُدھار دیا جائے۔ یہ منافع صرف روئی میں اسپیکولیشن اور حصوں کی خرید کے لیے اُدھار دے کر ہی حاصل کیا جا سکتا تھا، اور ان کے لیے اس وقت کافی مانگ بھی موجود تھی۔ چنانچہ اس نے 'بیک بے کمپنی' اور 'بینک آف بمبئے' کے حصوں پر رقمیں بڑھانی شروع کیں اور اس طرح اس کے نقد نے حصوں کے سرٹیفکٹوں کی شکل اختیار کرنی شروع کر دی۔ 'اولڈ فائنانشیل' نے، جس کے ڈائرکٹروں کا بورڈ بھی انہی افراد پر مشتمل

---

[1] 'ایشیاٹک بینک' کا اجرا کرنے والے تھے: 'رچی سٹوارٹ اینڈ کمپنی' کے میتھائل آسکوٹ، 'گرے اینڈ کمپنی' کے گاڈین اسٹیل، بہت اچھے ذرائع کی مالک شخصیت، جو کسی کمپنی سے متعلق نہیں تھی، وہ کواس جی جہانگیر کی تھی۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے یہ زبردست کمپنیاں بہت مشہور و معروف شخصیتوں کی شروع کی ہوئی تھیں۔ مثال کے طور پر 'اولڈ فائنانشیل' کے ڈائرکٹروں کے بورڈ میں مندرجہ ذیل افراد تھے: 'کیمپبل میچل اینڈ کمپنی' کے انڈریو گرانٹ، 'فوربس اینڈ کمپنی' کے رچارڈ والیس، 'والیس اینڈ کمپنی' کے اے۔ ایف۔ والیس، 'فنلے کلارک اینڈ کمپنی' کے جان۔ ایل۔ آسکاٹ، سیمول ایل۔ آکلینڈ وکیل؛ ای۔ ڈی۔ ساسون اینڈ کمپنی' کے کواس جی جہانگیر اور ای۔ ڈی۔ ساسون — ٹائمس آف انڈیا، 11 اگست 1864۔ انڈریو گرانٹ سرمایہ کاروں کا مشہور و معروف شروع کرنے والا تھا۔

تھا یہی عمل کیا۔ بہت جلدی انھوں نے ایک دوسرے کے حصوں پر رقمیں لگانی شروع کر دیں اور ساتھ ہی خود اپنے حصوں پر بھی رقمیں لگائیں اور عملی طور پر کسی بھی شخص کی ذاتی ضمانت پر روپیہ اُدھار دینا شروع کر دیا۔ اس مثال کو دوسروں نے بھی اپنانا شروع کیا اور بہت زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ یہ طریقہ ایک عام دستور سا بن گیا اور ہر کمپنی اس پر عمل کرنے لگی[1]

'بینک آف بامبے' 1863 تک پُرانے اور روایتی طریقہ کار پر سختی سے جارہا، لیکن اس وقت اس کے دستور میں ایک اہم تبدیلی رونما ہوئی جس کی رو سے اسے یہ اختیار بخش دیا گیا کہ یہ پبلک کمپنیوں کے حصوں پر رقمیں لگا سکتا ہے۔ ڈائرکٹروں کی ڈھیل اور غیر سنجیدہ رویے کی وجہ سے اُدھار دینے کا حقیقی اختیار اصل میں اس کے سکریٹری بلیئر کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا، جو ایک کمزور دماغ اور محدود سمجھ بوجھ کا مالک تھا۔

پریم چند رائے چند، جو "بمبئی کا سب سے بڑا اسپیکولیٹر" تھا 'بینک آف بامبے' کی تاریخ کے نازک ترین دور میں ایک ڈائرکٹر تھا۔ انتہائی ہوشیار اور سمجھدار پریم چند نے بلیئر کی کمزوری کو جلدی ہی بھانپ لیا اور بڑی ہوشیاری سے، اپنے باپ کے ذریعے، بلیئر کو بڑی بڑی رقمیں اُدھار دے کر، اسے حصوں کی بہت بڑی تعداد دلا کر، جن پر کافی اونچا پریمیم بھی فوراً ہی حاصل ہو سکتا تھا، اور دلالی کی رقمیں لیے بغیر اس کی طرف سے حصوں کی خرید و فروخت کر کے، بہت تیزی سے" اس پر اپنا اثر قایم کر لیا" اور اس کے ماتحت کارکنوں پر جو بینک کی مالیات پر پوری گرفت رکھتے تھے، حاوی ہو گیا چنانچہ کمیشن کے الفاظ میں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "بینک پریم چند کا ہو گیا[2]"، اس کی طرف سے اتنا لکھنا کافی ہوتا تھا کہ 'مسٹر فلاں، فلاں اتنی رقم کے لیے مناسب ہیں'، اور یہ رقم فوراً ان صاحب کو مہیا کر دی جاتی تھی[3]

'بینک آف بامبے' کی رقموں کے اس غیر محتاط اور ناعاقبت اندیشانہ استعمال نے اسپیکولیشن کو اس حد تک بڑھایا کہ اس کے نتیجے میں ایک عمومی بددلی اور کم ہمتی[4] پیدا ہو گئی، اور بہت سوں کی

---

[1] واچا: 'ایک مالیاتی باب'، صفحہ 173۔

[2] 'برٹش پالیمنٹری پیپرس'، (ما بعد حوالہ)، خاص طور پر صفحات 15-14

[3] 'برٹش پالیمنٹری پیپرس'، 9-1868، 'شہادتوں کے ضمیمے اور انڈیکس میں 40-A اور 44-A نمبر کے ضمنی کاغذات'، صفحات 2-31۔

[4] 'فرینڈ آف انڈیا' (ہفتہ واری) 3 / جنوری 1867۔

تباہی کا باعث بھی بن گیا۔ چونکہ جیسا کہ واچا نے صحیح طور پر کہا تھا: "اپنے معاملات میں کسی طبقے کی اجتماعی یا گروہی خصوصیت پوری طرح اثر انداز ہوتی ہے[1]" جو کام پہلے درجے کے تاجروں اور سرمایہ داروں نے پہلے روز کیا وہی اگلے دن دوسرے درجے کے تاجر اور بیوپاری کرنے لگتے ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ نیچے اترتا چلا آتا ہے۔

حقیقت میں اُدھار کی جو حدیں اس وقت بمبئی موجود تھیں وہ اپنی مثال بس خود ہی تھیں۔ بینک کی آسانیاں بہت زیادہ تھیں، دلال سب کے سب نجی بینک کار تھے، روئی کا بیوپار تیزی سے بڑھ رہا تھا، ملک کے دوسرے اضلاع سے سونا چاندی روزانہ بمبئی میں آرہا تھا — "10 لاکھ روپے ہفتہ[2]" کے حساب سے — ان چیزوں نے بالکل معمولی ذرائع کے لوگوں کو بھی مجتمع ہوکر ہر قسم کی ایسوسی ایشنیں بنانے کی ترغیب دی۔ ان کی امیدیں کسی ثابت قدم کمپنی سے وابستہ ہوتیں اور یہ کسی ایسے جانے پہچانے اور مشہور سرمایہ دار کی پشت پناہی حاصل کر لینے کے خواہشمند رہتے جو انھیں نجی طور پر یا علانیہ حمایت دیتا رہے۔ یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ بعض موقعوں پر یہ نام دس دس یا بیس بیس لاکھ کے معاوضے سے خریدے گئے۔ ابتدائی کارگذاریاں مکمل ہوتے ہی منصوبے بھی فوراً شائع ہوجاتے اور اس وقت دیوانگی کا یہ حال تھا کہ "ابھی اخباروں پر پوری سنجیدگی سے نظر بھی نہ پڑی ہوتی کہ حصوں کے لیے درخواستیں دے دی جاتیں[3]" خواہ کیسی بھی ایسوسی ایشن ہو درخواستیں ہزاروں ہی کی تعداد میں پہنچتیں۔ چونکہ یہ بات ہر شخص جانتا تھا کہ اگر صرف ایک حصہ خریدنا ہو تو کم سے کم سو حصوں کے لیے درخواست بھیجنی چاہیے جصہ بازار کی بڑھتی ہوئی گرم بازاری کا اندازہ اس حقیقت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ "حصے حقیقت میں نام زدگی (الاٹ ہونے) سے پہلے ہی بک جاتے تھے اس سے بھی پہلے کہ نامزدگی کے کاغذات چھپیں، اور جب تک نامزدگیاں حقیقت میں شائع ہوں، ایک دن میں ان کی قدر پر فیصدی پریمیم چالیس سے پچاس ہوجاتا تھا[4]"

حصوں کی نامزدگی کا کام مکمل ہوتے ہی اور باقاعدہ طور پر کمپنی کا قیام عمل میں آنے کے

---

[1] واچا، صفحہ 39۔

[2] "ٹائمس آف انڈیا" 19 جنوری 1865۔

[3] "ٹائمس آف انڈیا" 19/جنوری 1865۔

[4] ایضاً۔ 6/جنوری 1865۔

فوراً بعد نکلے اور "شل کاک" کا یہ مالیاتی کھیل بھی شروع ہو جاتا۔ اسپیکولیٹر حصوں کو "چالیس اور پچاس پر بیچنے سے ابتدا کرتے، پھر ان کی قیمتیں گھٹانے کی کوشش میں لگ جاتے، اور پھر انھیں بیس پر خریدتے، پھر خریداروں پر یہ ظاہر کرتے کہ اس کے پیچھے کس شخصیت کا ہاتھ ہے اور انھیں شاید پھر سو اور دو سو پر بیچتے[1]۔ لیکن اب بھی چکر ختم نہیں ہوتا تھا۔ یہ لوگ "ایک نئی کمپنی کھڑی کر دیتے جو پرانی کمپنی کو خرید لے"۔ کچھ عرصے بعد "پھر ایک اور کمپنی کی پیش کش کر دی جاتی جو اسے بھی خرید لے اور جو کچھ ایک بار ایک لاکھ میں بیچا گیا تھا اور ایک کروڑ کے برابر ہو جاتا تھا[2]۔ کمپنی کے استقلال اور استحکام پر مشکل سے ہی توجہ دی جاتی تھی، اور لمبے لمبے میمورنڈم جنھیں پڑھ کر حصے دار کو دستخط کرنا ہوتا تھا اور بھی مشکل سے پڑھے جاتے تھے: "ٹائمس آف انڈیا" کے الفاظ میں لوگوں کا انداز ہی کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ "اگر جاہر کا آدمی بھی بمبئی کے دو یا تین ممتاز سرمایہ داروں کا نام حاصل کر لیتا تو وہ کوئی منصوبہ جاری کر سکتا تھا جس کی مدد سے وہ اگلے ہی دن ایک کروڑ کی مالیت کے ساتھ واپس لوٹ سکتا تھا[3]"۔

سمجھدار قسم کے منیجروں کو ملازم رکھنا غیر مناسب سمجھا جاتا تھا، چونکہ ان سے خطرہ ہوتا تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ معلومات رکھتے ہوں گے[4] اور یہ بھی حقیقت تھی کہ جتنے بینک اور سرمایہ کار ادارے تھے اتنی تعداد میں مناسب قسم کے منیجر اور اکاؤنٹنٹ موجود نہیں تھے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ تجارتی اداروں میں کام کرنے والے اسسٹنٹ، یا پرانے بینکوں میں نسبتاً معمولی اور انجان قسم کی آسامیوں پر کام کرنے والے، (ڈپٹی منیجر اور ڈپٹی اکاؤنٹنٹ سے بھی نیچے درجوں پر کام کرنے والے) لوگوں کو بھی نئی کمپنیاں جاری کرنے والا طبقہ بڑی بے چینی کے ساتھ حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ ایک نئے بینک کا منیجر کہلائے جانے کا لالچ — خواہ وہ ابھی ابھی قایم ہوا ہو — اور اتنی تنخواہ پر جو پچھلی تنخواہ سے دو تین گنا زیادہ ہو، ان کے لیے اتنی ترغیب فراہم کر دیتا تھا کہ یہ لوگ اپنے پرانے مالکوں کو چھوڑ دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے[5]۔ لیکن منیجری کا عہدہ حاصل کر لینے کے بعد بھی یہ اس پر قانع نہیں

---

[1] ایضاً۔ 19 جنوری 1865۔

[2] ایضاً۔

[3] "ٹائمس آف انڈیا" 6/جنوری 1865۔

[4] ایضاً، غیر ملکی (ہفتہ واری) اڈیشن، 8۔ 28/اگست 1865۔

[5] ایضاً۔

رہتے تھے ـــــ اوران حالات میں اگر یہ قانع رہتے تو یہ یقیناً بڑی غیر معمولی اور حیرتناک بات ہوتی۔ایک ایسے دور میں جس میں پورا کا پورا شہر اسپیکولیشن کی گرم بازاری کا شکار تھا، اور خود ڈائرکٹر بھی اپنے اپنے اداروں کی مالیات کو غیر مناسب اور ناجائز طریقوں سے استعمال کرنے میں مصروف تھے، ایسی صورت میں یہ ایک قدرتی بات تھی کہ یہ لوگ بھی اسی طرح اسپیکولیشن میں حصہ لینے کے خواہشمند ہوں چنانچہ یہ بھی اپنی مرضی کے مطابق اپنے حسابات سے زیادہ اُدھار لیتے، دوسرے اداروں سے بھی بڑی بڑی رقمیں قرض لے لیتے، جن کے منیجروں کو اپنے اداروں میں یہ اسی قسم کی آسانیاں فراہم کرتے اور اس طرح لاگت، یا ان کے نتائج کو سوچے سمجھے بغیر بڑی تعداد میں حصے خرید لیتے اور جب تک روزِ حساب نہیں آیا، یہ لکھ پتی اور کروڑ پتی "مالا بار ہل پر آرام سے زندگی گذارتے رہے، اور بڑی جگہ شمپین پیتے رہے[1]"۔ دلال، وکیل، اخباروں کے مالک بھی اسی زمرے میں تھے جنھوں نے کمپنیوں کے اتنے فضول اجراء اور غیر معمولی انداز میں سرمایہ کاری سے بڑے بڑے منافعے حاصل کیے تھے۔ ایسی چند روزہ کمپنی کو کامیابی کے ساتھ اُبھار لینے کا ایک لازمی جزو فریب دہی اور دھوکے بازی بھی تھا۔ اس لیے وہ دلال جس کے پاس حصوں کی قیمتیں بڑھانے کا قدرتی عطیہ موجود ہوتا، اس کی مانگ لازمی طور پر بہت زیادہ ہوتی اور اس کی خدمات پر اسے معاوضہ بھی خوب ملتا۔ بہت سی صورتوں میں اسے معاوضہ نئی کمپنی کے بہت سے حصوں کی نامزدگی کی شکل میں بھی دیا جاتا تھا[2] جس سے ان حصوں کی قیمتیں اور زیادہ بڑھانے کی ترغیب میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔

میمورنڈم اور دستور کی تیاری کے سلسلے میں ایک وکیل 5,000 سے 10,000 روپے تک لیتا تھا۔ کمپنی قانون کا زیادہ تر حصہ کمپنی کا اجراء کرنے والے سمجھتے ہی نہیں تھے جس کی وجہ سے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں وکیل کا ہی مشورہ لینا ضروری ہوتا تھا۔ وکیلوں کے مشورے کی فیس 100 روپے گھنٹہ کی حد تک ہوتی تھی، لیکن جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا وکیل بھی اپنا معاوضہ زیادہ تر حصوں کی نامزدگی کی شکل میں ہی وصول کرتا تھا اور یہ بھی بعید از قیاس بات نہیں تھی کہ خود وکیل کو بھی ڈائرکٹروں کے بورڈ میں ہی کوئی جگہ دے دی جائے[3]

---

[1] "ٹائمس آف انڈیا" غیر ملکی (ہفتہ واری) اڈیشن، 8-28 اگست 1865۔

[2] واچا، صفحہ 40۔

[3] واچا، صفحہ 41۔

کمپنیوں کے اشتہارات اخباروں میں پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ جگہ لینے لگے تھے۔ پراسپکٹس، 'کال نوٹس'، جلسوں کی اطلاعات، حصوں کے ضبط کیے جانے اور بیوپار کے شروع ہونے کی خبریں، اخبار کے بہت سے صفحات کھا جاتیں۔ بعض موقعوں پر کسی نئی کمپنی کے اجرا کی اطلاع 'دی ٹائمز'* کی طرح پورے پورے صفحوں پر اشتہار کی شکل میں نظر آجاتی تھی۔ اسپیکولیشن کے اس ڈرامے کی روح رواں پریم چند رائے چند کی ذات تھی جسے بعض لوگ مضبوط ترین شخصیت اور مالیاتی میدان میں زبردست صلاحیت اور ہنر کا حامل مانتے تھے[1] سر بارٹلے فریرے، جو اس زمانے میں بمبئی کے گورنر تھے، انھوں نے 'بینک آف بامبے کمیشن' کے سامنے اپنی شہادت کے دوران کہا تھا، "یہ کچھ ایسے حیثیت و وقار کا مالک تھا جیسا انھوں نے نہ کسی طبقے میں کسی اور کو دیکھا تھا اور نہ کسی کے متعلق ایسا سنا تھا"[2] چونتیس سالہ پریم چند، نرم اعضا، پستہ قد اور صاف ستھرے رنگ کا پھرتیلا ہندو، میٹھی طبیعت اور اچھے دلکش عادات و اخلاق کا مالک تھا اور اسے اپنی دولت پر کسی قسم کا غرور نہیں تھا۔ اپنے باپ ویپ چند رائے چند کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس نے بھی اپنی بیوپاری زندگی کا آغاز ایک دلال کی حیثیت سے کیا تھا، اور امریکی خانہ جنگی کی ابتدا تک درمیانی قسم کا کاروبار کرتا رہا تھا۔ اس نے روئی کے اسپیکولیشن کے دور میں بہت سی دولت جمع کر لی اور بمبئی میں حصوں کی دلوانگی کے دوران، 'بینک آف بامبے کمیشن' کے مطابق، "یہ اس حیثیت تک پہنچ چکا تھا کہ اس دور کے تمام چند روزہ منصوبوں کے اجرا میں اس کا نام اور اس کا اثر و رسوخ ایک لازمی جزو بن گیا تھا"[3] خواہ وہ خود کسی کمپنی کا اُبھارنے والا ہو یا نہ ہو، حصوں کی ایک بڑی تعداد اس کے لیے نامزد کر دی جاتی تھی کمپنی اُبھارنے والے اس سے ضرور مشورہ کرتے تھے اور حصوں کی تقسیم کے وقت بھی اسے ضرور بُلایا جاتا تھا۔ ہر کمپنی کے حصے اس خیال کو مدنظر رکھ کر نامزد کیے جاتے کہ کمپنی کا قیام وسیع ترین بُنیادوں پر ہو، لیکن اس کے ساتھ ہی ذاتی مفادات کو بھی نظر انداز نہ کیا جاتا، چونکہ اس دور میں تمام کمپنیوں کے حصے ایسا پریمیم ضرور رکھتے تھے جو فوری طور پر

---

[1] ایضاً صفحات 8-47۔

[2] برٹش پالیمنٹری پیپرس۔ xv ،9-1868: انگلینڈ میں لی گئی شہادتوں کی روداد، سوال نمبر 6773

[3] برٹش پالیمنٹری پیپرس، xv ،9-1868۔ انگلینڈ میں لی گئی شہادتوں کی روداد، رپورٹ، صفحہ 14

* لندن کا مشہور روزانہ اخبار 'The Times'۔ (مترجم)

حاصل بھی کیا جا سکتا تھا[1] اور کوئی اور شخص پریم چند سے بہتر اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا، سب سے پہلے بینک کے منیجروں کو، اور دوسرے کمپنی کے اجرا کرنے والوں کے دوستوں کو اور خود کو، پھر دوسرے ایسے لوگوں کو جو اُن لوگوں اور کمپنی کے لیے فائدہ مند ثابت ہو سکتے تھے"[2] حقیقت یہ تھی کہ اس کا ہر وار استادانہ ہوتا تھا۔ انتہائی ہوشیاری کے ساتھ وہ خود اپنا نام کسی کمپنی کے ساتھ نہیں آنے دیتا تھا۔ حالانکہ ہر نئی کمپنی میں حصوں کی ایک بڑی تعداد اس کے لیے بھی نامزد کی جاتی تھی، مگر اس کا نام کسی کمپنی کے رجسٹروں میں کہیں نہیں پایا جاتا تھا۔ جتنے حصے بھی اس کے لیے نامزد کیے جاتے وہ اس کے منیموں (اکاؤنٹنٹس اور خزانچیوں)، ملازمین، دور کے رشتے داروں اور ایسے ہی معمولی قسم کے لوگوں کے نام پر ہوتے تھے۔

پریم چند کے اتنے وسیع اثر و رسوخ کا راز اصل میں اس کی اس مکمل طاقت و اختیار میں تھا جو اسے 'بینک آف بامبے' کے خزانے پر حاصل تھا جس کا وہ "معتبر مشیر"[3] تھا۔ بینک کے ساتھ اس نے اپنے اس تعلق کا جس طرح ناجائز استعمال کیا اسے 'کمیشن' کی رپورٹ کے مندرجہ ذیل اقتباس میں بہت وضاحت کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے[4]:

"اگر پریم چند کو اپنے کسی ایسے دوست کو خوش کرنا ہوتا، جسے روپے کی ضرورت ہوتی، تو وہ قرض کے لیے اس کی سفارش کر دیتا تھا، اگر پریم چند کو کچھ حصے بیچنے ہوتے تو وہ اپنے کسی شناسا سے انھیں خرید لینے کی سفارش کرتا، اور اس کے ساتھ ہی حصے خریدنے کے لیے 'مالیت کی فراہمی' کی بھی پیش کش کر دیتا جس کے لیے وہ 'بینک آف بامبے' سے اُدھار دلوانے کا انتظام کرتا۔ اگر پریم چند کو اسپیکولیشن کے لیے روپے کی ضرورت ہوتی تو وہ کسی دوست کو مشورہ دیتا کہ وہ بھی اس کام میں اس کا شریک ہو جائے۔ اور پھر مطلوبہ رقم کے لیے اُس دوست کے نام پر قرضہ حاصل کر دیتا۔ اس کا اثر بینک کے صرف صدر مقام میں ہی محسوس نہیں کیا جاتا

---

1. ایضاً۔
2. ایضاً۔
3. 'برٹش پارلیمنٹری پیپرس' 1868-9xv، رپورٹ صفحہ 40۔
4. ایضاً، صفحہ 14-15۔

تھا بلکہ شاخوں تک میں بھی اس کا اتنا ہی اثر تھا، کالباد یوی، بھڑوچ اور سورت، سب جگہ کے ایجنٹوں کو ہدایات موصول ہوتی رہتی تھیں کہ قرضہ دینے کے سلسلے میں وہ پریم چند یا اس کے ایجنٹوں سے مشورہ کرتے رہیں۔"[1]

بینک سے جو اُدھار خود اس نے لیا تھا وہ کل بیالیس لاکھ روپے سے کچھ زیادہ ہوتا تھا دوسرے لوگوں نے، جنھوں نے حصے خریدنے کے لیے اس سے رقمیں مانگی تھیں انھیں اس نے کل 66,90,000 روپے کا قرض دلایا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اسپیکولیشن میں اپنے ساجھے داروں کے لیے 29,58,938 روپے حاصل کیے تھے، اور خود اپنی طرف سے اس سلسلے میں رقمیں لگانے کے لیے جو کچھ لیا تھا وہ الگ تھا۔ ایک بہت بڑی رقم ایسی بھی تھی جس کے لیے اس نے سفارشیں کی تھیں، ان میں سے دو رقمیں جو وصول نہ ہو سکیں 43,45,478 اور 13,02,408 روپے کی تھیں۔[2]

واچا کے لفظوں میں: "یہ کہنا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ مالیات کے سلسلے میں اس کی فہم و فراست اور دور رسی کچھ ایسی تھی کہ اگر اس کی قسمت اسے لندن کی دولت کی کان تک پہنچا دیتی تو وہ روتھس چائلڈ* [Roths Child.] کے بارنگ سے کسی طرح کم نہ ہوتا۔ مرتے دم تک اس کی دماغی صلاحیت، مالیاتی معاملات میں زود فہمی اور تمانی طاقت اتنی کافی تھی کہ لومبارڈ اسٹریٹ کی کسی بھی اہم شخصیت یا برلن اور پیرس کے غیر ملکی زر بازار کے بڑے سے بڑے ماہر کے مقابلے پر رکھا جا سکتا تھا۔[3] حالانکہ 1866 میں اسے ایک کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ کی ناکامی ہوئی۔[4] لیکن اس کی رجائیت، خود اعتمادی اور بیوپاری جرأت و ہمت اتنی تھی، اور اسپیکولیشن سے اس کا لگاؤ اتنا شدید تھا کہ اس نے ایک بار پھر اچھی خاصی دولت جمع کرلی۔ . . جس کے متعلق عام خیال تھا کہ ڈھائی لاکھ پونڈ تک ہے۔"[5]

---

[1] 'برٹش پارلیمنٹری پیپرس' XV، 9-1868، رپورٹ، صفحات 5-14۔

[2] ایضاً۔

[3] واچا، 'ایک مالیاتی باب'، صفحہ 3-52۔

[4] 'فرینڈ آف انڈیا' (ہفتہ واری) 3 جنوری 1867۔

[5] واچا، صفحہ 3-52۔

* ایک یہودی خاندان جو دو صدیوں تک اپنی سرمایہ کاریوں کے لیے مشہور رہا۔ (مترجم)

ایک اور نام پیسٹن جی کرسیٹ جی شراف کا ہے جو پریم چند رائے چند کے بعد شاید سب سے زیادہ جانا پہچانا نام تھا۔ ابتدا میں یہ صرف ایک معمولی اور غیر معروف کلرک تھا اور اس نے روئی کے اسپیکولیشن اور حصوں کے ذریعے تھوڑا بہت روپیہ جمع کر لیا تھا۔ حصوں کی دیوانگی کے دور میں یہ پریم چند سے کچھ قریب آیا جس نے شراف کو 'ایسٹرن فائنانشیل' کے اجرا کرنے والوں سے متعارف کرایا اور یہی وہ کمپنی تھی جس سے شراف سب سے زیادہ متعلق رہا۔ شراف کو اس ادارے میں ایک ہزار حصے اس وقت دیے گئے جب یہ دیوالیہ کی حدوں پر کھڑا ہوا تھا اور اسے اس کے ڈائرکٹروں میں بھی شامل کر لیا گیا۔ صرف ان ایک ہزار حصوں کی مدد سے شراف نے حصص بازار میں ایسی ایسی چالیں چلیں اور وہ وہ ترکیبیں استعمال کیں کہ ان کی قیمت پر جلدی ہی 40 فیصدی کا پریمیم ملنے لگا۔ پھر جب اس سرمایہ کار ادارے (فائنانشیل) کے دوسرے ڈائرکٹروں نے اپنے حصوں کے بار کو ہلکا کرنے کی کوشش کی تو شراف نے انھیں فوراً خرید لیا اور اس طرح اس نے کمپنی کے معاملات پر پوری گرفت حاصل کر لی[1] اس نے 'فائنانشیل' کے سرمایے کو کس کس طرح ناجائز طور پر استعمال کیا اس کی تفصیلات حالانکہ کافی دلچسپ ہیں لیکن اس کتاب کے موضوع سے باہر ہیں لیکن بہرحال مندرجہ ذیل مثال اس سلسلے میں اس کی چالبازیوں، صلاحیتوں اور چابک دستی کا بخوبی اظہار کرتی ہے۔

1864 کے آخر میں شراف نے حصے داروں کا ایک عام اجلاس منعقد کیا اور اس میں اعلان کیا کہ اس سال کے دوران کمپنی کے کل منافعے کا تخمینہ 20 لاکھ روپیے کے قریب ہے۔ اس یقین دہانی کی بنیاد پر اجلاس سے کہا گیا کہ وہ حصوں پر فی الوقت 22 فیصدی منافع تقسیم کیے جانے کے حق میں رائے دے دے، اور اجلاس نے ایسا کیا بھی۔ جیسے ہی یہ خبر بازار تک پہنچی، 'فائنانشیل' کے حصوں پر پریمیم بڑھنا شروع ہوا اور یہ 168 فیصدی تک پہنچ گئے۔ پیسٹن جی کرسیٹ جی شراف نے اپنی حکمتِ عملی کو ایک قدم اور آگے بڑھایا اور کمپنی کے حصوں پر 50 روپیے فی حصہ اور طلب کیا جسے حصے داروں نے، جو تازہ طور پر منافعے کے اعلان سے متاثر ہو چکے تھے، جلدی ہی ادا بھی کر دیا۔ لیکن پیسٹن جی نے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا۔ اس کامیابی پر اس کی ہمت کچھ اور بڑھ گئی اور اس نے ایک نئی چال اور چلی۔ 25.000 نئے حصے اور جاری کیے گئے۔

---

[1] واچا: ایک مالیاتی باب، صفحہ 3-62۔

ان میں سے آدھے حصے 'بیک بے' کی مثال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پبلک نیلام کے لیے مخصوص کر کے الگ کر لیے گئے۔ نیلام کے موقعے پر پریمیم کو بڑھانے کی غرض سے اس نے خاصی بڑی تعداد میں خود ہی حصے خرید لیے۔ لیکن اس میں بھی اس کی اپنی جیب سے کچھ نہیں گیا۔ اس نے قیمتِ خرید کی ساری رقم جو 27,00,000 روپے تھی، 'فائنانشیل' کے کھاتے میں ڈیبٹ کر دی اور اس قرض کے لیے ایک رقعہ (I.O.U.) داخل کر دیا۔[1]

بعض موقعوں پر پیسٹن جی کرسیٹ جی شراف نے خود پریم چند رائے چند کے مدِ مقابل ہونے کی بھی کوشش کی لیکن موخر الذکر کی ذہانت اور صلاحیت کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جب تباہی آئی تو تو پریم چند کے برخلاف شراف ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معدوم ہو گیا۔[2]

اس سلسلے میں جن ممتاز شخصیتوں کے نام اور قابلِ ذکر ہیں ان میں ڈاکٹر ڈا آئیور تھا جو طبی میدان کا آدمی تھا، آتمارام مادھو جی، ایک دلال، اور جارج ٹیلر، جو ایک وکیل تھا۔ ان تینوں کو عام طور پر "بارود ی ٹگڈم" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ لوگ 'مزگاؤں ری کلیمیشن کمپنی' اور 'الائنس فائنانشیل' سے سب سے زیادہ متعلق سمجھے جاتے تھے، جن میں سے ہر ایک کا کل اداشدہ سرمایہ دس لاکھ پونڈ تھا۔ شروع میں مزگاؤں کی زمین کی بازیابی کے حقوق، جو صرف 5,00,000 روپے کی حد تک تھے، پریم چند نے عظیم تجارتی ہاؤس 'ریچی اسٹوارٹ اینڈ کمپنی' سے میخائل اسکوٹ کی ساجھے داری میں خریدے تھے۔ اس کے لیے جو قیمت ادا کی گئی وہ 40,00,000 روپے تھی، لیکن جلدی ہی پریم چند اپنے مخصوص انداز میں، اسے 60,00,000 روپے میں ڈاکٹر ڈا آئیور کے ہاتھوں بیچنے میں کامیاب ہو گیا، اور صرف ایک دن میں 20,00,000 روپے کا خالص منافع کما لیا۔ حقیقت میں اس 'ٹگڈم' کی کہانی سے اگر کچھ بات واضح ہوتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ وہ ایسا دور تھا جس میں وہ لوگ، جو اس میدان کی معلومات نہیں بھی رکھتے تھے، کیا کچھ کر سکتے تھے۔ ان لوگوں میں مالیاتی امور کی صلاحیت بالکل نہیں تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ جمنا داس اور دیوی داس کے آلۂ کار ہو گئے جو دلالوں کی ایک بہت مشہور فرم تھی اس سلسلے میں درمیانی کٹھ پتلی کے فرائض آتمارام مادھو جی نے انجام دیے۔ اس فرم نے دونوں اداروں کے ذرائع کو پوری طرح صاف کیا،[3] اور جب آخری تباہی

---

[1] واچا: 'ایک مالیاتی باب'، صفحہ 65۔

[2] ایضاً، صفحہ 66۔

[3] واچا: 'ایک مالیاتی باب'، صفحہ 79

آئی لوڈاکٹر ڈائیور، جو انگریزی سوسائٹی میں اعلیٰ ترین درجے تک پہنچ چکے تھے اور داپوری (Dapoorie)
میں گورنمنٹ ہاؤس تک خرید چکے تھے، "انھیں اپنے لین داروں سے چھپ کر بھاگنا پڑا اور وہ اپنے
پیچھے اپنا واحد اثاثہ ایک چھتری چھوڑ گئے"۔[1]

بہرحال یہ بات بھی سوچنی غلط ہوگی کہ تصویر کا ہر رُخ سیاہ ہی تھا۔ اتنے غیر متوازن دور میں بھی
سر کواس جی راؤجی، تھے مسی جہانگیر اور جون فلیمنگ جیسے بیوپاری اور چونی لال موتی لال جیسے دلال بھی موجود
تھے جو حالانکہ اس جھمیلے میں کھنچے ضرور گئے تھے، پھر بھی انھوں نے اسپیکولیشن کی اتنی زبردست لہر
کو روکے رکھنے کی کوشش کی اور اپنی ساکھ جمائے رکھی۔ ان کی کارگذاریوں کی تفصیلات اس
کتاب کے دائرے سے باہر ہیں لیکن جون فلیمنگ کے بارے میں چند الفاظ کہنا ضروری محسوس
ہوتا ہے۔ یہ ایک چالاک، قوی الجثہ اور ایماندار اسکوٹ نسل کا فرد تھا۔ یہ 'ڈبلیو۔ نکول' کی فرم میں
ساجھے دار تھا جو بمبئی میں 1859 میں قایم ہونے والی زمین بازیابی کی پہلی کمپنی کے 'سکریٹری اور خزانچی' کے
فرائض انجام دیتی تھی اور اس کا اجرا بھی اسی نے کیا تھا۔[2] خانہ جنگی کی ابتدا کے فوراً بعد یہ ہندوستان
گیا اور اس کے ختم ہوتے ہی واپس لوٹ آیا۔ اسپیکولیشن کی دیوانگی کے دور میں یہ بات لازمی سی
نظر آنے لگی تھی کہ 'الفنسٹن کمپنی' اسپیکولیشن کا مرکز بننے والی ہے۔ اس کے حصوں کی قیمتیں بڑھانے میں۔
جن میں سے ہر ایک 36,000 روپے کا تھا ــــ بی۔ ایچ۔ کاما مصروف تھا یہاں تک کہ یہ 1,00,000
کے پریمیم تک پہنچ گئے۔ بعد میں ڈاکٹر ڈائیور اور کچھ دوسرے لوگوں نے، جن کی پشت پر پریمیم چند
رائے چند کی روح کار فرما تھی، ایک سنڈیکیٹ قایم کیا، جس کا مقصد 'مزگاؤں'، 'الفنسٹن' اور 'فریئر'
کو ضم کر کے ایک اعلیٰ زمین بازیابی کمپنی بنانا تھا۔ اس سنڈیکیٹ نے 'ایم۔ نکول اینڈ سنز' کو 30 لاکھ
پونڈ کی پیش کش کی لیکن جون فلیمنگ حائل ہوا اور اسپیکولیٹروں کی ان کوششوں کو ان دو عام
جلسوں میں کامیابی کے ساتھ روکنے کی کوشش کی جو سنڈیکیٹ نے طلب کیے تھے۔ یہاں اس
نے "جوئے بازی کے اس جذبے" کی کھل کر تردید کی۔[3] لیکن اس کے باوجود بھی ان اسپیکولیٹروں کو

---

[1] 'فرینڈ آف انڈیا' (ہفتہ واری) 3 / جنوری 1867۔

[2] 14 / جنوری 1865 کو منعقدہ غیر معمولی اجلاس، 'ٹائمز آف انڈیا' (غیر ملکی اڈیشن) 13 تا 28
جنوری 1865۔

[3] ایضاً۔

الضام کی ان کوششوں سے بڑے بڑے منافعے حاصل کر لینے سے باز نہ رکھا جا سکا۔ اس نے حصہ بازار میں کچھ ایسی ہلچل سی پیدا کر دی کہ "الفنسٹن" کے حصے کی قیمت — اس وقت تک جب سنڈیکیٹ نے خفیہ طور پر اپنے حصوں کی ملکیتوں کا بوجھ ہلکا کیا — 1,75,000 روپے پریمیم تک پہنچ گئی۔[1]

تباہی اور اس کے بعد

یہ تنبیہ کہ "امریکی خانہ جنگی کا خاتمہ انگلینڈ کو گھٹیا قسم کی 'سورت'، (گھٹیا قسم کی ہندوستانی روئی) کے نیچے دبا ہوا چھوڑے گا اور انگریزی کارخانوں کے گوداموں (لفظ بہ لفظ) میں پیدا شدہ مال پڑا سڑتا رہے گا"[2] بالکل ابتدا، یعنی مارچ 1862ء میں ہی 'ٹائمز آف انڈیا' نے دے دی تھی۔ اس کے بعد کے سالوں میں بھی اسے بار بار دہرایا جاتا رہا، لیکن اس قسم کے بیانات "تیز لہروں میں ریت کے گھروندوں"[3] سے زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئے۔

ستمبر 1864ء میں کافی حد تک اور باقاعدہ طور پر روئی کی قیمت میں مستقل گراوٹ کو محسوس کیا جانے لگا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی اس کے اسپیکولیشن میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس کا ردعمل صحیح طور پر جنوری 1865ء میں نظر آنا شروع ہوا اور لیور پول بازار میں ہندوستانی روئی کی قیمت آہستہ آہستہ گھٹنی شروع ہوئی، اور مارچ کے آخر تک 10 پینس فی پاؤنڈ تک گر گئی۔[4] اس کے ساتھ ہی حصہ بازار میں بھی گراوٹ کا ایسا رجحان نظر آیا جس کے متعلق کوئی غلط فہمی باقی نہیں رہی چنانچہ مارچ تک حصوں کی قیمتیں کافی گر چکی تھیں۔ روئی کی قیمت میں اس گراوٹ کا سبب کسی حد تک انگلینڈ میں بڑی مقدار میں روئی جمع ہو جانے کا اثر بتلایا گیا۔ چنانچہ اسپیکولیشن اب بھی جاری رہا۔ امریکی جنگ کے متعلق غیر یقینی کیفیات بمبئی میں نئی امیدوں کو روک لینے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ مارچ 1865ء تک بھی ہندوستان کے وزیر مالیات، سر چارلس ٹریولیان نے اپنی بجٹ کی

---

[1] واچا، 'ایک مالیاتی باب'، صفحات 190-200

[2] ایس۔ ڈی مہتا، صفحہ 30 پر اقتباس۔

[3] 'ٹائمز آف انڈیا' (غیر ملکی ایڈیشن) 28 اپریل۔ 13 مئی 1865ء۔

[4] 'بمبئی گزٹ'، ملاحظہ ہوں 'مخصوص ٹیلیگرام' جنوری تا مارچ 1865ء۔

تقریر سے کافی امید افزا اثرات چھوڑے [1]

1865 کے موسم بہار میں شمالی امریکہ کی فتح کا نتیجہ بہر حال یہی ہوا کہ بمبئی میں اسپیکولیشن کی گرم بازاری ختم ہو گئی جس کے نتیجے میں بمبئی کی خوشحالی کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب 'صاف دھولیرا' (Fair Dholera) کی قیمت $9\frac{1}{4}$ پینس فی پونڈ تک گر گئی۔ تاجروں کے لیے اپنے دعوے پورا کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ حصوں کی قیمتیں اس بُری طرح گریں اور اتنی سخت گھبراہٹ پھیلی کہ حصوں کے دلالوں کے 21 اپریل 1865 کے ایک جلسے میں متفقہ طور پر حصہ بازار کو بند کر دینے کا فیصلہ کیا گیا [2]۔ حصوں کا لین دین تقریباً ایک ہفتے کے بعد پھر شروع ہوا لیکن یہ بہت ہی محدود رہا۔ لیکن "اداسی اور افراتفری"، "ناامیدی اور تشویش" کے دوران بھی بمبئی میں لوگوں نے اپنی رجائیت کو برقرار رکھا۔ حالت اس وقت اور بھی بگڑی جب شہر کے پرانے ایکسچینج بینکوں نے تجارتی سامان کی ضمانتوں پر بھی اُدھار دینے سے انکار کر دیا [3] لیکن تاجروں اور سرمایہ داروں نے عام صبر و سکون کا مظاہرہ کیا جس نے بحران کو بہت زیادہ پریشان کُن نہ ہوتے دینے میں مدد کی [4] اور بہت سے ایسے منصوبے پیش کیے گئے جن کے اثر سے ان اثرات کو محدود رکھا جا سکے یا ختم کیا جا سکے۔ اصولی طور پر ان لوگوں نے اس مسئلے کو دو رخوں سے حل کرنے کی کوشش کی۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ ایسے بینکوں اور سرمایہ کار اداروں کو بچانے کی کوشش کی جائے جو اب بھی بچ سکتے تھے اور ان کو ان کے اثاثوں کی حقیقی قدر کے اندازے کے بعد، ایک دوسرے میں ضم کر دیا جائے، اور دوسرا طریقہ کہ مصالحتوں اور معاہدوں کی مدد سے اُن 'وقتی سودوں' کو طے کر لیا جائے جو پہلی جولائی کو طے ہوتے تھے۔ یہ منصوبے محض کاغذی ہی نہیں تھے۔ ایک پنچایت ــــ پانچ ہندوستانیوں کی ایک کمیٹی ـــ

---

[1] "یہ سال میونسپل انتظامیہ کے اصول، اور نجی سرمایہ کاری کی اٹھان، کے سلسلوں میں ایک ممتاز اور مخصوص حیثیت رکھتا ہے۔ زمینی بازیابی کے وسیع منصوبے... بمبئی اور کلکتے (میں) دوسری متعدد کمپنیاں... یہ اظہار کرتی ہیں کہ ہندوستان کی مستقبل کی ترقی صرف حکومت کے عمل اور ذرائع کے معیاروں پر ہی منحصر نہیں رہے گی..." 'ٹائمز آف انڈیا' پہلی اپریل 1865۔

[2] ملاحظہ ہوں 'بمبئی گزٹ' میں حصہ بازار کی رپورٹ۔ 22 اپریل 1865 اور بعد کے شمارے۔

[3] 'ٹائمز آف انڈیا' 13 مئی 1865۔

[4] ایضاً۔ 23 مئی 1865۔

جس میں بعد میں دو انگریز بھی شامل کر دیے گئے تھے، ان 'وقتی سودوں' کو طے کرنے کے لیے حقیقت میں قایم بھی کیا گیا[1]

2 مئی 1865 کو بمبئی کے اخباروں نے جنرل لی کی فوج کے ہتھیار ڈال دینے کی خبریں شائع کیں۔ اور اس کے بعد پہلے پندرواڑے میں ہی 'ہاؤس آف بی۔ ایچ۔ کاما' کی زبردست ناکامی نظر آئی۔ یہ روئی کی بحری آمدورفت کی سب سے بڑی کمپنیوں میں سے ایک تھی اور اس نے 3,36,00,000 روپیے کی ذمے داریوں کے ساتھ تمام ادائیگیاں منسوخ کی تھیں۔ اس خبر نے حصوں کی قیمتوں میں ایک ایسی گراوٹ پیدا کر دی جو تباہی کا پیش خیمہ تھی[2] اور اب اس قسم کے 'وقتی سودے' کو طے کیا جانا ناممکن ہو گیا، چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ ان منصوبوں کو بھی ختم کر دیا گیا[3] اس کے بعد سے بہت سے بیوپاریوں اور تاجروں نے اپنے لین داروں کے لیے اپنے دروازے بند کر دیے۔ بر روز اس ہیجان اور خوف و ہراس میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور مندے کی آخری حد پہلی جولائی 1865 کو نظر آئی جس دن 80، 90 لاکھ پونڈ کے 'وقتی سودوں' کو چکایا جانا تھا[4] عام بیوپار میں اتنا ٹھہراؤ سا پیدا ہو گیا تھا کہ 'فورٹ' کا علاقہ ایسا نظر آتا تھا جیسے چھٹی کا دن ہو اور سارا سارا دن خاموشی اور بغیر کسی ہلچل کے گذر جاتا۔ سارا جوش و خروش اور ہماہمی دلالوں، اسپیکولیٹروں، قانونی مشیروں اور مالیاتی ایسوسی ایشنوں کی طرف منتقل ہو گئی اور یہاں بھی حالات و کیفیات کے مکمل مالک و مختار صرف وکیل ہی رہے۔ روپیہ صرف چند چھوٹے قسم کے 'وقتی سودوں' کے معاہدوں میں ہی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا تھا اور اس میں بھی مصالحت کا جو پیمانہ طے کیا جاتا وہ ایک پونڈ میں 5 سے 10 شلنگ تک ہی ہوتا۔ ان صورتوں میں جہاں باقاعدہ تجارتی لین دین حصوں کے لین دین سے ملحق ہوتا، وہاں بھی دین دار بہت لجاجت کے ساتھ درخواست کرتے کہ اسے ملتوی کر دیا جائے لیکن اثاثوں کے تناسب سے ان میں خسارے عام طور پر بہت زیادہ ہوتے اور اس لیے لین دار ایسی درخواستوں کو بڑی مشکل سے منظور کرتے۔

---

[1] ایضاً۔ 23 مئی؛ 19 مئی (ایک بیوپاری کا خط)؛ 13 مئی 1865۔

[2] واچا: 'ایک مالیاتی باب' صفحہ 212۔

[3] 'ٹائمز آف انڈیا' 13 مئی 1865۔

[4] واچا: 'ایک مالیاتی باب' صفحہ 212۔

حصوں کے خریدار اور بیچنے والے دونوں ہی بہت محتاط ہوکر قدم اُٹھاتے۔ تاکہ ایک طرف حصوں کے ٹینڈر کی پوری طرح جانچ پڑتال ہوسکے اور دوسری طرف ان کی مکمل قانونی حیثیت پوری طرح ثابت ہوجائے۔ وکیلوں اور مختاروں کے کلرک "بالائی آمدنیوں کی امید پر ایسے جوش و خروش اور لگن کے ساتھ دوڑتے پھرتے تھے جس پر شاید وہ خود بھی حیران ہوتے ہوں گے[1]" نوٹسوں کے اجرا کی تعداد کا اندازہ مختلف لوگوں نے ہر دفتر سے 300 سے 700 تک لگایا ہے، اور چونکہ اس کی فیس 'فورٹ' کے علاقے میں 15 روپیے اور باہر کے علاقے میں 30 روپیے تھی، اس لیے امید یہی کی جاتی ہے کہ وکیلوں نے اس عرصے میں بہت کافی کمایا ہوگا۔ بہت سے اسپکولیٹر پوری احتیاط کے ساتھ ان حصوں کے نمبروں کا بھی خیال رکھتے تھے جو فیصلے کے لیے پیش کیے جانے والے ہوں تاکہ یہ نمبران نمبروں کے مطابق ہوں جن کا لین دین ہوا تھا، اور یہ کہ دوسرے سودوں کے سلسلے میں یہ حصے دوبارہ پیش نہ کر دیے جائیں، چونکہ یہ حقیقت بھی کوئی راز نہیں تھی کہ جتنے حصے موجود تھے ان سے زیادہ ان کا لین دین ہو چکا تھا چند کمپنیوں، جیسے 'بیک بے' میں یہ کیفیت خاص طور پر نظر آتی تھی۔ بہت سی صورتوں میں جہاں حصوں کا لین دین عمل میں آیا تھا، بیوپاری اس بات پر بھی زور دے رہے تھے کہ اس سلسلے میں ان کے لین دین کی تکمیل عمل میں نہیں لائی گئی چونکہ ان کی منتقلی کو کمپنی کے ریکارڈ میں درج نہیں کیا گیا تھا۔ یہ ایک تکنیکی کمزوری تھی اور چونکہ عام صورتوں میں کمپنیوں نے کسی قسم کے رکارڈ ہی تیار نہیں کیے تھے اس لیے ان پر کسی قسم کی قانونی چارہ جوئی بھی ناممکن تھی اور ان میں سے زیادہ تر معاہدوں کو محض سٹہ قرار دے کر قانون کے دائرے سے باہر سمجھا جاتا تھا۔

جیسے جیسے حصوں کی قیمت کے درمیانی فرق کے حصول کی مانگ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اتنے ہی زیادہ 'دیوالیوں' کا اعلان بھی نظر آنا شروع ہوا، اور حصوں کا نیلام، جو کچھ عرصے پہلے سے ہی چل رہا تھا، اب اور زیادہ نظر آنے لگا۔ 'دیوالیہ عدالت' کے معمولی آرکاری کارگذاریاں کام کی زیادتی کی وجہ سے ٹھپ ہوگئیں، اور بمبئی کے بیوپاری طبقے کی طرف سے ایک فوری یادداشت کے وصول کرنے کے بعد، بمبئی کی حکومت نے ایک ایکٹ[2] پاس کیا جس کے تحت ایسی املاک

---

[1] 'ٹائمز آف انڈیا' (غیر ملکی اڈیشن) 3 . 8 . جولائی 1865 .

[2] ایکٹ XXVIII 1865۔

ے ٹرسٹیوں کو، جن کی ذمے داری پانچ لاکھ سے زیادہ تھی، دیوالیے کا اعلان کرنے کے اختیارات دیے گئے تھے لیکن اس ایکٹ سے کچھ ایسے نتائج بھی برآمد ہوئے جن کے متعلق پہلے سوچا بھی نہیں گیا تھا — وہ یہ کہ دھوکے بازلین داروں نے، اس ایکٹ کا فائدہ اُٹھانے کی غرض سے، اس وقت جب حصہ بازار بُری طرح گرا ہوا تھا، بیکار قسم کے حصوں کو خرید کر اپنی ذمے داریوں کو بڑھانا شروع کر دیا، اور انھیں اپنے رجسٹروں میں ان تاریخوں میں درج کرنا شروع کر دیا جب حصوں کی قیمتیں چڑھی ہوئی تھیں، اور چونکہ اجتماعی سرمایہ کمپنیاں منتقلی رجسٹر نہیں رکھتی تھیں اس لیے ان کے خرید کیے جانے کی تاریخ کی جانچ کر لینا ناممکن تھا چنانچہ 1865 کا ایکٹ XXVIII "ملامت کے لیے ایک ضرب المثل"[1] ہو کر رہ گیا۔

اور پھر جب عوام کو اندازہ ہوا کر سرمایہ کار اداروں اور دوسری ایسوسی ایشنوں کے زیادہ تر اثاثے صرف حصوں اور مقامی بلوں پر ہی مشتمل ہیں، جو اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے بے کار ہیں، تو ان کے سامنے انھیں ختم کر دینے کے علاوہ کوئی اور چارہ ہی نہیں تھا۔ چنانچہ ایک کے بعد ایک کمپنی کے دیوالیے کا اعلان کیا جانے لگا۔ 'بیک بے' اور 'مزگاؤں' کمپنیاں، جنھوں نے پہاڑیوں کو توڑ کر دلدل میں بھر کر زمین کی بازیابی کے لیے پانچ لاکھ پونڈ کی رقمیں ادا کی تھیں کچھ اس طرح بند کی گئیں کہ انھوں نے جو رقمیں خرچ کی تھیں ان کے بدلے میں کچھ بیکار جگہوں پر چند ایکڑ زمین کے علاوہ کوئی چیز نہیں دکھلائی جا سکتی تھی۔

ان کمپنیوں کو رضاکارانہ طور پر بند کیے جانے کے سلسلے میں جو جلسے ہوئے ان کی اخباروں میں شائع ہونے والی لفظ بہ لفظ روداد بالکل اس سلسلے سے ملتی جلتی تھی جو ریلوے دیوانگی کے دوران 1864 میں 'پنچ' میں شائع ہوا کرتی تھی جصے دار گالیاں دیتے، اپنے ڈائرکٹروں اور دوسرے افسروں پر کتابیں اور کاغذات اُچھالتے۔ رجسٹر شدہ اور غیر رجسٹر شدہ حصے داروں، وکیلوں اور عام لوگوں کی بھیڑ ان جلسوں میں جمع ہوتی۔ ڈائرکٹروں کو ان جلسوں میں امن و سکون برقرار رکھنے کے لیے بار بار پولیس کی مدد بھی حاصل کرنی پڑ جاتی۔ مقامی حصے دار کبھی کبھی ایسے تیکھے سوالات کر بیٹھتے جن کے جواب میں ڈائرکٹروں کو ایسی حرکتوں کا اعتراف کرنا پڑ جاتا تھا جن سے حصے داروں کے مفادات سے چشم پوشی، کمپنی قانون، بیوپار کے بالکل ابتدائی اور بنیادی اصولوں اور میمورنڈم اور کمپنی کے

---

[1] واچا، 'ایک مالیاتی باب'، صفحہ 261۔

دستور و قوانین کی مکمل خلاف ورزی کا اظہار ہوتا تھا[1] بعض صورتوں میں کچھ برہم حصے داروں نے اپنے ڈائرکٹروں کو عدالت تک میں کھینچ لیا۔ کچھ اور صورتوں میں ان کے خلاف مجرمانہ قوانین کے تحت عدالتی کارروائیاں بھی کی گئیں۔ ایک ایسے سلسلے میں کامرشیل فائنانس اور اسٹاک ایکسچینج کمپنیوں کے ڈائرکٹروں کے خلاف قانونی کارگذاریوں کا نتیجہ ان کی سزاؤں کی شکل میں بھی ظاہر ہوا مسٹر جسٹس آنسٹے نے ان کے مقدمے کو ایک بہت سخت مثال بنا کر پیش کیا اور ان کی تمام ملکیتوں کو بادشاہ کے نام پر ضبط کر کے انھیں عمر بھر کے لیے ملک بدر کر دیے جانے کی سزا سنائی[2] اس سخت فیصلے نے سارے شہر کو جھنجوڑ سا ڈالا۔ نتیجے میں دوسری کمپنیوں کے ڈائرکٹروں نے اپنے معاملات کو ہر قیمت پر عدالت سے باہر ہی طے کرنا مناسب سمجھا اور یہ جانتے ہوئے کہ ان پر بہت سنگین الزامات عائد کیے جا سکتے ہیں، ان لوگوں نے یہی کوشش کی کہ خاموشی سے اپنی کمپنیوں کے دیوالیہ ہو جانے کا اعلان کر دیا جائے لیکن اس عمل نے کچھ "تیز طرار اور فسادی قسم کے بلیک میلروں کا ایک قبیلہ" اور پیدا کر دیا[3] جو ان لوگوں سے ان پر مقدمہ چلانے کی دھمکیاں دے کر رقمیں اینٹھتا تھا۔ شروع جولائی 1865 میں روئی کے بیوپار میں کچھ امیدیں بڑھ جانے اور اس کی قیمت میں تھوڑے سے اضافے سے کچھ لوگوں میں ایسی امیدیں بھی بندھیں جیسے حالات ایک بار پھر پیچھے کی طرف لوٹ جائیں گے۔ کچھ مقامی اسٹاکوں میں بہت تیزی سے وقتی طور پر اضافہ بھی ہوا اور میڈو اسٹریٹ (Meadow Street) کے ایک حصے میں بیوپاری ہما ہمی بڑھی۔ اور "ٹائمس آف انڈیا" نے لکھا:

> "یہ خوف کہ بچہ اگر آگ سے جل جائے تو آگ سے ڈرنے لگتا ہے ان لوگوں پر صادق نہیں آتا جن کی گھٹی میں اسپیکولیشن پڑا ہو۔ یا پھر یہ لوگ اس بیوقوف کیڑے کی طرح ہیں جسے مکمل تباہی کے علاوہ کوئی چیز غلطی سے روک ہی نہیں سکتی[4]"

لیکن اس تنبیہ کا اب بھی کسی پر اثر نہ ہوا اور بمبئی نے "دلدل میں ایک اور چھلانگ لگائی"۔ حالانکہ اب کی بار پہلی سی تیزی نہیں تھی۔ ستمبر کے مہینے میں تمام حصوں کی قیمت میں ایک اضافہ ہوا

---

[1] ٹائمز آف انڈیا (متفرق)، مئی، جون اور جولائی 1865، (خاص طور پر 23 / جون، 8 / جولائی)

[2] واچا: ایک مالیاتی باب، صفحہ 218۔

[3] واچا: ایک مالیاتی باب، صفحہ 217۔

[4] ٹائمز آف انڈیا، 14 / جولائی - ۱۸۶

جو سال کے آخر تک جاری بھی رہا[1] لیکن اگلے سال جنوری کے دوسرے ہی ہفتے سے یہ رجحان بالکل واضح طور پر پلٹنا شروع ہوگیا۔ حصوں کی قیمتوں میں اپریل کے آخر تک بتدریج گراوٹ آئی اور اس کے بعد یہ گراوٹ بہت تیز ہوگئی۔ جون 1866 کے آخری حصے تک اس عمارت کا پورا ڈھانچہ ڈھے چکا تھا[2]۔ مہتا کے الفاظ میں اس سراب نے "آنے والی تباہی کی سختی اور اس کے جھٹکے کو کچھ اور زیادہ سخت کردینے میں ہی مدد کی[3]۔" ساٹھ سے زیادہ بیوپاری دس لاکھ روپے سے کچھ اوپر رقم سے بیٹھ گئے[4]۔ صرف چوبیس دلالیوں کی ذمے داریوں کی کُل رقم 19 کروڑ روپے تھی اور باقی کی 7 کروڑ روپے[5]۔

1866 کے آخر تک ان سیکڑوں کمپنیوں میں سے جو امریکی جنگ کے اثرات کے تحت پیدا ہونے والی گرم بازاری کے دور میں اُبھری تھیں، صرف ایک درجن کے قریب باقی رہ سکیں اور یہ بھی "دیوالیہ، عدالت کی طرف سے خاتمے کے باقاعدہ اعلان کا انتظار کر رہی تھیں، "چونکہ ان میں سے کوئی کمپنی بھی اس حیثیت میں نہیں تھی کہ ان پر 80,00,000 پونڈ سے زیادہ مطلوبہ رقم کی ادائیگی کرسکے[6]۔" ملکیتوں اور کمپنیوں کے خاتمے کا سلسلہ 1872 تک جاری رہا۔ دیوالیہ اداروں کی ملکیتوں کی تقسیم کی اوسط شرح ایک فیصدی سے 5 فیصدی تھی، جس سے صاف طور پر یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس دیوانگی کے دوران ان لوگوں نے کس حد تک غیر ضروری طور پر اپنا کاروبار بڑھا لیا تھا۔ پریم چند کی ملکیتوں نے صرف 1½ فیصدی ادائیگی کی، اور 'بی۔ ایچ۔ کاما' کی ملکیت میں سے روپیے میں سے صرف دس آنے سے کچھ زیادہ ادائیگی کی گئی۔ ان صورتوں میں جہاں یہ فیصلے عدالت

---

[1] 'برٹش پالیمنٹری پیپرس': XV، 9-1868۔ انگلینڈ میں لی گئی شہادتوں کی روداد، صفحہ 116، سوال نمبر 3827۔

[2] ملاحظہ ہو حصہ بازار کے کوٹیشن 'ٹائمز آف انڈیا' کیلنڈر اور ڈائرکٹری 1867۔

[3] ایس۔ ڈی۔ مہتا، صفحات 2-31۔

[4] ٹائمز آف انڈیا کیلنڈر 1868، نیز ایس۔ ڈی۔ مہتا۔ ایضاً

[5] واچا: 'ایک مالیاتی باب'، صفحہ 223۔

[6] 'فرینڈ آف انڈیا' (ہفتہ واری) 31/جنوری 1867۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جاسکتا کہ خانہ جنگی دور کے اسپیکولیشن کے کچھ حقیقی فوائد ہی نہیں نکلے۔ حقیقت میں بمبئی کا جو بھی نقشہ یا منصوبہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے باہر ہی کر لیے گئے تھے، ادائیگیاں ان سے کچھ بہتر رہیں۔ ان کی حدیں ایک پونڈ میں 2 شلنگ 6 پینس سے 5 شلنگ تک تھیں۔ 'بینک آف بامبے' نے 5,000 روپے کے مکمل اداشدہ حصے کے لیے صرف 100 روپے ہی واپس کیے۔ ساٹھ بینکوں اور سرمایہ کار اداروں میں سے چند ہی اپنے سرمایے میں سے کچھ حصہ حصے داروں کو ادا کر سکے، جبکہ بہت سوں نے کچھ بھی ادا نہیں کیا۔ 'بیک بے' کے حصے داروں کو ہر ایسے حصے پر جس پر انھیں 5,200 روپے دیے گئے تھے اور جن پر پہلی جولائی کو 55,000 روپے دیا جانا قرار پایا تھا، صرف 1750 روپے واپس دیے گئے[1]

دنیا کے دوسرے مقامات میں بھی بیوپار کے سلسلے میں، اسپیکولیشن ضرور عمل میں آیا ہے؛ لیکن شاید کسی اور آبادی نے اسے اس حد تک آگے نہیں بڑھایا جس حد تک 1864 میں بمبئی نے کیا۔ کسی بیوپاری دیوانگی کا ٹوٹنا بھی اس دیوانگی کی ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ اس کو توڑنے کے لیے کسی بیرونی طاقت یا چوٹ کی ضرورت نہیں ہوتی، حالانکہ یہ بیرونی ضرب اس کو توڑ دینے میں مددگار ضرور ثابت ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیوپاری دیوانگی خود اپنے داخلی اثرات کی وجہ سے ہی ٹوٹتی ہے۔ جیسا کہ 'اکونومسٹ' نے صحیح طور پر اظہارِ خیال کیا تھا: "زر کی پیداوار کی حقیقی اور عملی دشواریوں کا فوری متبادل مفروضہ آسانیوں کو سمجھ لیا جاتا ہے"[2]۔ اسی طرح بمبئی میں جو بیوپاری تباہی پیدا ہوئی وہ امریکی جنگ کے ختم ہو جانے یا روئی کی قیمتیں گرنے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس کے لیے حصوں کی وہ اونچی قیمتیں ذمے دار تھیں جو خود اپنے ہی بوجھ سے بیٹھ گئیں۔ معمولی اور عام زمانے میں بھی بیوپار کے سلسلے میں غیر محدود رجائیت اور خوش فہمی حصوں کی قیمتوں کو آہستہ آہستہ ایک غیر حقیقی حد تک بڑھا سکتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ اس پورے بیوپاری ڈھانچے کا ایک دم بیٹھ جانا ہی ہو سکتا

(صفحہ 156 سے آگے)

آج موجود ہے اس کے متعلق عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا اہم ترین حصہ اسی دور 72-1864 کا ہی ہے۔ ملاحظہ ہو ایس۔ ایم۔ ایڈورڈس 'بمبئی کی ترقی' [رائز آف بامبے] 1902، صفحات 300-279؛ ڈی۔ ای۔ واچا، 'بمبئی میونسپل حکومت کی ابتدا اور نشو و نما' [دی رائز اینڈ گروتھ آف بامبے میونسپل گورنمنٹ] صفحات 9-88 مطبوعہ 1913؛ مارس، 'ایک مزدور طاقت کا ارتقا'، صفحات 20-19

- [1] واچا، 'ایک مالیاتی باب'، صفحات 215 تا 224 (متفرق)

[2] 'ٹائمس آف انڈیا' میں اقتباس۔ 14/جولائی 1865۔

ہے۔ اور اس دور میں جب اسپیکولیشن بہت تیز یا سخت ہوجاتے تو یہ پورا عمل کچھ اور تیز ہوجاتا ہے۔

ان کیفیات کو پوری طرح سمجھنے کے لیے بمبئی میں خانہ جنگی دور کے اسپیکولیشن کو اس سے پہلے کی معاشی ترقی کے ساتھ دیکھنا چاہیے۔

بمبئی بہت کافی عرصے سے ایک بندرگاہ تھی اور 1735 سے یہاں ایک جہاز سازی کا کارخانہ موجود تھا[1]۔ 1818 میں مراٹھوں کی شکست کے بعد سے ہی بمبئی سے ہوکر گذرنے والے جہازوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا تھا۔ وہ چیزیں جو پہلے بھڑوچ اور سورت جیسی بندرگاہوں سے دوسرے ملکوں کی طرف جایا کرتی تھیں اب انھیں بمبئی کی طرف ہی منتقل کیا جانے لگا تھا[2]۔ مغربی گھاٹ سے ہوکر گذرنے والی ایک اہم سڑک کے بن جانے سے 1830 کے بعد داخلی نقل وحمل کے اخراجات میں بھی کمی ہوگئی[3]۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی تجدید کے نتیجے میں ہندوستان کی بین الاقوامی تجارت میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ مندرجہ ذیل گوشوارے سے بمبئی سے کی جانے والی بین الاقوامی تجارت میں اضافے کا اندازہ ہوتا ہے۔

گوشوارہ نمبر 6

بمبئی کے راستے سے اشیاء کی بین الاقوامی تجارت[الف] 10-1809 تا 71-1870

دہائی کے آخر میں سالانہ اوسط (00,000 بڑھاکر) (روپیے)

	درآمدات	برآمدات	کُل
1809-10	7.3	9.8	17.1

---

[1] آر۔ اے۔ واڈیا: بمبئی گودی اور واڈیا ماسٹر بلڈرز [دی بامبے ڈاک یارڈ اینڈ واڈیا ماسٹر بلڈرس] مطبوعہ 1855، صفحہ 176۔

[2] مارس: ایک مزدور طاقت کا ارتقا، صفحہ 15۔

[3] جے۔ ایم میکلین: بمبئی کے لیے گائڈ [اے گائڈ ٹو بامبے] مطبوعہ 1877، صفحہ 08۔ نیز جی۔ ڈولیو۔ گرانٹ: بمبئی کی روئی اور ہندوستانی ریلویز، مطبوعہ 1850، صفحہ 149۔

(الف) یہ گوشوارہ مارس کی 'ایک مزدور طاقت کا ارتقا' صفحہ 14 سے لیا گیا۔ مارس کا ماخذ: ایڈورڈس۔ گزٹیئر [Edwards Gazzeter] I، صفحہ 148۔

1819-20	9.3	10.7	20.0
1829-30	14.9	20.4	35.3
1839-40	19.5	35.1	54.6
1849-50	32.4	49.9	82.3
1859-60	53.9	91.7	145.6

پھر بین الاقوامی تجارت کے ساتھ اس زمانے میں بیوپار میں فائدے بخش سرمایہ کاری اور مزدوروں کے لیے کام کے مواقع میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہاں ایک فوجی سازو سامان کی فیکٹری بھی قایم کی جس میں کارتوس بنانے والے شعبے میں 1823 میں ہی 1,000 آدمی کام کرتے تھے۔[1] اسی سلسلے میں جن اور شعبوں کو براہِ راست فائدہ پہنچا ان میں ایک جہاز سازی کا کارخانہ تھا جو بحریہ کے لیے جہاز بنا تا تھا۔[2] 1847 میں جہاز سازی کا کارخانہ 2,000 افراد کو ملازمتیں فراہم کرتا تھا۔ بندرگاہ اور گودی کی آسانیاں متواتر بڑھتی رہیں اور دفتری اور رہائشی مکانوں کی تعمیر کے لیے نئی زمینوں کو بازیافت کرنا پڑا۔

1836 میں کچھ ہندوستانی اور برطانوی بیوپاریوں نے 'بمبئی ایوانِ تجارت' قایم کیا۔ پہلا جدید ڈھنگ کا بینک — 'بینک آف بامبے' — 1840 میں قایم ہوا۔ 1845 تک دو اور بینک بھی قایم ہو گئے۔ 1847 میں سب ملاکر نو اسٹیمر بھی بمبئی سے چلنے شروع ہو چکے تھے۔ صرف 'بمبئی اسٹیم نیویگیشن کمپنی' ہی — جو ایک اجتماعی سرمایہ کمپنی تھی — ان میں سے پانچ جہاز کراچی، کولمبو اور سورت تک بھیجتی تھی۔ 1851 تک پچیس بیمہ دفتر بمبئی میں کاروبار چلا رہے تھے اور روئی کی گانٹھیں تیار کرنے والے کارخانوں میں سے ایک کارخانہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں 1,000 افراد ملازم تھے۔[3]

---

[1] ایچ۔ اے۔ ینگ 'ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہتھیار اور پیداواری کارخانے' [دی ایسٹ انڈیا کمپنیز آرسنلس اینڈ مینوفیکٹریز] مطبوعہ 1937، صفحہ 202۔

[2] 1829 میں جہاز سازی کارخانے نے درآمد شدہ کچے مال سے لوہے کے اسٹیمر بھی بنانے شروع کر دیے تھے اور 1851 میں اس نے ایک 80 ٹن کا اسٹیمر تیار کر لیا جو پوری طرح مقامی سازو سامان سے بنا تھا۔ ملاحظہ ہو واڈیا، صفحہ 89-269 اور 322۔

[3] 'بمبئی ٹائمز کا کیلنڈر' [دی بامبے ٹائمز کیلنڈر] 1855، صفحہ 99۔

1855 تک کلکتہ، بمبئی اور کچھ دوسرے شہروں میں تار کی لائنیں بھی کھولی جا چکی تھیں[1]۔ ڈاک کی خدمات کی تنظیم بھی موجودہ ڈھنگ پر منظم کر لی گئی تھی[2]۔ اور بمبئی۔ تھانہ کی سب سے پہلی ریلوے لائن کو 1860 میں اتنا بڑھا دیا گیا تھا کہ وہ گجرات اور وسط ہند کی روئی پیدا کرنے والی پٹی تک پہنچ گئی تھی۔

گذشتہ صدی کے آخری نصف سے بمبئی شہر کے اپنے کردار میں بھی، بیوپاری انداز سے صنعتی انداز کی طرف، ایک تبدیلی آنی شروع ہو گئی تھی۔ اس کی معاشی ترقی صرف شہر کی وسعت اور معاشی تنوع کے اعتبار سے ہی حیرتناک نہیں تھی بلکہ تیز رفتاری کے اعتبار سے بھی قابلِ ذکر تھی۔ چھٹی دہائی کے ابتدائی حصے میں بمبئی کی آبادی کے متعلق ماہرین کا خیال یہ ہے کہ یہ 5,00,000 کے آس پاس تھی جصوں کی دیوانگی کے دور 1864 تک، یہ لگ بھگ 8,16,000 تک پہنچ چکی تھی[3]۔ پھر بھی ان مخصوص کیفیات کو جو امریکی خانہ جنگی سے پہلے بمبئی کی معاشی زندگی میں پیدا ہوئی تھیں "معاشی ترقی"[4] کا نام دینا غلط ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ امریکی خانہ

---

[1] بہت طویل تجربوں کے بعد کلکتہ میڈیکل کالج میں کیمسٹری کے پروفیسر ڈاکٹر ڈبلیو۔ بی۔ شاگینسی نے 1851 میں حکومت کی طرف سے یہ منظوری حاصل کر لی کہ کلکتے سے ڈائمنڈ ہاربر تک تجرباتی لائنیں بچھالیں۔ 1852 میں گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے 'کورٹ آف ڈائرکٹرس' کی یہ اجازت بھی حاصل کر لی کہ تار کی خدمات کو لائنیں بڑھا کر کلکتہ اور آگرہ، آگرہ اور بمبئی، آگرہ اور پشاور اور بمبئی اور مدراس تک بڑھا دیا جائے۔ ان لائنوں کا پھیلاؤ 3,050 میل تھا۔ یہ پہلی فروری 1855 کو کھول دی گئی تھیں۔ 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' 1901، صفحہ XXXVI

[2] 1837 تک ہندوستان میں عومی ڈاک کا نظام موجود نہیں تھا۔ حکومت کی طرف سے، خود حکومت کے لیے جاری کردہ کچھ خدمات کو عوام بھی استعمال کر لیتے تھے۔ 1837 میں ایک عوامی ڈاک کا سلسلہ قایم کیا گیا جس پر حکومت کا اجارہ تھا۔ ڈاک ٹکٹوں کا طریقہ، اور فاصلے کی قید بغیر خطوں کی آمد و رفت کے مقررہ نرخ کا طریقہ پہلی بار 1854 کے ایکٹ نمبر XVII کے بعد شروع ہوا۔ اس وقت تک خط کو بمبئی سے کلکتے تک پہنچانے کے لیے ایک روپیہ فی تولہ کے حساب سے پیسہ لیا جاتا تھا۔ 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' 1901، صفحہ XXXVIII

[3] ان اعداد کو کافی احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ 'ایک مزدور طاقت کا ارتقاء' صفحات 13، 19، گوشوارہ نمبر III، صفحہ 20۔

[4] ایضاً، صفحہ 18۔

جنگ نے بھی بمبئی کی معاشیات کو گرم بازاری کی اس حد تک پہنچانے میں پورے دو سال لیے جہاں اسپیکولیشن کی علامات واضح طور پر نظر آنی شروع ہوئیں اور 'ترقی' کا زمانہ مزید ایک سال بعد تک آیا۔[1] دوسری طرف بمبئی کی گذشتہ معاشی تاریخ سے یہی اظہار ہوتا ہے کہ یہاں نہ تو سرمایہ کارانہ جذبے اور رجحانات کا فقدان تھا اور نہ ہی اتنے وسیع پیمانے پر سرمایہ کارانہ مواقع کی کمی تھی کہ ان چیزوں کو بینک کاری میں ضرورت سے زیادہ توسیع کا ذمے دار ٹھہرایا جا سکے۔[2]

آبادی کے اعداد سے اظہار ہوتا ہے کہ 1864 اور 1872 کے درمیانی عرصے میں بمبئی کی آبادی میں 21 فیصدی کی کمی آئی تھی۔[3] لیکن اس کے باوجود بھی یہ کلکتے یا مدراس جیسے شہروں سے زیادہ آباد شہر تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہوں صفحات 143 تا 148۔

[2] ملاحظہ ہو صفحہ 143۔

[3] مارس: ایک مزدور طاقت کا ارتقاء صفحہ 20۔

چھٹا باب

چائے کی صنعت میں گرم بازاری

اس زمانے میں صرف بمبئی ہی ایسا شہر نہیں تھا جو اسپیکولیشن کے اتنے ہیجانی دور سے گذرا ہو۔ کلکتے کو بھی ان بحرانی حالات کا تجربہ ہوا لیکن اس کی حدیں بمبئی کے مقابلے میں کچھ کم تھیں۔

بمبئی کی طرح کلکتے میں بھی حصہ بازار میں 1860ء کے بعد کی دہائی کے پہلے دو برسوں کے دوران حیرت ناک طور پر سکون نظر آیا۔ لیکن اس میں چائے کمپنیوں کے حصے شامل نہیں تھے۔ امریکی خانہ جنگی نے تجارت میں جو بڑھوتری پیدا کی اس کے ابتدائی اثرات کلکتے میں مارچ 1863ء کی آخری تاریخوں میں نظر آنے شروع ہوئے اور اگلے چھ مہینوں میں حصہ بازار میں اسپیکولیشن کا ہیجان اس حد تک بڑھ گیا کہ اُس وقت کے لکھنے والوں کو یہ "ایک خطرناک وَبا"[1] محسوس ہونے لگا۔ جن بیوپاریوں کو "اپنی دوکان سے دولت کمانا مشکل ہو رہا تھا انھوں نے اپنے سرمایے کو" محدود کمپنیوں کے حصہ بازار کی طرف لگانا شروع کر دیا۔[2] بمبئی کی طرح یہاں بھی کمپنیوں کی کمزور اور غیر مستحکم کیفیات پر پردہ ڈال دینے کی غرض سے اُن بڑی کمپنیوں یا ممتاز اور باعزت بیوپاریوں کے ناموں کی آڑ لینے کی کوشش کی گئی جو گرم بازاری ختم ہونے سے پہلے ہی "زبردست پریمیم لینا چاہتے تھے"[3]۔
اِن حالات کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس دور میں وہ لوگ خاص طور پر دولت حاصل کر لینے کے

---

[1] فرینڈ آف انڈیا ۵ اکتوبر 1863ء [2] ایضاً [3] ایضاً

ہوئے بے چینی سے کوشاں نظر آتے تھے۔ جو اس میدان میں طویل عرصے تک کامیابی حاصل کر سکنے کی ذاتی صلاحیت اور لیاقت سے محروم تھے۔ یہ وبا کس حد تک پھیل چکی تھی اِس کا اندازہ "فرینڈ آف انڈیا" میں اِس سلسلے میں شائع ہوئے مواد کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے[1]

"جب ہم روحانی معالجوں کے نام کمپنیوں کے جلسوں کے حاضرین میں ممبر طبقہ پر دیکھتے ہیں۔ . . . خاندانوں کے وہ بزرگ جو زر کے بازار کی کیفیات سے بالکل انجان اور بے بہرہ تھے۔ جب وہ ایک محدود کمپنی کے حصّوں کو بیچ کر دوسری کمپنی کے حصوں کی فکر میں جاگ جاگ کر راتیں گذارتے نظر آتے ہیں، تو ہمیں اپنے تنبیہی الفاظ ایک بار پھر دہرانے پر مجبور ہونا پڑتا ہے"

بیوپاری کاروباروں کو "محدود کمپنی" میں بدل دینے کا خیال ہندستان کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں کلکتے میں ہی کیوں اتنا مقبول ہوا اِس کی وجہ وہاں کے بیوپاری طبقے کی نسلی ساخت میں مضمر ہے، جس میں دوسرے شہروں کے مقابلے میں یوروپی افراد زیادہ شامل تھے۔ اِس کا اظہار اس دور کی وہاں کی مقامی ڈائرکٹریوں سے ہوتا ہے[2]۔ چونکہ ان یوروپی افراد کو حصوں کی بنیاد پر قایم شدہ تنظیموں کے فوائد کا زیادہ بہتر طور پر علم ہوگا اِس لیے یہ بات بھی قدرتی ہوگی کہ یہ اِن فوائد کو حاصل کرنے کے بھی خواہش مند ہوں۔ بہر حال اکتوبر 1863ء تک اِن میں سے زیادہ تر کمپنیاں یا تو بیٹھ چکی تھیں یا اُس حد پر پہنچ چکی تھیں جہاں اِن کا خاتمہ یقینی تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ ایسی کمپنیوں کے حصّے، جنھوں نے نجی بیوپار سے کمپنیوں کی شکل اختیار کر لی تھی، اتنی تیزی سے ناقابلِ فروخت ہو گئے تھے کہ بعض صورتوں میں تو خود اسپیکیولیٹروں کو بھی نقصان اٹھانا پڑا تھا، اور اس سے پہلے کہ وہ اِس بوجھ کو دوسروں کے کندھوں پر منتقل کر سکیں "یہ حصّے اُنہی کے ہو کر رہ گئے تھے"[3]

لیکن اِس سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا بھی صحیح نہیں ہوگا کہ بیوپاری کمپنیاں بالکل ہی ختم ہو گئیں

---

[1] فرینڈ آف انڈیا، 8 اکتوبر 1863ء۔
[2] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو تھیکر کی شائع کردہ ڈائرکٹری۔
[3] فرینڈ آف انڈیا، 8 اکتوبر 1863ء۔

تھیں۔ یہ بات یقیناً حیرت ناک ہوتی کہ ملک کی بڑھتی ہوئی خوش حالی کے ساتھ ساتھ کچھ بیوپاری لوگ کمپنی تنظیموں سے حاصل ہونے والے فوائد کو محسوس کرنے کے باوجود، اپنے بیوپاروں کی توسیع کے متعلق نہ سوچتے۔ لیکن کمپنیوں کی اُٹھان کی رفتار صرف اسپیکولیشن کا عنصر کم ہو جانے سے ضرور مدھم پڑ گئی، یا شاید اس کا رجحان زیادہ فائدے مند میدان یعنی چائے کمپنیوں کے حصوں کی طرف ہو گیا۔ 1866ء میں ایک بار پھر بیوپار میں دل چسپی بڑھی اور اس سال کے دوران متفرق تجارتی کمپنیوں کے اندراج کی تعداد جو 1863ء کی بارہ کمپنیوں سے گھٹ کر 1867ء میں صرف تین رہ گئی تھی، اب پھر آٹھ تک پہنچ گئی۔[1]

لیکن یہ حالات بہر حال اسپیکولیشن کی اس گرم بازاری کے ایک بہت معمولی سے رُخ کا اظہار کرتے ہیں جو 1863ء میں شروع ہوئی تھی اور اسی زمانے میں چائے کی صنعت میں جو نئی اور زیادہ اہم صورتیں پیدا ہو رہی تھیں انھوں نے ان اثرات کو بہت حد تک دبا لیا تھا۔

1859ء میں چائے کی صنعت میں صرف ایک کمپنی موجود تھی ــ 'آسام ٹی (چائے) کمپنی'۔ جو حصوں کی بنیاد پر برطانیہ میں قائم ہوئی تھی۔ لیکن 1865ء تک ہندستان میں باسٹھ کمپنیاں درج کروائی جا چکی تھیں۔[2] اتنی غیر معمولی اور فوری تبدیلی کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ہندستان میں چائے کی کاشت کی تاریخ کا تھوڑا بہت جاننا بھی کسی قدر ضروری ہے۔

ہندستان میں برطانوی حکومت کی ابتدا سے پہلے بروس نام کے دو اسکاٹ منچلوں نے آسام میں سکونت اختیار کی تھی۔ یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ ان دونوں بھائیوں میں سے کس نے وہاں چائے کا پودا دریافت کیا تھا، لیکن عام طور پر اس کا سہرا چھوٹے بھائی کے سر ہی مانا جاتا ہے۔

لیکن اس دریافت کا فائدہ بہر حال اُس وقت تک نہیں حاصل کیا جا سکا جب تک 1833ء میں چین کے ساتھ چائے کی تجارت میں 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کا اجارہ ختم نہیں ہو گیا۔ اگلے سال 'کمپنی' نے ہندستان میں چائے کی کاشت شروع کیے جانے کے سلسلے میں چھان بین کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا۔ 1837ء میں متعدد کوششوں اور غلطیوں کے تجربات کے

---

[1] ملاحظہ ہو گوشوارہ 9 [2] ضمیمے 6 اور 8 ملاحظہ ہوں۔

بعد آسام کے سرکاری تجرباتی باغات سے چائے کے کچھ نمونوں نے لندن میں اتنی زیادہ قیمت حاصل کی کہ اس کے نتیجے میں برطانیہ اور ہندوستان کے کچھ سرمایہ داروں کی توجہ مبذول ہوگئی۔[1] چنانچہ دو کمپنیاں قائم کی گئیں۔ کلکتے کی 'بنگال ٹی ایسوسی ایشن' اور لندن کی 'آسام ٹی کمپنی'۔ ان کا مقصد سرکاری تجرباتی باغوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر آسام میں چائے کی کاشت کرنا تھا۔ لیکن چونکہ بیوپاری میدان بہت محدود تھا اور بڑا سرمایہ ابھارنے کے لیے لندن میں زیادہ آسانیاں موجود تھیں اس لیے 1839ء میں ہندوستانی کمپنی کو 'آسام کمپنی' میں ضم ہوجانے کے لیے رضامند کرلیا گیا۔ اس کے بعد 'آسام کمپنی' نے سرکاری تجرباتی باغوں کا دو تہائی حصہ حاصل کرلیا[2] اور اس کے معاملات میں کافی دلچسپی لینا شروع کردی۔ کچھ عرصے تو حالات کی رفتار صحیح محسوس ہوئی لیکن چند ہی برسوں میں زبردست بدانتظامیوں، چائے کی کاشت میں ناتجربے کاریوں اور فضول خرچیوں نے حالات اتنے خراب کردیے کہ اس کمپنی کے حصے جو کسی زمانے میں بیس کراؤن کے تھے، آدھے کراؤن[3] میں بھی نہ بیچے جاسکے۔ لیکن 1853ء میں کچھ بہتر مینیجمنٹ کی وجہ سے قیمت پھر بڑھ گئی اور اگلے سات سال کے اندر زیرِ کاشت علاقہ 4000 ایکڑ تک پہنچ گیا، جس کی سالانہ پیداوار 7,60,000 پاؤنڈ تھی۔[4] 1859ء تک اس کے تمام کارخانے پورے انہماک کے ساتھ کام میں مصروف تھے اور اس کے حصوں پر پریمیم کافی بڑھ گیا تھا۔[5]

اسی دوران 1849ء میں حکومتِ ہند نے اپنے تجرباتی باغات کا باقی ایک تہائی حصہ بھی اپنے ایک چینی ملازم کے ہاتھ بیچ دیا۔[6] اس طرح اس کے بعد سے چائے کی صنعت کی ترقی کا انحصار مکمل طور پر صرف نجی سرمایہ کاری پر رہ گیا۔

اس صنعت میں کسی حد تک مقابلہ بھی شروع ہوا۔ 1855ء میں کچھار میں چائے کی

1۔ 'بنگال میں چائے کی صنعت سے متعلق مضامین' (پیپرس رگارڈنگ ٹی انڈسٹری ان بنگال) ملاحظہ ہو ایکر کا خط
2۔ انٹروبس 'آسام'۔ 3۔ یہ صورت 1846ء میں تھی۔ ایضاً صفحات 413-5
4۔ فرینڈ آف انڈیا، 9 جون 1879ء۔
5۔ 1859ء میں سب سے اونچی قیمت 1 3 پونڈ 5 شلنگ لگائی تھی۔ انٹروبس۔ آسام۔
6۔ فرینڈ آف انڈیا 9 جون 1874ء۔

قدرتی پیداوار کا علم ہوا۔ سلہٹ بھی اس پیداوار کے بازار میں داخل ہوا لیکن یہاں اس کی باقاعدہ کاشت کی کوشش شروع کرنے میں خاصہ وقت لگ گیا۔ اصل میں کرنل ہینے کی کامیابی نے نجی سرمایہ کارانہ کوششوں کی بہت ہمت افزائی کی 1850ء کے آس پاس کرنل ہینے ڈبروگڑھ میں ایک نجی چائے باغ کا مالک تھا۔ 1853ء تک ایسے صرف نو باغات موجود تھے لیکن 1859ء تک ان کی تعداد 50 سے کم نہیں تھی[1]۔ آسام کمپنی کے علاوہ جوپ ٹاؤن ایسوسی ایشن لمیٹڈ جو 6، فروری 1858ء کو کلکتے میں درج کرائی گئی تھی اور جس کا کل ادا شدہ سرمایہ 3,05,950 روپے تھا، دوسری اکیلی ایسی اجتماعی سرمایہ کمپنی تھی جو چائے کی کاشت میں مصروف تھی۔ یہ بات کسی قدر حیرت ناک ضرور ہے کہ دفتری شماریات[2] کے علاوہ اس دور میں کہیں اس کمپنی کا ذکر نہیں ملتا۔

1862ء کے آخر تک برطانیہ اور ہندستان میں رجسٹر کرائی جانے والی کمپنیوں کی تعداد مندرجہ ذیل تھی۔

سال	ہندوستان	برطانیہ
1857 اور اس سے پہلے	–	1
1858	1	–
1859	5	2
1860	4	–
1861	9	2
1862	5	5
کل	24	10

چائے کی صنعت میں اس تیز اُٹھان کی وجہ سے بہت زیادہ منافع کمانے کی امیدوں میں اضافہ ہوا۔ اس سلسلے میں 1862ء کے آخر تک جو حالات رونما ہوئے وہ کافی صحت مند تھے[3] اور اُن کمپنیوں کی اچھی کارگذاریوں کے نتیجے میں۔ جنھوں نے نجی باغات کو خرید

---

[1] ایضاً [2] برطانوی ہندستان کے لیے شماریاتی گوشوارے 1883ء۔
[3] دفرینڈ آف انڈیا، 9 جون 1874ء۔

کر حاصل کیا تھا اور عاقبت اندیشی بھی اِن کی کارگزاریوں کی ایک خصوصیت تھی۔ 1866ء کے بحران کے دور میں بھی یہ کمپنیاں ثابت قدم رہیں اور اسے کامیابی سے جھیل سکیں۔

1863ء سے 1865ء تک کے درمیانی عرصہ میں بیکار زمینوں کے حصول کے لیے ایک ناعاقبت اندیشانہ دوڑ سی جاری رہی۔ ابھی زمین کو جھاڑ جھنکاڑ سے صرف صاف ہی کیا جا رہا تھا کہ اسپیکولیٹر ایک کمپنی کی تشکیل کا کام شروع کر دیتا جو "ایسی زمین کو بالکل چائے باغوں کے روپ میں خریدنا شروع کر دیتی جس کی صفائی کا کام بھی اُس نے پورا نہ کیا ہوتا اور جو ابھی اتنی ہی بیکار ہوتی کہ اسے قابل کاشت بنا لینا ممکن نہ ہوتا، یہ بھی اس قیمت پر خریدی جاتی جو اُن تناسبوں سے بہت زیادہ ہوتی۔۔۔ جن کے لائق یہ سمجھی جاسکتی تھی[1]" اس میں بھی شک نہیں کہ زمینوں کی خرید کے لیے ایک دم شروع ہونے والی یہ دوڑ، بیکار زمینوں کی خرید کے سلسلے میں لارڈ کیننگ کے جاری کردہ قواعد میں دی گئی کسی قدر ڈھیل کا نتیجہ تھی جن کے عائد کرنے کے سلسلے میں حکومت کے افسروں نے کچھ اور بھی زیادہ فراخدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اِن قواعد نے کلکتے کے بہت سے اسپیکولیٹروں کے لیے اس میدان میں ایک دم کود پڑنے کی ترغیب فراہم کر دی جسے "فرینڈ آف انڈیا" نے کمپنی کے اجراء کے سلسلے میں "نازک عمل[2]" سے تعبیر کیا تھا۔ اِس ترقی کی رفتار کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:۔

سال	درج کرائی جانے والی کمپنیوں کی تعداد	
	ہندستان (الف)	برطانیہ (ب)
1863	23	9
1864	10	6
1865	5	5
کل	38	20

[ماخذ: (الف) برطانیہ ہندستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، 1883ء
(ب) ملاحظہ ہو ضمیمہ 6

[1] فرینڈ آف انڈیا، 9 جون 1874ء۔ [2] ایضاً۔

بہر حال حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر صورتوں میں اِن کمپنیوں کے اجراء کرنے والوں کی غلط رہنمائی اِن کے اُن ایجنٹوں نے کی تھی جو اُن زمینوں یا اُن علاقوں میں موجود تھے۔ ان لوگوں نے دو یا تین یا اچھے باغوں کو تین یا چار جنگلی قطعوں میں ملا کر اُن کی حقیقی قیمت سے تین یا چار گنے داموں پر کمپنی کو بیچ دیا ایسی صورتوں میں ـــ اور جیسا کہ زیادہ تر دیکھی جا سکتی تھیں ـــ جب اِن کمپنیوں کے اجراء کرنے والوں اور ان کے ایجنٹوں کی نیتیں صاف ہوتیں، تب بھی ان کے پاس اُس پیشہ ورانہ صلاحیت اور معلومات کا فقدان ہوتا جس سے یہ لوگ طے کر سکتے کہ کون سی زمین چائے کی کاشت کے لیے اچھی ہے اور کون سے پودے کسی خاص زمین کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ اس طرح کمپنیاں لندن اور کلکتے کے بازاروں میں جاری کی جاتیں اور اِن کے حصوں کو بیچنے والے بہت سے خوش نصیب لوگ اِن رقموں کو لے کر انگلینڈ واپس لوٹ جاتے[1]

بیوپاری جنون روز بروز بڑھتا چلا گیا اور زیادہ باہمت منچلوں نے عوام کو اُن 'باغات' پر سرمایہ لگانے پر تیار کرنا شروع کر دیا جن کا حقیقت میں وجود نہیں تھا۔ مثال کے طور پر ٹوگونگ میں ایک ملکیت دو حصوں میں بیچی گئی۔ ایک حصہ 60,000 پونڈ کا تھا۔ ان میں سے ایک حصّے کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ یہ دو سال پرانے پودوں کے زیر کاشت 1000 ایکڑ کا قطعہ ہے۔ جس وقت لندن میں یہ فروخت عمل میں آئی، حقیقت میں یہاں کچھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہی زیر کاشت تھے۔ لندن سے ایک تار ہندستان میں موجود منیجر کو بھیجا گیا کہ ایک متعینہ قطعے کو صاف کروا کر ایک مقررہ مدت تک اس میں پودے لگائے جائیں۔ کمپنی کا کاروبار بھی ڈائرکٹروں کے بورڈ کے تحت دو فصلوں تک چلتا رہا۔ اِن ڈائرکٹروں میں سے ایک بیچنے والا بھی تھا جو اِس بورڈ کا سربراہ تھا۔ اُس کے بعد اِس ملکیت کو ختم کر دیا گیا[2] ہے۔ ڈبلیو ایڈگر (J.W. EDGAR) جو حکومتِ ہند کے زراعتی شعبے کا سکریٹری تھا اس نے لکھا تھا کہ کچھار کے چائے کے کاشتکاروں کا قول کچھ ایسا تھا کہ جس سے اس کا یقین پوری طرح نہیں ہو پاتا تھا کہ یہاں چائے کی صنعت فائدہ دے گی بھی یا نہیں۔

---

[1] فرینڈ آف انڈیا، ۲ مئی 1866ء۔

[2] ملاحظہ ہو جے۔ ڈبلیو جیمسن کی شہادت، 1868ء میں آسام، کچھار اور سلہٹ میں چائے کی کاشت کی

لیکن بہر حال باغات کو تیار کرنے کے سلسلے میں کوئی شبہ یا تذبذب نہیں تھا، یہ باغات اصل میں فروخت کے لیے تھے کاشت کے لیے نہیں تھے۔

اس پورے کاروبار کا طریقہ کار کچھ اس طرح تھا کہ بیکار زمین کو بہت ہی معمولی قیمت پر خرید ا جاتا تھا، اس پر چائے کے پودے لگا کر اسے اس قیمت پر بیچ دیا جاتا تھا کہ جس سے بیچنے والے کو اپنے اخراجات پر بہت سی صورتوں میں ایک ہزار فی صدی منافع ہو جاتا تھا۔ ای مَنی (E. MONEY) نے 'چائے پر مقالہ' میں — جس پر 1872ء میں 'گرانٹ گولڈ میڈل' بھی دیا گیا تھا — اظہار کیا تھا کہ اس زمانے میں چالیس ایکڑ کا ایک چھوٹا سا باغ زر کے متلاشی دیوانوں کو دو سو ایکڑ کا کر کے بیچا جاتا تھا۔ "میں مذاق نہیں کر رہا" اس نے لکھا تھا "ایسا بار بار کیا جاتا تھا، پھر اس کی جو قیمت ادا کی جاتی وہ معروضہ قطعے کے تناسب سے بہت زیادہ ہوتی۔ ایسے باغات کے لیے بہت سی صورتوں میں دو یا تین لاکھ روپے ادا کیے گئے ہیں جو دو سال سے زیادہ پرانے نہیں تھے اور ان میں بھی چالیس فیصدی حصہ خالی ہوتا تھا" معاوضے کی ادائگی تمام صورتوں میں نقد نہیں ہوتی تھی۔ کم از کم ایک صورت میں — اور ایسی بہت سی صورتیں ضرور ہوں گی — خرید کی ساری ادائگی قرض ناموں (ڈبینچر) کی شکل میں کی گئی تھی۔

'فرینڈ آف انڈیا' کا مندرجہ ذیل اقتباس اس گڑبڑ کی ایک اور مثال ہے اور اُس بد احتیاطی کا اظہار کرتا ہے کہ کس انداز سے اِس زمانے میں کمپنیاں جاری کی جاتی تھیں:۔

"زمین کو اس کے معیار یا مناسبت پر غور کیے بغیر موٹے موٹے طور پر صاف کر دیا گیا،
اس کی اونچائی یا چائے کی کاشت کے لوازمات و ضروریات پر بھی نگاہ نہیں رکھی گئی . . .
اس ملکیت کو لندن یا کلکتے کے بازاروں میں ایک ایسی 'اچھوتی زمین' کے نام سے پیش کیا
گیا جسے بڑی احتیاط کے ساتھ چنا گیا تھا، جو کلکتے سے صرف چھتیس گھنٹے کی مسافت

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) کیفیات اور مستقبل کی امیدوں کے متعلق معلومات کرنے کے لیے مقررہ کمیشن کی رپورٹ (۸) صفحات IX VII۔

[1] چائے کی صنعت کے متعلق مضامین (سابقہ حوالہ)

[2] ایضاً

[3] کمیشن کی رپورٹ، وغیرہ ضمیمہ A صفحہ xix x اور یو، نڈ، اے، ایچ گبس کی شہادت (متفرق)

کی دوڑ دی پر واقع تھی اور جسے چوبیس گھنٹے میں بھی طے کیا جا سکتا تھا... کہیں سے بھی جمع کیے گئے چائے کے نمونوں نے اس کے بہترین ہونے میں کوئی مزید شبہے کی گنجائش نہیں چھوڑی... ممتاز اور باحیثیت افراد نے، خواہ ان کے کردار اتنے بلند نہ بھی ہوں، اس جھوٹ کی تصدیق کر دی اور تیزی سے منافع کما لینے کی خواہش میں اسپیکولیٹروں کی حمایت کر دی... 'دی گریٹ چیتم ٹی کمپنی لمیٹڈ' ایسی اور بہت سی مثالوں کی طرح، اس عظیم الشان ملکیت کے گزشتہ مالک کو 20,000 سے 30,000 پونڈ معاوضہ دینے کے بعد، جلدی ہی جاری کر دی گئی۔"[1]

اور پھر اسی پر اکتفا نہیں ہوا۔ بڑے بڑے تنخواہ دار منیجر اور ان کے ماتحت بڑے بڑے عملے اُن ملکیتوں کی دیکھ بھال کے لیے بھیج دیے گئے جن کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ ڈائرکٹر اپنے حصے داروں کو اس طرح مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ چائے کا کم سے کم آدھے درجن پودوں کا کام دے، چونکہ حصے داروں کی طرف سے زیادہ سے زیادہ پیداوار دینے کی مانگ مستقل بڑھ رہی تھی۔ منیجر اپنی چھوٹی مشینوں کو بچانے کے لیے طرح طرح کی بدعنوانیوں اور بد اعتدالیوں کا سہارا لیتے تھے۔"پودے کا ایک پتا بچا لیتے اور ممکن ہوتا تو شاید چائے کے پودے کی لکڑی کو بھی کشتا کر اس میں شامل کر دیتے"[2] اُن کا مقصد صرف ایک تھا کہ کسی نہ کسی طرح گھٹیا چائے کے پتوں اور ڈنٹھلوں کی ایک مقررہ مقدار جمع کر کے اُن پر بغیر سوچے سمجھے 'فلیوری پیکو' یا 'پوہیا' کا لیبل لگا دیا جائے خواہ 'فرینڈ آف انڈیا' کے الفاظ میں"ان میں سے کوئی بھی اتنی ہی قریب ہو جتنی مونگ پھلی کے دانے بہترین موکھا کافی سے مشابہت رکھتی ہے"[3] ظاہر ہے اس سے صرف چائے کی قیمت میں ہی اتنی گراوٹ نہیں آئی کہ بعض صورتوں میں اس کی بار برداری کا خرچ اس کی قیمت سے زیادہ ہونے لگا بلکہ خود چائے کے پودے بھی بہت زیادہ چنے جانے کی وجہ سے خراب اور تباہ ہو گئے۔[4]

ان کمپنیوں نے، جن کی بنیادیں ہی غلط رکھی گئی تھیں اور بھی بہت سی خرابیاں پیدا

---

[1] فرینڈ آف انڈیا 18 جولائی 1867ء [2] ایضاً۔ [3] ایضاً [4] ایضاً
[5] ایضاً۔

کیں. جب یہ پوری عمارت گری تو بہت سے انگریز جنھیں اِن کمپنیوں کے انتظامیہ کے لیے ہندستان بھیجا گیا تھا، اِس تباہی کے بعد بالکل پھنس کر رہ گئے اور بعض صورتوں میں تو ان کو کھانے پینے تک کے لالے پڑ گئے۔ اِن میں سے کچھ تو یہیں مر کھپ گئے اور کچھ پیسے مانگ مانگ کر آسام سے باہر نکل سکے. مقامی مزدور چائے کے باغات سے دوسری طرف منتقل ہو گئے اور ایسی چائے کمپنیوں کو جو فی الحقیقت پیداوار میں مصروف تھیں کر توڑ لاگت پر بنگال سے مزدور درآمد کرنے پڑے۔ لاگت میں یہ اضافہ، بیجوں کی قیمت میں اضافے کی وجہ سے، بہرحال کسی حد تک پورا بھی ہوا، لیکن منافعے کا یہ ذریعہ بھی جلدی ہی بند ہو گیا اور دوسری طرف مزدوروں کی فراہمی کی حالت پہلی سی ہی رہی۔ مزدوروں کی مانگ بہت زبردست تھی[1] فرینڈ آف انڈیا' نے لکھا تھا کہ کلکتے میں بھرتی کرنے والوں نے "مانگ کو پورا کرنے کے لیے شہر کی گندی گلیوں تک کو کھنگال ڈالا، لنگڑے، لولے اندھے، پاگل بیمار، غرض جیسے بھی ملے، اگر رینگ بھی سکتے تھے، تو انھیں آسام بھیج دیا گیا ہے. جہاں کے باغات زیر کاشت قطعات کی بجائے کھلی ہوا کے اسپتال زیادہ لگنے لگے[2] لیکن صرف چائے کمپنیاں ہی اِس پریشانی کو نہیں جھیل رہی تھیں، خود قلیوں کی اپنی پریشانیاں بھی بیان سے باہر تھیں. اپنے نئے گھروں کی طرف اس طویل سفر کے دوران، یہ مصیبت زدہ مخلوق مکھیوں کی طرح مرتی تھی، ان میں سے مضبوط ترین جسم والے لوگ جنت تک پہنچ جاتے تھے، اور یہ بھی یہاں پہنچ کر کام آ جاتے تھے[3] ایک موقعے پر تو فرینڈ آف انڈیا' نے لکھا تھا: "ایک چائے اسٹیٹ میں موت کی شرح اتنی زیادہ تھی کہ اُس کا منیجر اپنے پیچھے بغیر جلی لاشوں کے ڈھیر اور کتنے ہی لوگوں کو ہر قسم کی طبی امداد سے محروم دم توڑتے ہوئے، چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا[4] اسی موضوع پر 'آسام چائے کاشت پر مقرر شدہ کمیشن' نے لکھا: "عملی اعتبار سے مزدوروں کی فراہمی کے کام کو بھی کسی مقامی سپلائر اور چائے کے کاشتکار کے درمیان، ایک معمولی بیوپار ہی سمجھا جاتا تھا۔ اِس سلسلے کے سارے فریق اپنی ہر قسم کی ذمے داری کو اُس وقت ختم سمجھ

---

[1] کمشنروں کی رپورٹ، وغیرہ و متفرق،
[2] فرینڈ آف انڈیا 9 جون 1874ء [3] ایضاً۔
[4] 'فرینڈ آف انڈیا' 9 جون 1874ء۔

لیتے تھے جب زندہ لوگوں کو کنارے پر اتار دیا جاتا اور مردوں کی تعداد کل تعداد میں سے گھٹا دی جاتی تھی۔[1]

اسپیکولیشن کے ہیجانی دور کی ابتدا میں مستقبل کے حالات بہت روشن نظر آرہے تھے چنانچہ تازہ قائم شدہ چائے کمپنیوں کے ڈائرکٹروں نے کمپنی کی مالیات کے ساتھ انتہائی فراخدلانہ اور آنادانہ رویہ اپنایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس وقت جب چائے اِلیسٹیٹ کا بڑا حصہ ابھی پوری طرح صاف بھی نہ ہوا ہوتا یا اُس میں ابھی بالکل تازے ہی پودے لگے ہوتے ایک نیم تعمیر شدہ ریلوے لائن کو آڑ بنا کر، خود سرمایے میں سے ہی منافعے تقسیم کرنے شروع کر دیے جاتے، جو اسٹرلنگ کمپنیوں میں 5 فی صدی سے 15 فی صدی تک ہوتے۔ 15 فی صدی منافع ہندستانی حصے داروں کو مطمئن کرنے کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ظاہر ہے اِس طرح کمپنی کا سرمایہ ختم ہو رہا تھا۔ تنخواہیں بڑھ رہی تھیں اور گھٹیا ایجنٹوں کے ہاتھوں گھٹیا زمینیں استعمال میں لائی جا رہی تھیں۔ اِن حالات میں ایک بحران پیدا ہو جانا ایک لازمی امر تھا۔ اس بحران میں زر کی اُس قلت سے کچھ اور شدت پیدا ہو گئی جس کی مثال اِس سے پہلے کبھی نظر نہیں آئی تھی۔ 1866ء کے ابتدائی حصے میں جس وقت بیوپار عام طور پر نسبتاً تیز تھا اور لندن، پیرس، کلکتے اور بمبئی کے بازاروں میں زر کی مانگ چڑھی ہوئی تھی، اُس وقت بینک آف بنگال، کی کٹوتی کی دَر، کلکتے میں ۱۷ اپریل 1866ء کو ۱۵ فی صدی تک چڑھ گئی، جو ہندستان کی تاریخ میں اب تک کی سب سے اونچی شرح تھی۔[2] اسی سال آگرہ بینک کے بیٹھ جانے سے زر کی صورتِ حال میں اور خرابی پیدا ہو گئی۔

چنانچہ ۱۶ فی صدی پر قرض لیے گئے سرمایے سے — بشرطیکہ یہ مل بھی جاتا — ۱۰ پونڈ فی کس ادا کر کے آسام میں قلیوں کو درآمد کرنا ناممکن ہو گیا۔ چائے میں زیرِ کاشت زمین آہستہ آہستہ جنگلوں میں تبدیل ہوتی چلی گئی اور بعض صورتوں میں چائے کے باغات کو بالکل بند ہی کر دینا پڑا۔ کچھ اسپیکولیٹر موجودہ حالات کے تحت اپنے منافعوں تک کو خرچ کرنے پر مجبور ہو گئے اور کچھ عدالتی مقدمات میں پھنس گئے، جن میں کچھ مصالحت ہی بہتر راستہ نظر آیا۔

---

[1] کمشنروں کی رپورٹ وغیرہ صفحہ 25۔ [2] فرینڈ آف انڈیا، ۱۷ مئی 1866ء۔
[3] ایضاً۔ 3 جنوری 1867ء۔

راڈ یتھ کمپنی، جو اپنے بنیادی سرمایے کا صرف چوتھا حصّہ ہی حاصل کر سکی، اس دور کے بیوپاری منڈے کا بخوبی اظہار کرتی ہے اور اس کی مثال اپنی قسم کی واحد یا بدترین بھی نہیں کہی جا سکتی۔ اس سے کچھ پہلے، نسبتاً پرانی کمپنیوں نے اس بحران کو کچھ پہلے سے محسوس کرتے ہوئے، اس امید پر اپنے سرمایہ کھاتے کچھ عرصے کے لیے بند کر دیے کہ اگر ان کے حصّے داروں نے کچھ صبر و سکون سے کام لیا تو وہ کچھ عرصے بعد اپنے کاروبار کو زیادہ سود مند طور پر شروع کر لیں گے[1]۔

چائے کی صنعت مئی 1866ء میں بیٹھ گئی اور حصّے داروں نے اعتماد کی کمی کی وجہ سے اپنے حصّوں کی ملکیتوں کو جو قیمت بھی ملی، اُس پر بہت تیزی سے بیچ دیا اور اس طرح اس بحران میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔ 12 جولائی 1866ء کو اخباروں میں درج پچھتر مختلف قسم کی کمپنیوں کی فہرست میں صرف سات کے حصّوں پر پریمیم باقی تھا۔ دس ہم سطح تھیں اور اٹھاون کمپنیوں کے حصّوں پر کٹوتی لگ رہی تھی۔ بیوپاری (کمرشیل) مد میں آنے والی کمپنیوں کے ہر حصّے کی کل ادا شدہ قیمت ــــ اُن کمپنیوں کو چھوڑ کر جن کا شمار 'دیوالیہ' کے تحت ہوتا تھا ــــ 113ر13 روپے تھی، جبکہ اس دن اُس کی قیمت 117ر10 روپے آتی تھی یا دوسرے الفاظ میں اوسطاً ان پر 33 فیصدی کٹوتی لگ رہی تھی۔ اسی طرح اس فہرست میں چائے کے حصّوں میں ایک حصّے کی کل لاگت ــــ اُن حصّوں کو چھوڑ کر جن کی قیمت برائے نام تھی ــــ 37ر6 روپے بنتی تھی، جبکہ فی الوقت ان کی قیمت صرف 5.496 روپے لگ رہی تھی، جس کا مطلب تھا کہ ادا شدہ سرمایے میں 17 فی صدی کی گراوٹ آ چکی تھی[2]۔ بمبئی کے بحران کے مقابلے میں، اور اس بد احتیاطی اور غفلت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جس کے ساتھ چائے کمپنیوں کو جاری کیا گیا تھا، یا جس بے فکری سے ان کا انتظام چلایا گیا تھا، حصّوں کی قیمت کی گراوٹ سے اس بحران کا جس حد تک اظہار ہوتا ہے وہ حیرت ناک طور پر کم ہے۔

کچھ برسوں کے دوران حصّوں کی قیمتوں کے رجحان سے اس دور کے منافعوں اور نقصانات کی زیادہ بہتر تصویر ابھر آتی ہے اور اسپیکولیشن دور کی گرم بازاری اور ہلچل کی رفتار کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل گوشوارے میں اُس وقت کے عام حالات کے اظہار

---

[1] 'فرینڈ آف انڈیا'، 17 مئی 1866ء۔

[2] 'فرینڈ آف انڈیا'، 12 جولائی 1866ء۔

کے لیے تین کمپنیاں چنی گئی ہیں۔ اُن میں سے "آسام کمپنی" جو 1839ء میں قائم ہوئی تھی سب سے اچھی ساکھ کی مالک تھی، باقی دو کمپنیاں مئی 1863ء میں قائم ہوئی تھیں۔ اِن حصوں کی قیمتیں مئی اور نومبر کے درمیانی حصے سے تعلق رکھتی ہیں۔

گوشوارہ نمبر 7 (الف)

تین چائے کمپنیوں کے حصوں کی قیمتیں 67-1863ء

	کمپنی کا نام		
	"آسام"	"سنٹرل کچھار"	"بشوناتھ"
اداشدہ قیمت (روپیوں میں)	200	200	200
(بازار کی قیمت)			
1863 نومبر	520	370	260
1864 مئی	530	300	235
نومبر	530	310	230
1865 مئی	528	250	250
نومبر	595	240	225
1866 مئی	490	200	190
نومبر	390	130	130
1867 مئی	300	85	112
نومبر	150	55	80
(اداشدہ قیمت کا فی صد)			
سب سے اونچی	292 (فی صد)	185 (فی صد)	130 (فی صد)
سب سے نیچی	75 (فی صد)	27 (فی صد)	40 (فی صد)
نومبر 1868ء میں	190 (فی صد)	65 (فی صد)	65 (فی صد)

[(الف) ماخذ: "فرینڈ آف انڈیا" حصہ بازار کی رپورٹیں (متفرق)]

گرم بازاری کا نقطۂ عروج 1863ء کے تیسرے سہ ماہے میں پہنچا۔ 1864ء میں قیمتیں

تھوڑی بہت آتریں ضرور، لیکن پھر بھی پورے 1864ء اور 1865ء کے برسوں کے دوران عام طور پر چڑھی ہی رہیں۔ مئی 1866ء تک بازار دب چکا تھا، لیکن اس کے بعد بھی ایک عرصے تک گراوٹ کے آخری نقطے تک نہیں پہنچا۔ عام رجحان سے جو تھوڑا بہت فرق "آسام کمپنی" کے سلسلے میں نظر آتا ہے وہ بھی اس وجہ سے تھا کہ اس کمپنی نے 1865ء کے آخری نصف حصے میں 52 فیصدی منافعے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن حصہ بازار اگلے سال کے دوران رونما ہونے والے حالات اور معاشی امیدوں کو پوری طرح سمجھنے میں ناکام رہا۔ حصوں کی قیمت میں عام گراوٹ کے باوجود "آسام کمپنی" کے حصوں کی قیمت میں اضافے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حصہ بازار اب بھی اچھے منافعے کی امیدیں لگائے بیٹھا تھا۔ مگر جیسے ہی کمپنی نے 1867ء میں منافعے کا اعلان کیا تو اس کے حصوں کی قدر میں فوراً تیز گراوٹ پیدا ہو گئی، جو اس کے نومبر کے کوٹیشنوں سے ظاہر ہو جاتا ہے[1]

منافعے کی ادائیگیاں اِس بحران کی حقیقی تصویر پیش کرنے کے علاوہ اِس بات کا بھی اظہار کرتی ہیں کہ مضبوط کمپنیوں میں منافعے کا معیار کتنا اونچا تھا۔ "جورہاٹ کمپنی"، جو 1859ء میں قائم ہونے والی دوسری اسٹرلنگ کمپنی تھی اس نے 1864ء میں 36 فیصدی اور 1865ء میں 34 فیصدی منافع ادا کیا تھا[2] دوسری طرف یہ بحران بھی اتنا ہی شدید تھا کہ 1867ء میں، یعنی بحران شروع ہونے کے بعد پہلے سال میں "آسام" اور "جورہاٹ" کمپنیوں نے کسی منافعے کا اعلان نہیں کیا۔ آسام کمپنی تو کئی سال تک بھی منافع نہیں دے سکی[3] اور چھوٹی چھوٹی کمپنیاں کی حالت تو اسی مناسبت سے اور بھی خراب تھی۔

جو کمپنیاں دیوالیہ ہوئیں وہ خود، اور اُن کے حصوں کے ذریعے جمع کیے گئے سرمایے کی مقداریں، سرمایہ کاروں کے اُن نقصانات کا ایک اور پیمانہ ہیں جو چائے صنعت کی گرم بازاری کے خاتمے کا نتیجہ تھے۔

1866ء کے آخر تک ہندوستان میں پینسٹھ کمپنیاں درج کرائی گئی تھیں۔ 1879ء کے

---

[1] انٹروسپس۔ "آسام کمپنی کی شماریات پر باب۔
[2] "فرینڈ آف انڈیا" ملاحظہ ہوں حصہ بازاروں کی رپورٹیں۔
[3] انٹروسپس۔ "آسام کمپنی کی شماریات پر باب۔

آخر تک اِن میں سے تینتیس کمپنیاں بند کی جا چکی تھیں یا 1871ء تک باقی میں سے نو کمپنیاں دیوالیہ قرار دے دی گئیں۔ اِن میں سے جن کمپنیوں کے اداشدہ سرمایے کی رقمیں موجود ہیں وہ نیچے دیے گئے گوشوارے میں دکھلائی گئی ہیں:۔

گوشوارہ نمبر 8 (الف)

ہندستان میں اُن کمپنیوں کا سرمایہ جو 1866ء میں درج کرائی گئی تھیں لیکن 1882ء سے پہلے ہی بند ہو گئیں

وہ کمپنیاں جن کا سرمایہ موجود ہے	تعداد	سرمایہ روپے میں (000, روپے) اداشدہ	مجوزہ
1866ء تک درج کرائی گئی۔	56	2,18,84	3,41,81
1870ء تک بند کی گئی۔	25	75,99	1,59,00
1871-81ء کے درمیان بند کی گئی	8	30,04	46,92

[(الف) ماخذ: برطانوی ہندستان کے لیے شماریاتی گوشوارے۔]1883ء

اوپر کے گوشوارے سے پوری طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کمپنیوں میں لگایا گیا سرمایہ تقریباً نصف حد تک ضائع ہو گیا۔ اس کے علاوہ اُن آٹھ کمپنیوں کا اداشدہ کل سرمایہ جو 1869ء تک بند کر دی گئیں، 25,907 پونڈ ہوتا تھا[1] اس طرح صرف پانچ سال کے عرصے میں برطانیہ اور ہندستان کے سرمایہ کاروں کا لگ بھگ دس لاکھ پونڈ سرمایہ ضائع ہو گیا۔ اور یہ رقمیں بھی حقیقی رقموں سے کسی قدر کم ہی ہو سکتی ہیں چونکہ اُنھیں دفتر شماریات سے حاصل کیا گیا ہے خود کمپنیوں کی طرف سے کمپنی رجسٹراروں کو بھیجی گئی پہلی اطلاعات داخل کرچکنے کے بعد حصے داروں نے جو مزید سرمایہ ادا کیا بعض صورتوں میں اِن رقموں میں وہ سرمایہ شامل نہیں ہے[2]

---

[1] ملاحظہ ہو ضمیمہ 4ء۔ [2] مثال کے طور پر ضمیمہ 5 میں دی گئی کمپنیوں کی رقموں کا موازنہ برطانوی پارلیمنٹری پیپرس: LVI (1868-9ء) (1-104) صفحات 60-1 اور LVIII (1864ء) صفحات 52-3 سے کیا جا سکتا ہے۔

2,00,000 روپے کی رقم ایک چائے باغ کو قایم کرنے کے لیے کافی سمجھی جاتی تھی[14] لیکن 1861ء کے دوران بنگال میں قایم ہونے والی کمپنیوں کا اوسطاً ادا شدہ سرمایہ حقیقت میں 4,50,000 روپے ہوتا تھا۔[15] بہرحال اسپیکولیشن کے دور کی یہ بھی ایک اہم خصوصیت ہوتی ہے کہ ہر اُبھاری جانے والی کمپنی یا ادارے میں عوام بڑے جوش و خروش اور لگن کے ساتھ سرمایہ لگاتے ہیں اور حصوں پر مطلوبہ رقم فوراً ہی ادا کر دی جاتی ہے۔ (1861-65ء کے درمیان بنگال میں قائم ہونے والی چائے کمپنیوں کا 79.8 فی صد مجوزہ سرمایہ ادا کیا جا چکا تھا۔)[16] جس سے کمپنی اُبھارنے والوں کو بڑی بڑی کمپنیاں قائم کرنے کی ترغیب ملنا ایک لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ عام زمانے میں اتنی وسیع مالیاتی بنیادوں پر قایم شدہ کمپنیاں بہت اچھی کارگزاری کا مظاہرہ کر سکتی تھیں۔ لیکن موجودہ حالات میں بیچنے والوں کو بڑی بڑی رقموں کی ادائیگی اور حصے داروں کو منافعے کی تقسیم میں ہی یہ سرمایہ ختم ہو گیا۔

کلکتے کے گرم بازاری کے دور کی ایک اور خصوصیت بڑی بڑی زمینی بازیابی کمپنیاں قایم کرنے کی کوشش بھی تھی، جو اس وقت بمبئی میں بھی ایک عام فیشن تھا۔ لیکن بہرحال یہاں اس کی حدیں وہ نہیں تھیں جو بمبئی میں پہنچ چکی تھیں اور ان کی تعداد بھی کلکتے میں صرف تین ہی تھی۔ ان میں سب سے بڑی 'پورٹ کیننگ لینڈ انویسٹمنٹ ری کلیمیشن اینڈ ڈاک کمپنی' تھی جو 2000 روپے فی حصہ سے 6000 حصوں پر مشتمل 20,00,000 روپے کے سرمایہ پر مبنی تھی۔[17] اس کا پراسپیکٹس 23 جنوری 1865ء کو 'انگلش مین' میں شائع ہوا تھا اور اس کے اُبھارنے والوں میں کلکتے اور بمبئی کے کچھ مشہور ترین افراد کے نام شامل تھے۔ حقیقت میں یہی ایک ایسا واحد منصوبہ تھا جس میں بہت سے بمبئی والوں نے حصے خریدے تھے۔ یہ حصے پریم چند رائے چند کے اثر سے بمبئی میں فروخت ہوئے تھے جو اس منصوبے میں بہت دل چسپی لے رہا تھا۔[18]

مالیاتی کمپنیوں میں سے دو ممتاز کمپنیاں ـــ کلکتے کی 'دی کریڈٹ موبیلائیر

---

[14] کمشنروں کی رپورٹ وغیرہ، صفحہ 7۔ [15] برطانوی ہندستان کے لیے شماریاتی گوشوارے

[16] ملاحظہ ہو گوشوارہ 9

[17] برطانوی ہندستان کے لیے شماریاتی گوشوارے

[18] 'بینک آف بمبئی' کی ناکامی پر کمیشن کی رپورٹ' میں پریم چند رائے چند کی شہادت ملاحظہ ہو۔ برطانوی پارلیمنٹری پیپرس ...

(THE CREDIT MOBILIER) اور بمبئی کی "اولڈ فائنانشیل"[1] اس کمپنی کی حمایت کر رہی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کمپنی کے حصے اسپیکولیشن کا ایک بنیادی نقطہ بن گئے۔ اس کے علاوہ بھی۔ بہرحال کچھ اور وجوہات ایسی تھیں جن کی بناء پر عوام میں اس کمپنی کے اعتماد کے استحکام میں مدد ملی۔ بمبئی کے "بیک بے" منصوبے کی طرح حکومتِ ہند نے اس منصوبے میں کافی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، چنانچہ اس وقت بھی جب مئی 1866ء میں اسپیکولیشن کی گرم بازاری ختم ہو رہی تھی اسپیکولیشن میں مصروف لوگوں نے کم از کم اس کمپنی کے حصوں کے سلسلے میں قطع و برید کرنے میں کامیابی حاصل کرلی اور اس کے حصوں کو ہم سطح سے 1000 روپے پریمیم تک ابھار لیا[2]۔ لیکن بہرحال یہ منصوبہ کمزور ہوتا چلا گیا اور اس کو سنبھال لینے کی متواتر اور متعدد کوششوں کے باوجود بھی 17 ستمبر 1871ء کو اس کمپنی نے قانونی حیثیت کھو دی اور کم سے کم قانونی اعتبار سے یہ باقی نہیں رہی۔ اس کے بعد بھی چند سال تک بمبئی میں یہ باقی ضرور رہی، جہاں اس نے 2 اگست 1870ء کو ایک علیحدہ رجسٹریشن حاصل کرلیا تھا، 13 جنوری 1871ء کو اس کے سرمایے کو گھٹا کر 60,00,000 کر کے اس کی نئی تشکیل کی گئی اور اس کے مقاصد کو تبدیل کر کے ان میں روئی کی کتائی اور بنائی کی فیکٹریاں قایم کرنے کو شامل کرلیا گیا[3]۔

دوسری، "دی سالٹ واٹر لیک ری کلیمیشن اینڈ اریگیشن کمپنی لمیٹڈ"، 22 مارچ 1865ء کو 2,000 روپے فی حصہ پر 3,000 حصوں پر مشتمل کل 60,00,000 روپے کے سرمایے سے رجسٹر کرائی گئی[4]، جس کا مقصد کلکتے سے ½2 میل[5] کے حصے کی زمین کی۔ جس کا کچھ حصہ نمکین پانی کی جھیل میں ڈوبا ہوا تھا۔ بازیابی اور آبیاری کرنا تھا اور کوڑے کرکٹ اور اصطبل سے خارج کی گئی گندگی، کھاد اور فضلے[6] وغیرہ کو استعمال کے قابل کرنا تھا۔ اس کمپنی نے کافی شہرت حاصل کی اور "ٹائمس آف انڈیا" کے مالیاتی نامہ نگار کی ایک رپورٹ سے ماخوذ مندرجہ ذیل واقعہ اس دور میں اسپیکولیشن میں مصروف سرمایہ کاروں کی بدعنوانیوں اور ترکیبوں کے اظہار کے سلسلے میں بہت دلچسپ انداز میں روشنی ڈالتا ہے: "ایک تار کا مضمون شائع کیا گیا جس میں اس کے حصوں پر بمبئی میں 2,000 روپے سے 3,000 روپے کے پریمیم کا اظہار کیا

---

[1] ملاحظہ ہو صفحہ . . . [2] ٹائمز آف انڈیا (ہیر لکی اڈیشن) 13 اور 23 مئی 1865ء
[3] برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے بابت 1883ء۔ [4] ایضاً۔
[5] ٹائمز آف انڈیا، 24 فروری 1865ء۔ [6] برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے بابت 1883ء

گیا تھا، جبکہ ظاہرا طور پر ان حصوں کو کبھی حصہ بازار میں رکھا ہی نہیں گیا تھا۔...[1] لیکن وائس رائے کی عطا کردہ عنایات کو لندن میں، انڈیا آفس کی طرف سے نامنظور کر دیے جانے کی وجہ سے دی سالٹ واٹر لیکس کمپنی کی ساکھ عوام میں کم ہوگئی[2] اور 17 مارچ 1866ء کو اس کمپنی کو بند کر دیا گیا[3]

دی سندر بند کمپنی، جو زمینی بازیابی کمپنیوں میں آخری تھی، اسے علیحدہ علیحدہ قطعوں کی بازیابی کے بعد، ان پر کاشت کیے جانے کے مقصد سے قایم کیا گیا تھا۔ لیکن یہ کمپنی اس وقت شروع کی گئی جب گرم بازاری کا سورج ڈھلنا شروع ہو گیا تھا چنانچہ اس منصوبے کو اس کے رجسٹریشن سے پہلے ہی واپس لے لیا گیا۔ اس منصوبے کے پیچھے جو شخصیت کار فرما تھی وہ شیلر (SCHILLER) نام کا ایک یورپی تھا، جس نے بمبئی کے ڈاکٹر ڈائیور کی سی حیثیت اور وقعت حاصل کر لی تھی۔ "سالٹ واٹر لیکس کمپنی" کے لیے عوام کی مقبولیت ختم ہو جانے کے بعد اس کے دوبارہ کامیابی حاصل کر لینے کی امیدیں ختم ہوگئیں اور اس کمپنی کے ابھارنے والوں کو مجبور ہو کر اُن رقموں کو واپس کرنا پڑا جو حصوں کی درخواست کے ساتھ جمع کرائی گئی تھیں[4]

حقیقت میں کچھ اور مختلف قسم کے منصوبے بھی اُس زمانے کے اخبارات میں نظر آئے لیکن اُن کو عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔ ٹائمس آف انڈیا کے الفاظ میں "طوفان کے بڑے ارادوں کی طرح ... (یہ) اپنی پیدائش کے وقت ہی مر گئے[5]" کچھ کمپنیاں تو پیدا ہی مردہ ہوئی تھیں اور ایسٹ انڈیا ٹمبر کمپنی اور امپیریل فائنانس ایسوسی ایشن، کی طرح کچھ دوسری کمپنیوں کا وجود بہت تھوڑے عرصے باقی رہا[6]

آخر میں ان تمام حالات و کیفیات کو بخوبی سمجھنے کے لیے بنگال میں اجتماعی سیکٹر کی مجموعی ترقی کو ایک جگہ رکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

---

[1] ٹائمز آف انڈیا (غیر ملکی اڈیشن) 13 تا 23 مئی 1865ء۔

[2] ایضاً۔ 15 مئی 1865ء۔ [3] برطانوی ہندوستان کے بے شماریاتی گوشوارے 1883ء۔

[4] ٹائمز آف انڈیا (غیر ملکی اڈیشن) 15 تا 22 مئی 1865ء۔ [5] ایضاً۔

[6] ایضاً۔

گوشوارہ نمبر ۹

۱۸۶۱-۶۵ء کے درمیان بنگال میں درج کرائی جانے والی کمپنیوں کی تعداد اور ان کا سرمایہ

کمپنی کا کاروبار	1861	1862	1863	1864	1865	کل	الف	(سرمایہ 000 روپے میں) مجوزہ	اداشدہ
چائے	8	4	23	9	4	48	41	2 58.6	18529
نیویگیشن	1	-	4	2	-	7	6	4800	3.24
بینک کار	-	-	1	1	3	5	4	55200	6976
پٹ سن مل	-	1	-	-	-	1	1	1200	1200
پٹ سن کی گانٹھیں بنانا	1	-	2	3	-	6	5	1770	1616
کوئلہ	1	-	2	-	-	3	3	2360	2293
جہازرانی ایجنسی	-	-	1	1	-	2	2	500	341
متفرق							37	34898	19295
صنعتی	1	1	9	3	5	20			
تجارتی	-	1	12	3	8	24			
کل	12	8	54	22	20	116	99	26533	52876

[(الف) اُن کمپنیوں کی تعداد جن کے لیے مجوزہ اور اداشدہ سرمایوں کی رقمیں موجود تھیں]

وہ کمپنیاں جو ۱۸۶۱-۶۵ء کے درمیان رجسٹر کروائی گئیں اور وہ کمپنیاں جو ۱۸۶۱-۶۵ء کے درمیان ختم کی گئیں — یعنی گرم بازاری کے دور میں وجود میں آنے والی اور اس کے بعد بحران میں ختم ہونے والی — کمپنیوں کے درمیان موازنے سے کچھ اہم حقیقتوں کا اظہار ہوتا ہے۔

---

۱ برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے ۱۸۸۳ء۔

گوشوارہ نمبر 10 (الف)

1861-69ء کے درمیان بنگال میں ختم ہونے والی کمپنیوں کی تعداد اور اُن کا سرمایہ

بند کی جانے والی کمپنیوں کی تفصیلات	1861-64	1865	1866	1867	1868	1869	کل تعداد
تعداد	10	8	10	11	18	9	66
سرمایہ (000) روپے میں							
اُن کمپنیوں کی تعداد جن کے اعداد موجود ہیں	8	5	7	10	18	9	57
مجوزہ	7005	2450	8760	29275	8100	12,670	28260
اداشدہ	1913	1443	2876	8121	6151	4197	24701

[(الف) ماخذ:۔ برطانوی ہندستان کے لیے شماریاتی گوشوارے]

مندرجہ بالا دو گوشواروں کے تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساتویں دہائی کے پہلے نصف حصے میں جتنی کمپنیاں درج ہوئیں اُن میں سے 57 فی صدی کمپنیاں اگلے چار سال کے عرصے میں بند کر دی گئیں، لیکن اِن میں جتنا سرمایہ ضائع ہوا وہ صرف 46.7 فی صدی ہی تھا، جس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ جو کمپنیاں بند کی گئیں وہ مالی اعتبار سے اُن کمپنیوں کے مقابلے میں نسبتاً کمزور تھیں جو اس عرصے میں باقی رہ گئیں۔ 1865ء تک درج کرائی گئی کمپنی، اور وہ کمپنی جو 1869ء تک بند کر دی گئی، اِن کے اوسط اداشدہ سرمایے کے درمیان 9,700 روپے کا فرق تھا۔ ایک اور بات یہ کہ 1865ء تک درج کرائی جانے والی کمپنیوں کے مجموعی مجوزہ سرمایے کا 41.8 فی صد حصہ اداشدہ سرمایہ تھا جبکہ 1869ء تک بند کی جانے والی کمپنیوں کا اداشدہ سرمایہ مجموعی مجوزہ سرمایے کا صرف 36.2 فی صدی ہی تھا جس سے دوسرے زمرے میں آنے والی کمپنیوں کی مالی کمزوری کا مزید اظہار ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس لیے بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے زمرے کی کمپنیوں کے حصے داروں نے بحران کے اثر سے اعتماد کم ہو جانے کی وجہ سے

حصوں پر مطلوبہ رقم کی ادائیگی کمپنیوں کو بند کر دی ہو[1]

شاید اسی موقع پر یہ بھی مناسب ہوگا کہ تھوڑا سا ٹھہر کر ماضی کے حالات پر بھی ایک نگاہ ڈال لی جائے اور اس مطالعے کے کچھ پہلوؤں کو پختہ کر لیا جائے۔

مغرب میں صنعتی انقلاب کے بعد کمپنیوں کی ترقی میں جن حالات نے مدد پہنچائی تھی — مثال کے طور پر نہروں اور ریلوں کی تعمیر، صنعت اور مالیاتی ذرائع کی ترقی وغیرہ — عام طور پر ہندستان میں یہ حالات موجود نہیں تھے۔ اور ان حالات و ذرائع کی نشوونما میں تکنیکی معلومات کا فقدان، پیشہ ورانہ نقل و حرکت کی کمی اور عام سیاسی بے چینی جیسی کیفیات بھی مزاحم تھیں۔

یوروپی افراد وہ پہلے لوگ تھے جنھوں نے ہندستان میں جدید صنعتوں، مثلاً کوئلے کی کھدائی، لوہا اور اسٹیل، سوتی کپڑے کی تیاری، بینک کاری، جہاز رانی وغیرہ میں دلچسپی لینا شروع کی تھی، لیکن ان کی کامیابی بھی محدود رہی تھی۔ 1850ء تک بہت سی بینک کار اور جہاز رانی کمپنیاں قائم کی جا چکی تھیں جنھوں نے تجارت کے سلسلے میں بھی کچھ جدید طرز کی آسانیاں فراہم کی تھیں اور اس طرح 1860ء تک بہت سی صورتوں میں حالات بدل چکے تھے۔ حکومت اور اس کے قوانین مستحکم ہو گئے تھے، ریلوے کی تعمیر کا کام بھی شروع ہو چکا تھا۔ ہندستان کے تاجروں خاص طور پر پارسیوں نے بیوپاری تنظیم میں مغربی انداز اور طور طریقوں کو اپنا لیا تھا جس کے نتیجے میں کچھ روئی مل اور پٹ سن مل قائم ہو گئے تھے۔ لیکن عام طور پر صنعتی کمپنیوں کے لیے آسانیاں اب بھی بہت کم اور کافی محدود تھیں۔

1860ء کے بعد کی دہائی کے پہلے پانچ سالوں کے درمیان بمبئی اور کلکتے میں اوپر بیان کیے گئے زبردست اسپیکولیشن کے دور میں سیکڑوں کمپنیاں کھلیں۔ حالانکہ ان میں سے بہت سی کمپنیوں کا انجام افسوس ناک ضرور تھا لیکن انھوں نے کچھ ایسے فوائد اپنے پیچھے چھوڑے جو بیوپاری دنیا کے لیے ایک مستقل قدر اور اہمیت کے حامل تھے۔ پہلی بار ان دو بڑے شہروں کی آبادی نے، جس میں خاص طور پر ہندستانی تاجروں کا طبقہ شامل تھا، اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کے حصول و فوائد کا احساس کیا، جو اس سے پہلے صرف یوروپی ایجنسی ہاؤسوں کا اجارہ تھا۔

---

[1] کمشنروں کی رپورٹ وغیرہ، صفحہ 15 پیرا 28۔

حصہ بازاروں نے، ان حالات میں جو فوری حیثیت و اہمیت حاصل کی، اُس کے اثر سے بہت سے لوگ حصوں کی دلالی میں کشش محسوس کرنے لگے اور 1860ء سے 1865ء تک کے درمیانی عرصے میں حصوں کے دلالوں کی تعداد بالترتیب 60 سے بڑھ کر 250 تک پہنچ گئی۔ خود حصہ بازار بیوپاری دنیا کا ایک اہم جزو بن گیا اور اجتماعی سرمایہ کمپنیاں، جو اب تک تعداد میں بہت تھوڑی علیحدہ اور چھپی چھپی سی تھیں، اب شہریوں کی اقتصادی زندگی کا ایک ایسا جزو بن گئیں جسے اس سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ آٹھویں دہائی کے شروع سے، جب صنعتی ادارول کی ابتدا کے لیے حالات کچھ اور زیادہ بہتر اور مناسب ہو گئے، تو اِس وقت اسپیکولیشن دور کے تجربات اور حالات نے سرمایے کی فراہمی پر کافی اہم اثر چھوڑا۔ 1865ء کے بعد اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کی ترقی کو اگلے باب میں بیان کیا گیا ہے۔

ساتواں باب

1866-82 کے درمیان اجتماعی سیکٹر کی ترقی

اس دور کی ابتدا ہم اُس وقت سے مان سکتے ہیں جب حصہ بازار میں گرم بازاری کے خاتمے کے بعد 1863ء میں ملک کی معاشی رفتار میں ایک وقتی ٹھہراؤ یا سکون سا پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے یہ اٹھان 1882ء میں سونا کان کنی کی دور تک متواتر جاری رہی۔ اس باب کے ابتدائی حصے میں اس دور میں بیوپار کے مختلف میدانوں میں جو کمپنیاں قائم ہوئیں اُن کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد ہندستان کے عمومی معاشی حالات کی روشنی میں ان کے اثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

جنوری 1866ء سے مارچ 1882ء تک ہندستان میں کل 776 کمپنیاں درج کرائی گئیں[1] دوسرے لفظوں میں ہر سال اوسطاً پینتالیس یا چھیالیس کمپنیاں قائم ہوئیں۔ اس کے مقابلے میں 1851ء سے 1865ء تک کے درمیانی عرصہ میں کمپنیوں کے قیام کا سالانہ اوسط صرف چوبیس یا پچیس ہی تھا۔ یعنی 1866-82ء کے درمیان کمپنیوں کے اندراج کی شرح تقریباً دوگنی ہو گئی تھی۔ لیکن دوسری طرف کمپنیوں کے اوسط ادا شدہ سرمایے میں 1866-82ء کے درمیان 46 فی صدی کی کمی واقع ہوئی تھی[2]۔ کمپنیوں کے مجموعی جماؤ میں اس کمزوری کی وجہ بڑی

---

[1] برطانوی ہندستان کے لیے شماریاتی گوشوارے 1883ء۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ 7۔ اس پورے باب میں خاص خاص جگہوں کو چھوڑ کر، جہاں اس کی علیحدہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے، 1883ء سے مراد اس سال کے صرف ابتدائی تین مہینوں سے ہی ہے۔ [2] ملاحظہ ہو گوشوارہ نمبر 13، صفحہ 221

حد تک مدراس اور میسور میں 1869ء کے بعد قائم شدہ اُدھار دینے والی اور چھوٹی بچتوں کو جمع کرنے والی بہت سی کمپنیاں تھیں۔ اوسط سرمایے میں تخفیف کی ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ بینک کاری، سرمایہ کاری اور زمینی بازیابی کی جو درجنوں کمپنیاں امریکی خانہ جنگی کے اسپیکولیشن کے دور میں قائم ہوئی تھیں، ان کا فنیش 1867ء کے بعد سے ختم ہو گیا تھا۔

1851ء سے 1882ء کے درمیانی تیس سالوں میں جو کل 1149 کمپنیاں درج کرائی گئیں ان میں سے صرف 503 کمپنیاں معاشی گرم و سرد کو جھیل کر مارچ 1882ء تک باقی رہ سکیں[1]۔ اس طرح کل درج شدہ کمپنیوں میں 646 یا 56.2 فی صدی کمپنیاں اس عرصے میں بند ہو گئیں۔ کامیاب کمپنیوں کے تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ 246 (یا کل کمپنیوں کی 37.8 فیصدی) کمپنیاں 1863ء سے 1865ء کے درمیانی عرصے میں درج کرائی گئی تھیں جو بمبئی اور کلکتے کے حصہ بازاروں میں اسپیکولیشن کا دور تھا[2]۔ ستائیس یا 4.2 فی صدی کمپنیاں ایسی تھیں جو تعمیر نو یا انضمام کے نتیجے میں ختم ہوئی تھیں۔ 1882ء تک درج ہونے والی 200 یا اس سے کچھ زیادہ آپسی قرض سوسائٹیوں (میوچول لون سوسائٹی) میں سے لگ بھگ 700 سوسائٹیاں بھی دیوالیہ ہوئیں۔ اگر ان ختم شدہ کمپنیوں میں سے مندرجہ بالا 373 کمپنیوں کو اس خیال سے مستثنیٰ بھی کر لیا جائے کہ یہ غیر معمولی قسم کی کمپنیاں تھیں، تب بھی یہی ظاہر ہوگا کہ 1851ء سے 1882ء تک قائم ہونے والی کمپنیوں میں سے، ہر چار یا پانچ میں ایک کمپنی ضرور ناکام ہوئی۔ سرمایے کے اعتبار سے کمپنیوں کی وسعت کے ساتھ ساتھ ان کے خاتمے کی شرح کے تجزیے کا نتیجہ مندرجہ ذیل گوشوارے میں دیا گیا ہے۔

---

[1] مختلف صنعتی میدانوں میں قایم اور بند ہونے والی کمپنیوں کے گوشوارے کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ 8۔

[2] 1863-65ء کے درمیان قایم شدہ کمپنیوں کی عمر اور اُن کی وسعت کی بہناتی تقسیم کے گوشوارے کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ 9۔

گوشوارہ نمبر 11

1851ء تا 1882ء کے درمیانی عرصے میں درج کرائی اور بند کی گئی کمپنیوں کی اداشدہ سرمایے کے اعتبار سے بہتاتی تقسیم

سرمایہ (000 روپے میں)	درج کرائی گئی کمپنیاں		بند کی گئی کمپنیاں		(الف)
	تعداد	کل کا فی صد	تعداد	کل کا فی صد	
غیر متعین	314	27.3	251	3.9	80
5 - 1	72	6.3	38	5.9	53
10 - 6	56	4.9	30	4.6	53.5
25 - 11	93	8.2	40	6.2	43
50 - 26	74	6.4	31	4.9	42
100 - 51	86	8.3	45	6.9	47
500 - 101	290	25.2	138	21.2	47.5
1000 - 501	84	7.3	38	5.9	45
2500 - 1001	52	4.5	24	3.7	46
5000 - 2501	10	0.9	6	0.9	60
10000 - 5001	5	0.4	3	0.5	60
25000 - 10001	3	0.3	2	0.3	66.6
کل	1149	100.0	646	100.0	56.2

[(الف) ہر زمرے میں درج شدہ کمپنیوں میں سے بند کی گئی کمپنیوں کا فی صد حصہ]

اوپر دیے گئے گوشوارے سے یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ درج کرائی گئی کل کمپنیوں سے زیادہ کمپنیاں سرمایے کے اعتبار سے دو زمروں میں آتی ہیں، پہلے (غیر متعین) والا زمرہ ہیں اور دوسرے اور ساتویں نمبر پر (1,01,000 سے 5,00,000 روپے) والے زمرے

ہیں۔ اور یہی دو زمرے کُل بند کرائی گئی کمپنیوں میں سے 55 فیصدی کے ذمے دار بھی تھے۔ حالانکہ پہلے زمرے کی کمپنیوں میں تو اندراج اور ان کے بند کرائے جانے کے درمیان کسی قسم کا اسبابی رشتہ تلاش بھی کیا جاسکتا ہے لیکن ساتویں زمرے میں یہ رشتہ نظر نہیں آتا۔ موخرالذکر زمرے میں خاتمے کی شرح 47.5 فی صدی تھی۔ کسی گروپ میں خاتمے کی سب سے کم شرح 42 فی صدی تھی۔ اس مناسبت سے اگر دیکھا جائے تو ساتویں زمرے میں خاتمے کی شرح اتنی خاص زیادہ بھی نظر نہیں آتی، خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ اس زمرے کی تریسٹھ یا 63 فی صدی کمپنیاں تین غیر معمولی سالوں 1863-65ء کے درمیان قائم کی گئی تھیں[1] اس لیے ان کے خاتمے کی وجوہات تلاش کر لینے کے سلسلے میں کسی خاص کاوش کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن پہلے زمرے میں آنے والی کمپنیوں کے سلسلے میں کچھ کہنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

اس زُمرے میں کل 214 کمپنیاں تھیں۔ ان میں سے 100 سے زیادہ کمپنیوں کو اُن کے دفتری رجسٹروں میں کسی قسم کے اداشدہ سرمایے کے بغیر ہی ظاہر کیا گیا تھا۔ لیکن یہ بات فرض کر لینا بھی غلط ہوگا کہ ان کے پاس سرمایہ بالکل تھا ہی نہیں۔ اس سلسلے میں زیادہ قرین قیاس توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے اداشدہ سرمایے کے متعلق کمپنیوں کے رجسٹرار کو اطلاعات نہیں دی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ ان میں سے کچھ ضمانت یا گارنٹی سے محدود کر دی گئی تھیں[2] اس لیے ان کے پاس کوئی حقیقی اداشدہ سرمایہ موجود نہیں تھا لیکن ان کی تعداد متعین نہیں کی جا سکتی۔ بہرحال اس سلسلے میں یہ بات کہنی صحیح ہوگی کہ اس زمرے کی بہت سی کمپنیاں بودی اور کمزور حیثیت کی مالک تھیں چونکہ ان میں سے اَسّی فی صدی کمپنیاں 1882ء کے آخری حصّے تک غائب ہو چکی تھیں۔ 111 کمپنیاں تو 1863-65ء کے ہیجانی سالوں کے درمیان ہی قائم ہوئی تھیں جن میں سے صرف پینسٹھ پانچ سال کی مدت تک اپنی بقاء کو برقرار رکھ سکیں۔ لیکن پھر بھی ان میں سے دو کمپنیوں کا عرصۂ حیات سولہ اور بیس سال کے درمیان بھی رہا[3] ان تمام کمپنیوں میں سے جن کا سرمایہ غیر متعین تھا صرف تریسٹھ کمپنیاں مارچ 1882ء کے آخر تک کام کر رہی تھیں، لیکن

---

[1] ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 3۔ [2] حصّے داروں کی گارنٹی سے محدود کمپنیوں کو کمپنی ایکٹ 1862ء (ایکٹ ×) کے حصّے 9 کے تحت اجازت دی گئی تھی۔

[3] ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 3۔

آن میں سے ۱۰ کمپنیاں صرف پچھلے دو سالوں کے دوران قائم ہوئی تھیں۔ اس موقعے پر یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اِس زمرے میں بند ہونے والی کمپنیوں میں سے 58 فی صدی کمپنیاں بمبئی میں درج کرائی گئی تھیں اور صرف 16 فی صدی بنگال میں۔ اِن کمپنیوں کے مقاصد کے تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ 36.6 فی صدی کمپنیاں تجارت اور متفرق کاموں کو پیش نگاہ رکھتی تھیں۔ 2.7 فی صدی کمپنیاں بینک کاری کے کاروبار میں مصروف تھیں اور خانہ جنگی کے زمانے کے اسپیکولیشن کے دور میں بمبئی میں قائم کی گئی تھیں، 12.8 فی صدی پٹ سن یا روئی کی گانٹھیں تیار کرنا چاہتی تھیں، 7.2 فی صدی کے سامنے ساحلی اور دریائی نیویگیشن کا کام تھا، اور باقی کمپنیوں میں سے ۶ فی صدی مختلف قسم کے بیمے کے کاموں میں مصروف تھیں۔

گذشتہ گوشوارے[1] میں یہ بات بھی دیکھی گئی ہو گی کہ بڑی بڑی یعنی 2,50,000 روپے سے زیادہ سرمایہ رکھنے والی کمپنیوں میں خاتمے کی شرح نسبتاً اونچی تھی۔ ان میں سے زیادہ تر کمپنیاں بمبئی میں اسپیکولیشن کے دور میں قائم ہوئی تھیں اور اسپیکولیشن کے خاتمے کے ساتھ ساتھ ان کی تباہی بھی مکمل ہو گئی۔ لیکن ان میں سے کچھ کو نئی شکل دے کر دوبارہ کھڑا کیا گیا، اس لیے خاتمے کے سلسلے میں موجودہ اعداد سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ یہ کمپنیاں حقیقت میں ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئیں۔

1851ء سے 1882ء تک کے عرصے میں قائم ہونے والی اِن 1149 کمپنیوں کی عمر اور اداشدہ سرمایے کے اعتبار سے دوہری بہتاتی تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں چھ سے دس سال کا عرصہ حیات کمپنیوں کے لیے زیادہ عام تھا[2] چونکہ اس مد میں 362 کمپنیاں آتی ہیں۔ اس سے اگلا سب سے بڑا زمرہ اُن کمپنیوں کا تھا جن کا عرصہ حیات دو سال تھا۔ چھ سے دس سال عمر رکھنے والی 362 کمپنیوں میں سے 204 کمپنیاں بند ہو چکی تھیں اور 158 کمپنیاں آخر مارچ 1882ء تک کام کر رہی تھیں۔ اس طرح دو سال عمر کی کمپنیوں کے زمرے میں 1882ء تک اڑسٹھ کمپنیاں بند ہو چکی تھیں۔ اعداد و شمار کے اعتبار سے کمپنیوں کا سب سے بڑا زمرہ ۶ سے ۱۰ سال عمر کی مد میں اور 101,000 سے 5,00,000 روپے کے سرمایے کی مد میں آتا ہے۔[3] اس زمرے میں موجود کل کمپنیوں کی تعداد ستانوے تھی جن میں سے چھتیس کمپنیاں 1882ء

---

[1] ملاحظہ ہو ضمیمہ ۳ میں گوشوارہ [2] ملاحظہ ہو ضمیمہ ۳ میں گوشوارہ [3] ملاحظہ ہو ضمیمہ ۳

تک بند ہو چکی تھیں ۔

1851ء سے 1865ء تک اور 1866ء سے 1882ء تک کے عرصے میں کمپنیوں کی علاقائی ترقی میں چند دلچسپ تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کو مندرجہ ذیل گوشوارے میں دیکھا جا سکتا ہے ۔

گوشوارہ نمبر 12

1851ء تا 1882ء کے درمیان مختلف علاقوں میں درج کرائی جانے والی کمپنیاں

علاقے	1851ء تا 1865ء تعداد	کل کا فیصد	1866ء تا 1882ء تعداد	کل کا فیصد	1851ء تا 1882ء تعداد	کل کا فیصد	1851-65ء کے مقابلے میں 1866-82ء میں فی صد تبدیلی
بمبئی	163	43.6	207	26.7	370	32.1	-16.9
بنگال	161	42.9	219	28.2	380	32.1	-14.7
مدراس	22	6.0	153	20.3	184	16.1	+12.8
دیگر	27	7.5	157	20.2	184	16.1	+12.8
کل	373	100.0	776	100.0	1,149	100.0	00.0

صرف تعداد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس گوشوارے سے پہلی ہی نگاہ میں یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کمپنی کی ترقی 1851-65ء کے مقابلے میں 1866-82ء کے دوران زیادہ متناسب اور متوازن تھی اور کم از کم اس اعتبار سے مدراس، ہندوستان کے تیسرے بڑے شہر ہونے کا فخر بجا طور پر برقرار رکھ سکتا تھا۔ لیکن جیسا کہ کمپنیوں کے ادا شدہ سرمایے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے صرف کمپنیوں کی تعداد بہت کم اہمیت کی حامل نظر آتی ہے۔

ئے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۱۱

گوشوارہ نمبر 13

سنہ 82-1851ء کے عرصے میں کمپنیوں کا سرمایہ

علاقے	کمپنیوں کی تعداد (سنہ 65-1851ء)	سرمایہ (الف) کل رقم	اوسط	کمپنیوں کی تعداد (سنہ 82-1866ء)	سرمایہ (الف) کل رقم	اوسط	کمپنیوں کی تعداد (سنہ 82-1851ء)	سرمایہ (الف) کل رقم	اوسط
بمبئی	56	41639	742.0	150	132950	88600	206	174589	846.0
بنگال	133	77558	584.0	180	58008	332.0	313	135606	433.0
مدراس	12	3302	275.0	172	10753	62.5	184	14055	76.4
دیگر	13	7531	58.0	119	7376	61.8	132	14907	112.0
کل	214	514	606.0	621	209087	336.0	835	239107	406.0

[(الف) سرمایے کی رقمیں (...) روپے میں]

[کُل درج شدہ کمپنیوں میں سے جن کمپنیوں کے ادا شدہ سرمایے کی رقمیں موجود تھیں ان کی ان تین مدوں میں فی صدی شرح بالترتیب 63.0 فی صدی 80.4 فی صدی اور 60.4 فی صدی تھی]

اوپر دیئے گئے گوشوارے سے مدراس اور دیگر علاقوں کے فی کمپنی اوسط سرمایے میں تیز گراوٹ کا احساس بالکل واضح طور پر ہو جاتا ہے۔ مدراس میں یہ گراوٹ چھوٹی چھوٹی آپسی قرضوں کی بہت سی کمپنیوں کی ترقی کے نتیجے میں تھی۔ دیگر علاقوں میں اس کی وجہ چھوٹی چھوٹی دکانوں اور بیوپاری اداروں کو اجتماعی سرمایہ ادارے کی حیثیت سے قائم کرنے کا رجحان تھا۔ ایک بمبئی صوبہ ہی ایسا تھا جس نے آہستہ آہستہ اور مستحکم طور پر مضبوطی حاصل کی تھی۔ یہ بات بنیادی طور پر اس لیے تھی کہ بمبئی کے روئی ملوں کی سرمایے کی بنیادیں کافی وسیع تھیں۔ بنگال میں گراوٹ وہاں نسبتاً چھوٹی چائے کمپنیوں کے وجود میں آجانے کی وجہ سے نظر آتی ہے۔ ایک چائے کمپنی کو عام طور پر روئی یا پٹ سن مل کے مقابلے میں صرف 25 فی صدی سرمایے کی ضرورت ہوتی تھی۔

بہر حال اوپر کے گوشواروں سے ہمیں یہ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ اس ترقی کے لیے اقتصادیات کے کون کون سے سیکٹر ذمے دار تھے یا اُن کی آپسی اہمیت کیا تھی 1866ء سے 1882ء تک قائم ہونے والی کمپنیوں کی صنعتی تقسیم کے تجزیے سے اظہار ہوتا ہے کہ کل 776 کمپنیوں میں سے 24 یا 2.1 فی صدی کمپنیاں بینک کار کمپنیوں کی حیثیت سے درج کرائی گئی تھیں[ا] اور شاید کوئی اور واحد تبدیلی یا ترقی اتنی اہم اور عظیم نہ ہوتی اگر یہ کمپنیاں فی الحقیقت بینک کار ادارے ہی ہوتیں۔ حقیقت بہر حال یہی ہے کہ ان میں سے صرف گیارہ کمپنیاں حقیقی طور پر بینک کاری کاروبار میں مصروف تھیں اور ان میں سے بھی نو صرف مُفصل بینک تھے جو درمیانی درجے کے ادارے تھے اور ان کے صدر مقام تجارت اور بیوپار کے بڑے بڑے مرکزوں میں واقع تھے۔ ان کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ 46,00,000 روپیہ تھا۔ ان مفصل بینکوں میں سے سات شمال مغربی صوبے میں اور دو پنجاب میں تھے۔

باقی دو بینک کار کمپنیوں میں سے دو دی اورنیٹل لون (قرض) ایسوسی ایشن۔۔۔ روپے کے ادا شدہ سرمایے کے ساتھ 1876ء میں بمبئی میں درج کرائی گئی تھی اور حالانکہ آخر مارچ 1882ء میں بر روئے کار ضرور تھی لیکن یہ بمبئی جیسے عظیم شہر کی بینک کاری ضروریات کو مشکل سے ہی پورا کر سکتی تھی۔ یہ بات کسی حد تک ضرور حیرت ناک ضرور محسوس ہوتی ہے کہ بینک اور مالیاتی کمپنیاں جو بمبئی میں اسپیکولیشن کے دور میں اتنی مقبول تھیں اُن کو اس طرح کیوں نظر انداز کیا گیا۔

باقی ایک بینک کار کمپنی کو بنگال میں درج کرایا گیا تھا۔ یہ ہانگ کانگ اینڈ شنگھائی بینکنگ کارپوریشن لمیٹڈ تھی۔ یہی ایک ایسی واحد کمپنی تھی جس کا سرمایہ ہندوستان میں غیر ملکی کرنسی میں درج کروایا گیا تھا۔ ڈالر میں اس کے سرمایے کا سرکاری اعتبار سے متبادل 12,50,000 روپیہ بتلا دیا گیا تھا جو ہندوستان کی کمپنیوں میں سب سے زیادہ سرمایہ تھا۔ لیکن اس بینک کو مشکل ہی سے ہندوستانی بینک کہا جا سکتا تھا۔ یہ ہانگ کانگ بینک کا ایک ضمنی حصہ تھا اور اس کا بنیادی بیوپار غیر ملکی تجارت اور غیر ملکی رقموں کا بھیجنا اور وصول

[ا] ملاحظہ ہو ضمیمہ 5

کرتا تھا۔ ایسے بینک کو 'ایکسچینج بینک' سمجھا جاتا ہے۔ اس زمانے میں نو اور ایکسچینج بینک بھی کاروبار میں مصروف تھے، جن میں چار ہندوستان میں ہی قایم کیے گئے تھے لیکن ان کے صدر مقام بھی، ان کے حصے داروں کے بڑی تعداد میں انگلینڈ واپس چلے جانے کے بعد وہیں منتقل کر دیے گئے تھے۔ ہر معیار سے یہ بینک ہندوستان کے بیوپاری اداروں میں بہت اہم حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے پاس سرمایے کے وسیع ذرائع موجود تھے اور ملک کے غیر ملکی زرِ مبادلہ کے بیوپار کے لیے پوری طرح یہی ذمے دار تھے، یہ لوگوں کی رقمیں جمع کرتے تھے اور تین اہم ترین شہروں — بمبئی، کلکتہ اور مدراس میں جہاں ان کی شاخیں قایم تھیں — کی کم مدت کی بیوپاری ضروریات کو بھی پورا کرتے تھے۔

لیکن ملک میں ابھی تک کوئی ایسا بینک موجود نہیں تھا جو یہاں کی زراعتی یا صنعتی ضرورتوں میں مالیت فراہم کر سکے۔ خانہ جنگی کے اسپیکولیشن والے دور میں بمبئی میں جو مالیاتی ادارے شروع کیے گئے تھے، جن کے مقاصد میں اور باتوں کے ساتھ ساتھ زراعت اور صنعت کے سیکٹروں کو مالیت فراہم کرنا بھی تھا، اگر یہ کچھ اور مناسب اور بہتر دور میں قائم کیے گئے ہوتے تو انھوں نے ملک کی اہم ترین ضرورتوں میں سے کم از کم ایک کو ضرور پورا کیا ہوتا۔ لیکن بمبئی اور کلکتے دونوں جگہوں پر بیوپاری سوجھ بوجھ رکھنے والوں نے بینک کار کمپنیوں کی نشو و نما میں کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔[1]

باقی 235 کمپنیاں جو بینک کاری کی مد میں درج کی گئی تھیں وہ بچتوں، قرضوں، روپے پیسے کے لین دین اور تعمیراتی سوسائٹیوں کا مجموعہ تھیں۔ ان میں سے لگ بھگ 200 کمپنیاں تو صرف ریاست میسور اور مدراس شہر میں ہی درج ہوئی تھیں اور پندرہ کمپنیاں بنگال کے میمن سنگھ، میسور، فرید پور، بارلسیال اور ڈھاکہ ضلعوں میں درج ہوئی تھیں۔ مدراس اور میسور کی کمپنیوں میں سے صرف سولہ کمپنیاں ایسی تھیں جن کا سرمایہ ۱,۰۰,۰۰۰ روپے سے اوپر تھا۔ باقی کا اوسط ادا شدہ سرمایہ صرف ۲۰,۰۰۰ سے ۲۱,۰۰۰ روپے کے درمیان تھا۔ اندراج کی تھوڑی سی لاگت اور دوستانہ سوسائٹیوں کے اندراج کے لیے کسی علیحدہ قانون کا نہ موجود ہونا ہی کمپنی ایکٹ کے تحت ان کے اندراج کی وجہ تھی اور چونکہ یہ

---

[1] ملاحظہ ہوں پانچواں اور دسواں باب۔

سوسائٹیاں کم وبیش یکساں مقاصد رکھتی تھیں اس لیے جب ایک بار کوئی ایک کمپنی اپنے میمورنڈم اور دستور کا مسودہ تیار کر لیتی تو قانون کے تحت اندراج کے تمام دفتری لوازمات اِن دستاویزوں کی محض نقل کر لینے اور تھوڑی سی فیس ادا کر دینے کے بعد آسانی سے پورے کیے جا سکتے تھے 1869ء سے ہی، جب سے یہ کمپنیاں درج ہونی شروع ہوئی تھیں، صدی کے آخر تک کمپنیوں تک ترقی کے بارے میں ہندوستانی شماریات میں متواتر اتار چڑھاؤ نظر آتا رہا۔

روئی، چائے اور پٹ سن

روئی، چائے اور پٹ سن، ہندوستان کی تین بنیادی صنعتیں تھیں نیچے دیے ہوئے گوشوارے میں ان کی ترقی دکھلائی گئی ہے۔

گوشوارہ نمبر 14

1851-82ء کے درمیان روئی، چائے اور پٹ سن کی صنعتوں کی ترقی

صنعتیں	درج شدہ 1851-82ء			درج شدہ 1866-82ء			کاروبار میں مصروف 31 مارچ 1882ء		
	(الف) نمبر	ادا شدہ سرمایہ (ج)	(ب) نمبر	(الف) نمبر	ادا شدہ سرمایہ (ج)	(ب) نمبر	(الف) نمبر	ادا شدہ سرمایہ (ج)	(ب) نمبر
روئی (د)	101	72.4	76	88	65.1	68	59	47.8	48
چائے	168	39.4	144	106	17.7	81	113	27.6	101
پٹ سن	16	12.8	15	14	11.0	13	8	7.5	8
تمام صنعتیں	1149	339.1	835	776	209.1	621	503	156.7	440

(الف)۔ درج شدہ / کاروبار میں مصروف کمپنیوں کی تعداد

(ب)۔ اُن کمپنیوں کی تعداد جن کے مجوزہ سرمایے اور ادا شدہ سرمایے دونوں کی رقمیں موجود تھیں۔

(ج)۔ کمپنیوں کا ادا شدہ سرمایہ (1,000,000) (دس لاکھ روپے) میں۔

(د) :- اس میں وہ کمپنیاں بھی شامل ہیں جنھیں سرکاری شماریات میں ایک علیحدہ "روئی، پٹ سن، اُون ریشم اور سن کے ریشے کے ملوں" کی مد میں دکھلایا گیا تھا۔ لیکن روئی کے علاوہ دوسرے قسم کے کپڑے تیار کرنے والے مل مندرجہ بالا اعداد میں شامل نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ 17 اور ضمیمہ 18 کا نوٹ (ب)]

اوپر دیے گئے گوشوارے سے کچھ اہم حقیقتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ صرف یہی بات نہیں تھی کہ مارچ 1882ء تک اجتماعی سرمایہ سیکٹر میں کل اداشدہ سرمایے کا نصف سے بھی زیادہ حصہ مجموعی طور پر صرف روئی، چائے اور پٹ میں اکٹھا ہو گیا تھا، بلکہ یہ بھی حقیقت تھی کہ یہ کمپنیاں نسبتاً بڑی بھی تھیں اور بقا کے اعتبار سے بھی بہتر ثابت ہوئیں لیکن اُن کی اہمیت صرف اِن کی بقا کی بہتر شرح پر ہی مبنی نہیں تھی بلکہ اِن کمپنیوں نے تازہ سرمایے کا بھی نسبتاً کافی بڑا حصہ اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

جہاں تک خود روئی، چائے اور پٹ سن کمپنیوں کے درمیان تناسبوں کا سوال ہے سرمایے کے اعتبار سے روئی کی صنعت بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی لیکن صرف کمپنیوں کی تعداد کے اعتبار سے چائے کی صنعت بہت اوپر تھی اور پٹ سن کی صنعت دونوں صورتوں میں اِن سے بہت پیچھے نظر آتی ہے۔ دوسری طرف جبکہ روئی اور پٹ سن صنعتوں میں سے ہر ایک کمپنی دس لاکھ روپے سے کچھ کم سرمایہ استعمال کر رہی تھی، چائے کی کمپنیاں اس رقم کا ایک چوتھائی حصہ ہی لگائے ہوئے تھیں۔ دوسرے لفظوں میں اسے اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ پٹ سن یا روئی کی ایک کمپنی چائے کی لگ بھگ چار کمپنیوں کے برابر تھی۔ 1851-82ء کے دوران کمپنیوں کے خاتمے کے اثر سے روئی، چائے اور پٹ سن نے مجموعی طور پر اپنا تقریباً ایک تہائی اداشدہ سرمایہ کھو دیا۔ ان میں بھی پٹ سن کی صنعت نے اپنے سرمایے کا سب سے بڑا حصہ ضائع کیا، لیکن چائے کی صنعت نے اس سلسلے میں روئی ملوں سے بہتر کیفیات کا مظاہرہ کیا۔

1866ء اور 1882ء کے درمیان اجتماعی سرمایہ سیکٹر میں لگائے جانے والے کل تازہ سرمایے کا صرف ۱۵ فی صدی حصہ صرف روئی نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ سرمایے میں سالانہ بڑھوتری کی شرح بھی روئی کی صنعت میں ہی سب سے زیادہ تھی۔ اس کے فوراً بعد پٹ سن کی صنعت کا نمبر تھا جبکہ چائے کی صنعت اس اعتبار سے اِن دونوں سے

بہت پیچھے نظر آتی ہے۔ اگر 1851-65ء سے موازنہ کیا جائے تو چائے کی صنعت میں نئے
سرمایے کے داخلے کی شرح میں کمی ہی ہوئی تھی۔ لیکن روئی، چائے اور پٹ سن کی آپسی
اہمیت کا اندازہ لگاتے ہوئے اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ 1882ء میں ہندوستان
میں 113 چائے کمپنیاں ایسی بھی کام کر رہی تھیں جو برطانیہ میں درج کرائی گئی تھیں۔ ان کا سرمایہ
مجموعی طور پر 20,50,000 پونڈ تھا[1]۔ پونڈ بنیاد اور روپے کی بنیاد پر قائم شدہ چائے کی
کمپنیوں میں ان کی وسعت یا ان میں لگے سرمایے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں تھا۔ چائے
کی طرح 1880ء میں ہر بیس میں سے دس پٹ سن ملوں کی ملکیت پونڈ بنیاد کمپنیوں کے پاس
تھی اور پٹ سن اور چائے کی صنعتوں کی ملکیت پونڈ اور روپے کے درمیان اتنی صحیح آدھی
آدھی بٹی ہوئی تھی کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ تقسیم عمداً کی گئی ہے۔ اس طرح چائے کی
صنعت سب سے بڑی اور واحد صنعت کے روپ میں ابھر کر سامنے آتی ہے جس کے فوراً بعد
روئی کا نمبر آتا ہے۔

حالات کا رخ

1867ء سے 1875ء کے درمیان اجتماعی سرمایہ سیکٹر کے مجموعی ادا شدہ سرمایے
میں بالکل واضح طور پر اضافہ نظر آیا۔ اس کے بعد یعنی 1876ء سے 1882ء کے درمیان کل سرمایے
میں متواتر گراوٹ آتی چلی گئی[2]۔ 1864ء میں اپنے آخری نقطۂ عروج تک پہنچنے کے بعد
اندراج کی تعداد میں تیزی سے گراوٹ پیدا ہوئی۔ 1869ء سے اس کمی میں رکاوٹ پیدا
ہوئی اور اندراج کی تعداد میں پھر کچھ اضافہ نظر آیا جو شروع میں بہت سست تھا، لیکن
1871ء کے بعد اس میں بہت تیزی آگئی۔ 1879ء میں سرمایے میں سب سے زیادہ اضافہ ہوا[3]۔
حالانکہ 1875ء کے دوران اجتماعی سرمایے میں اضافہ ہی نظر آتا ہے۔ لیکن اس
سال کے دوران کمپنیوں کے اندراج کی تعداد حقیقت میں گھٹی ہی تھی اور اگلے دو سالوں
میں یہ تعداد متواتر گھٹتی رہی۔ 1878ء سے اندراجات پھر بڑھنا شروع ہوئے، خاص طور پر

---

[1] احمد، صفحہ 73 (د)　　[2] ملاحظہ ہو ضمیمہ 22 میں گراف۔
[3] ملاحظہ ہوں ضمیمہ نمبر 21 اور 23 میں دیے گئے گراف۔

1878-81ء کے دوران بہت سی نئی کمپنیوں کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح 1880-81ء کے دوران اجتماعی سرمایے میں جو تیز گراوٹ نظر آتی ہے وہ نئی سرمایہ کاری میں کمی کا نتیجہ نہیں تھی، یہ اصل میں 1878ء اور 1882ء کے درمیان بند ہونے والی کمپنیوں کے اثر سے تھی[1]

روئی کی صنعت کا بھی کم و بیش یہی انداز تھا اور مجموعی حالات کا رُخ متعین کرنے میں یہی صنعت ایک واحد اور اہم ترین عنصر کی حیثیت رکھتی تھی۔ 1873-79ء کے درمیان روئی ملوں کے سرمایے میں تقریباً 2,30,000 روپے کا اضافہ ہوا اور اگلے دو سالوں کے دوران بھی یہ اضافہ جاری رہا۔ اس تیز اُٹھان کا ایک بہت بڑا حصہ اُس لالچ کا بھی نتیجہ تھا جو مینیجنگ ایجنسی نظام نے فراہم کیا تھا۔

اس دور کے ایک بہت بڑے صنعت کار اور مردم دوست، سوراب جی سپر دجی بنگالی نے اس نظام کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔ کہ یہ "ایک ایسا بُرا نظام ہے جس میں افراد ایک اجتماعی سرمایہ کمپنی اس اُمید اور شرط کے تحت قایم کر لیتے کہ یہ لوگ پوری زندگی اِس کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے رہیں گے یا متواتر جانشینی کے فرائض انجام دیتے رہیں گے جبکہ ایجنٹ ایک ایسی کمپنی میں شامل ہوں جس کے ممبر ایک خاندانی حلقہ سا بناتے ہوئے ہوں۔ ایسی صورتوں میں ایجنٹوں کو دیا جانے والا کمیشن عام طور پر مقرر ہوتا ہے، جو حقیقی منافع کے تناسب سے نہیں ہوتا بلکہ پیداشدہ مقداروں پر متعین کیا جاتا ہے، خواہ حصے داروں کے لیے کچھ بھی نتائج برآمد ہوں۔ اِن کمپنیوں کو عام طور پر ایجنٹوں اور اُن کے دوستوں کے سرمایے سے شروع کیا جاتا ہے لیکن کچھ عرصے تک اچھا منافع ادا کرنے کے بعد اِن کے حصوں کو بہت کامیابی کے ساتھ بازاروں میں بڑھا دیا جاتا ہے"[2]

اس نظام کے دوسرے فوائد اور نقصانات خواہ کچھ بھی رہے ہوں، اس نے بہر حال بہت سے بیوپاریوں کے ذہن میں ایک مستقل ذریعہ آمدنی کا خیال ضرور پیدا کر دیا۔[3] چنانچہ

---

[1] عام طور پر کسی کمپنی کے خاتمے کے اعلان اور اس کے حقیقت میں بند ہو جانے اور اس کو کمپنی رجسٹر سے ہٹا دیے جانے کے درمیان تقریباً دو سال کا وقفہ ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ 21 اور 23۔

[2] عدالتی اور عوامی شعبے کا رجسٹر [جوڈیشل اینڈ پبلک ڈیپارٹمنٹ رجسٹر] نمبر 12۔

[3] ملاحظہ ہو بارھواں باب۔

بہت سی کمپنیاں مانگ اور رسد کی کیفیات کا خیال رکھے بغیر ہی قایم کردی گئیں۔ اس سے پہلے کہ 74-1873ء میں قائم شدہ کمپنیاں اپنی پیداوار پوری مقدار میں شروع کریں ملک کے بڑے بڑے حصے قحط کی زد میں آچکے تھے، جس کے نتیجے میں عوام کی قوتِ خرید، جو پہلے ہی سے بہت کم تھی، اس پر بہت خراب اثر پڑا[1] جیسے جیسے غذائی سامان کی قیمتیں چڑھی ہوں گی لوگوں کو مجبور ہو کر کپڑوں پر اپنا خرچ کاٹنا پڑا ہو گا۔ لیکن اس پر دھیان دیے بغیر مینجنگ ایجنٹ اپنے ملوں سے ان کی پیداواری گنجائش کی حد تک پیداوار کرتے رہے۔ یہ بات قدرتی اور لازمی تھی چونکہ اُن کا کمیشن پیداوار پر منحصر تھا۔ حصے داروں کے منافعے پر نہیں تھا۔ چنانچہ حصے داروں کو اپنے ملوں کے مینجنگ ایجنٹوں سے بہت سی جنگیں لڑنا پڑیں تھے اس طرح مینجنگ ایجنٹوں کو ملوں کے جمع شدہ ذخیروں کو کھپانے کے لیے نئے نئے بازار تلاش کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

اس عام رُخ سے چائے کی صنعت مستثنیٰ تھی۔ چونکہ چائے کی مانگ لگ بھگ ساری کی ساری ہی برآمدات کے لیے تھی، اس لیے روئی کی طرح اس پر ملک کی داخلی مانگ کا اثر نہیں تھا۔ چائے کی صنعت 1869ء کے اپنے پہلے بحران سے ابھی پوری طرح نہیں نکل پائی تھی اور اس عرصے میں اس کے مجموعی سرمایے میں بھی کمی پیدا ہوئی تھی۔ 1869ء میں سویز نہر کے کھلنے سے اس صنعت کو بڑھاوا ملا مگر ساتھ ہی ساتھ عام معاشی حالات میں بھی اس وقت تک کچھ بہتری پیدا ہوئی تھی۔ 1870ء سے 1880ء کے درمیانی عرصے میں چائے کی کمپنیوں کا سرمایہ آہستہ آہستہ مگر متواتر بڑھتا رہا۔

[1] 1865ء میں مدراس میں قحط پڑا، 1866ء میں بہار اور اُڑیسہ میں، 1868ء میں شمالی مغربی صوبوں، پنجاب اور راجستھان میں، 1874ء میں بنگال میں، 1877ء میں مدراس اور 1878ء میں شمال مغربی صوبے میں دوبارہ قحط پڑا۔ قحطوں کے سلسلے میں مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو، بی۔ ایم۔ بھاٹیا 'ہندوستان میں قحط' [فیمینس اِن انڈیا] 1963ء نیز چارج روزین 'ادھوری ترقی کی ایک مثال ۔ ہندوستان' [اے کیس آف ابورٹیڈ گروتھ ۔ انڈیا] 1860ء تا 1900ء 'تحقیق کے لیے کچھ تجاویز' [سم سجشنس فار ریسرچ] اکونومک ویکلی، 11 اگست 1962ء، صفحات 1302-1299

[2] اس کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو بارھواں باب۔

پٹ سن کی کہانی بہت سیدھی سادی ہے۔ 1873ء تک بنگال میں صرف ایک کمپنی تھی جس کا سرمایہ روپے میں تھا۔ پٹ سن کی مانگ بھی زیادہ تر غیر ملکی بازاروں کی تھی لیکن چائے کے برخلاف اسے ڈنڈی (DUNDEE) کے صنعت کاروں سے کافی سخت مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ دوسری طرف یورپی سرمایہ کاروں کے لیے چائے کی صنعت زیادہ تر پُرکشش تھی۔ شاید یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر پٹ سن صنعت کے آگے بڑھنے میں 1873ء تک تاخیر ہوئی[1]

متفرق کمپنیاں

مختلف قسم کی بہت سی صنعتی کمپنیوں ـــ جیسے کاغذ مل، شراب کی بھٹیاں اور چینی مل وغیرہ ـــ کی تعداد میں 1866ء سے 1882ء تک کے عرصے میں 305 کا اضافہ ہوا۔ لیکن ان میں سے تقریباً دو تہائی کمپنیاں 1882ء تک ختم بھی ہو گئیں۔ اس تاریخ کو ان متفرق کمپنیوں کا حصہ کل موجودہ کمپنیوں کے مجموعی اداشدہ سرمایے میں 18.5 فی صدی تھا[2] ان میں سے زیادہ تر کمپنیاں اُس وقت اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کے دو بنیادی مرکزوں ـــ یعنی بمبئی اور کلکتے ـــ سے بہت فاصلے پر واقع تھیں۔

اس دور میں رونما ہونے والی ایک بالکل نئی لیکن کچھ ہی دیر چلنے والی تبدیلی یہ تھی کہ مدراس اور ریاست میسور میں سونا نکالنے کے کاروبار میں زبردست تیزی آئی۔ لیکن جن حالات میں سونے کی کھدائی کا کام بہت تیزی سے بڑھا ان کا تفصیلی بیان اگلے باب میں کیا گیا ہے۔

1870ء کے بعد کی دہائی میں پہلی بار ملک کی اقتصادیات میں بیوپاری کارپوریشنوں نے ایک اہم حیثیت حاصل کی۔ تقریباً تمام چائے کمپنیاں، پٹ سن مل اور روئی ملوں کی اجتماعی سرمایہ بنیادوں پر نئے سرے سے تشکیل ہوئی۔ تینتیس کوئلہ کانوں میں سے بائیس کانوں کی ملکیت 82-1881ء میں چھ کمپنیوں کے پاس تھی[3] اور ملک میں دو دادنی مل

[1] مختلف صنعتوں میں درج ہونے والی کمپنیوں کی سالانہ تعداد کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ 5 میں دیے گئے گراف۔ [2] ملاحظہ ہوں ضمیمہ 3، 5 [3] دو کانیں جو اس تعداد میں شامل نہیں ہیں اُن کا کام خود حکومت چلا رہی تھی۔ برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے 1901ء۔

بھی کمپنیوں کے تحت ہی کام کررہے تھے۔ کسی بھی صنعتی ادارے کے اجراء کے لیے اجتماعی سرمایہ بنیاد ایک لازمی اور ناگزیر شرط ہوگئی تھی۔ اس کی مقبولیت کا اظہار بہت سی چھوٹی چھوٹی تجارتی کمپنیوں تک میں اِس طریقے کے استعمال سے بخوبی ہوجاتا ہے۔ اسی زمانے میں اسٹاک ایکسچینج بھی منظم کیے گئے، اور بہت سے افراد اور کمپنیوں نے آڑھتیوں اور حصہ دلالوں کے کام میں مخصوص مہارت حاصل کرنا شروع کی[1] یہ تبدیلی کچھ موافق حالات کا نتیجہ تھی جن میں سے کچھ کا ذکر پہلے بھی کیا جاچکا ہے[2]

1850ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی نے تقریباً پورے ہندوستان کو فتح کرکے اُسے اپنی حکومت میں شامل کرلیا تھا اور الحاقی جنگوں کے خاتمے کے بعد ملک میں امن وسکون اور تحفظ قائم ہوگیا تھا۔ 1858ء میں حکومت برطانیہ نے نظامِ حکومت براہِ راست خود سنبھال لیا تھا اور اگلے چند سالوں میں حکومت کے انتظامیہ آلہ کار نے ملک کے مختلف علاقوں کے درمیان کسی حد تک قربت اور وابستگی سی پیدا کردی تھی۔ سپاہی بغاوت کے دو سالوں کے علاوہ ملک میں تجارت اور مختلف قسم کے بیوپاروں کے لیے حالات کافی سازگار تھے اور ملک کے سماجی، معاشی اور سیاسی شعور میں بھی اضافہ نظر آرہا تھا۔ اِس وقت تک یہاں کچھ یونیورسٹیوں کو قائم ہوئے پچیس سال ہوچکے تھے۔ انگریزی تعلیم اور خود انگریزوں، اُن کے طرزِ زندگی اور کارگزاریوں کی موجودگی ایسے افراد کے طرزِ فکر اور عادتوں پر اثرانداز ہورہی تھی جو اس قسم کے اثرات کے تعلق میں آرہے تھے[3] آٹھویں دہائی تک ملک میں ایک صنعتی مزدور طاقت بھی پیدا ہوچکی تھی، حالانکہ ابھی اس کا تکنیکی معیار کچھ بہت اعلیٰ نہیں تھا، لیکن اس کی بنیادیں بہرحال ہندوستان کے ملوں اور کارخانے کے ماحول سے وابستہ تھیں اور اس میں میکانیکی معاملات کے سلسلے میں ایک صلاحیت پیدا ہورہی تھی۔ بعض بعض موقعوں پر ایسے ہندوستانیوں کے نام بھی سننے میں آجاتے تھے جن

---

[1] ملاحظہ ہوں اُس زمانے کی بہت سی تجارتی ڈائرکٹریاں اور گیارھواں باب۔

[2] ملاحظہ ہوں صفحات 112، 213

[3] اس قسم کی آخری جنگ 1849ء میں ہوئی جس سے پنجاب کا الحاق عمل میں آیا۔

[4] مودلیئر اور چیٹرجی۔ صفحات 412 - 376۔

کی انجینیئری لیاقت اور موجدانہ اور اختراعی میلانات کسی دوسرے کے مقابلے میں کم نہیں کہے جا سکتے تھے[1]

رسل و رسائل اور ذرائع آمد و رفت کے میدان میں اس زمانے میں جو ترقی ہوئی اُس نے بھی تجارت، بیوپار اور صنعت پر براہِ راست اثر ڈالا۔ اس دوران ملک کے داخلی اور بیرونی رسل و رسائل دونوں میں بہت کافی ترقی ہو چکی تھی۔ بیرون ملک میں، 1869ء میں سویز نہر کے کھولے جانے سے ہندوستان کی غیر ملکی تجارت میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، اور خود ملک کے اندر حکومت نے ریلوے کی تعمیر کی پالیسی پر بھی نظر ثانی کی تھی اور یہ کام خود اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ پہلی بار اب بمبئی، کلکتے، مدراس اور دہلی کے درمیان ریل کے ذریعے سفر کرنا ممکن ہو گیا تھا[2] کچھ ترقی سڑکوں اور ٹیلی گراف لائنوں کی تعمیر میں بھی ہوئی تھی اور ہندوستان کے درمیان ٹیلی گراف رسل و رسائل کا ذریعہ قائم ہو گیا تھا[3]

---

[1] ایک ایسا ہی شخص این۔ این۔ واڈیا تھا جو کچھ عرصے کے لیے پیٹٹ ملس (PETIT MILLS) کا انجینئر تھا۔ ملاحظہ ہو ٹائمس آف انڈیا 14 اگست 1889ء میں وفات نامہ۔

[2] انڈین ریلوے بورڈ کی ہندوستانی ریلوے۔ سو سال 1853ء تا 1953ء [انڈین ریلویز۔ ہنڈرڈ ایرس] مطبوعہ 1953ء صفحات 15-12۔ 1882ء تک 10069 میل لمبی لائنیں ملک میں بچھائی جا چکی تھیں، جبکہ ان میں سے صرف 3363 میل لمبی لائنوں کا کام 1866ء تک مکمل ہو سکا تھا۔ 1882ء میں کل سرمایہ کاری (زیر استعمال سرمایہ ——— CAPITAL AT CHARGE) 1,43,24,00,000 روپے تھی۔ اس میں سے 1866ء سے پہلے لگائے گئے سرمائے کی رقم صرف 63,00,00,000 روپے تھی۔ برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، 1861-67ء کے درمیان حکومتِ ہند نے، سپاہی بغاوت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مالیاتی سختی کی وجہ سے کسی نئی ریلوے لائن کی تعمیر کے لیے منظوری نہیں دی تھی۔ 1869-81ء کے درمیان ریلوے میلوں میں حکومت کی تعمیر کے نتیجے میں جو اضافہ ہوا تھا وہ کل 3397 میل تھا۔ سانیال، صفحہ 13۔

[3] 1845ء تک ہندوستان کے کسی حصے میں بھی سڑکوں کی تعمیر کا کام منظم طور پر شروع ..... نہیں ہوا تھا۔ ایوان اُن سڑکوں کی صحیح صحیح لمبائی کا اندازہ کرنے میں ناکام رہا ہے جو اب تک ہندوستان میں بن چکی ہیں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ برطانوی ہندوستان میں سڑکوں کی کل لمبائی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان تمام ترقیوں نے قدرتی طور پر نقل و حرکت کی لاگت کو گھٹایا اور اس کے جوکھم اور وقت میں کمی پیدا کی۔ اس سے ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل سستے بھی ہوئے اور اتنے تیز اور محفوظ بھی ہو گئے جتنے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ حالانکہ اس طرح فاصلوں کو کسی قدر کم ضرور کر دیا گیا تھا لیکن اس ترقی کو ملک کی وسعت اور اس کی ضروریات کے لحاظ سے دیکھا جانا بھی ضروری ہے۔ اب بھی یہ بات آسانی سے ممکن تھی کہ ملک کے ایک حصے میں فصلیں پڑی سڑتی رہیں اور دوسرے حصے میں لوگ بھوکوں مرتے رہیں[1]

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) غالباً 50,000 میل سے زیادہ نہیں ہے جبکہ انگلینڈ میں جس کا کُل رقبہ 50,000 مربع میل ہے کُل 1,00,000 میل لمبی عوامی شاہراہیں اور پتھر کی پختہ سڑکیں موجود ہیں۔" بمبئی ایوانِ تجارت کی طرف سے مالیاتی کمیشن کو پیش کی گئی یادداشت، ٹائمس آف انڈیا۔ 12 مئی 1879ء یورپ اور ہندوستان کے درمیان پہلی ٹیلی گراف لائن 1866ء میں قائم ہوئی تھی۔ برطانوی ہندوستان کے شماریاتی گوشوارے 1901ء صفحات XXVII — XXVI۔

[1] ایوان یقین رکھتا ہے کہ یہ صورت حالات (تجارت کی انتہائی کم ترقی یافتہ کیفیات) اگر مکمل طور پر نہیں تو بھی بنیادی طور پر ملک کے داخلی رسل و رسائل کے نظام کے افسوسناک حد تک ناکافی اور خراب ہونے کا نتیجہ ہے۔" بمبئی ایوان تجارت کی یادداشت (سابقہ حوالہ) "برطانیہ کی آبادی میں درآمدات اور برآمدات کی فی کس قدر کا اگر ہندوستان سے مقابلہ کیا جائے تو اس کے نتیجے سے اس وقت اتنی حیرت نہیں ہوگی جب ہندوستان کی ریلویز اور سڑکوں کی کیفیات کو بھی ذہن میں رکھا جائے۔ برطانیہ جس کا کل رقبہ 1,22,550 مربع میل ہے اس میں 16,872 میل لمبی سڑکیں ہیں جو آمد و رفت کے لیے کھلی ہوئی ہیں اور پورے ملک میں سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ دوسری طرف برطانوی ہندوستان جس کا رقبہ 14,81,866 مربع میل ہے اس میں صرف 7,326 میل ریلوے لائنیں ہیں، اور سڑکوں کے معاملے میں حالات اس حد تک خراب ہیں کہ ہر سال اس کی ہزاروں ٹن پیداوار کو کھیتوں میں ہی سڑنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے، چونکہ ان کو بازاروں تک لانے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ پھر بھی برطانوی ہندوستان کی مجموعی درآمدات اور برآمدات اور خزانوں کو شامل کر کے 1853ء میں — جب ہندوستان میں ریلویز کی تعمیر کا کام شروع ہوا تھا — 3,84,22,000 پونڈ سے بڑھ کر 1877ء میں 11,39,19,018 پونڈ ہو گئی

جس وقت کلکتے میں کوئلہ 4 روپیے ٹن بک رہا تھا اس وقت بمبئی کو اسی میں آسانی کتنی کر ساحل پر پہنچنے کے بعد 15 یا 16 روپیے ٹن کی قیمت پر یہ اسے برطانیہ سے ہی درآمد کرنے[1] اس زمانے میں ریلوے میں کسی قدر توسیع کے باوجود، اس کی نشوونما پر ملک کی تجارت وصنعت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مشکل ہی سے توجہ دی جاتی تھی۔ اِس سلسلے میں جن چیزوں کا اثر غالب ہوتا تھا وہ سیاسی حالات، مثلاً غیر ملکی تجارت اور قحط میں امدادی کام تھے[2] اس کے نتیجے میں ریلوے کی محصولی پالیسی (ٹیرف) بھی داخلی بیوپار اور صنعت کی ترقی کے

تھی۔" بمبئی ایوان تجارت کی یادداشت (سابقہ حوالہ)

"جس وقت راجپوتانہ میں ہولناک قحط پڑا ہوا تھا راجپوتانہ میں 1869ء کے قحط کے نتیجے میں تقریباً پندرہ لاکھ جانیں صرف بھوک مری سے ضائع ہونے کا اندازہ ہے اور کاشت کے جانوروں کا نقصان اتنا شدید تھا کہ گورنر جنرل کے ایجنٹ نے اندازہ لگایا تھا کہ معمول کے مطابق کل رقبے کے آدھے میں بھی تخم ریزی نہیں کی جا سکتی تھی) اُس وقت گجرات میں گیہوں، جوار اور دوسرے غلّوں کی فراوانی تھی، لیکن یہ راجپوتانہ میں تقریباً ناپید تھے، چونکہ مصیبت زدہ ضلعوں تک اناج تیزی سے پہنچانے کے لیے کوئی ذریعہ موجود نہیں تھا۔" ایضاً۔

[1] ٹائمس آف انڈیا، 22 مارچ 1875ء، 29 اپریل 1878ء۔

[2] "سماجی، سیاسی، بیوپاری، مالیاتی اور فوجی اعتبار سے اہمیت رکھنے والے اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہوئے عناصر ہی حکومتِ ہند کی کارگزاریوں کو متعین کرتے تھے۔ بعض اوقات ظاہری طور پر ملک کا دفاع ریلوے کی پالیسی میں ترجیحی حیثیت رکھتا تھا، کسی دوسرے زمانے میں حکومت کی دلچسپی روئی یا قحط زدہ علاقوں سے ہوتی۔ ریلوے کو دی جانے والی امداد ہمیشہ صرف بجٹ میں موجود ذرائع کی حد تک محدود ہوتی۔" ڈبلیو۔ جے۔ میکفرسن، ہندوستانی ریلویز میں سرمایہ کاری 1845ء تا 1875ء، اکونومک ہسٹری ریویو، دسمبر 1855ء صفحہ 180۔

"حکومت کو سماجی، معاشی اور شاید سب سے زیادہ بنیادی طور پر فوجی وجوہات کے لیے ریلوے کی ضروریات تھی۔ کسی حد تک اس پر (برطانوی) بیوپاری اور صنعتی مفادات کا بھی اثر تھا۔" ایضاً، صفحہ 186 نیز ملاحظہ ہوں تاڑی صفحات 67 — 66 اور امبا پرشاد ہندوستانی ریلویز (انڈین ریلویز) مطبوعہ 1960ء، صفحات 46، 47 اور 402۔

لیے ناموافق ہی ہوتی تھی[1] ان ریلوے لائنوں پر توجہ نہ دیے جانے سے، جو بڑی لائنوں تک آمد و رفت کا رشتہ قائم کرسکیں، ملک کی معاشی ترقی میں ریلویز جتنا بڑا حصہ

---

[1] پہلی بات یہ کہ ریلوے محصول کی شرحیں بہت اونچی تھیں۔ 1867ء میں "ایسٹ انڈین ریلوے" [E.I.R.] نے بہت سی درخواستوں کے جواب میں اپنے محصولوں کی شرحوں میں کافی کمی کی، اور 1871ء میں بمبئی کے تاجروں کی معقول اور مناسب امیدوں کو پورا کرنے کی غرض سے "گریٹ انڈین پینینسلر ریلویز" [G.I.P.R.] نے بھی اسی قسم کے اقدامات پر عمل کیا۔" میکفرسن" صفحہ 185۔

"بمبئی ایوان تجارت نے "قحط کمیشن کی یادداشت کے جواب میں لکھا:" حالانکہ ہندوستان کی درآمدات میں سالانہ ترقی تسلی بخش رہی ہے، لیکن ریلوے لائنوں کے محدود پھیلاؤ کی وجہ سے صرف انہی صوبوں میں ترقی بہت اچھی ہوئی ہے جہاں مینیجمنٹ کے نرم رویے کے نتیجے میں تجارت کو بڑھاوا دینے کی غرض سے ریلوے کے مال بھاڑے کو کم کر دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر کی منظوری دینے کے سلسلے میں حکومت ہند کے سامنے ایک اہم ترین پہلو مختلف قسم کی اشیاء کی پیداوار اور اس کے نتیجے میں قومی دولت میں اضافہ رہا ہے، لیکن یہ نیک مقصد ایسی صورت میں ناکام ہو جاتا ہے جب مال بھاڑے کی دریں بہت اونچی مقرر کی جائیں۔ شمالی ہندوستان تک براہِ راست آمد و رفت کا ایک ہی راستہ ہے جو گریٹ انڈین پینینسلر ریلوے نے فراہم کیا ہے۔ لیکن مال بھاڑے کی اونچی شرحوں نے مغربی ہندوستان کو ان فوائد سے محروم کر دیا ہے جن کی توقع جی۔ آئی۔ پی۔ ریلوے کے اس نظام کے شروع ہونے سے یہ پریسیڈنسی مناسب اور جائز طور پر کرسکتی تھی۔ (سابقہ حوالہ)

1880ء میں دور فاصلوں کے لیے مال بھاڑے کی شرحیں یونائیٹڈ اسٹیٹس امریکہ کے محصول سے بھی زیادہ تھیں جہاں ایک ٹن گیہوں 450 میل 2.50 ڈالر میں لے جایا جاتا تھا۔ یہی فاصلہ ہندوستان میں 5.5 ڈالر میں طے کیا جاتا تھا۔ "برطانوی پارلیمنٹری پیپرس بابتہ 1921ء کمانڈ پیپر 1512 صفحات 54-53 ڈی۔ ایچ۔ بکانن نے صفحات 7-186 میں ذکر کیا۔

دوسری بات یہ کہ بندرگاہوں کو لائی جانے والی اشیاء کے بھاڑے کے نرخ علیحدہ اور مخصوص طور پر مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان سے درآمدات کو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے سکتی تھیں وہ نہ لے پائیں۔ یہ تمام کیفیات اس کی راہ میں زبردست رکاوٹیں بنی ہوئی تھیں۔
دریاؤں اور ساحلی علاقوں میں آبی آمدورفت کے معاملے میں ہندوستان اور برطانیہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) بڑھاوا ملتا تھا اور ملک کی صنعتی ترقی کی مزاحمت ہوتی تھی۔ ہندوستانی صنعتوں کے خلاف امتیازی رویّے کا الزام ۱۹۴۶ء تک بھی عائد کیا جاتا رہا ہے۔

اس مسئلے پر امپیریل لیجسلیٹو کاؤنسل میں بار بار بحث بھی ہوئی اور مختلف کمیشنوں کے دیے ہوئے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس قسم کی شکایات سراسر بے بنیاد بھی نہیں تھیں۔ مال بھاڑے کے ان نرخوں کے لیے مندرجہ ذیل مثال دی جا سکتی ہے۔

مال بھاڑا فی من

	آنہ	پائی	پائی فی من فی میل
جبل پور سے بمبئی (616 میل)	9		.18
〃 〃 کلکتہ (733 میل)	14	8	.24
〃 〃 کانپور (314 میل)	9	7	.37

[امبا پرشاد، سابقہ حوالہ، صفحہ 238]

حقیقت میں ۱۸۹۰ء کے ریلویز ایکٹ سے پہلے ہندوستان میں کوئی بھی ریلوے سامان بھیجنے والے تمام گاہکوں کو کسی قانون کی رو سے یکساں سمجھنے کے لیے پابند نہیں تھی اور کسی بھی ٹھیکے میں ۱۸۸۱ء سے پہلے غیر ضروری ترجیح کے خلاف کوئی رکاوٹ بھی نہیں شامل کی گئی تھی۔ خود ۱۸۹۰ء کے ایکٹ میں بھی کوئی ایسا باشرائط کار فراہم نہیں کیا گیا تھا جو غیر ضروری ترجیحی رویّے کے خلاف شنوائی کر سکے۔

ملاحظہ ہو امبا پرشاد، صفحات 44-232 اور 63-262 نیز تواڑی، صفحات 7-66

——— این۔ بی۔ مہتا، ہندوستانی ریلویز، نرخ اور قواعد [انڈین ریلویز، رولز اینڈ ریگولیشنس] مطبوعہ ۱۹۲۷ء، باب 5، 6

——— ایف بی انٹیا [F.P. ANTIA] ملک کی اندرونی آمدورفت کی لاگت [ان لینڈ ٹرانسپورٹ کاسٹس] مطبوعہ ۱۹۳۲ء، صفحات 133، 137 حاشیہ۔

——— جے۔ این۔ بھٹانی، ہندوستان میں ذرائع آمدورفت اور صنعتوں کا وقوع [ٹرانسپورٹ اینڈ لوکیشن آف انڈسٹریز ان انڈیا] انڈین اکونومک ریویو، اگست ۱۹۵۲ء۔

کے سرمایہ کاروں نے متعدد بار اسٹیمر جہاز چلانے کی بھی کوشش کی تھی، لیکن تقریباً
سب ہی کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ گنگا اور برہم پتر میں اس قسم کے کاروبار کی ترغیب
سب سے پہلے چھٹی دہائی میں 'سپاہی بغاوت' سے ملی۔ اس کے بعد ساتویں دہائی میں چائے کی
صنعت نے اس کام میں دلچسپی کے مواقع فراہم کیے اور تیسرا موقع آٹھویں دہائی کے ابتدائی
حصے میں بنگال کے مشرقی ضلعوں میں پٹ سن کی تجارت نے پیدا کیا۔ ملک کے اس حصے میں کچھ
اہم دخانی جہاز کمپنیاں —'دی انڈیا جنرل'، 'دی گینجز'، 'دی بنگال ریورس'، 'دی کامرشیل'
اور تین پونڈ بنیادوں کی کمپنیاں، 'دی برٹش انڈیا'، 'دی اورینٹل' اور 'دی ریورس اسٹیم شپ'
تھیں، جو یا تو پوری طرح یورپی افراد کی ملکیت میں تھیں یا ان کا ایک بڑا حصہ ان افراد کے
پاس تھا۔

کچھ ہندوستانی کمپنیاں بھی موجود تھیں مگر انھوں نے ابھی تک کوئی اہم جگہ حاصل نہیں
کی تھی۔ ہندوستانی جہاز رانی کا زیادہ بڑا حصہ ابھی تک غیر اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کے پاس تھا۔
'دی انڈیا جنرل' اور 'دی برٹش انڈیا' کے علاوہ یہ کمپنیاں کافی چھوٹی تھیں اور اس لیے ان
میں کوئی بڑا نقصان برداشت کر لینے کی سکت بھی محدود تھی۔ پھر بہت سی صورتوں میں چونکہ ان
کا پوری طرح بیمہ بھی نہیں ہوا تھا اور نئے جہازوں کی فراہمی میں بھی کافی وقت لگ جاتا تھا،
اس لیے 1864ء کے طوفان جیسی قدرتی آفات یا خطرناک قسم کے دریاؤں میں جہاز رانی کے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) — ہندوستانی صنعتی کمیشن 1916-18ء۔ باب XIX
—— امپیریل لیجس لیٹو پروسیڈنگس 50 (1 مارچ 1912ء) اور 53 (14 مارچ 1912ء)
—— ہالینڈ کمیشن کی رپورٹ، پیرا 149۔
—— انڈین فسکل کمیشن رپورٹ، پیرا 149۔
—— دیج ووڈ کمیٹی کی رپورٹ، پیرا 130۔
—— ایچ۔ بیل [H. BELL] 'ہندوستان کی ریلوے پالیسی [ریلوے پالیسی ان انڈیا] 1894ء
—— ایچ۔ ای۔ [H. E. TREVOR] 'برطانوی ہندوستان میں ریلویز [ریلویز ان برٹش انڈیا] 1891ء۔
—— این ساںیال 'ہندوستانی ریلویز کی نشوونما' [ڈیولپمنٹ آف انڈین ریلویز] 1930ء

دوران پہنچنے والے نقصانات ان کی حالت اور حیثیت پر بری طرح اثر ڈالتے تھے[1] ان میں سے بہت سی کمپنیوں کی ناکامی کی بنیادی وجہ مال بھاڑے کی چھین جھپٹ میں ایک دوسرے کو ختم کر دینے والا آپسی مقابلہ ہی تھا۔ ظاہر ہے اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ صرف مضبوط ترین کمپنیاں باقی رہیں۔ چنانچہ انڈیا جنرل نے جلد ہی تقریباً تمام کمپنیوں کو اپنے اندر ضم کر لیا، یا جیسے جیسے یہ کمزور ہوتی گئیں اس نے ان کی کشتیوں اور اسٹیمروں کو خرید لیا۔ 'دی برٹش انڈیا' جو بین الاقوامی سمندروں میں جہاز رانی کرتی تھی، اس نے ساحلی علاقوں میں جہاز رانی کے سلسلے میں بہت اہم حصہ لیا۔ صدی کے تقریباً درمیان میں ایک معمولی سی ابتدا سے 1881ء تک یہ ایک 'زبردست کمپنی' ہو چکی تھی۔ اور جیسا کہ 'فرینڈ آف انڈیا' نے اظہار کیا تھا یہ کمپنی "ملکی جہاز رانی اور اس سے ملحق صنعت کے ایک بڑے حصے کو۔۔۔" مکمل طور پر کھینچ لینے۔۔۔۔

---

[1] 1880ء اور 1881ء کے درمیان صرف 'دی انڈیا جنرل' کو پہنچنے والے نقصانات کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

1880ء 'فلیٹ پٹنہ' مانیکھولا دریا میں ڈوبا۔

1880ء 'فلیٹ جمنا' گوہاٹی میں آگ کی نذر ہوا۔

1881ء 'فلیٹ ڈیلٹا' اتھارابانکا دریا میں ڈوبا۔

1881ء اسٹیمر ناگا' ڈیبرو دریا میں ڈوبا۔

1881ء اسٹیمر گوالپاڑا کیکلری دریا میں ڈوبا۔ بریم، صفحہ 144۔

[2] "ان بھوکی اور نڈھال کمپنیوں کے پورے گروہ کے پاس کافی کاروبار موجود نہیں تھا اور جیسے جیسے ان میں سے ایک ایک کمپنی اپنی کمزوری کی نذر ہونے لگتی یہ (انڈیا جنرل) اسے اس قیمت میں خرید لیتی جو بھوک مری کی حالت میں ادا کی جا سکتی ہے۔ وہ کمپنیاں جو جمی رہیں — جیسے 'دی بنگال ریورس' — انھیں بھی مضبوط دھاروں میں شامل ہو جانے کے لیے آمادہ کیا گیا، اور آہستہ آہستہ انھیں اپنے اندر ضم کر لیا گیا۔" بریم صفحہ 79۔

"1865ء اور 1869ء کے درمیان 'انڈیا جنرل' نے 'دی اورینٹل'، 'دی کامرشیل'، 'دی بنگال ریورس' اور 'دی گینجز' کو 'نگل' لیا۔" ایضاً صفحات 79، 74۔

فلیٹ۔ ایک متقل تل کی کشتی۔ (مترجم)

کے سلسلے میں بنیادی طور پر ذمے دار تھی۔[1]

ہندوستان کے مغربی ساحل پر دخانی جہازراں کمپنیوں کے قیام کا موقع اُس وقت حاصل ہوا جب روپے کی قیمت کم تھی اور امریکی خانہ جنگی کے چھڑ جانے سے روئی کی تجارت میں اضافہ ہو چکا تھا۔ بمبئی میں سرمایہ کاروں کا انداز اس وقت کچھ ایسا ہی تھا کہ 65-1961ء کے تین سال کی قلیل مدت میں ہی چودہ کمپنیاں شروع کی جا چکی تھیں۔[2] اتنی عجلت میں اتنی بہت سی کمپنیوں کے قیام کا قدرتی نتیجہ زبردست مقابلہ ہی ہو سکتا تھا، اور اس خطرے کو جھیل لینے کے لیے یہ کمپنیاں پوری طرح مسلح تھیں۔[3] کمپنی کے انتظامیہ میں پیش بینی کی صلاحیت کا فقدان تھا اور حصے داروں میں صبر و سکون کی کمی تھی، چنانچہ جیسے ہی گرم بازاری کا دور ختم ہوا ان کو رضاکارانہ طور پر خاتمے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ اور یہ اس نادر موقعے کے ضائع جانے کی طرف نشان دہی کرتا ہے جو کسی قوم کی معاشی زندگی میں شاذ و نادر ہی آتا ہے۔

ساتویں دہائی میں برطانوی جہازراں کمپنیاں بہت زیادہ مضبوط نظر نہیں آتیں۔ نویں دہائی سے برطانوی جہازرانوں کی دلچسپیاں ہندوستان میں بھی مستحکم ہونی شروع ہوئیں اور اس کے بعد سے انھوں نے جہازرانی کے بیوپار میں ہندوستانیوں کے داخلے کی پوری شدت کے ساتھ مدافعت اور مخالفت کی۔ جتنی سختی سے پیننسلر اینڈ اورینٹل شپنگ کمپنی [P&O] نے جے۔ این۔ ٹاٹا کی اُن کوششوں کو ناکام کیا ہے، جن کے ذریعے وہ پیدا شدہ اشیاء کو ایک جاپانی جہازراں لائن کے توسط سے مشرق بعید بھیجنا چاہتا تھا، اس سے اس انداز کی ترجمانی بخوبی ہو جاتی ہے۔[4] نا تجربے کاری، بدانتظامی

---

[1] ورمی 1881ء۔ [2] ملاحظہ ہو ضمیمہ 8، تفصیلات، برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، 1883ء میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ [3] بمبئی میں قائم شدہ کمپنیوں میں سے دو کے پاس اتنا ہی سرمایہ تھا جتنا برٹش انڈیا کمپنی کے پاس تھا۔ لیکن زبردست مقابلے کے بعد انھیں کافی بیوپار نہ ہونے کی وجہ سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ ٹائمس آف انڈیا۔ 30 مئی 1882ء۔

[4] پیننسلر اینڈ شپنگ کمپنی نے ہانگ کانگ اور شنگھائی کو نے جانے والے مال پر فی مکعب ٹن مال بھاڑے میں کٹوتی کر دی، اور یہ 13 اور 19 روپیے سے گھٹ کر صرف (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور سرمایے کی کمی، جیسی وجوہات کو بھی بعض لوگوں نے بہت سی ہندوستانی جہاز راں کمپنیوں کی ناکامی کا ذمے دار ٹھہرایا ہے۔ لیکن حقیقت اِن دونوں نظریوں کے بیچ میں کہیں ہو سکتی ہے۔ جہاز رانی میں ہندوستانیوں کی دل چسپی میں کمی کی وجوہات کچھ گنجلک ہیں اور ان کی بنیاد انیسویں صدی کی ابتدا میں ہی نظر آنی شروع ہو جاتی ہے۔[1]

ایک اور عنصر جس نے ہندوستان کی صنعتی ترقی کی رفتار کو روکے رکھا وہ اس کا زراعتی سیکٹر تھا۔ ایک ایسی معیشت میں جس پر زراعت غالب ہو، پروفیسر روسٹو کی ایک صحیح رائے کے مطابق: "زراعت میں پیداوار کی شرح کی طرف ارتقاء کی ایک حد مقرر کر دیتی ہے۔"[2] پروفیسر روسٹو کے مطابق ایسی معیشت میں زراعت کو تین امتیازی کردار ادا کرنے ہوتے ہیں: (الف) ایک بڑھتی ہوئی آبادی کو غذائی ذرائع فراہم کرنا اور بڑھتی ہوئی مدنیت کی لاگت اور قائم سرمایے اور بروئے کار سرمایے کے لیے غیر ملکی زر مبادلہ کی ضروریات کو پورا کرنا: خاص طور پر عبوری دور میں جس وقت ملک کی صنعت اُس حد تک وسیع پیداواری بنیادوں پر اتنی مستحکم نہیں ہوتی کہ وہ کافی غیر ملکی زر مبادلہ کما سکے (ب) جہاں صنعتی ترقی مصرفی اشیاء کی صنعتوں کی بنیاد پر ہو، وہاں ایک موثر مانگ یا ٹیکسوں کے ذریعے محاصل فراہم کرنا۔ چونکہ بڑھتی ہوئی دیہی آمدنیوں سے ہی کسی نہ کسی قسم کے ٹیکسوں میں اضافے کے ذریعے ــــ جو عبوری دور میں حکومت کے کاموں کے لیے مالیات کے حصول کے لیے ضروری ہوتے ہیں ــــ یہ آمدنی اِس طرح حاصل کی جا سکتی ہے کہ نہ تو دیہی علاقوں پر اِن سے بھوک مسلط ہو جائے اور نہ شہری آبادی میں افراطِ زر کے رجحانات پیدا ہو جائیں۔ اور (ج) اپنی زائد آمدنی کے حصے کو جدید سیکٹر کی طرف بڑھا دینا چونکہ زمین کی ملکیت سے حاصل ہونے والی زائد آمدنی کسی نہ کسی طرح ہاتھوں سے جو عجیب عجیب طرح کے مصارف میں خرچ کر کے اسے بے اثر کر دیتے ہیں، ایسے ہاتھوں میں منتقل

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) بجائے نام ایک روپیہ رہ گئی۔ یہ واقعہ ۱۸۶۵ء کا ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ایس۔ ڈی۔ مہتا، صفحات ۱-۶۰

[1] ملاحظہ ہو جہاز رانی صنعت پر ضمیمہ مقالہ میں ایک نوٹ۔

[2] ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ روسٹو۔ اقتصادی ترقی کے مدارج [دی اسٹیجز آف اکونمک گروتھ] مطبوعہ ۱۹۶۰ء (پیپر بیک) صفحہ 23۔

کر دینا ضروری ہے جو اسے جدید سیکٹر میں سرمایہ کاری کے لیے استعمال کریں، اور جیسے جیسے پیداوار اور قوتِ پیداوار میں اضافہ ہو یہ اس سے متواتر منافع حاصل کرتے رہیں[1]

گزشتہ صدی کے نصف میں ہندوستان کے زراعتی حالات کے مطالعے سے اس میں بہت کم شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس دور میں سماجی اداروں میں کام آنے والا سرمایہ اور حکومت کے انتظامیہ پر ہونے والے اخراجات کا بڑا حصہ، ٹیکسوں کی ادائیگی کی صورت میں اور زراعتی پیداوار کی برآمد سے غیر ملکی زرِ مبادلہ حاصل کر کے صرف زراعتی سیکٹر ہی پورا کرتا تھا۔ اس لیے جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ سماجی اداروں کی تخلیق کر کے عبوری منزل میں حکومت اپنی ذمے داریوں کو صرف اُس حد تک پورا کر سکتی ہے جتنا زراعتی سیکٹر سے پیدا ہونے والے محاصل اور برآمدات سے حصول، اس کے لیے مواقع فراہم کرتے ہیں، یہ کہا جا سکتا تھا کہ ہندوستان کے زراعتی سیکٹر نے ایک ایسی حد مقرر کر دی تھی جس کے اندر ہی معاشی ترقی کی طرف آگے بڑھنا ممکن تھا۔

حکومت ہند کی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی، جو 1875ء سے 1900ء تک کے عرصے میں 33.24 فی صدی اور 23.64 فی صدی کے درمیان تھی بہت تیزی سے نہیں بڑھی، چونکہ بنگال اور کچھ اور علاقوں میں یہ ایک شرح پر قائم تھی اور دوسرے علاقوں میں بھی کچھ کچھ سالوں کے لیے مقرر کر دی جاتی تھی[2] لگان کے نظام سے کاشتکاروں کی بجائے زمینداروں کو فائدہ پہنچا تھا۔ اور کسی بھی چیز سے ایسی شہادت نہیں ملتی کہ جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ زمیندار زمینوں کی قوتِ پیداوار بڑھانے میں کوئی خاص دل چسپی رکھتے تھے۔

زراعتی ترقی کے بہت سے رخ ہیں۔ آج کے مفکرین کی رائے میں ہندوستانی زراعت کے پچھڑے پن کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔ سب سے پہلے ذرائع آمد و رفت میں کمی اور رسل و رسائل کی خرابی جس سے پیدا شدہ فصلوں کی فروخت کی صلاحیت بھی

---

[1] اس پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ادسلو (سابقہ حوالہ) صفحات 31، 17 -

[2] برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے 1901ء صفحہ XIX -

محدود ہو جاتی ہے[1] اور دوسرے لگان داری کے غیر محفوظ حقوق، کاشت کاروں سے وہ اہم ترغیب چھین لیتے ہیں جو کھیتی باڑی کے طریقوں میں ہر قسم کی ترقی کی کوشش کے پیچھے کارفرما ہوتی ہے اور جو فصل میں بڑھوتری کے لیے ایک لگن اور خوشی پیدا کرتی ہے۔[2] تیسرے انتشار آراضی، جو آبادی میں اضافے کے دباؤ سے بھی کسی قدر وجود میں آتا ہے اور کسی حد تک قانون وراثت کا بھی نتیجہ ہوتا ہے۔ خاص طور پر اولادِ اول کی جانشینی کے اصول کی غیر موجودگی میں[3]۔ اور چوتھے، کاشت کاروں کو بہتر تکنیک اور معاملات کی فراہمی اور

---

[1] بمبئی ایوان تجارت کے صدر، ایم۔ مووت (جو رتیچے اسٹوارٹ اینڈ کمپنی کے ایک ساجھے دار بھی تھے) نے قحط کمیشن کے سامنے پیش کیے جانے والے ایک میمورنڈم میں کہا تھا: "جب تک ہم وسطِ ہند کے عظیم پیداواری ضلعوں کے بارے میں اس قسم کے بیانات دیکھتے رہیں گے کہ صرف ایک تہائی سے کچھ زیادہ حصہ زیر کاشت ہے" اور یہ کہ ان حالات میں بھی "افراط کے سالوں میں، جلدی ضائع ہوجانے والی پیداواروں کی قدر بھی کم و بیش ختم ہو جاتی ہے اور انھیں کھیتوں میں ہی گلنے سڑنے اور ضائع ہو جانے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے، صرف اس لیے کہ ان کو باہر لے جانے کے لیے سڑکیں موجود نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں ہم اس سلسلے میں بہت کم ترقی کی توقع کر سکتے ہیں۔ جب تک ان کیفیات کو باقی رہنے کی اجازت دی جاتی رہے گی، رعیت کے لیے اپنی حالت سدھارنا ناممکن ہوگا، اور وہ آج کی طرح ہمیشہ مزید کوشش اور محنت کے لیے کسی قسم کی ترغیب و تحریک بغیر اپنی جگہ قائم رہیں گے اور اپنی روزانہ ضروریات کو پورا کرنے اور مشکل سے صرف اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے برابر ذرائع کے حصول میں مصروف رہنے پر مجبور رہیں گے۔" میمورنڈم، سابقہ حوالہ

[2] ملاحظہ ہو ٹائمس آف انڈیا، 10 اکتوبر 1877ء، 27 جنوری 1879ء اور فرینڈ آف انڈیا، 18 جولائی 1867ء، نیز مور لینڈ اور چٹرجی، صفحات 90-380 اور 20-419۔

[3] آبادی میں اضافے کے سلسلے میں، ابتدائی مردم شماری کے اعداد کو بہت احتیاط کے ساتھ بیان کیا جانا ضروری ہے۔ چونکہ مردم شماری کا علاقہ بعد میں بڑھا دیا گیا تھا۔ لیکن یہ بات بہنا مناسب اور معقول محسوس ہوتا ہے کہ قحط اور وباؤں کے سالوں کو چھوڑ کر آبادی 0.4 فیصدی سالانہ کی شرح سے بڑھی۔ ملاحظہ ہو کے۔ ڈیوس، ہندوستان اور پاکستان کی آبادی [دی پاپولیشن آف انڈیا اینڈ پاکستان] مطبوعہ 1951ء، صفحات 9-26۔

کاشت کے نئے اور ترقی یافتہ طریقوں کے اپنانے کے لیے ضروری سرمایہ بہم پہنچانے کی کمی[1]

دیہی آمدنی میں ایسی بڑھوتری جس کی بنیادیں زمینی اصلاحات کے ذریعے قوت پیداوار کے اضافے میں ہوں مختصراً وہ چیز تھی جسے جاپان، روس اور دوسرے ملکوں نے انیسویں صدی میں عبوری دور میں اس مقصد کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے حاصل کر لیا کہ سماجی اداروں اور جدت کی طرف اپنی رفتار کے لیے ضروری سرمایے کی فراہمی میں اضافہ کر سکیں[2]

ہندوستان کی زرعی پیداوار میں انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں اضافہ نظر آتا ہے۔ خاص طور پر 1891ء کے بعد، جب سے کسی حد تک معتبر اعداد و شمار موجود ہیں۔ 93-1891ء اور 1900ء کے درمیانی عرصے میں زیر کاشت علاقہ 16,80,00,000 سے 18,10,00,000 ایکڑ یا 0.87 فی صد سالانہ تک بڑھ گیا۔ غذائی فصلوں میں زیر کاشت رقبہ 2,79,00,000 سے 2,99,00,000 ایکڑ تک ہی بڑھا۔[3] تمام فصلوں کی پیداوار میں 0.97 کی شرح سے اضافہ ہوا۔

اس عرصے میں مجموعی طور پر فصلوں کی فی ایکڑ پیداوار کی شرح میں بھی اضافہ ہوا، جو 0.87 فیصدی سالانہ کے حساب سے بڑھی۔ غیر غذائی فصلوں میں یہ بڑھوتری سب سے زیادہ یعنی 2.06 فی صدی سالانہ تھی۔ لیکن غذائی فصلوں کی پیداوار میں جس کا رقبہ غیر غذائی فصلوں کے رقبے سے چھ گنا تھا، یہ اضافہ صرف 0.64 فیصدی سالانہ تھا[4]

---

[1] ایضاً صفحہ 197۔ نیز مور لیڈ اور چیٹرجی، صفحات 86، 381، 1860ء اور 1880ء کے درمیان کسانوں کی قرضداری کے سلسلے میں بحث اس میں دیکھی جا سکتی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو، عرفان حبیب، مغل ہندوستان کا زرعی نظام، (دی اگریرین سسٹم آف مغل انڈیا) 1963ء۔

[2] روسٹو، اقتصادی ترقی کے مدارج، صفحہ 24۔

[3] جارج بلائن، ہندوستان میں زراعتی رجحانات (اگریکلچرل ٹرینڈس ان انڈیا) 1891ء تا 1947ء پیداوار، موجودگی اور قوت پیداوار (آؤٹ پٹ، اویل ایبلٹی اینڈ پروڈکٹیوٹی) مطبوعہ 1866ء ضمیمہ گوشوارہ 4c، صفحہ 316۔

[4] ایضاً۔ ضمیمہ گوشوارہ 5A، صفحات 30، 327۔

مجموعی پیداوار میں صرف 0.87 فی صدی کا اضافہ مشکل ہی سے اطمینان بخش سمجھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کی زرعی پیداوار میں حقیقی اور باثر اضافہ کرسکنے میں ناکامی نے یہاں کی ترقی اور تجدید کی کوششوں میں حدیں ضرور مقرر کی ہوں گی۔

اس کے علاوہ بھی ملک میں کچھ اور کیفیات ایسی پیدا ہوئیں جن کے اثر سے کسی نہ کسی طرح یہاں کی معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر گھریلو اخراجات (HOME CHARGES)* یا ہندوستان کی سرحدوں سے باہر فوجی کارگزاریوں کی لاگت کو پورا کرنے کے لیے ہندوستانی محاصل پر بوجھ پڑتا تھا اور ایسے قرضوں کی رقموں میں اضافہ ہوتا تھا جو حکومت ہند کی طرف سے برطانیہ میں ابھارا جاتا تھا، لیکن اس سے ہندوستان کو فائدہ نہیں پہنچتا تھا[1] سونے کے مقابلے میں چاندی کی قیمت میں گراوٹ آنے سے جو آہستہ

---

[1] گزشتہ چند سالوں میں صرف جنگوں اور قحطوں کی لاگت " پائنیر میل' نے 26 اپریل 1882ء کو لکھا تھا " 00,000,00 پونڈ تک رہی ہے۔ 81-1880ء میں حکومت ہند کے کل قرضوں کی رقم 25,00,00,000 پونڈ تھی۔ جس میں سے کل 10,00,00,000 پونڈ صرف ضمانت شدہ ریلویز کے لیے تھا۔ ان قرضوں کے صرف سود کی ادائیگی کی لاگت ہی 6 0,96,112 پونڈ تھی۔ ان قرضوں سے جو محاصل حاصل ہوئے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

رفاہِ عامہ کے کام	2,16,0,132 پونڈ
دیسی ریاستوں کو دیے گئے قرضوں پر سود	8,44,850 "
کل خسارہ	30,01,230 "

قرضوں کو مندرجہ ذیل طور پر استعمال کیا گیا۔

ریلویز (10,000 میل)	12,45,00,000 "
آبپاشی کے ذرائع (10,000 میل)	1,77,50,000 "

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

* گھریلو اخراجات سے مراد اُن مصارف سے ہے جو حکومت برطانیہ کے اخراجات تھے اور ہندوستان کو ادا کرنے پڑتے تھے۔ (مترجم)

آہستہ گھٹتی ہی چلی گئی، حالت اور خراب ہوئی چونکہ اسٹرلنگ میں بڑھتے ہوئے قرضوں کے سود کی ادائیگی کے لیے ملک کی کرنسی کی گراوٹ کو پورا کرنے کی غرض سے زیادہ محاصل حاصل کرنا ضروری تھا[1] اس کے علاوہ خود روپے کی قدر بھی غیر متعین ہوگئی تھی، جس کے اثر سے ہندوستان میں سرمایہ کاری کے خواہشمند افراد اپنے سرمایے کو ہندوستان بھیجنے یا یہاں چھوڑنے کے سلسلے میں کافی چوکس اور محتاط ہوگئے تھے[2] ان تمام حالات نے ہندوستان

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا)

دیسی ریاستوں اور میونسپلٹیوں وغیرہ کو قرض	80,00,000 پونڈ
کاغذی کرنسی کے لیے محفوظ سرمایہ	60,00,000 "
انتظامیہ مقاصد میں لگایا گیا سرمایہ	9,00,00,000 "
کل	24,62,50,000 "

فائدہ مند کام اور عوامی قرضے (پروڈکٹیو ورکس اینڈ پبلک ڈیبٹ) دی پائنیر میل 26 اپریل 1882ء

[1] ہندوستانی کرنسی کی قدر 1875ء میں اوسطاً 2 شلنگ فی روپیہ سے گھٹ کر 1881-82ء میں 1 شلنگ 1.100 پینس رہ گئی جو اس کا سب سے نیچا نقطہ تھا۔ ہندوستانی قیمتوں کا انڈکس نمبر 1861ء تا 1918ء، مطبوعہ 1919ء، صفحہ 18۔ دوسری طرف حکومت کے قرضوں میں اضافہ مندرجہ ذیل تھا۔

درج شدہ۔ روپیوں میں قرضہ (00,000 ,000 روپیوں میں)	سال	درج شدہ۔ اسٹرلنگ میں قرضہ (00,000 ,000 پونڈ میں)
681.1	1870-71	37.6
886.5	1881-82	68.2

برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے (1895ء)

[2] "جب تک روپیے کی قدر ایک غیر متعین مقدار ہے ہندوستان میں داخل ہوتے رہنے والے سرمایے کے راستے میں رکاوٹ موجود رہے گی۔ روپیہ کی قدر کو متعین کر دیا جائے تو وہ زر جو لندن کے زر بازار میں ایک ایسی شے ہے جس کے لیے 2½ فی صدی شرح سود پر کوئی گاہک نہیں ملتا، کافی بہتات کے ساتھ ہندوستان میں موجود نظر آنے گا۔" میسرز جارڈائن اسکنر اینڈ کمپنی کے ڈبلیو۔ سی۔ بیل اروِنگ کی شہادت، برطانوی پارلیمنٹری پیپرس 2×7 1893-4ء، صفحہ 191۔

کی صنعتوں کے لیے سرمایے کی موجودگی اور فراہمی پر مخالف اثر پیدا کیا، جس سے یہاں کے عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ بڑھا اور ملک میں سماجی اداروں کی اٹھان میں تاخیر ہوئی[1]

ہندوستان میں صنعتی ترقی کے سلسلے میں کوئی بحث اس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جا سکتی جب تک اُن اثرات کا بھی کسی حد تک مطالعہ نہ کیا جائے جو عدم مداخلت معیشت کے نظریے سے اس پر مرتب ہوتے تھے[2] برطانوی حکمرانوں کے پوری سختی کے ساتھ

---

[1] ملک میں حکومت ہند کی طرف سے کیے گئے رفاہ عامہ کے کاموں کو بیان کرتے ہوئے ٹائمز آف انڈیا نے "محض شرمناک" کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ 5 ستمبر 1879ء۔

[2] اس سلسلے میں بہت مختصر بحث مقصود ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ دیکھنا ہے کہ عدم مداخلت معیشت، کی پالیسی نے ہندوستان کی ایک بنیادی یا بھاری صنعت ــــ لوہے اور اسٹیل ــــ کی اُٹھان کی رکاوٹ میں کس حد تک اثر ڈالا۔ اس دور کے مفکر اس صنعت کو بڑی اہمیت دیتے تھے چونکہ (اس کے منسلک اثرات کی وجہ سے) معاشی ترقی کی رفتار میں اس صنعت کا کردار بہت اہم تھا۔ یہ طرزِ فکر ہندوستان کے پنج سالہ منصوبوں کے پیچھے بھی حیرت ناک طور پر یکساں یا متوازی نظر آتا ہے۔

برطانوی تاجریت پالیسیوں (MERCANTALIST Policies) کے سلسلے میں مختصر مطالعے کے لیے، جس میں ہندوستانی اشیاء اور جہازرانی کے خلاف امتیاز برتا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو، ہیلن۔ بی۔ لیمب "حکومت" اور ہندوستان میں معاشی ترقی، (دی اسٹیٹ اینڈ اکونومک ڈیولپمنٹ ان انڈیا) (سابقہ حوالہ)، نیز ایس کے سین، "معاشی پالیسی اور ہندوستان میں ترقی کا مطالعہ (اسٹڈیز ان اکونومک پالیسی اینڈ ڈیولپمنٹ آف انڈیا) مطبوعہ 1966ء ساتواں باب

عدم مداخلت معیشت کے تصور کو 1970ء کے بعد کی دہائی میں کامیابی حاصل ہوئی اور ہندوستان میں اس پر 1920ء تک زور دیا جاتا رہا۔ مختصر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوا نسٹے، صفحات 345.85، نیز میخائل کِدررن، ہندوستان میں غیر ملکی سرمایہ کاری (فورین انوسمنٹ ان انڈیا) مطبوعہ 1965ء صفحات 14، 12، ایچ۔ بی۔ لیس اسمتھ، ہندوستان اور ٹیرف کے مسائل (انڈیا اینڈ دی ٹیرف پرابلمس) مطبوعہ 1909ء۔ ایم۔ جی۔ راناڈے، ہندوستانی معاشیات پر مضامین (ایسیز ان انڈین اکونومکس) مطبوعہ 1906ء۔ اور سوتی کپڑے پر محصول (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آزاد تجارت کے اصول پر جمے رہنے نے، ملک کی صنعتی ترقی میں کافی رکاوٹیں پیدا کیں ہندوستان کے لوگ بھی اپنے ملک کی ترقی کے سلسلے میں اس پالیسی سے کسی قسم کے فریب میں مبتلا نہیں تھے، لیکن وہ اس سلسلے میں بالکل بے دست و پا تھے۔ آزاد تجارت کے اثرات اور ردِ عمل پر بحث کے دوران، عام طور پر صرف ہنڈ کرگھے کی صنعت کے زوال اور ہندوستان میں روئی ملوں کو ہی نگاہ میں رکھا جاتا رہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے اثرات بہت دور رس تھے اور صنعتوں کی مجموعی ترقی کے سلسلے میں بہت اہمیت کے حامل تھے۔

1882ء میں حکومت ہند نے اپنی مالیاتی قرار داد (فائنانشیل ریزولیوشن) میں ہندوستان کو "ایک غیر محدود ذرائع کا مالک"[9] کہا تھا، جو "انسان کی ضرورت کی تقریباً ہر چیز پیدا کرنے کے قابل تھا"[10]۔ 1879ء میں مالیاتی کمیشن نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ "اس سوال پر غور کرتے ہوئے کہ قحط کی مدافعت یا اسے ختم کر دینے کے لیے بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے، تجارت کا فروغ اور نئی صنعتوں کی ابتداء کے امکانات کو اہم ترین جگہ دی جانی ضروری ہے"[11]۔ اس کمیشن کے صدر کی طرف سے 'بمبئی ایوان تجارت' کو بھیجے گئے میمورنڈم میں، جس میں اس بات پر غور کیا گیا تھا کہ "کیا کچھ ایسے بیوپار ہیں جو ممکن ہے بذاتِ خود پوری طرح ابھرنے کی مضبوطی اور صلاحیت نہ بھی رکھتے ہوں، لیکن انھیں حکومت کی پرورش کے ساتھ ان کے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا) کے بہت مشہور سلسلے کے لیے ملاحظہ ہو ایس۔ ڈی۔ مہتا۔ (سابقہ حوالہ) نیز ملاحظہ ہو منتخب گرانی (صفحات 58 تا 601) میں ہباکوک (HOBAKKUK)، ہارمیٹی (HARNATTY) اور مور (MOORE)۔

انڈین فسکل کمیشن کی رپورٹ، 22-1921ء، کمانڈ پیپرس 1724، 1922ء کے بعد امتیازی تحفظ کی پالیسی اپنائی گئی۔ انڈین ٹیرف بورڈ کی متعدد رپورٹوں کے باوجود اس سلسلے میں دلچسپی رکھنے والا قاری دوسرے اور بہت سے حوالوں کے ساتھ، ایچ۔ ایل۔ ڈے، ہندوستانی ٹیرف مسائل مطبوعہ 1936ء بھی دیکھ سکتا ہے۔ عمومی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو ایس بھٹاچاریہ ہندوستان میں عدم مداخلت معیشت (لیسا زفیر اِن انڈیا) انڈین اکنامک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو، جنوری 1965ء۔

[10] بمبئی ایوان تجارت کے صدر نے قحط کمیشن کے سامنے پیش کی گئی اپنی یادداشت میں اقتباس دیا۔ (سابقہ حوالہ) [11] ایضاً

شباب کی منزلوں تک پہنچانے کے لیے تمام اسباب فراہم کیے جا سکتے ہیں، جیسا کہ ریلویز کے ساتھ کیا بھی گیا ہے[1]۔ اس سے اس بات میں شبہ باقی نہیں رہتا کہ ذمے دار قسم کے سوچنے والوں کی رائیں کس رُخ پر تھیں۔ قدرتی طور پر اس مسئلے نے ایسا رُخ اختیار کر لیا جس میں یہ سوال 'آزاد تجارت' اور 'تحفظ' کی پالیسی پر بحث ہو کر رہ گیا۔ لیکن جیسا کہ مرارجی گوکل داس نے اشارہ کیا تھا، یہ سوال اس مسئلے سے کوئی تعلق رکھتا تھا چونکہ اُس کے قول کے مطابق "سیاسی معاشیات کے اصول میں کچھ صورتوں کو کسی سوسائٹی یا ملک کے حالات پر عاید کیے جا سکنے سے پہلے ہی فرض کر لیا جاتا ہے، اور جہاں یہ حالات موجود نہیں ہوتے، سیاسی معاشیات کے اصولوں سے یہ انحراف، لازمی طور پر ان کو بالکل باطل نہیں کر دیتا اور اس طرح اس کا جواز پیش کیا جا سکتا ہے۔" اس نے آگے کہا تھا کہ "اس کے علاوہ قوانین پر عمل ایک مقصد کو زیر نظر رکھتے ہوئے ہونا چاہیے اور یہ مقصد چونکہ عوام کی فلاح و بہبودی ہوتا ہے، اس لیے ان قانونوں کی قدر اور عظمت محض ان کی اپنی خاطر نہیں کی جاتی۔"[2] حکومت کی طرف سے ہندوستان میں ریلویز کی تعمیر۔ جو خود ایک ایسی ہی صنعت تھی جیسی کوئی دوسری ہو سکتی تھی۔ اس بات کو تسلیم کر لیے جانے کا ثبوت تھی کہ دونوں ملکوں یعنی برطانیہ اور ہندوستان میں، حالات مختلف تھے۔

حکومت سے کوئی بھی یہ توقع نہیں رکھتا تھا کہ وہ 'تحفظ' کی پالیسی اپنائے گی۔ جس بات کی طرف اشارہ کیا جا رہا تھا وہ صرف اتنی تھی کہ اگر حکومت اس بات کو تسلیم کرے کہ اسے ملک کی صنعتوں کی ترقی میں مدد کرنی چاہیے۔ تو پھر محض ٹیرف کے ذریعے 'تحفظ' کے علاوہ بھی ایسے ذریعے موجود تھے، جن سے یہ اس پر عمل کر سکتی تھی۔ مثال کے طور پر حکومت خود اشیاء کے بہت بڑے ذخیروں کی خریدار تھی جو اسے سول اور فوجی ضرورتوں کے لیے درکار تھے۔ اس زمانے میں "ان ذخیروں کی ہر ہر مد، بڑی سے بڑی مشین سے دروازے کی چھوٹی سے چھوٹی کیل تک"[3]

---

[1] بمبئی ایوان تجارت کے صدر نے 'قحط کمیشن' کے سامنے پیش کی گئی اپنی یادداشت میں اقتباس دیا۔ (سابقہ حوالہ)۔ [2] ٹائمس آف انڈیا، ۱۸ مئی 1873ء۔

[3] ایضاً۔ ذخیروں کی خرید کی پالیسی کے سلسلے میں تفصیلی مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو ایس۔ کے۔ سین، 'معاشی پالیسی' (اکونامک پالیسی) دوسرا باب۔

برطانیہ سے درآمد کی جاتی تھی۔ کچھ اس طرف بھی اشارہ کیا جاتا تھا کہ اگر حکومت اُن صنعت کاروں سے، جو اِس سلسلے میں کام کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، صرف اتنا وعدہ کرلیتی کہ وہ فوراً ہی کچھ استعمال کی اشیاء — جوتے، صابن، موم بتیاں، روشنائی، شیشہ، ٹائل، کاغذ وغیرہ — خریدنے کے لیے تیار ہو جائے گی، تو یہ آسانی سے جم سکتے تھے[1]۔ تحفظ کی پالیسی سے ہندوستان کو مزید 1,70,00,000 پونڈ کے بوجھ سے بچایا جاسکتا تھا جو اُسے صرف سوتی کپڑے کی درآمد کے نتیجے میں برداشت کرنا پڑرہا تھا[2]۔ لیکن وہ صنعتیں جن کی ترقی ہندوستان کے لوگوں میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی اور جن پر مرارجی نے زور دیا تھا۔ لوہے اور اسٹیل اور کوئلے کی کھدائی کی صنعتیں تھیں[3]۔ یہ اور ایسی دوسری صنعتیں، مرارجی نے لکھا تھا، "اگر ان کے مکمل شباب تک پہنچانے میں اِن کی مدد کی جائے تو مستقبل قریب میں اِن سے امید کی جاسکتی ہے کہ یہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں گی، اور اِن کی کامیابی کچھ اور ضمنی صنعتوں کی لقاء کو بھی دعوت دے گی، جن سے ملک کے ذرائع کی مزید ترقی کی بھی امید کی جاسکتی ہے۔"[4]

واکر نومسٹ کے ہندستانی نامہ نگار کی طرف سے ۲۰ر اپریل 1881ء کے مضمون میں مرارجی کے اِس خیال کی تائید نظر آتی ہے۔ ٹائمز آف انڈیا نے اور بھی زوردار الفاظ میں لکھا تھا[5]: تھوڑے عرصے تو کچھ ایسا بھی احساس ہوا کہ جیسے خود حکومت بھی اس خیال کے کسی قدر قریب آگئی ہے 1881-82ء میں لارڈ رپن کی حکومت نجی صنعت کاری کو بڑھاوا دینے کے لیے پختگی سے کمربستہ نظر آرہی تھی، اور اُس نے اِس پالیسی پر عمل کرنے کے لیے لوہے اور اسٹیل کی صنعت کو چُن بھی لیا تھا۔ 5 اگست 1882ء کے "گزٹ آف انڈیا" میں ملک میں لوہے اور کوئلے کے ذرائع پر کاغذات کا پہلا سلسلہ شروع بھی ہوا۔ اس سے بھی زیادہ اہم چیز اس میں مالیاتی شعبے، کی منظور کردہ ایک قرارداد تھی، جس میں حکومت نے ملک میں لوہے اور کوئلے کی صنعت کی ترقی کے سلسلے میں امکانات اور اس کے متوقع فوائد کا خاکہ پیش کیا تھا۔ شروع کے پیراگراف میں اس قرارداد میں بیان کیا گیا تھا۔

---

[1] ٹائمز آف انڈیا، ۵ر مئی 1879ء [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً

[5] ملاحظہ ہو صفحات +، 263۔

"کچھ عرصے سے لوہے اور اسٹیل کی صنعت کی ترقی کے مسئلے پر حکومت خاص طور پر بہت سنجیدگی سے غور کر رہی ہے۔ اس ترقی سے عوام اور حکومت دونوں کو جو فوائد حاصل ہوں گے، مثلاً ریلوے کی تعمیر اور اس کو برقرار رکھنے کی لاگت میں تخفیف، پانی کی فراہمی کے کاموں میں بہتری، عمارتوں میں جلدی ضائع ہو جانے والے سامانوں کے بدلے دھاتوں کے متبادل کی فراہمی، گھریلو اخراجات میں اور ان کے متلازم زرمبادلہ کے نقصان میں تخفیف، آبادی کے لیے غیر زرعی روزگار کے مواقع کا حصول، اور فائدہ بخش سرمایہ کاری کے لیے بہتر راہوں کا کھلنا، یہ اتنے واضح اور صاف ہیں کہ ان کی تفصیلی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔"

حکومت نے آگے وضاحت کی تھی کہ "ہندوستانی لوہا اگر ان تمام پیمانوں اور معیاروں پر پورا اترتا ہے جن کی اس سے توقع کی جاسکتی ہے تو بلاشبہ ان پر معقولیت سے غور بھی کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک اس کے معیار کا سوال ہے اس کی کچی دھات کو عام طور پر حد درجے خالص پایا گیا ہے۔ مزید براں یہ زیادہ تر اُن حصوں میں موجود ہے، جو یا تو اُن علاقوں سے بہت قریب ہیں جہاں کوئلہ وافر مقدار میں فراہم کیا جاسکتا ہے یا جنگلات کے پاس ہیں جن کو دھات کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ . . ." اسی قرارداد میں آگے کہا گیا تھا: "ان حالات میں اس بات کو ثابت سمجھا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے پاس ڈھلے ہوئے لوہے اور اسٹیل کی اپنی مانگ کی فراہمی کے سلسلے میں تمام ذرائع موجود ہیں اور یہ کہ اس کی پیداوار منافع بخش اور پوری طرح بیوپاری اصولوں اور بنیادوں پر حاصل کی جاسکتی ہے۔"[1] اس موقع پر اس سلسلے کی کچھ ضمنی تفصیلات بھی مفید ہو سکتی ہیں۔

1880-81ء میں حکومت کی طرف سے درآمد شدہ کٹے ہوئے لوہے کی قیمت دس لاکھ پونڈ تھی، جبکہ اس کے علاوہ بیس لاکھ پونڈ سے بھی کچھ زیادہ کا لوہا نجی ضرورتوں کے لیے درآمد کیا جاتا تھا۔ مجموعی طور پر لوہے اور اسٹیل کی کل درآمدات 33,00,000 پونڈ کی ہوتی تھیں۔[2] ایک منافع بخش لوہے اور اسٹیل کی صنعت کے سلسلے میں دو تین اہم ترین ضروری عناصر ملک میں ہی موجود تھے۔ اس طرح خام مال کی ایک بہت بڑی رسد اور اسٹیل

---

[1] ری اکونومسٹ، ۱۱ نومبر 1882ء۔

اور کٹے ہوئے لوہے کے ایک خاصے اچھے بازار میں رشتہ قائم کرنے کے لیے صرف سرمایہ کار تھا۔ لارڈ رپن نے نجی سرمایہ کاری کی ہمت افزائی اور اس سمت میں سرمایے کے بہاؤ کے سلسلے میں یہ کام اپنے ایک قابل ساتھی کارکن ہوپ کے سپرد کیا، جسے 'اکونومسٹ' کے ہندوستانی مبصر نے "سرمایہ کارانہ سوجھ بوجھ اور تکمیل کے لیے ایک قسم کے 'اوتار'" کا نام دیا تھا[1]

سرمایہ کاروں کو اس میدان کی طرف متوجہ کرنے اور اس صنعت میں سرمایہ کاری کی ترغیب کے لیے حکومت کے پہلا اور صحیح قدم اس کمپنی سے جو ہندوستان میں اس قسم کا کام شروع کرنا چاہتی ہو" اگلے دس سال تک اس مقررہ قیمت پر جو پہلے سے طے ہو جائے۔ اور جو درآمد شدہ سامان کی برآمد کی قیمت کے برابر ہو — ایک مقررہ مقدار خرید لینے" کی ضمانت دے کر ایک اہم اور مضبوط قدم اٹھایا۔ حکومت کا اپنا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ چار مختلف علاقوں میں کم سے کم چار لوہے اور اسٹیل کی فیکٹریاں قایم ہو جائیں[2]

لیکن جیسی توقع کی جا سکتی تھی جلدی ہی برطانیہ میں حکومت کی اس پالیسی پر سخت تنقید شروع ہو گئی، اور 'اکونومسٹ' کو لکھنا پڑا۔

"جب تک حکومت ہند خود کو صرف ملک کی ضروریات اور اس کے ذرائع کی معلومات حاصل کرنے اور اسے شائع کرنے تک محدود رکھتی ہے، یہ ایک اچھا کام کرتی ہے۔ لیکن جب یہ اس سے آگے بڑھتی ہے تو پھر یہ اپنے حلقۂ اختیار سے تجاوز کرتی ہے۔"

یہ تحریر ۱۱ نومبر 1882ء کی تھی۔ اگلے ہفتے میں بھی یہ حملہ جاری رہا۔

"حکومت ہند کی بیوپاری پالیسی میں رونما ہونے والی تازہ ترین تبدیلیوں کو بہت غور اور گہری نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ نجی سرمایہ کاری کے سلسلے میں ایک زبردست جوش و جذبہ اس کے ذہن پر مسلط ہو گیا ہے، جو انھیں ایک ایسے میدان میں بہت تیزی سے بڑھ جانے پر مجبور کر رہا ہے جس میں بہت پھسلن ہے۔ . . ان کارخانوں کے سلسلے میں جن سے ملک کی دیسی

---

[1] دی اکونومسٹ، ۱۱ر نومبر 1882ء۔
[2] دگزٹ آف انڈیا' میں حکومت کی قرارداد ۱۵ر اگست 1882ء۔

صنعت کی نشو و نما کی توقع کی جاتی ہے، حکومت کی سرپرستی کو بچاؤ پٹی کے روپ میں استعمال کیا جا رہا ہے تاکہ انھیں قیام کے بعد ابتدائی مشکلات کی تیز و تند لہروں میں ڈوبنے سے بچائے رہے۔ اور اس قسم کے منصوبوں کا انجام کہاں ہوگا؟ یقیناً ایسی کسی پالیسی کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ اِس سلسلے میں حکومتِ برطانیہ پر کامل اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہندوستان اور اس ملک کے مفادات کو اس طرح خطرے میں ڈال دینے کی اجازت نہیں دے گی۔"

پھر ایوانِ عام میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے، لارڈ ہارٹنگٹن، ہندوستان کے لیے سکریٹری آف اسٹیٹ نے ۱۷ر نومبر ۱۸۸۲ء کو اظہار کیا تھا کہ حالانکہ اکونومسٹ میں جن تجویزوں کا حوالہ دیا گیا ہے، اس قسم کی کچھ تجاویز حکومتِ ہند کی طرف سے پیش ضرور کی گئی تھیں لیکن حکومت کے اربابِ حل و عقد کی طرف سے اِن کو منظوری نہیں دی گئی اور یہ کہ اِس سلسلے میں حکومت ہند کو ہمارے شدید اعتراضات سے مطلع کر دیا گیا ہے۔

اس بات پر ضرور حیرت ہوتی ہے کہ کیا حکومت ہند کی تجویزیں فی الحقیقت اِس وقت کے اقتصادی طرزِ فکر اور نقطۂ نگاہ سے مناسبت نہیں رکھتی تھیں؟ اس موضوع پر ہندوستانی طرزِ فکر کو، جس کا نتیجہ حکومت کی اِن تجویزوں کی شکل میں ظاہر ہوا تھا، پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے اور اگر حکومتِ ہند کی ان تجویزوں کا اس وقت دوسرے ملکوں کی قومی حکومتوں کی پالیسیوں سے موازنہ کیا جائے[1] تو یہ صرف ملک کی صنعتی ترقی کی ایک خفیف سی خواہش کے

---

[1] جرمنی، آسٹریا، فرانس، اٹلی اور روس، ۱۸۷۸ء اور ۱۸۸۲ء کے درمیانی عرصے میں کم و بیش ایک ساتھ محفوظ ٹیرف پالیسیوں کی طرف لوٹے تھے۔ ملاحظہ ہو ایچ. ہیٹن۔ یورپ کی اقتصادی تاریخ (اکونومک ہسٹری آف یورپ) مطبوعہ ۱۹۴۸ء صفحات 48، 636۔

[2] ۱۸۶۴ء میں یو۔ ایس۔ اے (امریکہ) میں درآمد محصول کا اوسط معیار ۴۷ فی صدی تھا۔ اگلے پچیس سالوں میں بہت معمولی تخفیفیں ضرور کی گئیں مگر محصولوں کا بنیادی ڈھانچہ سختی سے "تحفظ" کی بنیادوں پر ہی رہا۔ ۱۸۹۰ء کی میک کنلے ٹیرف پالیسی اور ۱۸۹۷ء کے ڈنگلے ایکٹ دونوں نے اس اوسط کو تقریباً ۵۰ فی صدی تک بڑھا دیا۔ ملاحظہ ہو رُوس۔ ایم۔ رابرٹسن، امریکی معاشیات کی تاریخ (ہسٹری آف دی امریکن اکونومی) ۱۹۵۵ء (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اظہار سے زیادہ کچھ نظر نہیں آتیں۔ حکومت کی قیمتوں کی پالیسی نے اس بات کو پوری طرح صاف کر دیا تھا کہ یہ ٹیرف پالیسی یا امداد کے ذریعے تحفظ عطا کرنے کے سلسلے میں غور نہیں کر رہی تھی۔ پروفیسر نولیس (PROF. KNOWLES) کی رائے میں انیسویں صدی کے دوران روس کی زبردست صنعتی ترقی کی وجہ وہاں زبردست ریلوے کی تعمیر میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ ریل کی پٹڑیوں کی بہت بڑی مقدار میں ضرورت تھی اور اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آرڈروں کے ساتھ حکومت نے یہ شرط عائد کر دی تھی کہ اس کے لیے کارخانے خود ملک میں ہی کھولے جائیں۔[1]

یہاں یہ مقصد بالکل نہیں ہے کہ وقت گذر چکنے کے بعد اب اس مسئلے پر نگاہ ڈالی جائے۔ لیکن صرف اس دور کے طرز فکر کی روشنی میں یہ بات بہت مشتبہ محسوس ہونے لگتی ہے کہ حکومت برطانیہ خود برطانیہ کے ہی مفادات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اپنے انداز میں حق بجانب تھی یا نہیں۔ اکونومسٹ کے بمبئی کے مبصر نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل بیان تحریر کیا تھا:[2]

"لوہے کے سلسلے میں، مجھے یقین ہے کہ کئی سال تک ملک میں غیر ملکی برآمدات کے ساتھ داخلی صنعت کی مانگ بھی بہت کافی رہے گی۔ ایک صنعت دوسری صنعت کو جنم دیتی ہے اور ہندستان کے کروڑوں لوگوں کی صنعتی تاریخ ابھی بالکل ابتدائی منزلوں میں ہے بشرطیکہ ایسی بات کہی بھی جا سکے کہ اپنی مکمل جدوجہد کے بعد یہ زندگی میں قدم رکھ چکی ہے۔ بار بار رونما ہونے والے قحط اور خشک سالی، زراعت کی صنعت کو مفلوج کر کے ڈال دیتے ہیں، جس کے اثر سے بیوپار بھی ٹھپ ہو جاتا ہے۔ ایسی صنعتوں کی تعمیر جو مزدوروں کو کام پر جاری رکھیں اور جنھیں قحط اور سوکھا اور ٹڈی دل روک نہ سکیں، متواتر آتے رہنے والے قحطوں کے دوران بھی بیوپار اور

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحے کا) صفحات 30، 328، کینیڈا نے بھی تحفظی پالیسی 1879ء میں اپنائی تھی۔ ایس۔ کے سین، معاشی پالیسی، صفحہ 115۔ ٹیرف کی تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو، پی۔ ایشلے 'جدید ٹیرف کی تاریخ' (ماڈرن ٹیرف ہسٹری) مطبوعہ 1910ء۔

[1] ایل۔ سی۔ اے۔ نولیس 'انیسویں صدی میں اقتصادی ترقی' (اکونومک ڈیولپمنٹ ان دی نائنٹینتھ سنچری) مطبوعہ 1949ء، صفحہ 185۔ [2] دی اکونومسٹ' 18 نومبر 1882ء۔

مانگ کو برقرار رکھیں گی۔ اگر انگلینڈ اپنی مصنوعات کے لیے ہندوستان میں ایک مستقل بازار
بنائے رکھنا چاہتا ہے تو اُسے خود اس ملک میں صنعتوں کے قیام کے سلسلے میں مدد کرنی چاہیے
اس قسم کی شکایات یا تصورات کہ سرپرست ملک، ہندوستان کو اپنی ضروریات کی فراہمی
کے طریقے سکھا کر، اپنا بازار کھو دے گا، محض بے بنیاد ہیں۔ مغرب اور مشرق کے درمیان
ہونے والی تجارت مزید اضافے کے ساتھ جاری رہے گی، ممکن ہے صرف اس کے ذرائع
بدل جائیں۔ انگریزی سرمایہ دار ہندوستان کی خدمت کرکے خود اپنی ذات کو زیادہ فائدہ
پہنچائیں گے۔ دولت صرف سونے کی کانیں کھود کر ہی حاصل نہیں کی جا سکتی، لوہے اور
کوئلے، ریشے اور کاغذ کو بھی سونے میں بدل کر حاصل کی جا سکتی ہے۔"

لیکن جیسی کہ مرارجی گوکل داس نے بجا طور پر پیش گوئی کی تھی، "خواہ اس کے (حکومت
کی اس پالیسی کے نجی سرمایہ کارانہ سوجھ بوجھ کی مدد کی جائے) کچھ بھی فوائد ہوں، معاشی یا سیاسی
... اس کے آگے بڑھائے جانے کا امکان نہیں ہے، چونکہ اس کے خلاف کچھ ایسے اہم مفادات
اور اثرات صف آرا ہیں جو اپنی موجودہ کیفیت میں اس افادی پہلو کو صحیح طور پر سمجھنے کی صلاحیت
ہی نہیں رکھتے۔[1] تین سال سے کچھ زیادہ عرصے بعد 1883ء میں 'ٹائمس آف انڈیا' میں مرارجی
گوکل داس کے خیال کی تائید مندرجہ ذیل الفاظ میں ایک بار پھر نظر آئی۔

"آج کل جس وقت بے درد قسم کی آزاد تجارت کا بول بالا ہے اور زبردستوں کی بقا
کا دور ہے، انسان کے دماغ کو یہ محسوس کر کے کسی قدر سکون ضرور محسوس ہوتا ہے کہ
کہ ایک ایسا روشن خیال مدبر ابھی موجود ہے جو اس بات کا یقین کر لینے کے لیے بھی تیار
ہے کہ کسی چیز کی پرورش یا اس کا تحفظ ضروری ہے اور وہ ایک ایسے ذریعے جو
اس اصول کو آگے بڑھا سکیں فوری طور پر سمجھائے جانے چاہئیں۔ بالکل براہ راست اور
انتہائی مدبرانہ طریقہ یقیناً یہی ہو سکتا ہے کہ ہر اس چیز کی درآمد پر محصول عائد کیے جائیں
جو اُن دیسی پیداواری اشیاء کے مقابلے پر آتی ہیں جن کی پرورش اور ترقی مدِ
نظر ہے۔ اگر وائسرائے اپنی پوری جرأت اور ہمت کے باوجود، اس موضوع پر کسی قسم
کے قانون کی منظوری سے بچنا چاہتے ہیں، تو اس سلسلے میں کسی قدر حصول تو اس طرح

---

[1] 'ٹائمز آف انڈیا' 10 مئی 1879ء۔

ممکن ہو سکتا ہے کہ تمام اُن ذخیروں کو جن کی ضرورت حکومت کو ہوتی ہے یورپ سے
منگانے کی بجائے اِسے ملک ہی میں حاصل کر لیا جائے۔ حکومت خود اتنی بڑی صارف ہے
کہ اگر صرف اِسی کی تمام مانگوں کی فراہمی ملک کے کھلے بازار سے ہو جائے تو کم از کم ہندوستانی
صنعت اور بیوپار کی سرپرستی اور پرورش تو ہو ہی جائے گی اور اس گرم بازاری سے
ہندوستانی صنعت کاروں کو بھی اپنا حصہ مل جائے گا، جس حد تک بھی یہ درآمد شدہ اشیاء
سے مقابلہ کرنے کے قابل ہوں گے۔ لیکن نہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان کے
لیے 'سکریٹری آف اسٹیٹ' کے عزیز ترین حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے ماتحت
ملکوں کے لیے دُکان دُکان گھوم کر سامان خریدتا پھرے، اور وائسرائے اس میں مداخلت
کی ہمت بھی نہیں کر سکتا۔ اگر وہ اِس طرف اشارہ بھی کرتا ہے تو فوراً اُس کی یاد دہانی کر دی
جاتی ہے کہ تاجروں کے منافع، انشورنس کمپنی کے اخراجات، غیر محفوظ کمپنی کے اخراجات اور
ایجنٹوں کے کمیشن سب کچھ حکومت کے اِس عمل میں مجتمع ہیں۔ اس سے لارڈ رپن کی طرف
سے ملک کے صنعت کاروں کی ہمت افزائی کی اُس مہم کا مضحکہ خیز پہلو بخوبی واضح ہو جاتا ہے
چونکہ جب اُنھوں نے ایک طرف حکومت کے لیے ذخیروں کی مقامی خرید کو بڑھاوا دینے کی
خواہش کا اظہار کیا، بشرطیکہ وہ ہندوستانی مصنوعات تک محدود ہوں، تو ساتھ ہی
انھوں نے حکومت کے تمام شعبوں کو اُن چیزوں کی ضروریات کی اطلاع دینے کے
خلاف بھی متنبہ کر دیا جن کو یورپی اشیاء کہا جا سکتا تھا؛ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک
طرف اور ایک ہی وقت میں ہندوستانی صنعت کاروں کے مربی اور محسن بھی ظاہر ہو
رہے تھے اور دوسری طرف ہندوستانی بیوپار کو کچھ بخش دینے کے خلاف حسد کے جذبے
کے محافظ بھی۔"

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ حکومت
برطانیہ نے حکومتِ ہند کی تجویزوں پر کیوں پانی پھیر دیا۔ مگر اس میں جو چیز زیادہ حیرتناک
ہے وہ یہ ہے کہ خود رپن ان تجویزوں کو پیش کرتے وقت کیا محسوس کر رہے تھے۔ بہر طور برطانوی
اربابِ حل و عقد کے اِس رویہ نے اس صنعت کی ترقی کو لگ بھگ تیس سال تک روکے رکھا
اور حالانکہ اس نے سرمایہ کاروں کو بڑا دھکا پہنچایا لیکن یہ لوگ اس کا کوئی خراب اثر لیے بغیر اپنی
کوششوں میں متواتر مصروف رہے۔ ہندوستان میں طلب کے لوہے اور اسٹیل کی بڑھتی ہوئی

اہمیت ہی حکومت کے آئندہ رویے میں تبدیلی لانے اور اس صنعت کے سلسلے میں لارڈ کرزن کی ہمت افزائی کے لیے ذمے دار کہی جا سکتی ہے[1]

ہندوستان کے صنعتی مسائل کو جتنی تفصیل سے یہاں بیان کیا گیا ہے اتنا غالباً زیر نظر مطالعے کی حدود سے کچھ زیادہ ہے۔ لیکن چونکہ اجتماعی سرمایہ سیکٹر کی ترقی خود صنعتی نشو و نما سے بہت زیادہ وابستہ ہے، اس لیے اس حد تک تفصیل بیان ضروری تھا۔ بیوپاری کارپوریشنیں بنیادی طور پر ایک ایسا آلۂ کار فراہم کر دیتی ہیں جس کے ذریعے بہت سے لوگوں کی چھوٹی بچتوں کو اس مقصد سے ایک جگہ کر لیا جاتا ہے کہ اس ذریعے سے بیوپار اور صنعت میں سرمایہ لگایا جا سکے۔ اس لیے اگر بڑے پیمانے پر سرمایے کے استعمال کے مواقع ہی موجود نہ ہوں گے تو ایسی صورت میں بیوپاری کارپوریشنیں مشکل سے ہی پنپ سکیں گی، حالانکہ کچھ کارپوریشنیں ایسی صورت میں بھی باقی رہ سکتی تھیں[2]

نتیجے کے طور پر اس خیال سے بچنا مشکل محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان میں شہری نشو و نما بہت سی ایسی علامات کا اظہار کرنے لگی تھی جسے پروفیسر روستو کی اصطلاح میں ایک ایسی سوسائٹی کہا جا سکتا تھا جو معاشی چھلانگ سے پہلے کے مدارج پر پہنچ چکی ہو۔ اگر ملک کی حکومت نے ہندوستان کے قومی مفادات کو برطانیہ کے مفادات کا محکوم نہ بنا دیا ہوتا — خاص طور پر صنعتی نشو و نما اور ذرائع آمد و رفت کی ترقی جیسے مسائل میں — اور اگر یہ حقیقت نہ ہوتی کہ ہندوستان کا زرعی سیکٹر بری طرح پچھڑا ہوا تھا، تو ہندوستان معاشی چھلانگ کے اس درجے پر کافی عرصے پہلے ہی پہنچ گیا ہوتا جس پر عام مفروضے کے مطابق یہ بہت بعد میں پہنچ پایا۔ اور چونکہ حکومت نے ہندوستان کی بنیادی صنعتوں کی پشت پناہی اور حمایت نہیں کی اس لیے اجتماعی سرمایہ ادارے سے بھی، جو کافی ترقی یافتہ صورت میں ملک میں موجود تھا،

---

[1] ملاحظہ ہو اے۔ کے بسین: سماجی اور معاشی ونا حتیں — ہندوستانی لوہے اور صنعت کا ایک خاکہ، اکو نومک ویکلی، سالنامہ فروری ۱۹۶۵ء، صفحات ۱۸۱، لوہے اور اسٹیل کی صنعت کی مختصر تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۵۔

[2] بعض صورتوں میں کمپنیاں صرف ٹیکسوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے یا ایسی ہی کچھ اور وجوہات کی بنا پر بھی قائم کی جاتی ہیں۔

پوری طرح فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا۔ حکومت نے عدم مداخلت معیشت، کے سلسلے میں جو رویہ اپنایا تھا وہ اس بات کے لیے مزید ذمے دار تھا کہ حکومت کی طرف سے دیے گئے اختیارات کا مینجنگ ایجنٹ متواتر غلط استعمال کرتے رہیں اور پیشہ ور قسم کے 'کمپنیاں ابھارنے والے افراد وقتاً فوقتاً اس سے ناجائز فائدے اٹھاتے رہیں۔ انیسویں صدی کے آخری چوتھائی حصے میں جب جب بھی حکومت نے 'کمپنی ایکٹ' میں ترمیم کی ایک بار بھی ایسا مظاہرہ نہیں ہوا کہ ان بدعنوانیوں کو ختم کرنے کے لیے کسی قانونی اصلاح کی مانگ کی گئی ہو[1]

---

[1] ملاحظہ ہوں باب 11 اور 12۔ نیز ایس۔ کے سین، معاشی پالیسی (اکونومک پالیسی) صفحات 104، 98، اور 203-199۔

آٹھواں باب

جنوبی ہندوستان میں سونے کی گرم بازاری

انسان کی کاوشوں میں شاید سب سے زیادہ کعرلیف سونے کی تلاش رہی ہے۔ ہندوستان کی پوری تاریخ سونے کی بہتات کی روایتوں سے بھری پڑی ہے۔ اور اس کو ڈھونڈھ نکالنے کا خواب مستقبل میں بھی شاید پوری طرح کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس کی روایتی بہتات کا گواہ مارکو پولو بھی ہے اور دوسرے سیاح بھی۔ نیلگری کی پہاڑیوں، میسور اور جنوبی ہندوستان میں وائی ناڈ کی سیکڑوں پرانی کھدائیاں اس کی پوری طرح شاہد ہیں اور ان سے قدیم زمانے میں سونے کی کان کنی اور سنگِ مردہ* سے سونا نکالنے کی منافع بخش حیثیت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

1792ء میں، یعنی جنگِ پلاسی میں لارڈ کلائیو کی فتح کے ستائیس سال بعد صوبہ بنگال اور بمبئی کے لیے ایک متحدہ کمیشن نے مالابار علاقے کے متعلق اپنے بیان میں پہلی بار یہاں موجود سونے کے ذخیروں کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے بعد سے 1874ء تک، جب پہلی بار سونے کی ایک جدید کان کن کمپنی "الفا" کا قیام عمل میں آیا، متعدد بار بہت سی رپورٹیں حکومت کے سامنے پیش کی گئیں۔

ضلع وائی ناڈ جس کی طلائی چٹانوں نے 1870ء کے بعد کی دہائی کے آخر میں سونے کے لیے ایک جنون سا پیدا کر دیا تھا، قدرتی خوبصورتی کا ایک نمونہ تھا۔ قدرت شاید اس وقت

---

* سنگِ مردہ (Quartz) ایک پتھر جس میں سونے کا عنصر کافی مقدار میں ہوتا ہے (مترجم)

شاعرانہ جذب کی کیفیت میں تھی: "ٹائمس انڈیا کے ایک مبصر نے لکھا تھا، جس وقت اُس نے وائی ناڈ کی تخلیق کے متعلق سوچا اور اس پر عمل کیا تھا۔ یہ علاقہ اپنی جنگلی اور اچھوتی خوبصورتی کے اعتبار سے انتہائی حسین، کبھی اپنے عظیم الشان اور بارعب پہاڑوں سے آسٹریا کے 'ٹائیرول'* کی یاد دلاتا ہے اور کبھی اپنی نازک اور بھرپور صحرائی وادیوں سے خود ہمارے 'دلیس' کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔[1]
اس علاقے میں بہت سے یورپی لوگ کافی کی کاشت کی غرض سے رہنے لگے تھے، جن میں ایک شخص جارج ویگر (GEORGE VIGER) بھی تھا۔ یہ بوڑھا یورپی جو 1860ء کی دہائی میں یہاں مقیم تھا، اس سے پہلے کافی عرصے تک آسٹریلیا میں سونا کان کن کی حیثیت سے کام کر چکا تھا اور اسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا یورپی تھا جس نے اپنے آس پاس کے علاقے کے سنگِ مردہ میں سونے کی کافی مقدار میں موجودگی کا قیاس لگایا تھا۔ اپنے ایک پرانے دوست جارج وِیدرس (GEORGE WHITHERS) کے ساتھ مل کر، جو خود بھی بلارات (BOLLARAT) سونا کانوں سے متعلق رہ چکا تھا، ویگر نے نیلمبور کے راجہ سے زمین کا ایک چھوٹا سا قطعہ پٹے پر لے لیا۔ جلدی ہی ان کے ساتھ دو اور اشخاص شامل ہو گئے اور اس سلسلے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنے حاصل کردہ حقوق کو ایک کان کن کمپنی کے حق میں آگے بڑھا دیا، جو 1874ء میں اسی مقصد سے 'ساؤتھرن انڈیا الفا گولڈ مائننگ کمپنی لمٹیڈ' کے نام سے قائم کی گئی تھی۔

اس ابتدائی کوشش کی تاریخ متاثر کن نہیں ہے۔ نااہل بنیادوں پر قائم ہونے کے بعد اس کا خاتمہ بھی نقصان پر ہونا تھا۔ پوری کمپنی کو محض 10,000 پونڈ کی انتہائی معمولی رقم سے قائم کیا گیا تھا اور یہ کہنا بھی غیر ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس میں سے بھی ایک خاص بڑی رقم کمپنی قائم کرنے والوں کی جیبوں میں ہی گئی تھی، اور پھر باقی رقم کا بڑا حصہ عمارتوں اور کان کنی کے تجربات نے نگل لیا۔ اس کے بعد جو تھوڑی سی رقم باقی بچی تھی اُس سے جو مشینیں خریدی گئیں وہ اپنے معیار کے اعتبار سے بھی اتنی ہی ناقص تھیں جتنی مقدار کے اعتبار سے کم تھیں اور پھر سونے پر سہاگا کمپنی کی بد انتظامی تھی۔[2] اس کمپنی نے اپنا کاروبار فروری

---

* ٹائیرول (TYROL or TIRAL) آسٹریا کا ایک پہاڑی صوبہ (مترجم)
[1] ٹائمز آف انڈیا، 24 جولائی 1880ء۔ [2] ٹائمز آف انڈیا، 24 جولائی 1880ء۔

1875ء سے شروع کیا اور 779½ ٹن کچی دھات کوٹنے پیسنے کے بعد اس نے مارچ 1876ء میں کام بند کر دیا۔ جتنا سونا اس طرح حاصل کیا گیا وہ 91 اونس 12 پینی ویٹ، 23 گرام تھا جو 2 پینی ویٹ، 8.43 گرام فی ٹن کے حساب سے نکلا تھا۔ الفا کمپنی کے نکالے ہوئے سونے کی اوسط لاگت ایک اونس پر 127 روپیے آئی تھی جو بازار میں سونے کی قیمت سے تین گناہ زیادہ تھی۔ اس کی کل قیمت کا اندازہ 3037 روپیے کیا گیا تھا، جس کے لیے کل 59711 روپیے خرچ ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ کمپنی دیوالیہ ہوگئی۔[1]

بہر حال ویتھرس اور ڈیگر کی ہمت اور یقین کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا، جنھوں نے اس ناکامی کے بعد بھی ہمت نہیں ہاری۔ الفا کمپنی کے دم توڑتے ہی یہ پھر پوری ہمت کے ساتھ نکل آئے تاکہ اس کی مشینری کو لے کر خود عملی طور پر تجربہ کر کے دکھا سکیں کہ اس کمپنی کی ناکامی کی وجہ یہاں کے پتھروں میں سونے کی کمی نہیں کہی جا سکتی۔ پہلی جون 1877ء کو ایک چھوٹی سی ایسوسی ایشن، دی پرنس آف ویلس ٹریبیوٹ کمپنی نے (جو قانون کے تحت کبھی رجسٹر نہیں کرائی گئی) 'الفا کمپنی کی جگہ لے لی۔[2] اس کمپنی نے 322 ٹن چنے ہوئے سنگ مردہ کو کچلا اور فی ٹن 10 پینی ویٹ، 11 گرام سونے کا اوسط دیا۔ اس طرح حاصل کیے گئے کل سونے کی قیمت 8,132 روپیے 10 آنے، 8 پائی آئی[3] حالانکہ یہ نتیجہ اطمینان بخش ضرور تھا لیکن اتنا بہر حال نہیں تھا کہ اس پر کسی قسم کے منافع کا اعلان کیا جاتا۔ اس کے نتیجے میں کاروبار کو چلانے کے لیے جس سرمائے کی مزید ضرورت تھی وہ آگے نہیں آیا اور اس لیے فروری 1878ء کو اس کمپنی کو بھی بند کر دیا گیا۔[4] اسی دوران ایک اور چھوٹی سی کمپنی، دی وائی ناڈ پراسپیکٹنگ کمپنی لمیٹڈ، 8 فروری 1876ء کو قائم ہو چکی تھی۔ یہ کمپنی 41,100 روپیے کے مجوزہ سرمائے سے قائم ہوئی تھی جس میں سے 39,000 روپیے کا سرمایہ ادا شدہ تھا۔[5] سرمائے کی ان رقموں سے یہ بات پوری طرح صاف ہو جاتی ہے کہ کمپنیاں قائم کرنے والے سرمایہ کار جن میں سے زیادہ تر لوگ باغات کا کاروبار کرتے تھے، ایک سونا کان کن کمپنی چلانے کو کتنا معمولی کام سمجھتے تھے۔ بہر حال اس کمپنی کو بھی بالکل شروع سے ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور آٹھ مہینے کی مدت

---

[1] احمد صفحہ 295 ۔ [2] دی ٹائمز آف انڈیا 12 جولائی 1880ء۔

[3] برطانوی ہندوستا ۔ [4] برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے 1885ء۔

[5] ایضاً۔

میں 990 ٹن سنگِ مردہ کچل لینے کے بعد، جس میں اوسط حصول 3 پینی ویٹ فی ٹن تھا، مالیت کی کمی کی وجہ سے کاروبار معطل ہو گیا۔

اس وقت بمبئی کی ایک زبردست تجارتی کمپنی، جو سرمایہ کاری اور بیوپاری جوکھم برداشت کرنے کے سلسلہ میں بہت مشہور تھی، اُسے بھی اطلاعات ملیں کہ دور افتادہ وائی ناڈ میں کیا ہو رہا ہے چنانچہ اُس نے بھی اِس دور میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا تاکہ اِس سنہری فصل میں اُسے بھی حصہ مل جائے لیکن سٹی آف گلاسگو بینک، کی ناکامی نے، جس سے یہ نکول اینڈ کمپنی بہت حد تک ملتی تھی، اس کے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ کان کنی کے جن حقوق کے لیے یہ کمپنی سودے میں مصروف تھی بعد میں پورے پانچ لاکھ پونڈ کی قیمت میں وہ حقوق دوسرے ہاتھوں میں چلے گئے، لیکن اِس سے پہلے کہ نکول اینڈ کمپنی ادائیگی بند کرے یہ بہت خاموشی سے کچھ ایسے حقوق حاصل کر چکی تھی۔ جنھیں بعد میں بہت بڑی قیمت کے عوض ساؤتھ انڈین گولڈ مائننگ کمپنی کو فروخت کر دیا گیا۔ موخرالذکر کمپنی ایک ایسی کمپنی تھی جس کا صدر کسی زمانے میں مدراس کا گورنر بھی رہ چکا تھا۔

جس وقت ایک طرف یہ حالات رونما ہو رہے تھے تو دوسری طرف وائسرائے کا ؤنسل کا ایک ممبر کلارک مدراس کے ایک سرکاری دورے کے دوران وائی ناڈ بھی گیا۔ دیتھرس اور ویگز کی طرح اِسے بھی آسٹریلیا کی سونے کی کانوں کا کچھ تجربہ تھا اور انہیں کی طرح اِس ضلع کے ساحلی پتھروں کی منافع بخش خصوصیت نے اسے بھی کافی متاثر کیا۔ چنانچہ اپنی واپسی پر اِس نے تجویز کی کہ کاؤنسل کو اس علاقے کی چھان بین کے لیے ایک ماہر مقرر کرنا چاہیے۔ یہ کاؤنسل نے اِس تجویز کو کچھ ضرورت سے بھی زیادہ خوشی سے قبول کیا، چونکہ یہ امید کی جاتی تھی کہ سونے کے حصول سے ملک کو چاندی کے بحران سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا، جس سے شاہی خزانے کو اپنی مالی مشکلات کے سلسلے میں کچھ آسانیاں حاصل ہو جائیں گی۔ چنانچہ آر۔ برو اسمتھ (R.BROUGH SMITH) جو بہت قابل اور مشہور انجینیر تھا اور جو وکٹوریا، آسٹریلیا، میں کئی سال تک کانوں کا سکریٹری بھی رہ چکا تھا، اس کام کے لیے چنا گیا۔ اسمتھ کی رپورٹ کچھ ایسے وقت منظرِ عام پر آئی جس وقت سونے کی کانوں میں منافع بخش سرمایہ کاری کے لیے عوام

---

[1] احمد صفحہ 249۔ [2] ٹائمز آف انڈیا، 5 ستمبر 1879ء تا 24 جولائی 1880ء۔ [3] احمد صفحہ 295
[4] ٹائمز آف انڈیا، 5 ستمبر 1879ء

کی بھوک پوری طرح بھڑکائی جا چکی تھی۔ حالانکہ اس رپورٹ میں الفاظ کا استعمال بہت احتیاط سے ساتھ کیا گیا تھا، پھر بھی یہ بہت طویل تھی اور اس میں بہت سے پیراگراف ایسے ضرور موجود تھے جو کسی بھی سرمایہ کار کو سنجیدگی سے بیٹھ کر اس سلسلے میں سوچنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ ایک تجربے کار شخص کی حیثیت سے اسمتھ نے لکھا تھا کہ ہندوستان میں سونے کی کان کنی کی صنعت میں رکاوٹ غالباً ذرائع کی کمزوری کی وجہ سے نہیں، جو کافی وسیع تھے، بلکہ غلط تصورات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ وہ تمام احتیاطیں اور پیش بندیاں جو دوسری کاروباری کوششوں کے لیے ضروری تصور کی جاتی ہیں اُن کو سونا کان کنی کے سلسلے میں فراموش کیا جاتا ہے۔[1] اور اس کی یہ تنبیہہ بعد میں رونما ہونے والے حالات میں ایک صحیح پیش گوئی ثابت ہوئی۔

اسمتھ کی رپورٹ 1878 میں شائع ہوئی۔ بدقسمتی سے لندن میں 'ہائی کورٹ' کے 'چانسری' شعبے سے ایک اور رپورٹ قانونی اطلاق کے سلسلے میں اسی وقت اسی شائع ہوئی جس سے سرمایہ کاروں کی توقعات کو ضرور ترغیب حاصل ہوئی ہوگی۔ اس مقدمے کے خاص خاص نکتے یہ تھے کہ ایک پٹے کے تحت 'سی پٹی اسٹیٹ' [See Putti Estate] اور مدراس پریسیڈنسی میں کان کنی کے دوسرے حقوق گذشتہ 'نکول اینڈ کمپنی' کے ٹرسٹیوں نے 'انڈین گولڈ مائننگ کمپنی' کو اس قسم کے معاہدے کے ساتھ سپرد کر دیے تھے کہ موخرالذکر کمپنی اس سپردگی کے مکمل ہو جانے پر 10,000 پونڈ انہیں ادا کرے گی۔ جس فیاضانہ انداز میں منافعے کی تقسیم کی گئی تھی وہ ضرور ایسا تھا کہ جس نے کمپنی کو روپیہ دینے والوں اور ہر ایسے فرد کو جس نے اس مقدمے کی روداد کو پڑھا ہوگا، اس سے حاصل ہونے والے منافعے کے زریں مواقع کی توقعات پر ایک بار خوشی سے ناچنے پر مجبور کر دیا ہوگا۔ ابتدائی اور معمولی چھوٹے موٹے اخراجات کی ادائیگی کے بعد بیچنے والوں اور اس کمپنی کے درمیان کیے گئے معاہدے میں بیان کیا گیا تھا کہ 40 لاکھ پونڈ تک کا منافع ٹرسٹیوں اور کمپنی کے درمیان برابر برابر تقسیم کیا جائے گا؛ اور پہلے 40 لاکھ کی تقسیم کے بعد 50 فیصدی منافع کمپنی کا ہوگا، 20 فیصدی ٹرسٹیوں کا اور 30 فیصدی 'سٹی آف گلاسگو بینک' کے دیوالیوں کو ادا کیا جائے گا۔ جب دیوالیوں کو 50 لاکھ پونڈ مل چکے گا تو منافع ٹرسٹیوں اور کمپنی کے درمیان پھر برابر تقسیم ہونے لگے گا۔ جن لوگوں نے اس معاہدے کا مسودہ تیار کیا تھا انہیں منافعے کی آخری حد تک تقسیم کے سلسلے میں پیش بینی کی کمی کا الزام بہرحال کسی طرح

---

[1] رپورٹ، صفحہ 52۔

نہیں دیا جا سکتا تھا۔ کم ہمت قسم کے سرمایہ کاروں کے دل میں بھی منافعے کی اتنی امید افزا پیش گوئی کو دیکھ کر کافی ہمت پیدا ہوئی ہوگی، چونکہ 23,00,00,000 پونڈ قیمت کا سونا پہلے ہی آسٹریلیا میں حاصل کیا جا چکا تھا[1]

ہندوستان میں اسمتھ کی رپورٹ کا خیر مقدم بہت سرد مہری کے ساتھ کیا گیا اور اس کا کوئی خاص ردعمل نظر نہیں آیا، لیکن لندن میں اس کے اثر سے حصہ بازار میں سونے کے سلسلے میں ایک طوفان سا برپا ہو گیا اور اگلے دو سالوں کے عرصے میں ہندوستان میں سونا کان کنی کے لیے لگ بھگ چالیس کمپنیاں قایم کر دی گئیں[2] ہندوستان میں صرف 11 کمپنیاں اس مقصد سے قایم ہوئیں، جن میں سے چھ مدراس میں اور پانچ بمبئی میں تھیں[3] اس سلسلے میں ہندوستان میں شک و شبہات کی حد کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ کلکتے میں یورپی یا ہندوستان کے سرمایہ کاروں میں سے کسی نے بھی اس قسم کی سرمایہ کاری کے متعلق سوچا تک نہیں۔

مدراس میں پہلی کمپنی 'دی اوریگم گولڈ مائننگ کمپنی لمٹیڈ' 23/دسمبر 1879 کو قایم کی گئی، جس کا مجوزہ سرمایہ 70,000 روپیے تھا جس میں سے 57,500 روپیے ادا کر دیا گیا تھا یہ ریاست میسور کے کولار ضلعے میں سونے کی کان کنی کا کام کرنا چاہتی تھی[4] چونکہ اسمتھ کی اس رپورٹ میں اس زمین کے متعلق بہت کم ذکر کیا گیا تھا اس لیے اس میں بھی شبہ ہے کہ یہ کمپنی اس رپورٹ کے اثر سے قایم ہوئی تھی۔ اس کمپنی کا اجرا کرنے والا لیویلے [Lavalle] نام کا ایک شخص تھا جسے آسٹریلیا کی سونے کی کانوں کا کچھ تجربہ تھا، اور آسٹریلیا کے تمام کان کنوں کی طرح، اس پر بھی اس علاقے کی طلائی چٹانوں کا اثر ہوا تھا۔ غالباً یہی پہلا یورپی تھا جو ان چٹانوں کی معدنی خصوصیت سے متاثر ہوا تھا اور ان میں کام کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے آٹھویں دہائی کے شروع میں حکومت سے ایک قطعۂ زمین پٹے پر حاصل کیا، لیکن غیر اطمینان بخش نتائج کے بعد اس نے یہ مراعات مدراس کی 'آربتھناٹ کمپنی' کو سونپ دیں۔ آسٹریلیا کے ایک کان کن کی نگہداشت میں 'جان منڈی آربتھناٹ اینڈ کمپنی' نے مشینوں

---

1. "ٹائمز آف انڈیا" 5/ستمبر 1879
2. گوشوارہ نمبر 14، صفحہ 282
3. 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، 1883۔
4. ایضاً۔

وغیرہ کے لگانے پر کُل 30,000 روپیہ خرچ کیا اور کل 40 آؤنس سونا پیدا کیا۔ ایک بار پھر اخراجات پیداوار کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوئے چنانچہ اس منصوبے کو بھی بند کرنا پڑا۔ لیکن کمپنی کے کان کن انجینئر ٹامس برے [Thomas Bray] نے اس کمپنی کی ایک نئی تشکیل میں کامیابی حاصل کر لی اور 300 روپئے ماہانہ، جمع، منافعے میں 2 فیصدی کمیشن پر ایک بار پھر کام شروع کر دیا[1] اب کی بار بھی نتائج امید شکن تھے۔ آخرکار یہ کمپنی لندن کے ایک فرد کے ہاتھ 45,000 پونڈ میں بیچ دی گئی۔ بعد میں اسے اکتوبر 1880 میں لندن میں رجسٹر کرایا گیا۔ اس کا سرمایہ ایک پونڈ فی حصہ کے ادا شدہ سرمائے کے حساب سے 1,25,000 پونڈ تھا۔[2]

جون 1880 اور اکتوبر 1881 کے دوران پانچ اور کمپنیاں مدراس میں کھولی گئیں۔ ان میں سے ایک 'دی مدراس گولڈ مائننگ کمپنی' کا سرمایہ 10,00,000 روپے تھا، لیکن اس کے باوجود بھی اس نے اپنی ملکیتوں کو لندن کی ایک کمپنی کے ہاتھ فروخت کر دیا اور رضاکارانہ طور پر دیوالیہ کا اعلان کر دیا۔ ایک اور کمپنی، 'دی بالاگھاٹ گولڈ مائننگ کمپنی'، جس کا کُل ادا شدہ سرمایہ 2,70,000 روپیے تھا، ہندوستانی رجسٹر پر 31/مارچ 1882 کو ظاہر ہوئی لیکن اس کے متعلق یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے بھی اپنی ملکتیں لندن کے ایک سرمایہ کار کو بیچ دیں۔ باقی تین کمپنیاں ــــ 'امارا پولیم راج اسٹیٹ اینڈ مائنس کمپنی لمٹیڈ'، 'وائی ناڈ کونسولس لمٹیڈ' اور 'کوٹاگری ڈسٹرکٹ اسٹیٹس' ــــ بالترتیب دسمبر 1880، مئی 1881 اور اکتوبر 1881 کو 2,18,000 روپیے، 20,320 روپیے اور 34,750 روپیے کے سرمائے سے درج کرائی گئیں۔ یہ کمپنیاں مارچ 1882 کے آخر تک کام میں مصروف تھیں[3]۔ یہ بھی لندن کے سرمایہ کاروں کو ہی منتقل ہو گئی تھیں جن کی سونے کی بھوک اس وقت کچھ ایسی ہی تھی جسے شاید کبھی نہیں بھرا جا سکتا تھا۔

عام طور پر بمبئی کے سرمایہ داروں نے اسمتھ کی رپورٹ پر بہت کم توجہ دی۔ ان پر لندن میں اس سلسلے میں نظر آنے والے جوش و خروش یا 'ٹائمس آف انڈیا' کے وعظ و نصیحت میں سے کسی نے بھی کوئی خاص دلچسپی پیدا نہیں کی۔ صرف بمبئی کے ایک ممتاز ایجنسی ہاؤس 'فوربس اینڈ کمپنی' کے سینیئر ساجھے دار سی۔ ایچ۔ بی۔ فوربس کو اس سلسلے سے کچھ دولت کمانے کے مواقع نظر آئے۔ چنانچہ اس نے کچھ ممتاز قسم

---

[1] 'ٹائمز آف انڈیا'۔ 24/جولائی 1880۔

[2] احمد، صفحہ 319۔

[3] 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے'۔ 1883۔

کے پارسی اور ہندو تاجروں کے ساتھ مل کر سونا کان کنی کی دو کمپنیوں کا اجرا کیا۔ ان میں سے پہلی 'وائی ناڈ گولڈ مائننگ کمپنی لمٹیڈ' تھی جس کا کل اداشدہ سرمایہ 2,10,000 روپیے تھا اور دوسری 'دی قیصرِ ہند گولڈ مائننگ کمپنی لمٹیڈ' جو 14/ فروری 1881ء 10,50,000 روپیے کے اداشدہ سرمائے سے درج کرائی گئی تھی۔ تھوڑے ہی عرصے بعد فوربیس کو بھی احساس ہو گیا کہ کوئی بہت منافع بخش قسم کی شہ رگ مل جانے کے امکانات بہت مشتبہ ہیں، بہرحال وہ اتنا سمجھدار تھا کہ اس نے یہ ضرور محسوس کر لیا کہ کم سے کم حصوں کے کاروبار کے امکانات کافی موجود ہیں اور اگر بدترین صورتِ حال بھی پیدا ہو جائے تب بھی کسی لندن والے کے ہاتھ کمپنی کو بیچ دینے کی صورت تو بہرحال کافی روشن ہے۔ چنانچہ اس طرح کچھ عرصے تک یہ کمپنیاں حصے داروں کے جلسوں میں سربراہوں کی طرف سے لچھے دار تقریروں، اور خود ہی اپنی محفوظ دنوں کی طرف سے لندن کو بھیجے گئے تاروں کے اوپر چلتی رہیں۔ ان تاروں میں حصوں کے لیے ناقابلِ یقین حد تک اونچی قیمتوں کی پیش کش کی جاتی۔ لیکن یہ صورت کچھ بہت زیادہ دن باقی نہ رہ سکی اور حصے دار انتظار کے کرب سے تھک گئے، اب وہ اپنے سرمائے کو آہستہ آہستہ غائب ہوتے اور زیادہ دن برداشت نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ انھوں نے ایک تفتیشی کمیٹی قایم کی۔ اس کمیٹی کے ایک یورپی ممبر، جس نے مینجمنٹ پر اس حملے کی شروعات کی تھی، اس نے اس سلسلے میں نتائج کی بڑی خراب رپورٹ دی۔ فوربیس نے اس کی تحقیقات کو دبا دینے کی بھی کوشش کی لیکن اس غیر مطمئن یورپی نے فوربیس کی کوشش کو اخبار میں ایک اشتہار کے ذریعے ناکام کر دیا، جس میں اس نے حصے داروں کو یہ رپورٹ دیکھنے کے لیے گھر پر ہی بلا لیا۔ آخر کار ہندوستان کی دوسری کمپنیوں کی طرح ان کمپنیوں کا انجام بھی لندن کے ان سرمایہ کاروں کے ہاتھوں میں پہنچ کر ہی ہوا جو اس بیوپار میں بہت تیزی سے منافع کمانے کے لیے آنکھیں بند کر کے سرمایہ جھونک رہے تھے۔

باقی تین میں سے دو کمپنیاں ـــــ 'دی امپیریل سلور لیڈ مائننگ کمپنی لمٹیڈ' اور 'دی کمپیل بلاک وائی ناڈ گولڈ مائننگ کمپنی لمٹیڈ' عوام کو دھوکا دینے کی براہِ راست کوششیں تھیں۔ ان میں سے پہلی جو بمبئی میں 16/ نومبر 1880 کو رجسٹر کرائی گئی تھی، اور جس کا مجوزہ سرمایہ 6,00,000 روپیے تھا دو انگریز افراد کے دماغوں کی اُپج تھی، جنھوں نے خود کو 'ٹریمائنے اینڈ کمپنی' کے روپ میں ظاہر کیا تھا۔ لیکن ان کی کوششوں میں کامیابی حاصل ہونے سے پہلے ہی 'ٹائمس آف انڈیا' نے ان کے منصوبے کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ اس میں اس کے ڈائرکٹروں کے بورڈ کو "کمپنی کے اجرا کرنے والوں کی ایک مجہول ٹولی، کا نام دیا گیا تھا،" جس میں ایک موسیقار، ایک بینک کا کلرک اور ایک ہوٹل کا بیرا جیسے لوگ

شامل تھے، جنھیں ظاہر ہے، کمپنی کے پراسپیکٹس میں بڑے بڑے ناموں اور القاب و آداب کے ساتھ ظاہر کیا گیا تھا۔ اس بے وقت انکشاف کے بعد، 'ٹریمائے اینڈ کمپنی' خاموشی سے کلکتے منتقل ہوگئی۔ یہاں ان لوگوں نے اخبارات میں اشتہار دینے سے گریز کیا اور بڑی محنت سے مختلف کمپنیوں میں حصے داروں کی ایک خاصی بڑی تعداد کے پتے جمع کرکے انھیں پراسپیکٹس ڈاک کے ذریعے بھیجے۔ اس طرح ان لوگوں نے بہت سیدھے سادے لوگوں کو بیوقوف بناکر ایک معقول رقم جمع کرلی۔ لیکن اس کے بعد جلدی ہی سارا معاملہ روشنی میں آگیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس چکر میں پھنس کر نقصان اُٹھانے والے لوگ قانونی کارروائی شروع کریں اس جعل سازی کے منصوبے کو تیار کرنے والا خاص دماغ کھُلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ اس مقدمے کی سماعت کے دوران جو ایک دلچسپ بات ظاہر ہوئی وہ یہ تھی کہ ایسوسی ایشن کی دفعات میں مینیجنگ ایجنٹوں کو، جو خود 'ٹریمائے اینڈ کمپنی' کے علاوہ کوئی اور نہیں تھے، ایسے اختیارات دیے گئے تھے کہ انھیں خود اپنے علاوہ کسی اور کے سامنے جواب دہ نہیں ہونا تھا۔ خود ڈائرکٹروں کا بورڈ بھی ان سے حسابات کی تفصیل پیش کرنے یا مطلوبہ رقموں کو کسی بینک میں جمع کرنے کی اس وقت تک ہدایت نہیں دے سکتا تھا جب تک، حقیقت میں، یہ لوگ انگلینڈ نہ پہنچ چکے ہوں۔[1]

'دی ٹیمپل بلاک کمپنی' کا اجرا، 21/مئی 1881 کو 4,00,000 روپیے کے مجوزہ سرمائے 'ٹریمائے اینڈ کمپنی' کے دوسرے ساجھے دار کی طرف سے کیا گیا تھا جن کو غالباً امید تھی کہ وہ پریس کی نگاہوں سے بچ کر نکل جائے گا۔ لیکن ایک بار پھر ٹائمس آف انڈیا نے اس پر سختی سے حملہ کیا اس کی بھی یہ کوشش ناکام ہوئی۔[2]

ایک تیسری اور آخری کمپنی، جس کا نام 'دی رِپن گولڈ مائننگ کمپنی لمٹیڈ' تھا 16/اکتوبر 1880 کو رجسٹر کرائی گئی تھی اور اس کا کُل ادا شدہ سرمایہ 79,400 روپیے تھا۔[3] اس کمپنی کی تفصیلات اس کے علاوہ موجود نہیں ہیں کہ یہ مارچ 1882 کے آخر تک کاروبار میں مصروف تھی۔[4] لیکن اس بات کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کمپنی بھی برطانوی اسپیکولیٹروں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔

---

1. 'ٹائمز آف انڈیا' 4/ستمبر 1880؛ 10/فروری 1881؛ 10/اپریل 1881؛ 14/جون 1881؛ /جون 1881۔
2. 'ٹائمز آف انڈیا' 28/جون 1881۔
3. 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' 1883۔
4. ایضاً۔

ہندوستان میں رونما ہونے والے مندرجہ بالا حالات کی تفصیلات سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان کیفیات کو جنون کا نام نہیں دیا جا سکتا، اس کے لیے دو امکانی وجوہات ہو سکتی ہیں، پہلی بات یہ کہ 'پیری اینڈ کمپنی' اور بعد از اس کی 'آربتھنارٹ کمپنی' جیسے ممتاز ایجنسی ہاؤسوں کی کوششیں، جو ان تمام حالات سے بیحد قریب تھے، ناکام ہو گئی تھیں۔ اس لیے اسمتھ کی رپورٹ کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ شبہات کا موجود ہونا ایک لازمی امر تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ ملک کے اہم اخبارات ان تبدیلیوں اور کیفیتوں پر پوری دلچسپی اور گہرائی کے ساتھ نگاہ رکھے ہوئے تھے اس لیے جعل سازانہ کوششوں کا کامیاب ہونا اور زیادہ بڑے پیمانے پر اثر انداز ہونا مشکل تھا۔ لیکن بہرحال اس کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جا سکتا کہ ملک میں سونے کی کان کنی کے جوش و خروش سے ہندوستانیوں نے بالکل بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اور بہت سوں کے ساتھ ساتھ زمین پر سرمایہ جھونکنے والے، انجنیر، جن میں حقیقی بھی تھے اور جعلی بھی، ایجنسی ہاؤس، غرض سب نے لندن میں سونے کی 'دوڑ' میں اپنے اپنے حصے کی رقمیں بنا لیں۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ لندن میں چالیس کے قریب جاری کی جانے والی کمپنیوں میں سے سات کمپنیوں کی مینجنگ انجنسیاں صرف 'آربتھناٹ اینڈ کمپنی' کے پاس تھیں[1]۔ اس کے علاوہ ایک یہ بات بھی تھی کہ سونے کی کان کنی میں منافعے کی توقعات نے مختلف علاقوں کے سرمایہ کاری کی ابتدا بھی کی، جو، حالانکہ اب بھی بہت تھوڑی مقدار میں تھا، بمبئی سے آرہا تھا، اور 'پورٹ کننگ' منصوبے سے اس کی ابتدا ہوئی تھی[2]۔

دوسری طرف لندن میں اسمتھ کی رپورٹ کی اشاعت نے ایک دم بڑا جوش و خروش پیدا کر دیا اور یہ چیز بعد میں ایک ایسی دوڑ بن گئی جس کی رفتار فوراً ہی بہت تیز ہو گئی۔ اس ردعمل کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ہمیں لندن کے زر بازار کی تاریخ بھی کسی قدر دیکھنا ضروری ہے۔

1875 میں غیر ملکی قرضوں کے سلسلے میں سیلیکٹ کمیٹی کے سامنے انکشافات، اور اس سے اگلے سال یورپی جنگ کے خوف کے اثر سے برطانیہ کے سرمایہ کاروں میں غیر ملکی ضمانتوں (سیکورٹیوں) کے لیے بہت تذبذب اور شبہ پیدا ہو گیا۔ لندن کے بیوپاری، صنعتی اور کان کنی اداروں سے حاصل ہونے والے منافعے کی حدیں بھی، روس اور ترکی جنگ اور تجارت میں عمومی مندے کے اثر سے کم ہو

---

[1] براؤن، صفحہ 127۔

[2] ملاحظہ ہو پانچواں باب۔

- گئیں۔ جولائی 1878 میں برلن کانگریس نے برطانیہ کی معاشیات کو کسی قدر بڑھاوا ضرور دیا اور حالات کچھ بہتر ہوتے نظر آئے لیکن اسی سال اکتوبر میں 'سٹی آف گلاسگو بینک' کے دیوالیہ ہو جانے سے یہ وقتی اٹھان بھی فوراً ہی رُک گئی۔ 1879 میں گذشتہ پچیس سال کے عرصے میں 'کونسول'* کی قیمت اپنے سب سے اونچے نقطے تک پہنچ گئی اور موسم خزاں کا بیوپار، جو 1873 کے بعد سے تقریباً لگاتار بہت دبا ہوا تھا، حیرتناک طور پر بہتر ہو گیا۔ پہلے غلّے اور پھر اس کے بعد مصنوعات کی قیمتیں اوپر چڑھیں، اور ہر قسم کی ضمانتیں (سیکیورٹی) اس ترقی میں شامل رہیں[1] اسی دوران کچھ واقعات نے سونا کان کنی میں مخصوص دلچسپی پیدا کر دی: پہلے جرمنی، پھر ہالینڈ اور اسکینڈنیویائی ممالک میں معیارِ زر کے اپنائے جانے، اور 1879 سے یونائیٹڈ اسٹیٹس (امریکہ) میں سونے کے بڑے بڑے ذخیروں کو حاصل کر کے جمع کرنے کے اثر سے سونے کی کمی کا کچھ یقین سا پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے اس کی تلاش میں ایک مخصوص دلچسپی پیدا ہو گئی۔

اس طرح ہندوستانی سونا کانوں کو برطانوی سرمایہ کاروں کی توجہ حاصل ہونے کا موقع مل گیا۔ لیکن برطانیہ میں سونا کانوں کے سلسلے میں اسپیکولیشن صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں تھا حقیقت یہ تھی کہ برطانیہ میں 1880 اور 1881 کے درمیان دو سالوں میں قایم ہونے والی کُل بانوے کمپنیوں میں سے، جو سونے کی کان کنی یا تفتیشی مقاصد کے تحت قایم کی گئی تھیں، صرف چوالیس کمپنیاں جنوبی ہندوستان میں کھوج میں مصروف تھیں۔ انگلینڈ میں ہندوستانی سونا کانوں کے سلسلے میں جو 'دوڑ' نظر آئی اس کی رفتار کا اندازہ مندرجہ ذیل گوشوارے سے لگایا جا سکتا ہے:[2]

---

* 'کونسول' [ ] حکومت کے 'اسٹاک' یا قرضے۔ (مترجم)

[1] ڈی۔ ای۔ ڈبلیو۔ لیتھ [ ] 'ہندوستان کی سونا کان کنی کی صنعت' [دی انڈین گولڈ مائننگ انڈسٹری] ، 1883، جلد 2۔

[2] 'اسٹیٹسٹ' [ ]، 12 / نومبر 1881۔

گوشوارہ نمبر 15

ہندوستانی سوناکان کنی کمپنیاں — پونڈ میں جاری شدہ سرمایہ 1879تا 1881

اجرا کی تاریخ	کمپنیوں کی تعداد	سرمایہ (پونڈ)
دسمبر 1679	1	1,00,000
جنوری 1880	1	1,00,000
فروری 1880	1	1,40,000
مارچ 1880	1	1,00,000
اپریل 1880	2	2,80,000
مئی 1880	—	—
جون 1880	1	2,00,000
جولائی 1880	1	1,35,000
اگست 1880	2	2,25,000
ستمبر 1880	1	80,000
اکتوبر 1880	4	5,00,000
نومبر 1880	5	6,30,000
دسمبر 1880	1	75,000
جنوری 1881	3	3,60,000
فروری 1881	2	3,10,000
مارچ 1881	4	5,50,000
اپریل 1881	1	1,00,000
مئی 1881	3	4,00,000
جون 1881	7	10,00,000
	41	52,85,000

بہرحال یہ گوشوارہ اس کھینچ تان اور ان جھگڑوں کے قصوں کا اظہار نہیں کرسکتا جو حصوں کے حصول کے سلسلے میں دیکھنے میں آئے۔ حصوں کے لیے درخواستیں عام طور پر جاری شدہ رقموں سے کہیں زیادہ ہوتیں۔ 'انڈین گلین روک کمپنی' کے سلسلے میں تو یہ حال تھا کہ حصوں کی درخواستیں جمع کرانے میں جن لوگوں کو ناکامی ہوئی تھی، وہ کچھ اس حد تک بپھر گئے تھے کہ انھوں نے ڈائرکٹروں کے خلاف صرف اسی بنیاد پر قانونی کاروائی کرنے کی دھمکی دی تھی کہ انھوں نے کامیاب حصے داروں کے حق میں طرف داری سے کام لیا ہے[1]۔ لہٰذا یہ بات بھی غیر معمولی نہیں تھی کہ ان کمپنیوں کے حصوں کی قیمت کا 100 سے 200 فیصدی تک کے پریمیم پر اعلان ہو[2]۔ ایک طویل عرصے بعد ایسا سنہری موقع نظر آرہا تھا جس میں نئی سرمایہ کاری سے اچھے منافعے کی توقعات پیدا ہوئی تھیں۔ چنانچہ حقیقت یہ تھی کہ ایک یا دو صورتوں میں اگر کچھ کمپنیوں نے کچھ حصوں کو ہندوستان میں نامزد کرنے کے لیے محفوظ بھی کرلیا تھا تب بھی وہ انھیں یہاں صرف اس لیے نہ دے سکیں کہ انگلینڈ میں ہی ان کی مانگ بہت زبردست تھی اور تمام حصے وہیں دینے پڑے تھے[3]۔ ڈیڑھ سال کے عرصے میں جاری شدہ اکتالیس میں سے اکتیس کمپنیاں مطلوبہ سرمایہ حاصل کرلینے میں فوری طور پر کامیاب ہوگئیں، اور باقی دس کمپنیاں، جنھوں نے مجموعی طور پر 1,55,000 پونڈ کی پیش کش کی تھی۔ انھوں نے حصوں کی نامزدگی کا کام کیا ہی نہیں اور بنیادی رقمیں بھی واپس کردیں[4]۔

کمپنیاں بڑی فراخدلی اور آزادی کے ساتھ اسمتھ کی رپورٹ میں سے اپنے مقصد کے مطابق اور امید افزا پیراگراف چن لیتیں، اور ایسے تمام حصوں کو نظر انداز کردیتیں جن میں احتیاط کی سفارش کی گئی تھی یا اس سلسلے میں متنبہ کیا گیا تھا، اور ان کے پراسپیکٹسوں میں ہندوستان کی سونا کانوں کی انتہائی منافع بخش اور سنہری تصویریں پیش کی جاتیں۔ سرمایہ کاروں کی توقعات کو دوسری کمپنیوں کے پراسپیکٹسوں کے حوالے سے اور ابھارا جاتا جن میں جھوٹے سچے انجنیئروں کی ہندوستان سے بھیجی ہوئی رپورٹیں شامل ہوتیں اور سنگ مردہ کی کسی چٹان میں معمولی سے سنہری دھبوں کی کھوج بھی ایک جنون پیدا کردینے کے لیے کافی ہوجاتی اور یہ لوگ قریب ترین تار گھر کی طرف دوڑ پڑتے۔ کچھ ایسے

---

[1] 'اسٹیٹسمین' 27/مارچ 1880

[2] ایضاً۔ 25/دسمبر 1880۔

[3] 'ٹائمز آف انڈیا' 3/اپریل 1880

[4] اسٹیٹسمین۔ 12/نومبر 1881۔

مضمونوں کے سنسنی خیز تاروں — جیسے "زبردست کھوج۔ 'نیاڈل رھک' کے پتھروں سے زبردست دولت کا حصول۔ سونے کی بڑی مقدار" یا "چائے کے باغ میں طلائی شہ رگ ہاتھ آگئی، اور طلائی پتھر کی چار فٹ لمبی چٹان کھود نکالی گئی، انتہائی حد تک سونے سے پُر" — نے ہندوستانی سونا کانوں کے لیے اسپکولیشن کی بحرانی کیفیت کو اور تیز کیا[1] ان کمپنیوں کے ڈائرکٹروں نے اصل سرمائے سے منافع بانٹ کر — جسے 'متوقع منافع'، کا نام دیا جاتا، اور جو انہی چھوٹے سچے انجنیروں کی بھیجی ہوئی اطلاعات پر مبنی ہوتا۔ سلگتی ہوئی آگ پر تیل چھڑک کر کچھ اور بھڑکا دیا۔ جیسا کہ 'ٹائمس آف انڈیا' نے لکھا تھا، حصے دار اپنا پیٹ یا جیبیں بھرتے رہنے کے لیے اسی طرح اپنے سینے کا خون پلا رہے ہیں، یا اسی طرح اپنی جیبیں خالی کر رہے ہیں، جس طرح ماہی خور (پیلیکن) اپنے سینے سے اپنے چوزوں کا پیٹ بھرتا ہے۔" مگر ڈائرکٹروں کی ان حرکتوں پر اس صورت میں بہت زیادہ تعجب نہیں ہوگا جب ان کمپنیوں کے بورڈوں کی ساخت کو بھی نگاہ میں رکھا جائے۔

تینتیس کمپنیوں کے ان بورڈوں میں، جو بنیادی طور پر تشکیل دیے گئے تھے، 175 ڈائرکٹروں کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے تینتیس ڈائرکٹر اپنی کمپنیوں کو بیچی گئی زمینوں کے سلسلے میں ان سے براہِ راست تعلق رکھتے تھے، اور انھیں زمین کی قیمتوں کی کُل ادائیگی کے ایک حصے کے طور پر 149000 پونڈ کی رقم کمپنیوں کے حصوں کی صورت میں دی گئی تھی[2] ظاہر ہے کہ اپنے حصوں کی قیمتوں کو برقرار رکھنا ہی ان کی بُنیادی دلچسپی تھی۔ لیکن یہ ڈائرکٹر جو بہت حد تک صرف اپنے ذاتی مفادات اور خود غرضانہ دلچسپیوں سے ان بورڈوں میں شامل تھے، اس وقت تک اپنی ضرر رساں حرکات کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے جب تک ان کی شخصیتیں چند بڑے اور باوقار ناموں کے پردے کے پیچھے نہ چھپی ہوں، جو ان بورڈوں میں ان کے ساتھ بیٹھتے ضرور تھے لیکن وہ ان میں محض برائے نام قسم کے سربراہوں کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کا مفاد صرف فیس کی بھاری بھاری رقمیں وصول کرنا تھا۔ لیکن اگر اتنی رجائیت اور امید پرستی کا دور دورا نہ ہوتا، جتنا اس وقت موجود تھا، تو یہ دھوکے کی ٹٹی بھی شاید بہت بااثر ثابت نہ ہوتی۔ ان بورڈوں کی ساخت کی ایک اہم خصوصیت کچھ "مقامی تجربے کار افراد" اور ہندوستانی ملازمتوں سے ریٹائر ہوئے برطانوی سول حکام کی شمولیت بھی تھی، جن کے پاس کچھ

---

[1] احمد، صفحات 8-307

[2] بیٹن، صفحہ 14۔

فالتو دولت موجود تھی جیسے ڈائرکٹر کی آسامی سے حاصل ہونے والی حیثیت و وقار اور بڑائی کے احساس کے لیے خوشی سے لگایا بھی جاسکتا تھا۔ اور اس کا اثر برطانوی سرمایہ کاروں کی آنکھیں بند کر دینے کے لیے کافی تھا[1] یہ حقیقت کہ مدراس کی گورنری یا قحط امدادی فنڈ کے ڈائرکٹر کی حیثیت کسی طرح بھی سونا کان کنی کمپنی کے ڈائرکٹر کے لیے ضروری صلاحیتوں اور استعداد سے کوئی رشتہ اور تعلق نہیں رکھتی، اسے پوری طرح نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ انگلینڈ کے مالیاتی جریدوں میں شائع ہونے والی تمام تنبیہوں، خاص طور پر وائی ناڈ اور کولار ضلعوں میں ذرائع آمد و رفت کی بیحد خراب صورت حال اور سند یافتہ انجنیئروں کے فوری حصول کی دشواریوں پر ذرا بھی توجہ نہیں دی گئی۔ ان تمام کیفیات کا نتیجہ یہی ہوا کہ 1881 میں مئی کے آخر اور جون کے ابتدائی حصے کو چھوڑ کر جب حصوں کی قیمتوں میں کسی قدر گراوٹ نظر آئی تھی، یہ جنون جاری رہا۔ اس دوران ہر طرف ایسی زمینوں کی خرید میں روپیہ بہایا جاتا رہا جن کے متعلق تھوڑی سی بھی ایسی شہرت ہو جاتی تھی کہ ان میں طلائی چٹانیں موجود ہیں۔ ان کے لیے ان کچے پکے انجنیئروں کی اطلاعات کافی ہوتیں جو یا تو ہندوستان پہنچ چکے تھے اور اس دولت کے زبردست حصول میں خود بھی حصہ حاصل کر لینے کی امیدیں قایم کر چکے ہوتے یا انھیں مختلف کمپنیوں کی طرف سے ہندوستان کی طرف روانہ کیا جا چکا ہوتا۔ صرف یہی بات نہیں تھی کہ زمین کے یہ قطعات جن کا وجود صرف انھیں بیچنے والوں کے ذہنوں میں ہوتا تھا، ایک سے دوسرے ہاتھوں میں بڑی بڑی قیمتوں پر منتقل ہو رہے تھے۔ ان کے لیے ادا کی گئی اتنی زبردست قیمتوں کو اس صورت میں ضرور جائز سمجھ لیا جاتا جب ان میں کافی مقدار میں طلائی چٹانیں حقیقت میں بھی موجود ہوتیں۔ مزید براں یہ لوگ، جنھیں انجنیئروں کا نام دیا گیا تھا، انھوں نے بعض صورتوں میں ایسی مشینوں کے آرڈر دیے جو اس وقت کی مشینوں میں جدید ترین اور سب سے زیادہ قیمت والی تھیں، یا دوسرے لفظوں میں انتہائی بیکار تھیں، اور ان مشینوں کو اس انداز سے نصب کروا دیا جیسے اس جگہ "لندن کی کوئی نمائش لگائی جانے والی ہو"[2] ـــــ یعنی ایسی جگہوں پر جہاں انھیں مناسب طور پر استعمال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس افراتفری میں جنھیں منافع کمانے کا موقع ہاتھ لگا وہ صرف کمپنیوں کے

---

[1] احمد، صفحات 11-308

[2] ڈبلیو۔ والس۔ 'ہندوستانی سونا کانوں کے علاقے میں تین مہینے کا تجرباتی دورا' ـــــ احمد کے یہاں اقتباس، صفحہ 307۔

پیشہ ور قسم کے اجرا کرنے والے، بیچنے والے، انجینئر، حکومتِ مدراس اور ریاستِ میسور اور ان کے افسر[1] اور ہندوستان میں ایجنسی ہاؤس تھے۔ اُبھارے گئے کُل سرمائے کا آدھا حصہ تو زمینیں بیچنے والوں ہی کی جیب میں گیا۔ لیکن اس میں سے بڑی رقم بہرحال حصوں کے روپ میں تھی، اور اگر لندن اسٹاک ایکسچینج کا ایک قاعدہ ایسا نہ ہوتا جس کی رو سے بیچنے والوں کو ان کی ادائیگی میں کمپنی کے کُل سرمائے کے ایک تہائی حصوں سے زیادہ دیے جانے کی ممانعت کی گئی تھی، تو یہ بیچنے والے شاید اپنی پوری قیمتِ فروخت کو حصوں کی شکل میں ہی لے لیتے[2] اس طرح پچاس لاکھ پونڈ کی وہ رقم جو لندن میں حصوں کے ذریعے حاصل کی گئی تھی، اس کا ایک بڑا حصہ صرف کاغذی بیوپار سے زیادہ کچھ نہیں تھا اور بہت تھوڑی سی نقد رقم ہندوستان پہنچی تھی۔

یہ جنون ختم بھی اتنی ہی تیزی سے ہوا جس طرح شروع ہوا تھا۔ 5 جولائی 1881 کو گلاسگو کی 'انڈین گولڈ مائننگ کمپنی' کے لندن کے دفتر میں، ہندوستان میں مقیم منیجر کی طرف سے ایک تار پہنچا جس کے ذریعے ایک گذشتہ پیغام میں غلطی کی تصحیح کی گئی تھی۔ اس کا لبِ لباب یہ تھا کہ 4 آونس سونے کا حصول سنگِ مردہ کے صرف ٹن کو پگھلنے سے ہوا تھا اور اس کے بعد کے 19 ٹن سے کُل 2 آونس کا حصول ہوا ہے اور جیسا کہ اس سے پیشتر سمجھا رہا تھا، 2 آونس فی ٹن نہیں تھا[3] یہ خبر اسپیکولیشن کی موت کا اعلان بن گئی۔ بہت تیزی سے حصوں کی قیمتیں گرنی شروع ہوئیں اور چندی مہینوں میں ان قیمتوں کی کٹوتی کا اظہار کیا جانے لگا۔ اس صورتِ حال میں خرابی اس طرح اور بھی بڑھی جب ان زمین بیچنے والوں نے اپنے پاس سے تیزی سے حصوں کو نکالنا چاہا، جنھیں زیادہ تر صورتوں میں حصوں کے حصول کے ایک سال کے اندر ان کو بیچنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اگلے دو سالوں میں بہت سی کمپنیاں ہمیشہ کے لیے معدوم ہو گئیں اور باقی کمپنیوں کے حصے اتنے شلنگ میں بھی نہ بک سکتے تھے جتنے کسی زمانے میں پونڈوں میں بک جاتے تھے۔

سرمایہ کاروں کا انداز کچھ اس حقیقت سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگست 1882 میں

---

[1] امگد: متفرق

[2] ایضاً صفحات 3-321۔

[3] اسٹیٹسمٹ۔ 26 اگست 1882۔

[4] 12 نومبر 1881۔

ہندوستان کی ایک کان کے متعلق اس خبر نے بھی کسی قسم کا جوش نہ پیدا کیا کہ اس نے ایسا سنگ مردہ تلاش کیا ہے جس میں ایک ٹن میں بیس آونس سونا موجود ہے، اور صرف اس کمپنی کے حصوں کی قیمت میں بہت معمولی سا اضافہ ہوا[1] کمپنیوں کی مالیت میں جو کمی بہت سی وجوہات کی بنا پر پہلے ہی شروع ہو چکی تھی، اس کے اثر سے قیمتوں کی گراوٹ کے میلان میں کچھ اور تیزی پیدا ہوئی اور جلدی ہی چند کمپنیوں کو چھوڑ کر باقی سب بند ہو گئیں۔ وہ کمپنیاں جن کے پاس اب بھی کچھ مالیت باقی تھی اور امید بھی موجود تھی، اپنا کاروبار جاری رکھے رہیں۔

بعد میں اس حقیقت کا علم ہوا کہ سونا حقیقت میں صرف چند ہی طلائی چٹانوں میں مرکوز تھا۔ باقی ساری چٹانوں میں تھوڑے تھوڑے سونے کی مقدار تھی یا ان میں اتنا سونا نہیں تھا کہ انھیں باقاعدہ طور پر کاروبار کی بُنیاد بنایا جائے۔ بہرحال 'میسور کمپنی' کی کانوں کو خوش نصیبی سے جو سونے کا خزانہ ہاتھ لگا اس نے "ساری دنیا کی کانوں کی فہرست کو سُنہرا کر دیا، اور ان میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی"[2]

اس کمپنی نے اس وقت گہرائی تک کھُدائی کا فیصلہ کیا تھا جب اس کی تھیلیوں میں چند ہزار پونڈ کی مالیت باقی رہ گئی تھی، اور اگر یہ ناقابلِ یقین حقیقت نہ سامنے آتی اور 30 یا 40 فٹ گہرائی پر ایسی چٹانیں نہ ملتیں جن میں سونا اچھی مقدار میں موجود تھا تو خدا جانے ہندوستان میں سونا کان کنی کی تاریخ کیا ہوتی۔

1884 میں 'میسور کمپنی' کی کامیابی نے اسپیکولیشن کے اس دور میں ایک بار پھر کچھ جان ڈال دی جو 1885 میں شروع ہوا اور 1886 میں جاری رہا، لیکن اب یہ چند سرمایہ کاروں اور میسور کی کانوں کے آس پاس کے علاقوں تک ہی محدود تھا۔ اس دوران کمپنی کے اجرا کے سلسلے میں کوئی اضافہ نہیں ہوا اور اسپیکولیشن میں تجدید کے وقت جو کمپنیاں موجود تھیں ان کے نام نیچے دیے ہوئے ہیں[3]

---

[1] 'سٹیٹسٹ' 26/اگست 1882۔

[2] ایضاً۔ 15/مئی 1886۔

[3] نمبر 1 اور نمبر 2 کمپنیوں کی معلومات لندن کے بازار میں نہیں تھی، اور نمبر 7، 8 اور 9 کمپنیاں ضم ہو کر 'انڈین کنسولیڈیٹڈ مائنس' میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ اسٹیٹسٹ، 7/نومبر 1885۔

1۔ 'قیصرِ ہند'
2۔ 'بالاگھاٹ'
3۔ 'اوریگم'
4۔ 'نندی دُرگ'
5۔ 'میسور'
6۔ 'نائن ریفس'
7۔ 'کولار'
8۔ 'دی گریٹ ساؤتھرن میسور'
9۔ 'دی مدراس'

1886ء میں نئی کان کنی کمپنیاں ایک بار پھر کچھ مشہور ہوئیں؛ مئی 1886ء میں کچھ عرصے کے لیے اسپیکولیشن میں تھوڑی سی کمی پیدا ہوئی[1] لیکن جلدی ہی اس میں پھر اٹھان پیدا ہوئی اور اکتوبر تک بازار پر پہلے بخار کا شدید حملہ ہوا[2]۔ جنوری اور نومبر 1866ء کے درمیانی وقفے میں نو نئی کمپنیوں کا اجرار کیا گیا جن کا مجموعی سرمایہ 24,45,000 پونڈ تھا، اور ان میں سے ایک 'دی انڈین میسور کمپنی' جس کا سرمایہ 10,00,000 پونڈ تھا، بعد میں واپس لے لی گئی۔ سال کے آخر تک میسور میں سونے کی کان کنی صنعت آخری بار اسپیکولیشن کی دلدل سے باہر نکل چکی تھی۔ 1887ء میں 'اسٹیٹسمنٹ' نے لکھا تھا کہ: "میسور ضلعے کے تمام واقعات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مستقبل میں پُرامید طور پر سوچنے کے لیے تمام اسباب موجود ہیں[3]" اور یہ کہ "ہندوستانی کانوں کے مستقبل کے لیے جتنی اچھی توقعات اب موجود ہیں اس سے پہلے کبھی نہیں تھیں[4]۔" اس کے بعد میسور کی سونے کی کان کنی صنعتیں متواتر آہستہ آہستہ ترقی کرتی رہیں۔ اسپیکولیشن کے اس دور کے بعد ہی ہندوستان میں سونا کان کنی کے سلسلے میں برطانوی سرمائے کا بہاؤ بھی بہت دھیما ہو گیا۔ 1887ء اور 1900ء کے درمیان صرف تین کمپنیاں — 'دی چیمپین ریفس'

---

[1] 'اسٹیٹسمنٹ'، 15 مئی 1886ء۔
[2] اسٹیٹسمنٹ، 30 اکتوبر 1886ء۔
[3] ایضاً، 6 اگست 1887ء۔
[4] ایضاً، 12 نومبر 1887ء۔

(1889)، 'دی اوریئنٹل گولڈ' (1895) اور 'دی انڈین کونسل گولڈ فیلڈز' (1896) ۔ اور قایم ہوئیں جن کا سرمایہ بالترتیب 200,000 پونڈ، 137,000 پونڈ اور 5,00,000 پونڈ تھا۔ صرف پانچ کمپنیاں — 'بالاگھاٹ'، 'چیمپین'، 'میسور'، 'اوریگم' اور 'نندی ڈرگ' حقیقت میں کامیاب کمپنیاں ثابت ہوئیں اور انھوں نے اچھے منافعے بھی ادا کیے[1]

حالانکہ جنوبی ہندوستان میں کان کنی کے سلسلے کی ڈور ایک "زبردست دیو پیکر ناامیدی" ہی ثابت ہوئی لیکن اس کے مجموعی نتائج کچھ فائدوں سے بالکل خالی بھی نہیں تھے، چونکہ اس نے ہندوستان میں سونا کان کنی کے واحد علاقے کی نشوونما کی طرف ضرور رہنمائی کی تھی۔

---

[1] ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 16 ۔

نواں باب

اجتماعی سیکٹر کی ترقی 1882 تا 1900

1882 سے 1891 تک کا درمیانی عرصہ اجتماعی سیکٹر کی سرمایہ کاری میں زبردست تبدیلیوں کا دور تھا۔ ان انیس سالوں کے دوران گذشتہ تینتیس سال میں درج کرائی جانے والی 1491 رائج کمپنیوں کے مقابلے میں، 2692 نئی کمپنیاں درج کرائی گئیں۔ اس طرح کمپنیوں کے اندراج کی اوسط تعداد اس عرصے میں چار گنا بڑھ گئی تھی۔ لیکن ان اعداد و شمار کو کافی احتیاط کے ساتھ قبول کیا جانا ضروری ہے، چونکہ ان میں سے 50 فی صدی نئی کمپنیاں یا تو خود کسی اور کمپنی کے سائے میں پل رہی تھیں یا بہت چھوٹی اور کمزور تھیں، اور ان سے ملک کی پیداواری صلاحیت میں بہت کم اضافہ ہو رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے 3181 کمپنیاں تو اس عرصے میں غائب بھی ہو گئیں۔ ان کمزور قسم کی کمپنیوں کی ترقی کے سلسلے میں تین اہم نکتوں یعنی بنگال میں 1890 کا سونا کان کنی کا جنون، تخمینہ (ASSESSMENT) بیمہ کمپنیوں کی اٹھان، اور بچتوں اور قرض دینے والی کمپنیوں کی ابتدا پر کسی اور جگہ تفصیل بحث کی جائے گی۔[1] بہر حال ان حالات کا نتیجہ یہ تھا کہ کمپنیوں کی تعداد میں حقیقی اضافہ صرف 861 کی حد تک ہی کہا جا سکتا ہے۔

کسی گذشتہ باب میں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان میں اجتماعی سرمایہ کاری صرف دو صوبوں۔ بمبئی اور بنگال۔ میں بہت زیادہ مرکوز تھی۔[2] زیر نظر دور میں بھی اس سلسلے میں علاقائی نشو و نما کے لحاظ سے کسی خاص تبدیلی کا میلان نہیں نظر آتا۔ اگلے صفحے پر دیے گئے گوشوارہ نمبر 16 میں مارچ 1901 کے آخر میں اس ترقی میں مختلف خطوں کا حصہ دیکھا جا سکتا ہے۔

جہاں تک صرف کمپنیوں کی تعداد کا سوال ہے، تینوں اہم علاقے، بمبئی، بنگال اور مدراس.

---

[1] ملاحظہ ہو دسواں باب۔

کافی حد تک متوازن تھے۔ لیکن اداشدہ سرمائے کی رقموں کے اعتبار سے بمبئی اور بنگال کا حصہ کل کا 84 فی صدی تھا۔ مدراس میں چھوٹی چھوٹی کمپنیاں کیوں اتنی زیادہ تعداد میں تھیں اس کی وجہ وہاں بہت سی ایسی قرضوں اور بچت کی سوسائیٹیاں تھیں، جنھیں کمپنی ایکٹ کے تحت درج بھی کروالیا گیا تھا[1]۔ اِس گوشوارے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنگال میں کمپنیوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی لیکن

گوشوارہ نمبر 16

کمپنیوں کی علاقائی تقسیم ـــــ مارچ 1901

خطہ	تعداد	اداشدہ سرمایہ (روپے)
بمبئی	342	15,60,33,551
بنگال	398	15,47,11,734
مدراس	361	2,43,56,104
میسور	88	28,25,249
برار	3	1,45,000
سی۔پی	12	30,59,058
پنجاب	50	72,55,752
اجمیر، مارواڑ	9	9,98,275
شمالی مغربی صوبہ واودھ	75	17,97,630
آسام	6	1,90,433
برما	22	38,57,100
	1,366	37,06,29,886

[1] ملاحظہ ہوں دسواں باب

اوسطاً ان کا ادا شدہ سرمایہ بمبئی کی کمپنیوں سے کم تھا۔ تعداد میں یہ زیادتی ان حشرات الارض قسم کی بہت سی چھوٹے چھوٹے قرض دینے والی، اور "تخمینہ بیمہ کمپنیوں" کی وجہ سے تھی۔ جو نویں اور دسویں دہائی میں پیدا ہو گئی تھیں۔

سرمایہ سازی

آخر مارچ 1882 میں تمام کمپنیوں کا کل سرمایہ 5,68,17,560 روپے تھا۔ اگلے 19 سال کے عرصے میں اس میں 21,38,12,316 روپے کا اضافہ ہوا جس سے 4.5 فی صدی سالانہ اضافے کی شرح حاصل ہوتی ہے۔ سرمائے میں اضافے کی مقدار کی تشریح کے وقت یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس سرمائے کے علاوہ حصوں سے حاصل شدہ رقم کی تقریباً 50 فی صدی رقم عام طور پر قرضوں کے ذریعے بھی ابھاری گئی تھی۔[1] مندرجہ ذیل اعداد سرمایہ سازی کے رجحانات کا اظہار کرتے ہیں۔

سال	کاروبار میں مشغول کمپنیاں	ادا شدہ سرمایہ 000 روپے میں	گزشتہ سال کے مقابلے میں فی صدی تبدیلی
1881-82	5.5	156817	—
1882-83	547	17.959	9
-84	649	1875.6	9.8
-85	694	2.6358	10
-86	806	210025	2
87	886	213804	2

---

[1] یہ تخمینہ بھی کسی قدر سخت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روئی کی صنعت جو 1891 میں اجتماعی سیکٹر میں کل کا تقریباً ایک تہائی سرمایہ رکھتی تھی، اس کے پاس محفوظ سرمایہ اور قرضوں سے حاصل کیا ہوا سرمایہ مجموعی طور پر ادا شدہ سرمائے کی رقم سے زیادہ تھا جائے اور پٹ سن کی صنعتوں میں بھی انہی کیفیات کو فرض کر لینا بہت زیادہ غلط نہ ہوگا لیکن ان صنعتوں کی مدد کے علاوہ کمپنیاں شاذ و نادر ہی قرض نامے (ڈبنچر) جاری کرتی تھیں۔ اس لیے پورے اجتماعی سیکٹر کے لیے 50 فی صدی کا تخمینہ مناسب محسوس ہوتا ہے۔

سال	کاروبار میں مشغول کمپنیاں	ادا شدہ سرمایہ (000 روپوں میں)	گذشتہ سال کے مقابلے میں فی صد تبدیل
88ء	910	22326	4
89ء	895	229975	3
1889-90	886	236842	3
91ء	928	244584	3
92ء	950	265854	9
93ء	956	267931	0.8
94	1,065	275100	2.7
95ء	1,204	276687	0.6
96ء	1,309	293872	6
97ء	1,596	311585	6
98	1,572	331233	6.3
99ء	1,417	355989	7.5
1899-1900	1,340	354387	0.4
1900-1901	1,366	370629	4.6

مندرجہ بالا اعداد کے سلسلے میں کچھ وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے۔ خاص طور پر 2-1891 سے 5-1894 تک اور 1899 اور 1900 کے اعداد کے سلسلے میں وضاحت لازمی ہے۔ 92-1891 میں سرمایہ کاری میں زبردست اضافہ "ہانگ کانگ اینڈ شنگھائی بینک" کے سرمائے میں بہت بڑے اضافے، اور 1890ء[1] میں نظر آنے والے۔ بنگال میں سونے کے جنون میں بہت سی سونا کان کنی کمپنیوں کے قیام کا نتیجہ تھا۔ اگلے تین سال کا عرصہ روپے کی شرح مبادلہ کے سلسلے میں بے حد غیر یقینی کیفیت کا دور تھا۔ جس کے نتیجے میں نئی سرمایہ کاری رک سی گئی تھی۔ 1900-1899

[1] ضمیمہ نمبر 17 اور دسواں باب

کے درمیانی سال میں سرمایہ کاری میں جو کمی ہوئی، اسے اس مضمون کے بعض ماہرین نے اس سال کو خراب ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا ہے[1] لیکن حقیقت میں سرمایہ کاری میں یہ گراوٹ اس لیے نظر آتی ہے کہ انڈیا جنرل اسٹیم نیویگیشن کمپنی لمیٹڈ، جو اس وقت بہت زبردست کمپنی تھی اس عرصے میں ہندوستانی رجسٹر سے برطانوی رجسٹر کی طرف منتقل ہوئی تھی جس کا سرمایہ 97,50,000 روپے تھا اور لگ بھگ بیس سونا کان کنی کمپنیاں جو پہلے سے معطل سی پڑی تھیں، کمپنی رجسٹر سے خارج کی گئی تھیں جن کا کل اداشدہ سرمایہ مجموعی طور پر چالیس لاکھ روپے تھا۔ ان تکنیکی قسم کی وجوہات سے قطع نظر سرمایہ زنی کا میلان بھی اس دور میں مثبت ہی کہا جا سکتا ہے۔

405 فی صدی سالانہ شرح سے سرمایہ سازی بھی بذات خود کوئی بہت کم نہیں ہے لیکن اگر صنعتی اعتبار سے زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کے معیار سے اسے دیکھا جائے تو انیس سال کے عرصے میں ہندوستانی کمپنیوں نے مجموعی سرمائے میں جتنا اضافہ کیا وہ بہت کم محسوس ہوگا۔ مثال کے طور پر برطانیہ میں 1888 میں ہونے والے نئے اندراجات نے 33,30,00,000 پونڈ سرمائے کا اضافہ کیا، 1889 میں 24,10,00,000 پونڈ کا اور 1890 میں 23,80,00,000 پونڈ کا[2]۔ اس طرح اگر ان میں سے کسی سال میں کل مجوزہ سرمائے کا صرف دس فی صدی سرمایہ بھی ادا کیا گیا ہو، تو یہ انیس سال کے دوران ہندوستان میں سرمائے کے اضافے کے لگ بھگ برابر ہوگا۔ قدرتی طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا ہندوستان میں اجتماعی سیکٹر کو توسیع دینے کے مواقع اور میدان موجود تھے؟ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے پہلے ان عوامل پر نگاہ ڈالنا ضروری ہے جو ہندوستان میں صنعتی ترقی کی رفتار کو متعین کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل گوشوارے میں، 1882 اور 1901 کے درمیانی وقفے میں روپے میں اداشدہ سرمائے کی کل رقم میں مختلف صنعتوں کا حصہ دکھلایا گیا ہے۔

---

[1] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو مُرنجن، (سابقہ حوالہ)

[2] میوی، صفحہ 110 — پی۔ سارگانٹ فلورنس (P. Sargaunt Florence) کے مطابق، 1885 میں انگریزی اور اسکوٹ کمپنیوں کا کل اداشدہ سرمایہ 49,50,00,000 پونڈ تھا۔ ملاحظہ ہو اس کی کتاب ' بڑی کمپنیوں کی ملکیت، کنٹرول اور کامیابی ' (اونرشپ، کنٹرول اینڈ سکسیس آف لارج کمپنیز) مطبوعہ 1961۔ صفحہ 2۔

صنعت	ادا شدہ سرمایے میں اضافہ (000 روپوں میں)	1882 تا 1901 کل کا فی صدی
روئی مل	85106	40.0
ریلویز	27881	13.1
بینک کاری	24227	11.4
پٹ سن مل	22863	10.7
تجارت	21598	10.1
کوئلہ	10106	4.7
چائے	5624	2.6
متفرق	16407	7.4
کل	213812	100.0

اگلے چند صفحات پر مختلف صنعتوں میں ترقی کے انداز کو زیادہ تفصیل اور گہرائی کے ساتھ دیکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

بمبئی کی روئی مل صنعت

اجتماعی سیکٹر کی مجموعی نشوونما میں، روپے میں کی جانے والی سرمایہ کاری کے نقطۂ نگاہ سے روئی مل صنعت ایک واحد اہم ترین صنعت تھی۔ صرف ایک یہی بات نہیں تھی کہ کل ادا شدہ سرمائے کے اضافے میں دو بٹا پانچ حد تک صرف روئی ملوں کا حصہ تھا بلکہ یہ بات بھی کافی اہم تھی کہ روپے میں کل سرمایہ کاری میں صدی کے آخر میں اس کا حصہ 34.4 فی صدی تھا جب کہ 1882 میں یہ 30.47 فی صدی تھا۔ اس صنعت میں سرمایہ سازی کی سالانہ شرح 6 فی صدی تھی۔ کمپنیوں کی کل تعداد بھی 1882 کی 59 سے بڑھ کر 1900-1 تک 197 ہو گئی تھی لیکن کل کمپنیوں میں روئی مل کمپنیوں کا تناسب صرف 30.9 فی صدی تھا جس کا مطلب کہ اوسطاً ہر روئی مل کمپنی باقی کمپنیوں کے مقابلے میں حصوں سے حاصل شدہ سرمائے سے تین گنے سے بھی زیادہ سرمایہ استعمال

کرتی تھی۔

روئی مل کمپنیوں کی اتنی زبردست ترقی اور اس صدی کی آخری دو دہائیوں میں ملک کے مختلف حصوں میں اس کی اس حد تک توسیع کو مندرجہ ذیل گوشوارے میں دیکھا جاسکتا ہے:۔

گوشوارہ نمبر 17

مختلف تاریخوں پر کاروبار میں مصروف روئی ملوں کی تعداد اور ان کا مجوزہ سرمایہ

(000 روپوں میں سرمایہ)

علاقہ	1880 — 81 تعداد	1880 — 81 سرمایہ	1890 — 91 تعداد	1890 — 91 سرمایہ	1900 — 1901 تعداد	1900 — 1901 سرمایہ
بنگال	7	5,525	7	9275	10	15475
آگرہ	—	—	1		2	1500
کانپور	2	500	4		4	8600
اجمیر-مارواڑ	—	—	—	—	1	700
اندور	1	—	1	—	1	—
پنجاب	—	—	—	—	5	3604
بمبئی جزیرہ	32	30159	60		84	75765
احمدآباد	4	1804	7		30	17717
صوبہ بمبئی اور دوسرے مل	10	10572	15	73502	24	16336
سی-پی	2	1500	3	—	7	8751
برار	—	—	—		1	550
حیدرآباد	1	700	3		3	3100
مدراس شہر	3	1575	4		4	2700
صوبہ مدراس میں دوسرے مل	—	—	4	1500	7	4550

بنگلور	—	—	2		2	1300
پانڈیچری	—	—	2	50 لاکھ فرانک	4	3455
ٹراونکور	—	—	1		1	1200
	(الف)		(ب)		(ج)	
	62	52335	114	101578	190	165303

(الف) 62 میں سے 9 مِل نجی ملکیت میں تھے اور ان کے سرمائے کے اعداد موجود نہیں تھے۔ یہ مندرجہ ذیل جگہوں پر واقع تھے: بمبئی جزیرہ ـ 2، احمد آباد ـ 1، بمبئی صوبے میں دوسرے مِل ـ 1، سی پی ـ 1، اندور ـ 1، اور کانپور ـ 1۔

(ب) کل سرمائے میں (000 13701) روپے کا فرق آگرہ، کانپور، سی۔ پی۔، حیدرآباد اور بنگلور میں واقع 13 ملوں کی وجہ سے ہے۔

(ج) اندور اور بمبئی صوبے کے "موروی" مقام پر واقع ملوں کے سرمائے کی معلومات نہیں تھی۔ جیسا کہ مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔ روئی ملوں میں توسیع 1890 کے بعد کی دہائی کے مقابلے میں 1880 کے بعد کی دہائی میں کہیں زیادہ تیز تھی۔ صرف یہ فرق ضرور ہوا کہ احمد آباد نے دسویں دہائی کے دوران اتنے ہی ملوں کو اپنی طرف کھینچ لیا جتنا بمبئی حاصل کرسکا تھا۔ ایک بات اور یہ کہ اس دوران پنجاب میں امرتسر، لاہور اور دہلی میں بھی مل کھلے۔

روئی ملوں کی صنعت کی نشو ونما کے مطالعے میں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ 1870 کے بعد کی دہائی میں ہی اس حقیقت کا اظہار ہوگیا تھا کہ ہندوستانی مل مشرق قریب اور مشرق بعید میں، لنکاشائر سے صرف بیس کاؤنٹ کی حد تک سوت اور کپڑے کی پیداوار میں کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرسکتے ہیں، بشرطیکہ یہ دیسی روئی اور مقامی مزدوروں کے ساتھ ساتھ درآمد شدہ مشینیں اور تکنیکی ماہرین کی معلومات کا استعمال کرسکیں۔ یہ اندازہ اگلی دو دہائیوں میں ان صورتوں کے علاوہ عام طور پر نہیں بدلا جب تک کچھ ملوں نے اس سے زیادہ باریک (زیادہ کاؤنٹ کا) سوت کاتنے کی کوشش نہیں کی۔

زر کی کیفیات[1]

---

[1] شرح مبادلہ، زر کی کیفیات، ذرائع آمد و رفت، اور رسل و رسائل، اور مالیاتی اقدامات (سلسل)

ہندوستانی ملوں کو جو آسانیاں یا فوائد قدرتی طور پر حاصل تھے انھیں زیر نظر دور میں کافی حد تک روپے کی قیمت میں گراوٹ آنے کی وجہ سے اور مضبوطی حاصل ہوئی۔ روپے

(مسلسل)
وغیرہ پر اس موقع پر بہت مختصر سی بحث منظور ہے۔ اس جگہ مقصد صرف یہ ہے کہ ان عناصر کے صرف ان اثرات کو دیکھا جائے جو ملک کی صنعتی ترقی خاص طور پر روئی ملوں کی اٹھان کے سلسلے میں اہمیت رکھتے ہیں۔ کرنسی اور اس سے ملحقہ مسائل کے سلسلے میں مزید معلومات کے لیے مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

—— بی۔ آر۔ امبیدکر، روپے کا مسئلہ [دی پرو بلم آف دی روپی] مطبوعہ 1932

—— بی۔ جی۔ بھٹناگر، ہندوستان میں کرنسی اور ایکسچینج [کرنسی اینڈ ایکسچینج ان انڈیا] مطبوعہ 1924

—— انچ۔ ایل۔ جیلانی، ہندوستانی کرنسی اور ایکسچینج [انڈین کرنسی اینڈ ایکسچینج] مطبوعہ 1925

—— انچ۔ ایف۔ باؤرد، ہندوستان اور معیار زر [انڈیا اینڈ گولڈ اسٹینڈرڈ] مطبوعہ 1911

—— انچ۔ ایس۔ جیوونس، ہندوستان میں زر بینک کاری اور ایکسچینج [منی بینکنگ اینڈ ایکسچینج ان انڈیا] مطبوعہ 1922

—— جے ایم کینس۔ 'ہندوستانی کرنسی اور مالیات' [انڈین کرنسی اینڈ فائنانس] مطبوعہ 1913

—— بی اے ایف۔ ہیڈن 'ہندوستان کا مبادلے کا مسئلہ [انڈیاز ایکسچینج پرابلم] مطبوعہ 1925 (دو جلدیں)

—— کے۔ ٹی۔ شاہ، ہندوستانی مالیات کے ساٹھ سال [سکسٹی ایرس آف انڈین فائنانس] مطبوعہ 1921

—— جی۔ فنڈلے شیراس، ہندوستانی مالیات اور بینک کاری [انڈین فائنانس اینڈ بینکنگ] مطبوعہ 1920

—— انچ۔ بی۔ لورے، 'ہندوستانی کرنسی کا ایک خاکہ [این آؤٹ لائن آف انڈین کرنسی] مطبوعہ 1927

—— سی۔ این۔ وکیل اور ایس کے۔ مرنجن۔ 'ہندوستان میں کرنسی اور قیمتیں [کرنسی اینڈ پرائسیز ان انڈیا] مطبوعہ 1928

—— پی۔ اے۔ واڈیا اور جی۔ این۔ جوشی، ہندوستان میں زر اور زر بازار [منی اینڈ منی
(مسلسل)

میں گراوٹ کا اثر چاندی کے معیار والے ان ملکوں میں جو لنکاشائر کی پیدا کردہ اشیا استعمال کرتے تھے ایک طرح سے درآمدات پر عائد کیے گئے درآمد محصول کے مترادف تھا۔ جب تک روپیہ اپنی قدر کے آخری نچلے نقطے تک پہنچے۔ چاندی کے معیار والے ملکوں میں لنکاشائر سے درآمد کی گئی اشیار کی قیمت، اس وقت کے مقابلے میں جب روپے کی قیمت 2 شلنگ تھی، 25 فی صدی تک زیادہ ہوسکتی تھی۔ لیکن روپے کی قیمت میں اتنی زبردست گراوٹ بھی ہندوستان میں اعلیٰ درجے کی روئی کی اشیا پیدا کرنے کی غرض سے لیے ریشے کی روئی کی درآمد کو اتنا فائدہ پہنچاتی محسوس نہیں ہوتی۔ اس لیے اس بات میں شبہے کی گنجائش موجود ہے کہ روپے کی گراوٹ سے روئی ملوں نے کوئی خاص فائدہ حاصل کیا ہو، سوائے اس کے کہ صرف بیس کاؤنٹ کی حد تک لنکاشائر کے مقابلے کو بالکل بے اثر کردیا تھا، جس کے نتیجے میں ہندوستانی مل اطمینان کے ساتھ اپنی پیداوار بڑھا سکتے تھے۔

شرح مبادلہ میں گراوٹ کا ایک اور اثر ملک میں معتدل قسم کے افراط زر کی پیداوار بھی تھا، جو خاص طور پر 1886 سے 1889 تک کے درمیان دیکھا جا سکتا تھا

(مسلسل)
مارکٹس ان انڈیا] مطبوعہ 1926

—— بی۔ پی۔ آدرکر، ہندوستان میں زر کی پالیسی [دی انڈین مانیٹری پالیسی] مطبوعہ 1939

—— ایل۔ سی۔ جین، ہندوستان کے زر کے مسائل [دی مانیٹری پرابلمس آف انڈیا] مطبوعہ 1933

—— ڈی کے ملہوترا، ہندوستانی کرنسی کی تاریخ اور مسائل [ہسٹری اینڈ پرابلمس آف انڈین کرنسی] 1935 تا 1943 مطبوعہ 1944

—— ایم۔ ڈی۔ جوشی، کرنسی، وی۔ بی۔ سنگھ کے (اڈیشن) ہندوستان کی معاشی تاریخ [دی اکونومک ہسٹری آف انڈیا] 1857 تا 1956 میں، مطبوعہ 1965، صفحات 88—375۔

—— ہندوستانی کرنسی پر ہرشیل کمیٹی کی رپوٹ، 1893

—— ہندوستانی 'فاؤلر کمیٹی' کی رپوٹ، 1898

جب درآمد شدہ چاندی کو سکّوں میں تبدیل کیا جاتا تھا۔ ایسی صورت میں افراط زر معتدل ہی ہو سکتا تھا جب کہ تنخواہیں یا معاوضے کم و بیش قائم رہے ہوں اور بڑھتے ہوئے زر کا ایک حصہ زر کے لین دین کے سلسلے میں بڑھتی ہوئی مانگ کو پوری کرنے میں جذب ہو رہا ہو۔ عام قیمتوں کی سطح کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ 1886 سے 1871 تک ان کا میلان متواتر اوپر کی طرف ہی رہا[1] لیکن یہ اٹھان غلّے کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے تھی[2] جس کا مطلب ہندوستانی حالات و کیفیات میں کاشتکار کی آمدنی میں اضافے کی بجائے بیچ کے بیوپاریوں اور دلالوں کی آمدنیوں میں اضافہ تھا۔ بہرحال قیمتوں کے بڑھنے میں جو چیز سب سے زیادہ غیر معمولی تھی وہ یہ تھی کہ جس وقت پونڈ کے مقابلے میں روپے کی شرح مبادلہ تیزی سے نیچے گر رہی تھی، غیر ملکی تجارت کی شرائط ہندوستان کے موافق رہیں[3] یہ دور انگلینڈ میں 1890 اور 1896 کے درمیان مندے کے دور کے لگ بھگ متوازی تھا جو "سونے کے انتہائی زیادتی اور ادھار حاصل کرلینے کی انتہائی آسانی" کی پیداوار تھا۔ اس کے مقابلے میں ہندوستان میں ایسی ہی کیفیات نے سرمایہ کاری میں گرم بازاری کو ترغیب دی تھی۔ اس دور میں زر کے سلسلے میں حالات غیر معمولی طور پر آسان اور ڈھیلے رہے۔ اور 92-1891 میں قلیل مدتی شرح سود طویل مدتی شرح سے نیچے گر گئی۔ ادھار حاصل کرنے میں آسانی اور زیادہ منافع کمانے کے نتائج یہی ہوئے کہ اجتماعی سیکٹر میں سرمایہ کاری بہت تیز شرح کے ساتھ آگے بڑھی۔

شرح مبادلہ میں گراوٹ کے جو نقصان دہ اثرات پیدا ہوئے ان میں سے تین قابل ذکر ہیں۔ اول یہ کہ مختلف اوقات میں شرح مبادلہ میں جو سخت اور متواتر تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی تھیں اُن سے کاروبار میں ایک تعطّل سا پیدا ہو گیا اور سرمایہ کار اور بیوپاری لوگ کچھ خوفزدہ سے ہو گئے۔ اس کیفیت کو یو۔ ایس۔ اے (امریکہ) میں پاس

---

[1] ملاحظہ ہو قیمتوں کا انڈکس نمبر 1861 تا 1931، مطبوعہ 1935

[2] ایضاً۔ [3] ایضاً

[4] ایس۔ کے۔ مکرجی، ہندوستان میں جدید بینک کاری [ماڈرن بینکنگ ان انڈیا] 1940، صفحہ 44۔

کیے گئے منیرمان ایکٹ سے ملحق اسپیکولیشن کے دور میں خاص طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ جس نے بہت تیزی سے روپے کی قیمت میں اضافہ کر دیا تھا اور شرح مبادلہ میں بہت زبردست اور بہت تیزی کے ساتھ تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ دوسری بات جو اسی سے رشتہ رکھتی تھی یہ تھی کہ 1893 میں حکومت ہند نے روپے کی آزادانہ سکہ سازی کے لیے ٹکسالوں کو بند کر دیے جاتے کا فیصلہ کیا اور اس کی قدر ایک شلنگ چار پس متعین کر کے اس نقطے پر قائم کر دی۔ حکومت کی اس کارروائی سے پہلے بازار میں موجودہ اسپیکولیشن نے، حکومت کے اس اقدام نے، اور ساتھ ہی چاندی کی درآمد پر محصول عائد ہونے کے خوف نے، کچھ عرصہ بعد چین میں ہندوستانی سوت کے بازار کو "سختی سے درہم برہم کر دیا اور یہ مفلوج سا ہو کر رہ گیا۔"[1] چنانچہ سوت کی برآمد 23 فی صدی کی حد تک گر گئی۔ اور ایک سال کے اندر کپڑے کی برآمد آدھی سے بھی زیادہ کم ہو گئی۔[2] جون 1893 میں اس نئے کرنسی منصوبے کو لیجسلیچر میں لائے جانے کے بعد سے سال کے آخر تک روئی ملوں کے کل نقصانات کا تخمینہ لگ بھگ 75,00,000 روپے سے زیادہ لگایا گیا تھا۔ اس عرصے میں بمبئی حصہ بازار میں حصوں کی قیمت میں بھی زبردست گراوٹ آئی۔ لیکن برآمدات میں کمی اور حصہ بازار میں مندا وقتی ہی تھا۔

ٹکسالوں کو 1894 تک پوری طرح بند کیا جا سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ شرح مبادلہ اگلے چند سالوں کے دوران اور بھی گری، اور 1892 کے مقابلے میں 1895 کی برآمدات کچھ زیادہ ہی رہیں۔ 1894 میں، کافی تاخیر کے بعد ٹکسالوں کے بند ہونے کے اثرات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔[3] زر کی فراہمی بہت سخت ہو گئی اور شرح سود اس حد تک پہنچ گئی جتنی صرف 16-18 کے بحران میں نظر آئی تھی۔ بینک آف بنگال کو 18 فی صدی شرح سود پر بھی قرض دینے کے لیے روپے کی فراہمی میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔[4] قحط کے دوسرے

---

[1] ٹائمس آف انڈیا، 6 جنوری 1894 [2] ایس ڈی مہتا، صفحات 66-65
[3] ٹائمس آف انڈیا 6 جنوری 1894 [4] ایضاً۔ 95-1893 کے درمیانی سالوں میں روئی ملوں کے حصوں کی قیمتوں کے اعلانات کے سلسلے میں ملاحظہ ہو 28 جون 1895 کا شمارہ۔
18 مئی 1963۔

دورنے، جو 1897 میں شمالی خطے میں دور دور تک پھیل گیا تھا اور جنوبی اور وسطی خطوں میں 1900 میں پھیلا تھا، حکومت پر خاصہ مالی دباؤ ڈالا حکومت روپے کی قدر میں گراوٹ، پونڈ کے ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور سرحدی جنگوں کے اخراجات کے اثر سے پہلے ہی سے بہت کافی زیر بار تھی۔ چنانچہ 99-1896 کے درمیانی عرصے میں حکومت نے ہندوستان میں 10,00,00,000 روپے قرض لیے اور زر کے بازار کو، جو پہلے ہی سے کافی سخت تھا، اور کس دیا[1]۔ ظاہر ہے کہ ان تمام حالات نے سرمایہ کاری کو دھیما کر دیا۔

اور آخر میں، اس صدی کے آخری چار سالوں کے دوران جاپانی 'ین' اور چینی ڈالر کے مقابلے میں (یہ دونوں ملک چاندی کے معیار پر اب تک قائم تھے) روپے کی شرحِ مبادلہ میں منفی اثرات کے نتیجے میں ان ملکوں میں سوتی کپڑا ملوں کے قیام اور نشوونما میں آسانیاں پیدا ہوئیں۔ چینی بازاروں میں جاپانی مال سے مقابلہ سخت ہو گیا[2]۔ اور ہندوستانی ملوں کو آسانی سے منافع حاصل کرنے کا وہ دور بھی جو پچھلی دو دہائیوں کے دوران موجود تھا ختم ہو گیا۔

ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل

اس عرصے میں ہندوستان میں ہر سال 600 میل کے اوسط سے کل 15,000 میل نئی ریلوے لائنیں آمد و رفت کے لیے کھلیں۔ ڈاکخانوں اور تار گھروں میں بھی بہت توسیع ہوئی۔ 1883 میں دور افتادہ ڈاکخانوں میں سے کچھ مخصوص ڈاکخانوں میں چھوٹی ٹیلی گراف لائنوں کی تعمیر کا کام شروع ہوا اور صدی کے آخر تک ٹیلی گراف کا نظام پوری طرح اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ 31 مارچ 1900 تک ٹیلی گراف شعبے کے 60,000 میل کی وسعت میں تار اور کیبل پھیلے ہوئے تھے اور ڈاکخانے کا شعبہ ملک میں 1,612 تار گھر چلا رہا تھا۔ 1885 میں غیر ملکی تاروں کے نرخوں میں آدھے فرانک فی لفظ کے حساب سے کمی کر دی گئی۔ ان حالات نے بیوپار پر جتنا اثر ڈالا اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ صدی کی آخری دہائی میں ملک کے اندر آنے جانے والے اور غیر ملکی نجی تاروں کے پیغامات کی تعداد

---

[1] مرتجن صفحات 49-47 — [2] ایس۔ ڈی۔ مہتا، صفحات 80-77

دوگنی ہوگئی تھی[1]۔ رسل و رسائل میں آسانی کے لیے ٹیلیفون کا استعمال بھی شروع ہو چکا تھا، لیکن یہ ابھی بہت محدود تھا اور بہت آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا[2]۔ جہاز رانی اور بندرگاہوں میں حاصل ہونے والی آسانیاں بھی اب کچھ بہتر ہو گئی تھیں۔

ایک طرف ذرائع آمدورفت اور رسل و رسائل کی بہتری کی اثر سے خود ملک کے اندر اشیا کی مانگ میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف چین میں نئی بندرگاہیں کھلیں اور ریلوے کے پھیلاؤ کے نتیجے میں یہاں کے اور زیادہ اندرونی حصوں تک ہندوستانی سوتی کپڑے اور دھنت کی رسائی ممکن ہو سکی۔ ایک طرف جہاں تک فراہمی کا تعلق تھا۔ بہتر ذرائع آمدو رفت نے ایسے مواقع فراہم کیے جن سے آسانی کے ساتھ ہندوستان کے اندرونی علاقوں میں سوتی کپڑا مل قائم کرنا ممکن ہو گیا چونکہ ملک کے وسطی اور جنوبی حصوں میں کامیابی کے ساتھ کام کرنے والے ملوں کی ابتدا صرف بمبئی کے فراہم کردہ ذرائع سے ہی ممکن ہو سکتی تھی جو اس وقت اس قسم کے بیوپار کا مرکز اور محور تھا' دور دور واقع کارخانوں میں کامیابی کے ساتھ کام چلاتے رہے اور ان پر پوری طرح گرفت برقرار رکھنے کا انحصار پیداواری مرکزوں' بازاروں اور انتظامیہ کے صدر مقاموں سے متواتر ایک سے دوسری جگہ تک خبروں، خیالوں اور فیصلوں کو تیزی کے ساتھ پہنچانے پر ہی تھا، اور اوپر جن آسانیوں کا ذکر کیا گیا اُن کی مدد سے اس سلسلے میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ پھر جہاز رانی اور رسل و رسائل کی آسانیوں کی وجہ سے باہر سے آنے والا عملہ اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہوں پر آکر کام سنبھال لینے کے لیے نویں اور دسویں دہائی میں زیادہ آسانی سے آمادہ ہونے لگا جتنا

---

[1] برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے صفحات XXX 17 - X1

[2] ٹائمس آف انڈیا، 12 جنوری 1883 میں شائع ہوئی بمبئی ٹیلیفون کمپنی، کی رپوٹ سے پتہ چلتا ہے کہ گزشتہ سال میں ایک ہفتے کے دوران ہونے والی ٹیلیفون کالوں کی تعداد میں 470 سے 550 تک کا اضافہ ہوا اور کمپنی اب اس نظام کو پونا اور حیدرآباد میں بھی پھیلانے کا ارادہ کر رہی ہے۔ ٹیلیفون کے معاملے میں مدراس بہت تیزی سے آگے بڑھتا رہا ہے اور اس میں 1881 سے ایک ٹیلیفون کمپنی کی خدمات حاصل رہی ہیں۔ لیکن اب 1893 میں ---- یہ کمپنی اپنی پہلی ڈائرکٹری کی حد تک ابھر آئی ہے۔ اس میں 75 لائینیں شامل ہیں۔ براؤن، صفحہ 135 ۔

اس سے پہلے نظر آتا تھا۔

بنیادی سرمایہ اور پیداواری لاگت

مہتا کے خیال کے مطابق 1860 کے بعد کی دہائی میں بمبئی میں کسی روئی مل کی تعمیر و ابتدا میں، لنکاشائر کے کسی ایسے ہی مل کے مقابلے میں، تین گنا لاگت آتی تھی۔ جبکہ نویں اور دسویں دہائی میں یہ صرف ایک تہائی حد تک ہی زیادہ ہوتی تھی[1]۔ اس کے علاوہ کچھ مخصوص ایجنسیوں نے مشینوں کی فراہمی اور ملوں کے نصب کرنے کا کام بھی شروع کیا جس سے نئے ملوں کا قیام، اور پرانے ملوں کی توسیع دونوں کاموں میں نسبتاً آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ ان ایجنسیوں نے ملوں کا اجرا کرنے والوں کا بہت سا ایسا وقت بچانے میں مدد کی جو انہیں غیر ملکی کمپنیوں سے اس سلسلے کی گفت وشنید میں خرچ کرنا پڑتا تھا۔ بہت سی صورتوں میں یہ ایجنسیاں اپنی مخصوص مشینوں کی بکری بڑھانے کی غرض سے ادھار کی آسانیاں بھی فراہم کردیتی تھیں۔ اس دوران کچھ مشینی اختراعات سے پیداواری لاگت میں بھی تخفیف ہو رہی تھی۔ اور حالانکہ ان اختراعات سے لنکاشائر کے مقابلے میں، ہندوستانی ملوں کو کوئی بالکل واضح اور خالص منافع نہیں پہنچا، لیکن اس نے منافع کی شرح میں بڑھوتری کی طرف ضرور اثر ڈالا اور ملک کی پیداوار کی مانگ میں ضرور اضافہ ہوا۔

بجلی کا استعمال، جوروئی کی صنعت میں سب سے پہلے 1890 کی دہائی کے درمیانی حصے میں ہوا، اس سے ملوں کو زیادہ پالیوں (شفٹوں) اور زیادہ گھنٹے کام چلانے کا موقع ملا۔ اب بالائی لاگتوں کو زیادہ وسیع پیداوار پر پھیلایا جا سکتا تھا اور کاروبار میں لگایا گیا سرمایہ زیادہ تیزی سے واپس آسکتا تھا۔ ان تبدیلیوں کے اثرات کی اہمیت جوروئی کی صنعت میں زیادہ سرمایہ کاری کی صورت میں ظاہر ہوئی اتنی ہے جسے کسی طرح مبالغہ نہیں کہا جا سکتا۔

سرمایہ بازار

بمبئی کا حصہ بازار 1875 میں پہلی بار اس وقت پہلی بار منظم کیا گیا تھا جب حصص دلالوں

---

[1] ایس۔ڈی۔ مہتا۔ صفحہ 49۔

کی ایک کمیٹی، حصہ دلالوں کے داخلے میں باقاعدگی پیدا کرنے، حصہ بازار کے کاروبار کی نگرانی اور دیکھ بھال کی غرض سے متعین کی گئی تھی۔ اب تک کوئی ایسا سلسلہ یا طریقہ موجود نہ تھا جس کی مدد سے حصہ بازار کے کاروبار میں آنے والے حصوں اور اسٹاک پر کسی قسم کی گرفت رکھی جا سکے، جس کا مطلب صاف طور پر یہی تھا کہ کمپنیوں کی تعداد میں اضافہ بازار کے کاروبار میں اضافہ پیدا کر دیتا تھا۔ آٹھویں دہائی کے آخری حصے میں حصہ دلالوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا تھا، جس کا نتیجہ کاروبار میں زیادتی کی طرف متواتر دباؤ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ حصہ دلال نئی کمپنیوں کے حصوں کو پیش کرنے اور لوگوں کو آمادہ کرنے کی غرض سے چکر لگاتے نظر آتے، جس سے اس بازار کے دائرے میں عوام کے نئے نئے لوگ شامل ہو جاتے تھے، نئے حصے داروں کا یہ طبقہ لازمی طور پر نچلی آمدنی والے حصے سے ہی آتا تھا۔ اس کا اظہار اس حقیقت سے ہو جاتا ہے کہ پرانی کمپنیوں کو اپنے حصوں کو چھوٹی اور کم قیمت اکائیوں پر تقسیم کر دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ ایسے حصے جن کی ظاہری قدریں زیادہ تھیں ان کا بازار بہت محدود تھا جس کی وجہ سے ان کی قیمتوں میں غیر ضروری طور پر گراوٹ آئی۔ بہر حال یہ بات ضرور حیرتناک ہے کہ کمپنیوں نے قیمتوں کو کم کرنے کے لیے بونس حصوں کا اجرا نہیں کیا، یہ شاید اس لیے تھا کہ لوگ "کٹوتی" لفظ کے خلاف ایک قسم کا تعصب سا رکھتے تھے۔ مستقبل میں مال کے لین دین کے رائج طریقے نے ہندوستانی بیوپاری برادری میں اسپیکولیشن کے رجحانات میں کچھ اور اضافہ کیا جس کی وجہ سے بازار میں مندے کی کیفیات شاذ و نادر ہی کبھی پیدا ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ نجی قرض حاصل کر لینے کا طریقہ، ڈبنچر کے اجرا کے حق میں آہستہ آہستہ مسترد کیا جا رہا تھا۔[1] حکومت کی طرف سے لی گئی ادھار رقموں کی وجہ سے روپے کے قرضوں میں بھی اضافہ ہوا۔[2] موخر الذکر دو عناصر نے بازار میں ہونے والے کاروبار میں اضافہ کیا

---

[1] ملاحظہ ہوں صفحات۔ 394 تا 397

[2] مندرجہ ذیل رقموں سے ہندوستان کے رجسٹر شدہ قرضوں کا اظہار ہوتا ہے:
1881-82۔ 88,65,00,000 روپے، 1892-92۔ 102,94,00,000 روپے
1900-01۔ 1,15,33,00,000 روپے۔ یہ قرض 1882 سے 1901 کے درمیانی عرصے (مسلسل)

اوراس کی توسیع میں مدد کی۔ حصوں کی خرید و فروخت میں زیادہ آسانیوں کی وجہ سے صنعتوں کے لیے سرمایہ ابھار لینے میں قدرتی طور پر آسانیاں پیدا ہوئیں۔

مینجنگ ایجنسی

مینجنگ ایجنسی نظام، خاص طور پر پیداوار پر ایک چوتھائی آنہ کمیشن کے طریقے، نے سرمایہ کاروں کو روئی ملوں کی طرف متوجہ ہونے کے سلسلے میں مزید ترغیب فراہم کی۔ ایسے لوگوں کی دلچسپی اس طرف خاص طور پر زیادہ بڑھی جو اس صنعت سے کسی نہ کسی طرح پہلے سے کوئی تعلق رکھتے تھے۔ ایک طرف کسی مل کو شروع کرنے کے لیے ضروری سرمائے میں تخفیف، اور دوسری طرف اس سرمائے کو ابھارنے کے سلسلے میں موجود آسانیوں میں اضافے نے مل کر سرمایہ کاروں کے گروہ میں وسعت لانے میں مدد پہنچائی۔ مخصوص قسم کی ایجنسیوں کی طرف سے انجینئری کے سلسلے کی آسانیوں میں اضافہ ہوا جس نے ان رکاوٹوں کو بھی بہت حد تک دور کر دیا جو تکنیکی معلومات اور مہارت کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس طرح تاجر، تکنیکی ماہرین، "مشینری کے ایجنٹ" مالیت کار اور اسپیکولیٹر غرض اس زمرے کے تمام لوگ اب روئی مل قائم کرنے کی حیثیت میں آگئے۔ کسی مینجنگ ایجنسی کے کمیشن میں حصہ بٹانے کا شوق اور لالچ کچھ اتنا زیادہ اور ایسا ہی تھا کہ فیروز شاہ مہتا جیسا وکیل بھی مینجنگ ایجنٹوں کی ایک کمپنی کا حصہ دار ہو گیا[1]

(مسلسل)
میں 2668,00,000 روپے بڑھ گیا۔ اس کے علاوہ 1900 میں روپے میں کل قرض کا 42 فیصد کا حصہ ہندوستانی بیوپاریوں کے پاس تھا جب کہ 1868 میں یہ صرف 23.7 فی صدی تھا، جس سے ان کے طرزِ فکر میں زبردست تبدیلی کا اظہار ہوتا ہے۔ برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، 1901 صفحات 5۔ 284

[1] 5۔ اگست 1899 کو، ٹائمس آف انڈیا نے رپورٹ شائع کی کہ حصے داروں کی ایک غیر معمولی میٹنگ میں پاس کی گئی ایک قرارداد کے ذریعے 'اسٹار' ملز کے مینجنگ ایجنٹس، 'میسرز ابراہیم اینڈ کمپنی' کو ــ جنھیں 1893 میں 'ہیرمانڈ بک اینڈ کمپنی' کی جگہ مقرر کیا گیا تھا ــ ڈائرکٹروں میں سے ایک پی۔ ایم مہتا کے ساتھ اپنے کمیشن میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے اس فرض سے ہٹا دیا گیا۔

اس عرصے میں جو منافع کمائے گئے وہ کچھ اتنے زیادہ تھے کہ ان میں سے خاصی بڑی رقمیں مینیجنگ ایجنٹوں کی جیبوں میں پہنچنے کے باوجود اتنی رقم ضرور بچ رہی تھی کہ جو حصہ داروں کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہوتی تھی۔ حصے داروں میں تقسیم ہونے والے منافع کی شرح عام طور پر 10 سے 15 فی صدی تک رہی تھی۔ اتنا منافع ایسے حصے داروں کو بھی، جو دوسری صورت میں سرمایہ کاری سے جھجک محسوس کرتے تھے، مینیجنگ ایجنٹوں کے ذریعے چلائے جانے والے اُن ملوں میں سرمایہ کاری پر آمادہ کر لینے کے لیے کافی تھا جو ایک چوتھائی آنہ کمیشن کے پرانے طریقے پر کام کر رہے تھے[1]۔ جو چیز اب تک حصے دار محسوس نہیں کر پا رہے تھے وہ یہ تھی کہ منافع کی ان رقموں تک اس صورت میں پہنچا جاتا تھا جب اثاثوں کی گھساوٹ کے لیے یا تو بالکل کوئی رقم نہیں چھوڑی جاتی تھی یا اگر چھوڑی بھی جاتی تھی تو وہ انتہائی ناکافی ہوتی تھی۔ منافعوں کو اسٹاک میں کانٹ چھانٹ اور کمی بیشی کر کے اور بھی بڑھایا جاتا تھا۔ آڈٹ کا کام بھی بہت مشتبہ معیار کا تھا اور بہت سی صورتوں میں یہ کام محض ایک دکھاوا یا دھوکا ہی ہوتا تھا[2]۔ چونکہ کسی اڈیٹر کا تقرر خود مینیجنگ ایجنٹوں کی حمایت پر مبنی ہوتا تھا۔ جس کے نتیجے میں آخری حسابات میں کانٹ چھانٹ اور لیپا پوتی کی بہت گنجائش تھی۔

اس دور کے ممتاز مینیجنگ ایجنٹوں میں سے ایک 'گریوس کاٹن کمپنی' ہی شاید وہ سب سے پہلا ادارہ تھا جس نے اثاثوں پر کسی قسم کی رقم کا سلسلہ شروع کیا اور محفوظ سرمایے اور حصوں پر مستقل اور یکساں مقدار میں منافع کی ادائیگی کا اعلان کیا[3]۔ لیکن یہ کمپنی خالص منافع پر 10 فی صدی کمیشن کی بنیاد پر کام کرتی تھی اور اس لیے یہ ان کمپنیوں کی طویل مدتی ترقی اور نشوونما میں زبردست دلچسپی اور مفاد رکھتی تھی جن کے لیے یہ مینیجنگ ایجنٹ کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اخباروں میں بار بار شائع ہونے والے تبصروں میں اس طریقہ کار کے فوائد پر مزید زور دیا گیا جن کے ذریعے منافع کی تقسیم میں استقلال، تجدیدی

---

[1] روئی ملوں میں کارگزاری کے معیاروں میں فرق کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ 4 II

[2] ملاحظہ ہو 'ٹائمز آف انڈیا' میں مضامین، 10 نومبر 1899، 17 اور 18 نومبر 1894 اور یکم دسمبر 1894

[3] مثال کے لیے ملاحظہ ہوں 'ٹائمز آف انڈیا' کے اداریے۔ 4 جنوری 1894، 2 جنوری 1885 اور 8 جنوری 1886

اور توسیعی کاموں کے لیے مالیات کی فراہمی وغیرہ کی اہمیت سرمایہ کاروں کے ذہن نشین کرانے کی
کوشش کی گئی تھی۔ اس کے باوجود بھی ان طریقوں پر بہت آہستہ آہستہ عمل ہونا شروع
ہوا چونکہ اُن مینجنگ ایجنٹوں کو جو ایک چوتھائی آنہ کمیشن حاصل کرتے تھے یہ خوف تھا کہ غالباً
کے ان طریقوں سے قابل تقسیم منافع میں خاصی کمی آجائے گی اور حصے داروں کے تنقیدی
حملوں کا انھیں اور زیادہ مقابلہ کرنا پڑے گا۔

اب تک مینجنگ ایجنٹوں کا کوئی بھی ادارہ صرف ایک روئی مل کا انتظام سنبھالتا تھا۔
لیکن زیر مطالعہ دور میں بہت سے مینجنگ ایجنٹوں نے چار چار ملوں کی حد تک ایجنسیاں حاصل
کرلیں، جس سے مختلف کمپنیوں کے درمیان مالیاتی لین دین کا طریقہ بھی شروع ہوا ۔
حالانکہ مالی مشکلات کے موقعوں پر اس سے کسی قدر آسانیاں اور مددیں بھی حاصل ہوئیں
لیکن اس عمل نے بعض بدعنوانیوں اور خرابیوں کو بھی بہر حال جنم دیا۔ جیسا کہ کیسو جی نائک
کے معاملات سے پوری طرح ظاہر ہوتا ہے۔[1]

مالیاتی (فسکل) اور دیگر اثرات

1894 اور 1896 کے درمیانی عرصے میں روئی کی صنعت کو ہندوستانی صنعت کاروں
پر عائد کیے گئے آبکاری محصول (ایکسائز ڈیوٹی) کو بھی برداشت کرنا پڑا چونکہ فرض یہ کیا
جا رہا تھا کہ یہ لنکا شائر کی پیدا شدہ اشیا کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے حکومت
کو اپنی مالیاتی مشکلات کے علاج کے طور پر روئی کی پیداوار کی درآمد پر درآمد محصول
عائد کرنا پڑا تھا اور اب اس اقدام پر پردہ ڈالنے کے لیے آبکاری محصول عائد کیا گیا تھا۔
اس محصول کے براہ راست معاشی اثرات تو بہت کم تھے لیکن یہ ملک کے سیاسی حالات
پر ضرور کافی اہم حد تک اثر انداز ہوا۔[2]

دوسرے عارضی اثرات جو بیوپار پر رونما ہوئے اُن میں 5-1884 میں فرانس چین کی

---

[1] ملاحظہ ہو گیارہواں باب

[2] مور لینڈ اور چیٹرجی۔ صفحات 18-416

جنگوں سے پیدا ہونے والے ہراس[1] اور ہندوستان کی سرحدوں پر پیچیدہ معاملات کے سلسلے میں روسی خوف[2] بھی قابل ذکر اثرات تھے جن سے بیوپار پر دباؤ پڑا۔ 1895 میں تھوڑے عرصے کے لیے بمبئی شہر میں فرقہ وارانہ فسادات نے بھی ملوں کے کام کو کچھ عرصے کے لیے بند رکھا۔[3] لیکن پیداوار کے لیے سب سے بڑا خطرہ 1896 میں پیدا ہوا جب بمبئی میں طاعون کی زبردست وبا پھیلی اور تیزی سے ملک کے دوسرے حصوں تک پہنچ گئی، اور زیر نظر عرصے میں تقریباً دس لاکھ جانوں کا نقصان ہوا۔[4] ملوں میں کام کرنے والے یا تو مر گئے یا بہت بڑی تعداد میں حفاظت کے خیال سے شہروں سے بھاگ گئے۔ خود سرمایہ داروں نے بھی محفوظ جگہوں پر مامن تلاش کرنے شروع کر دیے، مزدور اور سرمایہ بازار بری طرح اکھڑ گئے اور پیداوار کو زبردست نقصانات اٹھانے پڑے۔[5] اوپر جن قحطوں کا ذکر کیا گیا، ان کا اثر بھی اس صنعت پر کافی پڑا چونکہ اس کی پیداوار کی مانگ ہی کم ہو گئی۔[6]

توسیع کی حدیں ــــــ اشیا کی مانگ

روئی مل صنعت کی پیداواری گنجائش میں ترقی کے سلسلے میں سب سے اہم حد سرمایہ کاری کی کمی کی طرف سے نہیں پیدا ہوئی بلکہ اس کے بازار کے محدود ہونے نے عائد کی۔ 1870 کے بعد ایک یا دو ملوں کو چھوڑ کر زیادہ تر مِل اپنے کاروبار اور اس کی ترقی کے لیے چین اور جاپان کے بازاروں پر انحصار رکھتے تھے، ان میں اول الذکر ذریعہ زیادہ اہم تھا۔ حالانکہ چین اور افریقہ کے ساحلوں پر نئی بندرگاہیں کھلی تھیں اور زیر مطالعہ وقفے میں برآمد شدہ مال کی مقدار میں بھی اضافہ ہوا تھا، لیکن بازار میں مجموعی توسیع نسبتاً دھیمی رہی اور اسٹھان کم از کم صنعت میں پیداواری گنجائش میں اضافے کے مقابلے میں کم ہی تھی۔ چنانچہ ایسے موقعوں پر جب پیداوار مال کے اٹھائے جانے سے زیادہ ہو جاتی تو پیدا شدہ مال کے ضرورت سے

---

[1] ٹائمز آف انڈیا 4 جنوری 1884 [2] ایضاً، نیز 2 جنوری 1885 اور 8 جنوری 1886
[3] ایس۔ ڈی۔ مہتا، صفحہ 64 [4] 1898 میں بمبئی کا حصہ بازار، ٹائمز آف انڈیا 4 جنوری 1899 بنگال میں بیوپاری معاملات، ایضاً، نیز ایس۔ ڈی۔ مہتا، بحران پر باب۔
[5] ایضاً۔ [6] ملاحظہ ہو صفحہ 4-3

زیادہ ذخیرے جمع ہو جاتے تھے جن کے بار کو صرف قیمتیں گرا کر ہی کم کیا جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے اس سے پیداواری گنجائش میں اضافے کو اس وقت تک روکنا پڑتا جب تک مال کی مانگ رسد کے برابر نہ آجائے۔

چین کے بازاروں کی کیفیات، قیمتوں کے اتار چڑھاؤ، برآمد مال میں کمی بیشی، اور پیداوار پر گرفت رکھنے کے سلسلے میں مِل مالک ایسوسی ایشنوں کی کوششوں وغیرہ کی ان رپورٹوں سے ان اندازوں کو اور تقویت پہنچتی ہے جو بار بار اخباروں میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ مثال کے طور پر کچھ ملوں نے جو پہلے قائم ہو چکے تھے 89-1888 میں پیداوار شروع کی اور کچھ نئے مل اسی سال قائم بھی ہوئے[5] اس کے نتیجے میں اگلے سال کے دوران چین کے بازاروں میں ہندوستانی پیداوار کی بھرمار ہو گئی اور اس کے ساتھ جب شرح مبادلہ میں پیدا ہونے والے مخالف حالات بھی شامل ہو گئے تو بندرگاہ میں روئی کی گانٹھیں اٹھائے جانے کے دور میں دو تہائی کی کمی پیدا ہوئی اور یہ صرف دو یا تین ہزار کی حد تک رہ گئی[6]۔ یہ کیفیت اس وقت تک باقی رہی جب تک 1890 کے درمیانی عرصے میں کچھ ملوں کو بند کرنے کے انتظامات سے چین میں موجود ذخیروں کی مقدار میں کمی نہیں آئی[7]۔ 91-1890 میں یہی کیفیت ایک بار پھر نظر آئی جب ملوں کی تعداد 114 سے بڑھ کر ایک دم 125 ہو گئی۔ اس بار بھی ملوں کو ہفتے میں دو دن کے لیے بند کرنے کا طریقہ اختیار کرنا پڑا[8]۔

موٹے سوتی کپڑے کی مانگ کے محدود ہونے کے باوجود اگر بہتر اور باریک قسم کے کپڑے کی پیداوار میں اضافہ کیا جاتا تو سرمایہ کاری کو بڑھایا جا سکتا تھا۔ اس عمل میں ہندوستانی مل لنکاشائر کے ملوں کے مقابلے میں دو قدرتی فائدے بھی رکھتے تھے۔ ایک تو ان کے پاس بہت وسیع داخلی بازار موجود تھا اور دوسرے انھیں سستی مزدوری بھی بہت بڑی مقدار میں مہیا تھی۔ لیکن ان فوائد کے مقابلے میں بہرحال درآمد شدہ روئی، مشینوں اور تکنیکی عملے کی اونچی لاگت اور انتظامیہ کے اعلیٰ معاوضے کو بھی رکھا جانا ضروری ہے جو ہندوستانی

---

[5] ٹائمز آف انڈیا 4 جنوری 1889۔ [6] ایضاً۔ 3 جنوری 1890۔

[7] ایضاً 3 جنوری 1891۔

[8] ایضاً۔ 2 جنوری 1892۔

کی کمزوریاں تھیں۔ جے۔ این۔ ٹاٹا وہ پہلا صنعت کار تھا جس نے اس بات کو محسوس کیا کہ یہ مِل ضرور فائدہ مند ثابت ہوگا۔[1] اس نے اپنے اس یقین کا مظاہرہ ایک ایسا مِل قائم کرکے اور اسے کامیابی کے ساتھ چلا کر کیا۔ جو اچھے قسم کا کپڑا اور سوت تیار کرتا تھا۔ لیکن اس کی پیش کردہ مثال پر عمل نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ بھی بالکل سیدھی سادی تھی۔ مِل کے انتظامیہ کے معاوضے کے طور پر ٹاٹا خالص منافع پر صرف 10 فی صدی کمیشن حاصل کرتا تھا، جب کہ دوسرے مینجنگ ایجنٹ پیداوار پر چوتھائی آنہ کمیشن سے کم کسی چیز پر راضی اور مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

ایسی صورت میں شاید ایک تحفظی ٹیرف کا عائد کیا جانا ہی ایک ایسا امکان باقی رہتا تھا جو صنعت کاروں کو بہترین سوتی سامان کی پیداوار کی طرف راغب کر سکتا، لیکن حکومت ہندیہ پالیسی اس لیے نہیں اپنا سکتی تھی کہ برطانیہ اب بھی عدم مداخلت معیشت کے فلسفے کی زبردست بندشوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس کے باوجود بھی "ٹائمس آف انڈیا" نے بار بار اس کی وکالت کی تھی کہ اس صنعت کو صرف ایک بازار پر منحصر رہنے اور اس کے امکانی خدشات وخطرات کے خلاف، مانگ کی نئی نئی راہیں کھولنے کے سلسلے میں جم کر کوشش کرنی چاہیے، پھر اس کے علاوہ یہ صنعت کپڑے سے ہی متعلق دوسرا سامان جیسے اون اور ریشم، زیادہ پیدا کر سکتی تھی اور سب سے آخر میں ملک کی پیداواری صلاحیتوں میں سرمایہ کاری کے لیے بالکل نئے میدان بھی تلاش کیے جا سکتے۔ لیکن ٹائمس آف انڈیا، کے اس برمحل مشورے پر اس وقت تک توجہ نہیں دی گئی جب تک صدی کے آخری سالوں میں رونما ہونے والے بحران نے سرمایہ کاروں کو نیند سے پوری طرح جھنجھوڑ نہیں دیا۔

بنگال میں صنعتوں کی نشوونما

بنگال میں صنعتی نشوونما بنیادی طور پر کم از کم ایک خصوصیت کے اعتبار سے بمبئی سے مختلف تھی۔ ایک طرف بمبئی کی اہم ترین صنعت ـــ روئی مِل ـــ کے سلسلے میں عام طور پر

---

[1] ملاحظہ ہو جے۔ این۔ ٹاٹا کا ایک خط، مطبوعہ "ٹائمز آف انڈیا"، 17۔ اگست 1886 ٹائمز آف انڈیا، 2۔ جنوری 1892، نیز 3 جنوری 1890 نیز 1891 ـ کے شمارے بھی ملاحظہ ہوں۔

ابتداپارسیوں نے کی تھی اور بعد میں یہاں کے ہندوان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، تو دوسری طرف بنگال کی اہم ترین صنعتوں۔پٹ سن، چائے اور کوئلے۔میں روپے میں سرمایہ کاری خاص طور پر برطانوی سرمایہ کاروں کی طرف سے ہوئی۔اس لیے ہمارے مطالعے میں ہمارا فوری قدم یہ ہوگا کہ ان وجوہات کو ڈھونڈنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے جن کے تحت بنگال میں ہندوستانیوں نے اجتماعی سرمایہ کاری کی نشو ونما میں حصہ نہیں لیا۔

بنگال میں ہندوستانی سرمایہ کاری کی خصوصیات

ہندوؤں میں جو ہندوستانی آبادی کا تقریباً 80 فی صدی تھے، تجارت بحیثیت ایک پیشہ، یہاں کے ذات پات کے نظام سے ملحق تھی، لیکن اس کے ساتھ اسے اس سے پوری طرح محدود بھی نہیں کہا جاسکتا[16] خود اقلیتی حصے میں بھی ہر وہ شخص جو تجارت

---

[16] اس موقعے پر مذہب کو اہمیت نہیں دی جارہی بلکہ ملک کے سماجی ڈھانچے اور روایات پر زور دیا جارہا ہے۔تجارتی پیشے اور ذاتوں کے درمیانی رشتوں کے مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو، مسز ڈی۔پی۔پنڈت، ' ہندوستانی معاشیات میں تخلیقی ردّعمل۔ایک علاقائی مطالعہ' [کری ایٹو ریسپونس ان انڈین اکنومی۔اے ریجنل انیلیسس] ' اکنومک ویکلی، 23 فروری 1957 صفحات 86-283 اور 2۔مارچ 57 19 صفحات 17 — 315

مسز ہیم لتا آچاریہ۔' ہندوستانی معاشیات میں تخلیقی ردّعمل۔ایک تبصرہ — [کری ایٹو رسپونس اِن انڈین اکونومی — اے کمنٹ] ' اکونومک ویکلی، 27 — 1 راپریل 1957 ، صفحات - 49 - 547 -نیز ملاحظہ ہو گیڈگل۔' ہندوستانی جدید بیوپاری طبقے کی ابتدا، [اوریجن آف دی ماڈرن انڈین بزنس کلاس] (سابقہ حوالہ) ہیلن، بی۔لمب۔' ہندوستان میں جدید بیوپاری برادریوں کی نشو ونما [دی ڈیولپمنٹ آف ماڈرن بزنس کمیونیٹیز ان انڈیا] (ترقی پذیر ممالک میں انسانی ذرائع اور مزدور تعلقات پر کانفرنس کی روداد) 1959۔پی۔ایس۔لوکناتھن، سرمایہ کاریت ہندوستان (مسلسل)

میں مصروف تھا لازمی طور پر اس سے مکمل دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ بنگال میں جہاں ظاہر ہے
بنگالی پورے خطے پر حاوی تھے، عموماً صرف زمین پر سرمایہ کاری پر توجہ مرکوز کیے ہوئے
محسوس ہوتے تھے، یا سیول خدمات میں ملازمتیں حاصل کر لینے کے کوشاں تھے۔ یہ
رجحان 1850 اور 1880 کے درمیان خاص طور پر نظر آتا ہے۔ پھر جیسے جیسے صدی
کی آخری دو دہائیوں میں سیاسی شعور بڑھا تو لوگوں میں صنعتی ترقی کی اہمیت کا
احساس بھی زیادہ ہوتا چلا گیا۔ اس اہمیت کو عوام کے ذہن نشین کرانے اور اس کا صحیح
احساس پیدا کرنے کے لیے صنعتی کانفرنسیں منعقد کی گئیں اور سرمائے کی کمی پر قابو
پانے کے لیے اجتماعی سرمایہ تنظیموں کی وکالت کی گئی[1]۔ وہ اخبار جن کی ادارت کا کام

(مسلسل)
اور تکنیکی ماہرین کی فراہمی، ہندوستان کے مخصوص حوالے کے ساتھ، [انٹرپرینیرشپ سپلائی
آف انٹرپرینیر اینڈ ٹیکنولوجسٹس ودا اسپیشل ریفرنس ٹو انڈیا]۔ کے بیرل (اڈیشن)۔
مشرقِ ایشیا کے مخصوص حوالے کے ساتھ معاشی ترقی، [دی اکونومک ڈیولپمنٹ ود اسپیشل
ریفرنس ٹو ایسٹ ایشیا] مطبوعہ 1964۔ ایم۔ وی۔ نامجوشی، ہندوستان میں بڑے پیمانے
پر نجی سیکٹر کی ترقی، [دی ڈیولپمنٹ آف لارج اسکیل پرائیویٹ سیکٹر ان انڈیا] گوکھلے
انسٹی ٹیوٹ آف پالیٹکس اینڈ اکنامکس میں پیش کیا گیا مقالہ 1956) جی۔ سی۔ گھوری، ہندوستان
میں ذات پات اور طبقات، [کاسٹ اینڈ کلاس ان انڈیا] مطبوعہ 1957۔

[1] ملاحظہ ہو پونا میں منعقدہ صنعتی کانفرنس کی روداد "ٹائمس آف انڈیا" 6 ستمبر 1893
اور 2 ستمبر 1894 نیز ملاحظہ ہو بنگال صنعتی کانفرنس اسٹیٹسمین، 7 نومبر 1891۔ کانفرنس کے
صدر پی۔ ایم۔ بوس نے ایجنڈے میں اجتماعی سرمایہ (جوائنٹ اسٹاک) تنظیم کے قیام کے ساتھ
ساتھ اس ملک میں اجتماعی سرمایہ طریقے کی کس طرح بہتر سے بہتر طور پر نشو و نما کی جا سکتی ہے، کے
موضوع پر بولتے ہوئے مندرجہ ذیل بیان دیا تھا۔ "اس دور میں کوئی صنعت اس وقت تک
منافع بخش نہیں ہو سکتی جب تک اسے بڑے پیمانے پر شروع نہ کیا گیا ہو، اس کا مطلب ہوگا
زبردست اخراجات، اور جب تک اس قسم کی صنعتوں کو شروع کرنے کا ارادہ نہ ہو تکنیکی تعلیم
فراہم کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہمارا ملک بہت غریب ملک ہے۔ لیکن اجتماعی سرمایہ تنظیم
کے ذریعے بہت سی بڑی بڑی صنعتوں کے قیام کے لیے کافی سرمایہ فراہم کیا جا سکتا ہے۔ اس سمت
(مسلسل)

بنگالیوں کے پاس تھا انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے ملک میں اپنے ساتھیوں پر صنعتیں قائم کرنے کے سلسلے میں زور ڈالنے کی بھی کوشش کی مگر ان کوششوں سے کوئی قابل ذکر یا حیرتناک تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ ان حصے داروں کی فہرست پر نگاہ ڈالنے سے جنھوں نے کمپنیوں کے عام جلسوں میں خود شرکت کی یا اپنے بدلے اپنے نمائندے بھیجے، بنگالی ناموں میں آہستہ آہستہ اضافے کا ضرور احساس ہوتا ہے[1]۔ بنگالی لوگ کم از کم شیشہ تیار کرنے والے ایک کارخانے کو قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے[2]۔ لیکن صنعتی میدان میں ان کا داخلہ مجموعی طور پر بہت کم ہی رہا۔

بنگال کا دوسرا بڑا فرقہ، مسلمان، گو کہ ذات پات کے نظام کی بندشوں سے آزاد تھا لیکن اس نے بھی صنعت کے سلسلے میں کسی خاص صلاحیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بوہرا اور میمن جو بنیادی طور پر ہندو ہی تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے تھے یہ دو برادریاں

(مسلسل)
میں ابتدا بھی کی جا چکی ہے۔ تازہ طور پر بنگال میں شیشہ تیار کرنے کے ایک کارخانے اور سوتی کپڑا بننے کے ایک کارخانے کا قیام اس سلسلے میں بہت امید افزا علامات کہی جا سکتی ہیں۔"

[1] مثال کے طور پر فورٹ گلوسٹر جوٹ کمپنی کے عام جلسے میں اپنے نمائندوں کے ذریعے شرکت کرنے والے حصے داروں کی فہرست ملاحظہ ہو۔ کل 27 نمائندوں میں سے مندرجہ ذیل افراد ہندوستانی تھے اور ان میں سے قوسین کے درمیان دیے گئے نام یقینی طور پر بنگالی تھے۔
1۔ بی۔ جوٹیا۔ 2۔ ایچ۔ ماموجی۔ 3۔ ایس۔ ڈاگا۔ 4۔ (ایس۔ این گھوس)، 5۔ این۔ ڈی۔ سارادگی، 6۔ این۔ سونی، 7۔ ایل۔ سونی، 8۔ (ایف سیل)، 9۔ جی۔ چکرورتی، 10۔ (این۔ رائے) 11۔ بالاداس بنی چھڑ 12 (آر۔ سی گھوس)، 13۔ (کے۔ ایل۔ ملک)، 14۔ این۔ ددبے۔ روزنامہ 'انگلش مین' 12۔ ستمبر 1890، نمبر 1، 3 اور 5 پر مارواڑی نام تھے۔

[2] یہ سب سے پہلی شیشہ تیار کرنے والی کمپنی تھی جو 22 فروری 1890 کو 3,00,000 روپے کے مجوزہ سرمائے سے شروع کی گئی تھی جس میں سے 323,380 روپے ادا کر دیے گئے تھے۔ 'سویڈن اینڈ ناروے' کے لیے کا کونسلر جنرل 'وانگٹ HOCEL' اس کا منیجنگ ایجنٹ تھا۔

تجارت میں ممتاز حیثیت کی مالک تھیں لیکن اِن کے کاروبار بھی زیادہ تر مغربی ساحل پر ہی مرکوز تھے۔[1] ہندوستان کے سنّی مسلمانوں میں بیوپار سے کم دلچسپی کے سلسلے میں جو وجہ روایتی طور پر بیان کی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ ہندوستان میں برطانوی راج قائم ہونے سے پہلے یہ طبقہ یا تو ایک صاحب جائداد طبقہ تھا جو بدلی ہوئی سیاسی کیفیات سے اب تک خود کو ہم آہنگ نہیں کر سکا تھا اور یا پھر، جیسی کہ بنگال میں صورت حال تھی، یہ صرف غریب کسان تھے۔ بہرحال اس کی وجہ کچھ بھی رہی ہو ان میں سے کسی بھی صورت میں یہ لوگ تجارت یا صنعت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے اور اس سلسلے میں ان کا کوئی قابلِ ذکر یا اہم حصہ بھی نہیں رہا۔

بنگال اور خاص طور پر کلکتے میں کچھ چھوٹی چھوٹی ٹکریاں پارسی، کچھی، گجراتی، یہودی، آرمینیائی اور مارواڑی لوگوں کی بھی موجود تھیں۔ ان میں سے مارواڑی طبقہ، باوجودیکہ بہت بڑی تعداد میں نہیں تھا، سب سے زیادہ ممتاز بیوپاری برادری کی حیثیت رکھتا تھا۔

مارواڑی ——— موجودہ دور کے ممتاز ترین بیوپاری

مارواڑی داخلیت پر مبنی ایک برادری تھے اور یہ لوگ اپنی غذا اور بیاہ شادی کی رسومات اور عادات کی وجہ سے دوسری برادریوں سے سماجی رشتوں کے سلسلے میں بہت بندھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ راجستھان سے آئے تھے اور روپے کے لین دین کے علاوہ غلّے اور کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔[2] ان کے بیوپار کی تنظیم مشترک خاندان کے

---

[1] یہاں ایک بار پھر اس بات کا دہرانا مناسب ہے کہ اس موقعے پر مذہب پر زور نہیں دیا جا رہا۔ مثال کے طور پر لبنان کے مسلمان کافی مشہور بیوپاری سمجھے جاتے ہیں۔ یہی صورت ہندوستان میں جینیوں کی ہے۔ جاپان کے بدھ مذہب کے ماننے والے اور زرتشت پارسیوں کو بھی اسی زمرے میں لیا جانا چاہیے۔

[2] مارواڑی کا مطلب ہے مارواڑ یا راجستھان کے لوگ، یہ لوگ صرف میواڑ کے نہیں تھے جو راجستھان کا ایک حصہ ہے۔ مارواڑی کی اصطلاح ہی اس موقعے پر مارواڑ کے علاقے سے (مسلسل)

نظام پر ہوتی تھی، جس میں دادا، باپ، بیٹا اور اس کا بیٹا، اور اس سے بھی نیچی پیڑھی کے لوگ ساتھ رہتے تھے، ساتھ کام کرتے تھے اور ملکیتوں میں اس وقت تک شریک رہتے تھے جب تک کوئی خاندانی جھگڑا انھیں الگ نہ کر دے، اس کے بعد، یہ بالکل اسی انداز پر خود مختار حیثیت سے پھر الگ جم جاتے تھے۔ اس نظام کے کچھ فائدے بھی ضرور تھے لیکن اس انداز کا بیوپار اجتماعی سرمائے کی کسی تنظیم سے، جو ترقی اور نشوونما کے سلسلے میں کم و بیش لامحدود امکانات رکھتی ہے، مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ مشترک خاندان کسی قسم کا اجتماعی ادارہ قائم کرنے میں کسی طرح مانع نہیں تھا لیکن پھر بھی اس نظام میں بالکل معمولی قسم کے انسان کی خواہشات اور پرداز کے لیے کافی مواقع فراہم ہو جاتے تھے خاص طور پر ان لوگوں کے لیے یہ میدان کافی تھا جو زندگی کا ایک محدود سا تصور رکھتے ہیں۔

(مسلسل)
متعلق تمام لوگ شامل نہیں ہیں صرف بنیے شامل ہیں۔ ایک جین بھی مارواڑی ہو سکتا ہے۔ بہت سے ہیں بھی مارواڑی برادری میں بھی کچھ لوگ الگ الگ ٹکڑیاں ہیں، جیسے ماہیاری، بیکانیری، باگڑی، جیسانی وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ مارواڑی ایک علاقائی تصور ہے لیکن اس موقعے پر جغرافیائی عنصر کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ مسز پنڈت کے گجراتیوں کے سلسلے میں بڑے بڑے دعوے اس طرز فکر کو اب تک محض بے سود ثابت کرنے میں ہی کامیاب ہوئے ہیں، (ملاحظہ ہوں ان کے مضامین اور مسز اچاریہ کا جواب سابقہ حوالہ) پورے ہندوستان میں بنیوں کا فرقہ ایک تجارتی برادری تھا۔ کلکتے میں جس شخص کو مارواڑی کہا جاتا ہے اسے راجستھان میں مارواڑی نہیں کہا جاتا، بنیا کہا جاتا ہے۔ مارواڑی، سندھی، گجراتی کی اصطلاحات ایک بیوپاری طبقے کی حیثیت سے، دوسرے حصوں میں ان بنیوں کے ساتھ ملحق کر دی گئی تھیں جہاں کچھ بنیے بیوپار کی غرض سے رہتے تھے۔ کچھ حصوں کے بنیے کیوں زیادہ مشہور ہو گئے اس کی وجہ اس خطے میں موجود معاشی مواقع میں زیادہ مل سکتی ہے جہاں یہ لوگ سکونت پذیر ہوئے، کسی ادبیات میں تلاش نہیں کی جا سکتی۔

بمبئی یا احمدآباد کے گجراتیوں نے گزشتہ صدی کے آخر تک پٹ سن ملوں، کوئلہ کانوں اور چائے کمپنیوں میں سرمایہ کاری کیوں نہیں کی اور صرف روئی ملوں میں ہی کیوں سرمایہ لگایا؟ جنوبی ہندوستان کے چیٹیو یا بنگال کے بنیوں کا پرانا اثر کیوں کم ہو گیا، یا اسی طرح برطانوی افراد نے بمبئی یا احمدآباد کے روئی کارخانوں میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کیوں نہیں لگایا؟ مارواڑی بنیے ہندوستان کے اندرونی

پارسی بیوپاریوں کے برخلاف یوروپی بیوپاریوں سے ان کے گہرے تاجرانہ رشتوں نے نہ تو ان کی تاجرانہ عادتوں پر کوئی خاص اثر پیدا کیا نہ ان کی سماجی روایات کو متاثر کیا۔ چونکہ یوروپیوں کا ایک مارواڑی شاگرد اپنی توجہ کو اس نکتے پر مرکوز نہیں رکھتا تھا کہ یہ لوگ بیوپار کو کس طرح چلاتے ہیں یا اس کی تنظیم کس طرح کرتے ہیں بلکہ وہ صرف یہ دیکھتے تھے کہ ان کا مالک یوروپیوں کے ساتھ کس انداز سے تجارت کرتا ہے اس طرح ظاہر ہے کہ وہ روایتی ڈھانچے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ پھر بھی نویں دہائی کے بعد سے ان کے بیوپاری انداز میں بھی تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ ان لوگوں نے پٹ سن کو دبانے اور گانٹھیں بنانے کی بہت سی کمپنیوں پر گرفت حاصل کر لی اور آہستہ آہستہ حصے داروں میں ان کا اثر بڑھتا چلا گیا، اور دسویں دہائی تک ان کا اثر اتنا مضبوط ہو چکا تھا کہ جب طاعون کی وبا پھیلی تو کلکتے کا حصہ بازار صرف اس لیے تقریباً بالکل درہم برہم ہو گیا کہ ان میں سے بہت سے لوگ شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ دو دہائیوں کے عرصے میں کلکتے کے حصہ بازار میں مارواڑیوں نے اپنی ایک اہم ترین جگہ بنا لی تھی، یہ لوگ دونوں طرح اہم حیثیت رکھتے تھے۔ حصہ دلال کی حیثیت سے بھی[1] اور اسپیکولیٹر کی حیثیت سے

مختلف ترجیحات اور کششوں میں ردوبدل کرنا پڑے۔ ملاحظہ ہوں صفحات ۔321 تا 326۔

گزشتہ صفحے کا حاشیہ سنہ 1875 کی تھیکرس بنگال ڈائرکٹری میں 'دیسی حصہ دلالوں' کی فہرست میں جو نام شامل کیے گئے ہیں وہ تقریباً سب کے سب بنگالی ہیں۔ اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت متحرک محسوس ہوتے ہیں لیکن یہ بھی آسام کے جنگلوں میں چائے کے باغات شروع کرنے کے لیے آگے نہیں بڑھے (اس کی کسی حد تک یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ چائے کے لیے کوئی اندرونی بازار نہیں تھا) یقیناً ٹیکنالوجی کوئی بہت اہم رکاوٹ نہیں تھی۔ 1861 میں جب صرف 800 چائے باغات تھے شاید ہی کوئی بات اس سلسلے میں چھپی ہوئی ہو کہ چائے کی پیداوار کس طرح کی جاتی ہے۔ جہاں تک دوسری صنعتوں میں سرمایہ کاری کا تعلق ہے۔ جیسے لوہا اور اسٹیل اور کاغذ وغیرہ۔ ان میں صرف ٹیکنالوجی اور رہنمائی کی کیفیات ہی اہم سوال نہیں تھے، بلکہ اس سلسلے میں حکومت کا طرز فکر بھی ایک اہم سوال تھا۔ ثقافتی روایات یقیناً کافی اہمیت رکھتی ہیں، اور خاص طور پر یہ ان صورتوں میں اور زیادہ اہم ہو جاتی ہیں جہاں اداروں میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنی ضروری ہو اور اس کے لیے

بھی۔ لیکن چونکہ مارواڑیوں کے متعلق اب تک کوئی مطالعہ نہیں کیا گیا ہے اس لیے اس فرقے کے انداز میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کی وجوہات کا صرف اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔

دلالی توان کا ایک روایتی پیشہ تھا لیکن حصے داروں کی حیثیت سے ان کی اہمیت کی وجہ ان کے اس والہانہ عشق میں تلاش کی جا سکتی ہے جو انھیں ہمیشہ سے اسپیکولیشن سے تھا۔ کلکتہ حصہ بازار میں 'مستقبل کے ٹھیکے' اور زر کی سختی کے دور میں 'جبر یہ فروخت' کی اس حد تک موجودگی کا سبب بھی ان لوگوں کی یہ خصوصیت ہی کہی جا سکتی ہے۔ 'چناؤ' (OPTION) کے فن میں یہ لوگ صحیح معنوں میں فن کار تھے۔ حصوں کے کاروبار میں انتہائی حساس ہونے کی وجہ سے انھیں وہ خبریں سب سے پہلے مل جاتی تھیں جن سے حصہ بازار پر کوئی اثر پڑتا ہوتا تھا، اور افواہیں پھیلانے اور حصہ بازار میں افراتفری پیدا کرنے میں ان سے کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ 1890 کے بعد کی دہائی کے ابتدائی حصے میں جب کلکتے کا حصہ بازار سونا کان کن کمپنیوں میں اسپیکولیشن میں دیوانہ ہو رہا تھا، اس وقت اس بازار میں سے بہترین حصہ جھپٹ لینے کے سلسلے میں خود یورپی بیوپاری بھی ان کی استادانہ صلاحیتوں سے حیران تھے۔[1]

لیکن طویل مدتی سرمایہ کاری میں ان کی دل چسپی اور لگن بہر حال بہت آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ بڑھی چونکہ ایک غیر یقینی منافعے کے مقابلے میں یہ لوگ تجارت اور روپے کے لین دین سے حاصل ہونے والے یقینی منافع کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ اس سمت میں آگے بڑھنے کے سلسلے میں پٹ سن ملوں کے حصوں میں سرمایہ کاری ان کا پہلا زینہ تھی۔ اور یہی قطعی طور پر صحیح بھی تھا کیونکہ یہ پٹ سن کی تجارت میں دلالوں، گانٹھیں تیار کرنے والوں اور برآمد کرنے والوں کی حیثیت میں پہلے ہی پوری طرح جم چکے تھے۔ ان میں سے کچھ بیوپاری پٹ سن ملوں کے حصے داروں میں بھی بہت اہم حیثیت حاصل کر گئے۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ کلکتے کے حصہ بازار میں پٹ سن ملوں کے حصوں

تک مارواڑی اس میدان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

[1] ڈی انگلش مین، یکم ستمبر 1890، نیز ملاحظہ ہو دسواں باب۔

کے سلسلے میں سب سے زیادہ دل چسپی نظر آتی تھی حالانکہ یہ بھی حقیقت تھی کہ چائے کمپنیوں کا حصوں کے ذریعے جمع شدہ سرمایہ پٹ سن کمپنیوں کے سرمائے سے مارچ 1882 کے آخر میں دو کروڑ روپے کی حد تک زیادہ تھا اور صدی کے آخری حصے تک یہ ہمیشہ ہی اس سے زیادہ رہا۔

ایک صورت کو چھوڑ کر[1] مارواڑیوں نے صدی کے آخری حصے تک کسی کمپنی کا اجرا نہیں کیا، اس کی پہلی وجہ یہ تھی کہ ان میں تکنیکی معلومات کا فقدان تھا اور دوسرے ان میں وہ صبر و سکون نہیں تھا کہ یہ بنیادی سرمایہ لگانے کے بعد ایک طویل مدت تک اس کے منافعے کا انتظار کرتے رہے۔ اس کے علاوہ پٹ سن ملوں کے قیام کے سلسلے میں، جس میں انھیں سب سے زیادہ دل چسپی تھی۔ بہت سی حدود بھی موجود تھیں 83-1882 سے 1900 کے درمیانی عرصے میں پٹ سن ملوں کی تعداد نو تک بڑھ چکی تھی اور اس کے علاوہ اس میدان میں اور زیادہ شدت سے داخلہ اس لیے بھی بہت مشکل ہوتا کہ یورپی بیوپاری اس میں اس دن سے بہت مضبوطی سے جمے ہوئے تھے جس دن سے انھوں نے اس کے قیام میں پہل کی تھی۔ دوسری صنعتیں، جیسے چائے اور کوئلہ وغیرہ دور دور مقامات پر واقع تھیں اور اس لیے ان کو ایک ضمنی بیوپار کی حیثیت سے آگے بڑھانا مشکل تھا۔ ان تکنیکی اور معاشی وجوہات کے علاوہ غالباً کچھ سماجی ـ نفسیاتی وجوہات بھی تھیں۔ مثال کے طور پر ان میں ایسے کاروباری ادارے کے حقیقی فائدوں میں حصہ بٹانے سے ایک بعد موجود ہے چونکہ ان میں ساجھے داری کے طریقے ہی بہت زیادہ عام یا مقبول نہیں ہیں ـ یا ایک باقاعدہ اور مکمل بیوپاری تنظیم کے ایسے نظام کے خلاف ان میں ایک قسم کا تعصب موجود ہے جس میں تقسیم کار زیادہ ہو چونکہ یہ لوگ یورپی بیوپاری تنظیم کے نظام کو ایک قسم کی فضول خرچی یا تضیع اوقات خیال کرتے ہیں۔ ان صورت حالات میں یہ بات ان کے کردار کی خصوصیات سے باہر ہوئی کہ یہ لوگ بہت بڑی تعداد میں صنعتی کمپنیوں کا اجرا

---

[1] ان لوگوں نے کلکتے میں ایک روئی مل جاری کیا جو ملکیت اور انتظامیہ دونوں اعتبار سے ہندوستانی تھا۔ اس مل میں لگایا گیا سرمایہ اس علاقے میں قائم کردہ ملوں کے اوسط سے سب سے کم تھا۔ اور اس نے سب سے زیادہ منافع بھی حاصل کیا تھا۔ ملاحظہ ہوں صفحات 4-483

کرتے۔ اس کے بعد ہم بنگال میں مختلف صنعتوں کی انفرادی ترقی پر نظر ڈالیں گے۔

پٹ سن مل

پہلی جنوری 1882 کو صرف آٹھ پٹ سن کمپنیاں تھیں جن کا کل اداشدہ سرمایہ 7,69,000 روپے تھا۔ 31 مارچ 1901 کو ان کی تعداد بڑھ کر 21 کل سرمایہ 3,03,27,800 روپے ہو چکا تھا۔ اِس طرح اٹھان کی شرح 7.5 فی صدی سالانہ آتی ہے جو یقیناً کافی اونچی ہے۔ اپریل 1882 میں کسی پٹ سن مل کا اوسط اداشدہ سرمایہ 9,33,000 روپے تھا۔ مارچ 1901 تک اوسط سرمایہ اس سے ڈیڑھ گنا زیادہ ہوگیا تھا۔ اس دور میں سرمائے میں کل اضافے کا تقریباً حصہ صرف اِن کمپنیوں کی اٹھان نے ہی جذب کرلیا تھا۔ اس عرصے میں کسی روئی مل میں لگے ہوئے کل اداشدہ سرمائے کے اوسط میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا، جس کا مطلب یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ ایک یوروپی ملکیت کی کمپنی میں توسیع کا میلان زیادہ تھا۔ لیکن مارچ 1901 کے آخر میں تمام روپیہ سرمایہ کمپنیوں کی مجموعی سرمایہ کاری میں، پٹ سن کی روپے پر مبنی کمپنیوں کا کل سرمایہ، 8.2 فی صدی ہی تھا۔ اس کے مقابلے میں روئی ملوں میں یہ شرح 34 فی صدی تھی۔ اگر ہم اس میں پٹ سن کمپنیوں میں لگے پونڈ سرمائے کو بھی شامل کر دیتے، جو صدی کے آخر میں لگ بھگ دو کروڑ روپے کے برابر تھا[1]، تب بھی روئی ملوں میں لگا روپیہ سرمایہ اس سے ڈھائی گنا زیادہ ہوتا[2]۔ یہ سوال بھی کیا جاسکتا ہے کہ پٹ سن صنعت میں کل سرمایہ کاری اتنی کم کیوں تھی؟ اس سلسلے میں غالباً سب سے اہم عنصر خود پٹ سن کی مانگ کا محدود ہونا ہی رہا ہوگا۔ جیسا کہ پٹ سن کمپنیوں کی ترقی کے رجحانات کے سلسلے میں نیچے دی گئی تفصیلات سے وضاحت ہوتی ہے۔

---

[1] اس سرمائے کا تخمینہ 1 شلنگ 4 پینس کی شرح مبادلہ سے کیا گیا ہے، جو صدی کے آخر میں مقررہ سرکاری شرح تھی۔ لیکن حقیقی شرح مبادلہ بھی زیر مطالعہ دور میں دراصل اس سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔

[2] روئی ملوں میں پونڈ سرمایہ لگ بھگ نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔

1880 کے آخری نصف حصے سے شروع ہو کر 1883 کے آخر تک کا عرصہ پٹ سن صنعت کی خوشحالی کا بہترین زمانہ تھا۔ زیر نظر وقفے کے پہلے سال 83-1882 کے دوران چار نئی کمپنیاں شروع کی گئیں جنھوں نے مجموعی سرمائے میں 13,00,000 روپے کا اضافہ کیا۔ اگلے سال کے دوران حالانکہ کوئی نئی کمپنی درج نہیں کی گئی لیکن موجودہ حصوں پر طلب میں اضافے سے ہی کل سرمائے میں 1300,000 روپے کی اور بڑھوتری ہوئی۔ 5-1884 سے اس صنعت کے مسائل میں دشواریاں پیدا ہونی شروع ہو گئیں اور پٹ سن کا بازار بڑھی ہوئی پیداوار کو جذب نہ کر سکا صرف چار مِل تھوڑا بہت منافع دکھلا سکے اور ایک کمپنی کو بند کرنا پڑا۔ اگلے سال کے دوران ساری کمپنیاں مشکلات میں پھنسی رہیں اور ایک اور ایک کمپنی بند کر دی گئی۔ صورت حال اس حد تک امید شکن ہو گئی کہ نومبر 1885 میں مِل مالکوں کی ایک کانفرنس نے تمام پٹ سن پیدا کرنے والوں کے لیے ایک کم سے کم قیمت متعین کرنے اور اس قیمت کو پیداوار میں کٹوتی کر کے ایمانداری کے ساتھ قائم رکھنے کا فیصلہ کیا۔ فروری 1886 کے بعد سے اگلے پانچ سال تک ملوں میں ہفتے کے ساتھ دن کی بجائے 4 سے ½ 4 دن تک کام ہوا[1]۔ اس کے نتیجے میں 1887 میں کمپنیاں کسی قدر منافعے کا اعلان کرنے کے قابل ہو گئیں اور اس کے بعد سے اس میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا چلا گیا[2]۔ لیکن آخر مارچ 1892 تک کوئی نئی سرمایہ کاری عمل میں نہیں آ سکی۔

1891 تک صورت حال پوری طرح بدل چکی تھی[3]۔ حالانکہ حکومت کی طرف سے پٹ سن کی فصل کے بارے میں ایک غلط پیش گوئی کے نتیجے میں 1892 میں صنعت کو نقصانات

---

[1] احمد، صفحہ 190۔ [2] ملاحظہ ہو منافعوں کا ایک گوشوارہ احمد کی کتاب میں اقتباس میں۔
(W. Van Delden, Sluiendie Indische Tule industrie, 1915، صفحہ 215۔)

[3] پٹ سن صنعت کو 1891 کے سال کو احسان مندی کے ساتھ یاد رکھنا ضروری ہے پٹ سن مل زبردست فائدہ حاصل کر چکے ہیں، حصہ دار اپنے حصوں پر بڑے منافع کما چکے ہیں اور خاصی بڑی رقمیں محفوظ فنڈ میں رکھی جا چکی ہیں۔ اس کے اثر سے بہت سے پٹ سن ملوں کے حصوں کی، بازار میں لگنے والی قیمت، سال کے ابتدائی حصے کے مقابلے میں اونچی تھی " قیمتوں کے اعلانات میں 20
(مسلسل)

اٹھانے پڑے تھے۔ لیکن 1893 سے پٹ سن کی مانگ پھراتنی اچھی ہوگئی کہ پیداوار بڑھانے کے سلسلے میں ایک نئی دوڑ پھر شروع ہوگئی۔ 1894 میں بہت سے ملوں نے اپنے یہاں بجلی کی روشنی حاصل کرلی اور 14 اور 15 گھنٹے روزانہ کے حساب سے کام شروع کردیا، دو مل ایسے بھی تھے جو روشنی کے لیے چھوٹی چھوٹی لالٹینیں اور موم بتیاں جلا کر پیداوار بڑھا رہے تھے۔ نومبر 1895 میں 'ڈی اکونومسٹ' کے تخمینے کے مطابق بجلی کی وجہ سے پیداواری صلاحیت میں ایک بٹا چھ حد تک اضافہ ہوا تھا۔[1] آخر مارچ 1895 میں کل پٹ سن ملوں کی تعداد صرف تیرہ تھی اور ان کا کل ادا شدہ سرمایہ 1,46,34,780 روپے تھا۔ ایک سال کے اندر ہی کمپنیوں کی تعداد انیس ہوگئی اور ان کے کل ادا شدہ سرمائے میں لگ بھگ 20,60,000 روپے کی حد تک اضافہ ہوگیا۔ اگلے سال کے دوران حصول پر طلب میں اضافے کے ذریعے 40,50,000 روپے اور بڑھے۔ 31 اگست 1896 کو گرم بازاری کے انتہائی نقطۂ عروج کے وقت پٹ سن کمپنیوں کے حصوں کی قیمتوں کے اعلانات میں، گزشتہ سال اسی دن کی قیمتوں کے مقابلے میں، 30 سے 75 روپے تک اضافہ ہوا تھا۔[2]

1896 کے آخری حصے سے صنعت پر کچھ عارضی کیفیات کے خراب اثرات پڑنے شروع ہوئے۔ پہلی بات تو یہ ہوئی کہ حکومت ہند نے پٹ سن کی پیداوار کے متعلق جو پیش گوئی کی تھی وہ غلط ثابت ہوئی جس نے خرید و فروخت کے تمام مستقبل کے ٹھیکوں میں گڑبڑ پیدا کردی۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ 1897 میں ایک زلزلے نے سراج گنج مل کو بالکل تباہ کردیا اور کچھ دوسرے ملوں کو بھی نقصان پہنچایا۔ تیسرے، طاعون کی وبا کے اثر سے مزدور بہت بڑی تعداد میں شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ اور آخر میں گرم بازاری کے دوران پیداوار میں جو زبردست اضافہ ہوا تھا اس نے رسد کو مانگ سے زیادہ کردیا جس نے قیمتوں کو گرادیا۔ لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود بھی یہ صنعت صدی کے آخری

(مسلسل) روپے تک کی برتری نظر آئی ہے۔ ٹائمز آف انڈیا، بنگال میں بیوپاری معاملات، 9۔ جنوری 1892

[1] ڈی اکونومسٹ، 23 نومبر 1895۔ [2] ایضاً۔ 14۔ ستمبر 1895۔

حصے تک معتدل انداز میں اپنی ترقی برقرار رکھی ہی۔

اس کتاب کے متن کا احاطہ اس کی اجازت تو نہیں دیتا کہ اس میں پٹ سن کے لیے مجموعی عالمی مانگ کا تجزیہ کیا جائے لیکن ہندوستان میں اِس صنعت کے سرمایہ کاروں کے سامنے درپیش مسائل کی نوعیت کو بہرحال شامل کیا جانا ضروری ہے۔ یہ مسائل دو قسم کے تھے۔ اول یہ کہ پٹ سن صنعت کاروں کے لیے عالمی مانگ بہت محدود تھی اور یہ بہت سست رفتاری سے بڑھ رہی تھی، اور دوسری بات یہ کہ پٹ سن کے بازار کے بڑے حصے پر ڈنڈی کے پٹ سن صنعت کاروں کا قبضہ تھا، جن کی پیداواری تکنیک اپنے ہندوستانی حریفوں کے مقابلے میں بہرصورت بہتر اور اعلیٰ تھی۔ ان حالات میں ہندوستانی پٹ سن صنعت میں سرمایہ کاری صرف اسی حد تک بڑھ سکتی تھی جس حد تک ڈنڈی میں برطانوی صنعت کار وہاں کے سرمایہ کاروں سے بازار چھین لینے میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ یہ کام وہ زیرِ نظر دور میں تمام عرصے کرتے رہے۔ شروع میں گھٹیا قسم کی پٹ سن کے سلسلے میں اور بعد میں اچھے قسم کی پیداوار کے سلسلے میں[1]۔ اِس بات میں بہرحال پھر بھی شبہہ ہے کہ وہ ڈنڈی کے صنعت کاروں کو اِس سے زیادہ بازار سے ڈھکیل سکتے تھے جتنا اِن لوگوں نے حقیقت میں ڈھکیل دیا تھا۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ برطانوی مینجنگ ایجنٹ پٹ سن کے عالمی بازار سے ڈنڈی کے صنعت کاروں کو ہٹا دینے میں کامیاب ہو گئے تھے بلکہ انھوں نے بمبئی کے روئی ملوں کے ہندوستانی مینجنگ ایجنٹوں کے مقابلے میں رائے عامہ کے سلسلے میں زیادہ حس کا اظہار کیا تھا۔ شروع میں بمبئی کے روئی ملوں کے مینجنگ ایجنٹوں کی طرح، یہاں پٹ سن کے مینجنگ ایجنٹوں نے بھی نہ تو اثاثوں کی گھساوٹ کے لیے کوئی رقم علاحدہ کی اور نہ قابل تقسیم منافعے کے کم ہو جانے کے خوف سے کسی قسم کا محفوظ سرمایہ جمع کیا۔ لیکن جس وقت سے 'فرینڈ آف انڈیا' نے پٹ سن کمپنیوں کی طرف سے جاری کردہ حسابات کے چٹھوں کے کھوکھلے پن کو ظاہر کرنے کی غرض سے تنقیدی حملہ کیا اِن لوگوں نے اس ناگزیر صورتحال کو سمجھ کر اپنے طریقۂ کار بدل دیے[2]۔ اس عمل میں یہ لوگ بہر طور بمبئی کے مینجنگ ایجنٹوں

---

[1] احمد۔ صفحات 56۔ 246

[2] 'فرینڈ آف انڈیا' میں یہ مضامین 1877 اور 1882 کے درمیان ہمارے پٹ سن۔

سے ایک دہائی آگے تھے۔ قرض ناموں اور ترجیحی حصوں کے اجراء کے سلسلے میں بھی پٹ سن مل تقریباً اتنی ہی مدت بمبئی کے ملوں سے سبقت لیے ہوئے تھے۔

چائے کمپنیاں

مارچ 1901 کے آخر میں چائے کی تمام کمپنیوں کا روپے میں اداشدہ مجموعی سرمایہ تمام کمپنیوں کے روپے میں اداشدہ کل سرمائے کا صرف 8 فی صدی تھا۔ اس طرح اس کا تناسب بھی وہی تھا جو پٹ سن صنعت کی سرمایہ کاری کا تھا، لیکن اس کا حصہ پہلی اپریل 1882 کو دوگنے سے بھی زیادہ تھا۔ ان اعداد پر غور کرتے وقت بہر حال یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ دسویں دہائی کے آخری حصے میں بہت سی روپے کی بنیاد پر قائم کمپنیاں پونڈ کمپنیوں میں تبدیل ہو گئی تھیں، اس طرح روپے کی قدر میں گراوٹ نے ان کمپنیوں کے پونڈ سرمائے کی قدر میں اضافہ کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اپریل 1882 اور مارچ 1901 کے درمیان روپیہ سرمائے میں 50،60،000 کا اضافہ ہوا تھا۔ چائے صنعت میں سرمایہ کاری کی ایک مجموعی تصویر کے لیے، پونڈ بنیاد پر چلنے والی کمپنیوں کا مطالعہ بھی کسی قدر ضروری ہے جن کا مختلف تاریخوں میں تخمینہ مندرجہ ذیل ہے[1]

تخمینے کا سال	رقم (پونڈ میں) (الف)	رقم (روپے میں) (ب)
1881-82	25,00,000	3,75,00,000
1892-93	50,00,000	7,50,00,000
1896-97	80,00,000	12,00,000

(الف) اس میں ایکویٹی، ترجیحی اور قرض ناموں کا سرمایہ شامل ہے۔
(ب) پونڈ کو 1900 کے سرکاری شرح مبادلہ 1 شلنگ 4 پینس کی

ملوں کی مالیات اور چائے پٹ سن مل کے عنوانات سے شائع ہوئے تھے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں 9 نومبر، 5 اکتوبر، 5 دسمبر دغیرہ دغیرہ، 77 اور 14 جنوری 1882 کے شمارے۔

[1] پونڈ میں سرمایہ کاری کے اعداد احمد سے ماخوذ ہیں۔ صفحہ 237۔

شرح پر تبدیل کیا گیا ہے۔
اگر چائے کی صنعت میں لگے روپے اور پونڈ دونوں سرمایوں کو جمع کر لیا جائے تو آخر مارچ 1901 میں تمام روپیہ کمپنیوں کے کل اداشدہ سرمائے کا 46 فی صدی ہوتا ہے۔ اگر اس زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو ریلویز کو چھوڑ کر چائے کی صنعت میں لگے ہوئے سرمائے کا کوئی اور سیکٹر مقابلہ نہیں کر سکتا۔

1882 کے بعد سے گیارہ سال کے عرصے میں چائے صنعت نے بہت معتدل ترقی کا اظہار کیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس کا بازار محدود تھا۔ اس کے علاوہ نویں دہائی کے ابتدائی حصے میں چائے پیدا کرنے والے ضلعوں سے ذرائع آمد و رفت اب بھی بہت سست رفتار اور پریشان کن تھے، پھر چائے کی قیمت بھی بہت حد تک شرح مبادلہ میں تبدیلی کے ساتھ تیزی سے بدلتی رہتی تھی، یہ صورت 1890 کے آس پاس خاص طور پر نظر آتی ہے۔ جیساکہ پہلے بھی اظہار کیا جا چکا ہے سرمایہ کاری کے بہاؤ کا تعین کسی مخصوص چیز کے بازار کی نشوونما پر ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں اس دور کے ذمے دار سوچنے والوں کی رائے بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ 'دارجلنگ اینڈ تیرائی پلانٹرز ایسوسی ایشن' نے ہندوستان کے وائسرائے کو لکھا تھا کہ "آپ کے سامنے عرضداشتیں پیش کرنے والے (میمورلیسٹ) کے تجربے میں یہ بات ہے کہ انگلینڈ میں سکونت رکھنے والے سرمایہ داروں سے مالی امداد حاصل کرنے کے سلسلے میں ان لوگوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے.... ان کے لیے صرف ضرورت سے زیادہ چائے کی پیداوار کو ذمے دار ٹھہرایا جا سکتا ہے، مبادلے میں کمی بیشی کی وجہ سے سرمایہ داروں پر پڑنے والے کسی قسم کے مخالف یا امتناعی اثرات کو ذمہ دار نہیں کہا جا سکتا۔"[1]

1892 اور 1896 کا درمیانی عرصہ چائے صنعت کے لیے بہت خوشحالی کا دور تھا۔ اس عرصے میں بنگال اور آسام میں 88,000 ایکڑ زمین میں چائے کی کاشت ہوئی تقریباً پچاس نئی روپیہ کمپنیوں کا قیام عمل میں آیا، تیس سے زیادہ نئی کمپنیوں کی تشکیل ہوئی یا یہ ضم ہوئیں اور پونڈ سرمایہ کاری میں 30,00,000 پونڈ کا اضافہ ہوا۔ چھیالیس پونڈ

---

[1] برطانوی پارلیمنٹری پیپرس، جلد LXV، 4-1893، ضمیمہ نمبر 1۔

بنیاد کمپنیوں نے 1888 کے صرف 5.2 فی صدی کے مقابلے میں 1894 میں 9.7 فی صدی منافع تقسیم کیا،[1] اور 1895 میں 58 پونڈ سرمایہ کمپنیوں میں لگے سرمائے پر منافع کا تخمینہ ایک سو پونڈ پر 155 پونڈ 70 شلنگ لگایا گیا تھا۔[2] یہ گرم بازاری کچھ موافق حالات کے مجموعی اثرات کا نتیجہ تھی۔ ہندوستانی چائے کی مانگ میں زبردست اضافہ ہوا تھا، صدی کے باقی عرصے میں برآمدات اوسطاً ایک کروڑ پونڈ سالانہ کے حساب سے بڑھی تھیں، چنانچہ 1895 میں چائے کی قیمت کا انڈکس بڑی تیزی سے اٹھارہ درجے اوپر چڑھ گیا۔ پیداواری صلاحیت میں اضافے، چائے کے معیار میں بہت بہتری اور مال بھاڑے کے اخراجات میں کمی کے نتیجے میں منافعے کی دور میں مزید اضافہ ہوا۔

معاوضے جو پیداواری لاگت میں اہم ترین مد ہوتے ہیں، اس پورے عرصے میں کم و بیش ایک نقطے پر قائم رہے۔[3] جب کہ ہندوستان میں قحط کی کیفیات نے مزدور کی فراہمی میں اضافہ کیا جس سے صنعت کی توسیع کے سلسلے میں جو اہم ترین رکاوٹ تھی وہ بھی دور ہوگئی۔ نویں دہائی کے آخری حصے میں بازار کے مندے نے اس بات کو بھی واضح کردیا تھا کہ چھوٹے اور نسبتاً کم منافع بخش چائے باغات کو، جو اس وقت تعداد میں بہت تھے،

---

[1] احمد، صفحہ 154، 1888 کے اعداد صرف 26 کمپنیوں سے متعلق ہیں۔

[2] Gow Wilson and Standon دیباچہ

[3] انڈکس نمبر، وغیرہ (سابقہ حوالہ) صفحہ II

[4] ملاحظہ ہو "ہندوستان میں قیمتوں ..... کے سلسلے میں چھان بین کی رپورٹ [رپورٹ آن دی انکوئری اینٹو ..... پرائسز ان انڈیا] میں حقیقی اور ظاہری معاوضوں کا انڈکس۔ حکومت ہند، شعبۂ مالیات، 1914 نیز ملاحظہ ہو ایک خط مورخہ 24 جون 1892 "برطانوی پارلیمنٹ پیپرس، جلد LXX، 4-1893، صفحہ 151، جس سے مندرجہ ذیل اقتباس لیا گیا ہے جو 25 اگست 1892 کو کلکتہ میں منعقدہ میکینن، میکنزی اینڈ کمپنی کے عام جلسے میں اس کمپنی کے ایک ایک ساجھے دار اور اس جلسے کے صدر کے۔ ایل۔ منکے کی تقریر کا حصہ ہے: "..... حالانکہ ہم میں سے وہ لوگ جو پٹ سن اور روئی کی صنعت میں لگے ہوئے ہیں یا چائے کی کاشت یا دوسری صنعتوں سے متعلق ہیں، وہ اس عمل میں مزدور کچھ فائدے دیکھ سکتے ہیں کہ وہ اب بھی اپنے مزدوروں کو ایسی دھات (روپیہ) روپے میں معاوضہ (مسلسل)

ایک دوسرے میں ضم کرکے یا ان کی نئی تشکیل کے بعد ان سے زیادہ منافعے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ پونڈ سرمائے کو اس صنعت کی طرف کھینچ لینے کے لیے حالات خاص طور پر سازگار تھے چونکہ عام بیوپار میں اب بھی ٹھہراؤ تھا اور برطانیہ میں زر کی فراہمی کافی آسان تھی، اور دوسری طرف پونڈ کے مقابلے میں روپے کی قدر اپنے سب سے نچلے نقطے کو چھو رہی تھی اور 1893 میں کرنسی کے سلسلے میں کچھ اقدامات کی روشنی میں اب روپے کی قدر میں مزید گراوٹ کا بھی امکان موجود نہیں تھا۔ اس طرح پونڈ ذرائع پیداوار کو زیادہ خریدنے کی صلاحیت رکھتا تھا چونکہ ان ذرائع کی روپے میں قیمت نہیں بڑھی تھی۔ ایک چائے باغ کے مالک نے ان کیفیات کو بہت موزوں انداز میں مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا تھا[1]۔

"ایک طرف جنگلوں، بنوں، بانسوں، سن اور 'اوکرا گھاس' کو چائے کے پودوں کی کاشت کے لیے کاٹا جا رہا تھا، اور لندن، گلاسگو، اور کلکتے میں ایجنسی ہاؤس زمین کے قطعوں (سنڈیکیٹ) کو چائے باغوں میں تبدیل کرنے جیسے چائے باغوں کو کمپنیاں بنانے اور کمپنیوں کو اور بھی بڑی کمپنیاں بنانے میں منہمک تھے۔ اس وقت اس صنعت کی ہڈیاں بدل لینے کے لیے بے قرار ہو رہی تھیں۔"

چائے صنعت کی قسمت 1897 سے پلٹنا شروع ہوئی۔ اس سال ایک زلزلے نے آسام کے کچھ چائے باغات کو نقصان پہنچایا۔ کچھ عرصے پہلے توسیع کے اثر سے 1898 میں ضرورت سے زیادہ پیداوار ہوئی تھی، اور یہ مسئلہ اگلے دو سالوں میں اس وقت کچھ اور زیادہ سنجیدگی اختیار کر گیا۔ جب نونہال باغات بلوغ کی حد تک پہنچنا شروع ہوئے قیمتیں بہت زیادہ حد تک گریں اور جیسا کہ اخبار کے ایک نامہ نگار نے لکھا تھا "باغات

(مسلسل)
ادا کرنے کے قابل ہیں جس کی قدر گھٹ چکی ہے، لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ قلی کی سادہ ذ تی کی بھی بہ طور ایک حد ضرور ہوگی، اور یہ کہ ان کے معاوضوں سے ان کے مدوں کو بھرنے کی غیر ممکن صورت آخر میں کسی نئے توازن کو قائم کرنے پر مجبور کرے گی۔"

[1] 'ایک چائے باغ کے مالک کی یادیں' [ری کلکشنز آف اے ٹی پلانٹر] صفحہ 25 احمد کے یہاں کے اقتباس، صفحہ 67۔

کو انتہائی گری ہوئی قیمت پر چنا جا سکتا تھا:

کوئلہ کان کنی صنعت

کوئلہ کان کنی صنعت کو پہلی بار حقیقی دہائی میں اس وقت ترقی کا موقع اور ترغیب حاصل ہوئی جب ایسٹ انڈیا ریلوے لائن، رانی گنج کوئلہ کانوں کے پاس سے گزرنی شروع ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ریلویز اور دریائی اسٹیمروں نے ایندھن کی مانگ کا کچھ حصہ ان کانوں کی طرف منتقل کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود 1880 تک کوئلے کی سالانہ پیداوار صرف دس لاکھ ٹن کے آس پاس ہی تھی اور 1893 میں تیس لاکھ ٹن سے کچھ کم تھی۔

1896 سے یہ صنعت بھی ترقی کے ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ مندرجہ ذیل اعداد سے اس ترقی کا اظہار ہوتا ہے:

مارچ میں ختم ہونے والا سال	کاروبار میں مصروف کمپنیاں	ادا شدہ سرمایہ (1,00,000 روپے)	پیداوار (000 ٹن میں) شمسی سال (الف)
1881-82	6	39.0	997
1890-91	10	52.3	2,168
1891-92	11	61.7	2,328
1892-93	14	64.8	2,537
1893-94	16	79.5	2,562
1894-95	20	79.8	2,823
1895-96	28	96.7	3,540
1896-97	34	102.8	3,861
1897-98	—	114.8	4,066
1898-99	—	127.5	4,008
1899-1900	—	133.0	5,093
1900-1901	34	140.0	[illegible]

[الف: برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے 1901، صفحہ 36]

جیسا کہ مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا کوئلہ کمپنیوں کا ادا شدہ سرمایہ مارچ 1893 کے بعد سے سات سال کے عرصے میں دو گنے سے بھی زیادہ ہوگیا، اور اگر اس میں غیر جماعتی تنظیموں کے سرمائے کو بھی شامل کرلیا جاتا تو یہ مقدار تگنی ہوجاتی۔ یہ سوال بھی کیا جاسکتا ہے کہ 1894 تک اس صنعت میں سرمائے کا بہاؤ کیوں رُکا رہا؟ ذرائع بھی بہت کافی موجود تھے۔' حالانکہ کوئلے کا معیار ویلش کے بہترین کوئلے جیسا تو نہیں تھا لیکن بہرحال صنعتی استعمال کے لیے بالکل مناسب تھا۔ یہ زمین کی اوپری سطح کے قریب مل بھی رہا تھا۔ مزدور بھی حالانکہ غیر تربیت یافتہ تھے، لیکن ان کی فراہمی کافی سستی اور زیادہ تھی۔ اور رانی گنج کے علاقے سے گزشتہ چالیس سال سے ریلوے لائن بھی گزر رہی تھی۔ اس صورت حال کے اسباب یا تو سرمائے کی کمی میں تلاش کیے جاسکتے ہیں اور یا پھر تکنیکی معلومات کے فقدان یا مانگ کی کیفیات میں مل سکتے ہیں۔ ان میں کافی حد تک مانگ کی کمی ہی فیصلہ کن عنصر محسوس ہوتی ہے۔

کوئلے کی صنعت بہت حد تک ایک امدادی صنعت کہی جاسکتی ہے، چونکہ اس کے استعمال کا انحصار دوسری صنعتوں کی نشوونما اور ترقی پر ہے، ہندوستان میں کوئلہ سب سے زیادہ ریلوے[1]، اسٹیمروں اور روئی ملوں میں ہی استعمال ہوتا تھا، چونکہ دوسری صنعتیں، جو عام طور پر کوئلے پر انحصار رکھتی ہیں۔ جیسے لوہا اور اسٹیل اور کچھ کم حد تک انجینئرنگ کارخانے وغیرہ — صدی کے آخر تک بہت ہی کم تھیں۔ ریلوے، اسٹیمروں اور پیداواری صنعتوں کی طرف سے کوئلے کی مانگ اتنی کافی تھی کہ اس کے اثر سے کوئلہ صنعت بھی اپنی ایک خاص اور قابل قدر جگہ پیدا کرلیتی۔ لیکن اس کی پیداوار صرف بنگال میں ہی اس کے استعمال کی حد تک محدود رہی جہاں کوئلے کی کانیں واقع تھیں۔

---

[1] 1900 کے آخر میں کل ساٹھ لاکھ ٹن پیداوار کا تقریباً 31 فی صدی کوئلہ ... استعمال کرتی تھی۔ برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے۔

(...mmary of Contents ... Plenary Memoranda.)

نیز ملاحظہ ہو تیرھواں باب۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ مال بھاڑے کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ دوسری جگہوں پر کلکتے کی قیمت سے چار پانچ گنی قیمت پر بھی ایسے دوسرے ملکوں سے درآمد کرنا سستا پڑتا تھا۔ چنانچہ 1870 سے 1890 کے درمیانی عرصے میں ہندوستان نے 6,00,000 سے 9,00,000 ٹن سالانہ کے درمیان کوئلہ درآمد کیا، اس میں وہ کوئلہ شامل نہیں ہے جو ان جہازوں میں ہندوستان اور دوسرے ممالک کے درمیان آمدورفت کے سلسلے میں استعمال ہوتا تھا۔

اس سلسلے میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ اس صنعت میں پونڈ سرمایہ کاری کی کمی نے اس کی اٹھان کو روکے رکھا۔ آخر مارچ 1886 کو پونڈ سرمایہ کل دس لاکھ پونڈ کی حد تک لگا ہوا تھا اور صدی کے آخر تک اس میں 1,59,000 پونڈ سے زیادہ اضافہ بھی نہیں ہوا۔ روپے پر مبنی تنظیموں میں غیر ہندوستانی سرمائے کی مقدار کے سلسلے میں معلومات موجود نہیں ہیں لیکن غالباً ایسا سرمایہ کل سرمایہ کاری کے نصف سے زیادہ نہیں تھا جس میں غیر اجتماعی کمپنیوں کا سرمایہ بھی شامل تھا جو کل سرمائے کی ایک بٹا چار یا ایک بٹا پانچ کی حد تک تھا۔[1] پونڈ سرمائے کی اس صنعت میں زیادہ داخل نہ ہونے کے سلسلے میں ہندوستانی کرنسی کے غیر مستقل ہونے اور ایک معیار پر زیادہ عرصے قائم نہ رہنے کو بھی ایک وجہ قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ہندوستان میں منافع تو کمایا جا سکتا تھا لیکن گری ہوئی شرح مبادلہ کی وجہ سے جب یہ رقمیں برطانیہ کو منتقل کی جاتیں تو ان کی قدر پر خراب اثرات ہوتے۔[2] اس دلیل کو قابل قبول اس صورت میں سمجھا جا سکتا تھا جب ہندوستانی کوئلے کی مانگ بہت اچھی ہوتی یا منافعے کی امکانی شرح اتنی نہ ہوتی کہ روپے کی قدر کی گراوٹ کو پورا کرنے میں کافی ہو۔

ہم پہلے یہ بات دیکھ چکے ہیں کہ زیر نظر عرصے میں کوئلے کی مانگ نسبتاً کم تھی اور اس بات کو باور کرنے کے لیے بھی کوئی جواز موجود نہیں ہے کہ منافعے کی در کم تھی۔ حقیقت میں اس دور میں کوئلے کی صنعت کی ترقی کے لیے نہ تو سرمایہ کاری کے لیے کسی بہت بڑی رقم کی

---

[1] احمد، صفحات 66-260 نیز برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے 1901، صفحات 364-

[2] احمد، صفحات 11-410

... نہ کوئی بہت مخصوص تکنیکی معلومات درکار تھی، چونکہ کوئلے کے ذخیرے زمین کی اوپری سطح کے بالکل پاس ہی موجود تھے۔ پیداواری لاگت کے نقطۂ نگاہ سے بڑے سرمائے کی کمپنیاں چھوٹے چھوٹے سرمایہ کاروں کے مقابلے میں بہت معمولی افضلیت رکھتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بالکل شروع ہی سے بڑی بڑی کمپنیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی کانوں کے مالک بھی انھیں کامیابی کے ساتھ چلا رہے تھے، حالانکہ ان کی اہمیت میں آہستہ آہستہ کمی آتی جا رہی تھی؛ لیکن صدی کے آخر تک یہ کل پیداوار کے ایک قابل ذکر حصے کے لیے ذمے دار تھے، جو ایک بٹا تین سے ایک بٹا چار اور ایک بٹا پانچ کی حد تک رہتا تھا۔[1]

کوئلہ صنعت کی قسمت میں فوری تبدیلی پیدا ہو جانے کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی یہ کہ درآمد ہونے والے کوئلے کی قیمت ایک دم چڑھ گئی 1900 میں درآمد شدہ کوئلہ کلکتے میں فراہم کیے جانے والے کوئلے کی قیمت سے دس گنا مہنگا پڑ رہا تھا۔ چنانچہ سمندری ذرائع سے کلکتے کا کوئلہ بمبئی میں منگا لینا نسبتاً سستا پڑنے لگا۔ درآمدہ کوئلے سے، دیسی کوئلے کی مانگ کی طرف تبدیلی کے ساتھ ہی ساتھ دوسری اہم وجہ یہ بھی تھی کہ 1894 میں جھریا (جو اب بہار میں ہے) کی زرخیز کانوں تک ریلوے کی توسیع ہو گئی، جو اب تک صرف ذرائع آمد و رفت کی کمی کی وجہ سے کم و بیش بیکار سی پڑی ہوئی تھیں۔ ان کانوں سے ملک کے ان علاقوں کو کوئلہ بھیجا جانے لگا جو اب تک درآمد کوئلے پر انحصار رکھتے تھے۔ یہ ہندوستان کے مشرق اور مغرب کے کچھ ممالک میں بھی مقابلے کے قابل ہو گیا اور ان ملکوں کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں برآمد کیا جانے لگا۔ چنانچہ صدی کے آخر تک کوئلہ صنعت اپنی دم توڑتی ہوئی حالت سے ہی نہیں نکل چکی تھی بلکہ اب یہ ایک زبردست گرم بازاری کی حدوں پر کھڑی تھی۔

اس کے بعد جس حصے پر بحث کی گئی ہے وہ روئی، پٹ سن، کوئلہ اور چائے کی صنعتوں کے برخلاف — جو عام طور پر مخصوص صوبوں میں واقع تھیں، ان صنعتوں سے متعلق جو کل ہند بنیادوں پر کاروبار کر رہی تھیں۔

ریلویز

1900 کے آخر تک ہندوستانی ریلویز میں کل سرمایہ 20.00.000 ,194 روپے

---

[1] احمد، صفحات 66-26 نیز برطانوی ہندوستان کے بیانات... 1901، صفحات 64-67

لگا ہوا تھا، جو اگر سولہ پنس فی روپیہ کے حساب سے تبدیل کیا جائے تو کل 1960,00,000
پونڈ ہوتا ہے۔ لیکن اس میں سے زیادہ تر حصہ اس وقت ابھارا گیا تھا جس وقت روپے کی
شرح مبادلہ سولہ پنس سے کافی زیادہ تھی[1]۔ 1893 کے آخر میں پونڈ میں جتنا سرمایہ
لگایا جا چکا تھا وہ 1903,00,000 پونڈ تھا، جس میں سے صرف 31,00,000 پونڈ
1880 کے بعد لگایا گیا تھا۔ ریلویز میں سرمایہ کاری کے سلسلے میں یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ
اس دور میں ہندوستانی کرنسی کی قدر میں اتار چڑھاؤ اور غیر مستقل ہونے کی کیفیت
کی وجہ سے برطانوی سرمایہ دار جھجک محسوس کرتے تھے، چونکہ اس صورت میں لگے ہوئے
سرمائے سے کم منافع حاصل ہوتا تھا۔

1893 میں حکومت ہند نے، جو اپنی پونڈ کی ذمے داریوں کو بڑھانے کی خواہشمند
نہیں تھی چونکہ اس کا خیال تھا کہ ہندوستانی روپے کی گراوٹ کے لیے یہ امر بھی کسی
حد تک ذمہ دار تھا۔ شاخ لائنوں اور اہم لائنوں کو ملانے والی لائنوں کی تعمیر کے لیے روپے
کی بنیاد پر سرمایہ حاصل کرنے کی پیش کش کی۔ حکومت نے ریلویز سے ہونے والی
آمدنیوں پر چھوٹ دے کر ذمے داریوں سے پر ضمانت (Onerous Guaran
Tee کی جگہ پر ایک بالواسطہ امداد (سبسڈی) دینے کی بھی کوشش کی تھی۔ لیکن اس
پیش کش کی شرائط بہت زیادہ پر کشش نہیں تھیں جس کی وجہ سے روپئے کے سرمائے
میں کوئی خاص اضافہ نہ ہو سکا۔ حکومت نے 1896 میں اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی اور
تین فی صدی کی مکمل ضمانت اور اس کے ساتھ اہم لائنوں کی آمدنیوں میں مکمل چھوٹ کی
پیش کش کی، جو کل سرمائے کا ½3 فی صدی ہو جاتی تھی[2]۔ اس سے روپیہ سرمائے کی
اٹھان پر فوری اثر پڑا۔ چنانچہ کل روپیہ سرمایہ جو 1896 میں مارچ کے آخر تک تقریباً
50,00,000 روپے تھا[3]، صدی کے آخر میں 0,00,000 ا اور 3 روپے ہو گیا۔ اس
وقت تک روپے کی قدر کو کم و بیش جو استقلال حاصل ہو گیا تھا اس نے بھی سرمائے کے

---

[1] برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے (Summary of Contents & Ex Planatory Memoranda)

[2] آر۔ ڈی۔ ٹیواڈی۔ صفحت 5-74-[3] کا حاشیہ صفحہ 288 پر ملاحظہ ہو

اس طرف میلان میں ضرور مدد پہنچائی ہوگی۔

بینک کاری

بینک سے متعلق حکومت ہند کے شائع کردہ اعداد و شمار کافی الجھے ہوئے سے تھے چونکہ ان میں سیکڑوں ایسی کمپنیاں شامل تھیں جو چھوٹی پونجی اور قرضوں کی انجمنوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ مثال کے طور پر 96-1895 کے اعدو شمار میں 299 بینک کار اور قرض دینے والی، کمپنیاں دکھلائی گئی تھیں جن کا کل اداشدہ سرمایہ 4,04,66,720 روپے تھا، لیکن ان کے تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف مندرجۂ ذیل کمپنیاں ہی ایسی تھیں جنھیں صحیح طور پر بینکوں کی مد میں رکھا جاسکتا تھا۔

نام	اندراج صوبہ	اندراج سال	اداشدہ سرمایہ (روپے)
ہانگ کانگ اینڈ شنگھائی بینک	بنگال	1869	2,25,00,000
بینک آف اپر انڈیا	شمال مغربی صوبہ	1863	10,09,000

گزشتہ صفحے کا حاشیہ سے 3 ریلوے کمپنیوں کی تفصیلات مندرجۂ ذیل ہیں

کمپنی کا نام	اندراج کا سال	اداشدہ سرمایہ (روپے)
دارجلنگ ہمالین ریلوے	1879	17,50,000
دیو گھر	1882	2,75,000
تارکیسور ریلوے	1884	17,50,000
دہرہ دون ریلوے پروموشن کمپنی	1887	13,070
انڈین ریلوے فیڈر کمپنی	1887	98,250
بنگال پراونشیل کمپنی	1890	790,280
بے گنج ریلوے	1895	—
احمدآباد پران تیج ریلوے	1896	—

[برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، 1897 صفحہ 481]

’الہ آباد بینک‘	شمال مغربی صوبہ	1865	4,00,000
’اودھ کامرشیل بینک‘	〃	1881	2,00,000
’الائنس بینک آف انڈیا‘	پنجاب	1874	10,00000
’پنجاب بینکنگ کمپنی‘	〃	1885	1,17,000
کامرشیل اینڈ لینڈ مارٹگیج	مدراس	1885	24,45,000
’بنگلور بینک‘	بنگلور	1867	4,34,000
			2,89,96,000

ان بینکوں کی فہرست میں غالباً اُجودھیا بینک، گورکھپور بینک، بنگلور مرکنٹائل بینک‘ اور پنجاب نیشنل بینک کے نام بھی شامل کیے جاسکتے ہیں جن کے انفرادی ادا شدہ سرمائے بہت کم تھے۔[1] دوسری طرف ہانگ کانگ اینڈ شنگھائی بینکنگ کارپوریشن کو صحیح معنوں میں ہندوستانی اجتماعی سرمایہ بینک تصور نہیں کیا جاسکتا چونکہ اس کا صدر دفتر ہندوستان سے باہر واقع تھا اور اس کا ادا شدہ سرمایہ بھی ہانگ کانگ کے ڈالروں میں ہی درج تھا۔ بینکوں کی فہرست سے اس بینک کو خارج کر دینے سے باقی ہندوستانی بینکوں کا کل ادا شدہ سرمایہ گھٹ کر صرف 55,96,180 روپے رہ جاتا ہے جو بہت معمولی سی رقم ہے۔ اس رقم کے مقابلے میں 280 کے قریب آپسی بچتوں اور قرضوں کی انجمنوں کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ جو تقریباً تمام کا تمام مدراس اور میسور میں ہی واقع تھیں، تقریباً 1,20,00,000 روپے سے زیادہ ہوتا تھا۔ اپریل 1896 اور مارچ 1901 کے درمیانی وقفے میں تمام بینک کار اور قرضہ دینے والی مجموعی کمپنیوں کے سرمایے میں 46,90,802 روپے کا اضافہ ہوا۔ اسی دوران ان کمپنیوں کی تعداد میں بھی 131 کا اضافہ ہوا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرمائے میں اضافہ بینکوں کی تعداد میں اضافے کی بجائے ان انجمنوں کے بڑھنے کی وجہ سے زیادہ ہوا۔ بینک کے کاروبار میں ترقی اتنی دھیمی کیوں تھی؟

مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے ہندوستان میں 1870 سے 1900 تک کے وقفے میں

---

[1] یہ بینک 1894 اور 1895 کے درمیانی عرصے میں درج کرائے گئے تھے۔ ان میں سے پنجاب نیشنل بینک 1900 تک بہت ہی اہم بینک ہو گیا۔

بینک کاروبار کی اٹھان کا اندازہ ہوتا ہے:

سال اور بینک	تعداد	سرمایہ اور ریزرو روپیہ	سرمایہ اور ریزرو پونڈ	جمع رقمیں روپے
1870ء				
پریسیڈنسی بینکس	3	3,61,00,000		639,00,000☆
ایکسچینج بینکس	3		61,00,000☆	52,00,000
ہندوستانی بینکس	2	11,00,000		13,00000☆
1880				
پریسیڈنسی بینکس	3	4,05,00,000		8,49,00,000☆
ایکسچینج بینکس	4		73,00,000☆	339,00,000☆
ہندوستانی مشترک سرمایہ بینکس	4	2,00,000		63,00000☆
1890				
پریسیڈنسی بینکس	3	447,00000		1476,00,000
ایکسچینج بینکس	5		69,00,000☆	753,00000
ہندوستانی جوائنٹ اسٹاک بینکس	5	5,00,000		2,70,00,000
1900				
پریسیڈنسی بینکس	3	559,00,000		1228,00000
ایکسچینج بینکس	8		157,00000	1050,00000
ہندوستانی جوائنٹ اسٹاک بینکس	9	127,00,000		8,03,00,000

[جن اعداد پر ☆ بنا ہوا ہے وہ برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، 1901، Part XII سے لیے گئے ہیں۔ دوسرے اعداد مرجن سے ماخوذ ہیں، صفحہ 7۔ پریسیڈنسی بینکوں میں جمع شدہ رقمیں صرف نجی کھاتوں کی ہیں اور ایکسچینج بینکوں کی رقمیں صرف ہندوستان میں جمع رقموں سے متعلق ہیں۔]

پریسیڈنسی بینک، نیم سرکاری ادارے تھے اور ایکسچینج بینک، جو ہندوستان کی بین الاقوامی تجارت میں اہم ترین حیثیت کے حامل تھے، دوسرے ملکوں کی ملکیت میں

تھے۔ ہندوستانی اجتماعی سرمایہ بینک، جو زیادہ تر ہندوستانیوں کی ملکیت میں ہی تھے، عام طور پر اپنے کاروبار کو ملک کے اندرونی بیوپار سے ہی متعلق رکھتے تھے۔ ان اداروں کی ترقی کے سلسلے میں اعداد و شمار حکومت کی طرف سے پہلی بار 1899 میں جمع کیے گئے تھے اس لیے یہ انہی بینکوں تک محدود ہیں جو اُس وقت حقیقت میں موجود تھے۔

اُن بینکوں کو شامل نہ کرنے سے جو باقی نہیں رہے تھے یا جو ہندوستان میں کاروبار بند کر چکے تھے لازمی طور پر سرمایے میں اضافہ نظر آنے لگتا ہے۔ اور 1900 میں جمع رقمیں اس سے پہلے سالوں کے مقابلے میں زیادہ محسوس ہونے لگتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی اِس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستانی اجتماعی سرمایہ بینکوں نے — جو آٹھویں دہائی میں تقریبًا موجود نہیں تھے۔ نویں دہائی میں تعداد اور وسعت کے اعتبار سے اور دسویں دہائی میں رقوں کی جمع کو حاصل کرنے میں خاصی اچھی ترقی کا مظاہرہ کیا۔ جمع رقموں میں اضافے پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے چونکہ دسویں دہائی میں اجتماعی سرمایہ بینکوں نے اپنے یہاں جمع رقموں میں 5,30,00,000 روپے کا اضافہ کیا تھا جب کہ ایکسچینج بینکوں میں یہ اضافہ 3,00,00,000 روپے کا ہی تھا۔ اور پریسیڈنسی بینکوں میں یہ اضافہ صرف 2,00,00,000 روپے ہی رہا تھا۔ پریسیڈنسی بینکوں میں جمع رقموں میں کمی کی وجہ غالبًا یہ تھی کہ 7-1896 سے ان بینکوں نے سیونگس کھاتے بند کر دیے تھے۔[1] دوسری طرف ہندوستانی اجتماعی سرمایہ بینکوں میں جمع رقموں میں اضافہ زر کی فراہمی میں اُن آسان حالات کا نتیجہ تھا، جو ہندوستان میں 1896 تک نظر آئے۔ لیکن یہاں کے علاوہ بھی اور حالات اس کے لیے مددگار ثابت ہوئے۔

یہ بینک دوسروں کے مقابلے میں اپنے یہاں جمع کرائی جانے والی رقموں پر زیادہ شرح سود دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اِن کے یہاں زیادہ تر جمع رقمیں میعادی جمع میں ہوتی تھیں، اور اس کے علاوہ ان علاقوں میں جہاں ان کے دفتر واقع تھے تجارت اور صنعتی پیداوار میں اضافے کے اثر سے بینک کاری کے سلسلے میں آسانیوں کی مانگ بھی زیادہ تھی۔ بانڈ اور حصوں کے اجرا میں زیادتی، اور ان کے لین دین کی مقدار میں اضافے کی وجہ سے قلیل مدتی مالیت کی

---

[1] برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، ملاحظہ ہو سیونگس بینک کے گوشوارے نمبر10 کا حاشیہ۔

فراہمی کی مانگ اور بھی زیادہ ہوگئی تھی جس کی وجہ سے بینکوں کو اپنی ضرورت سے زیادہ نقد رقموں کی سرمایہ کاری میں آسانی فراہم ہوگئی تھی[1]۔ ہندوستانی بینک کاری کے اچھے اور قابل طالب علموں نے بھی صدی کی آخری دو دہائیوں میں، ہندوستانی بینک کی ترقی کی وضاحت میں ان حقیقتوں اور پہلوؤں کو نظرانداز کیا ہے[2]۔ اسی طرح اس سے پہلے کے عرصے میں اس ترقی میں کمی کے لیے بھی کوئی اطمینان بخش وجوہات نہیں پیش کی گئیں۔ مثال کے طور پر جین نے ترقی کی سست رفتاری کے لیے شرح مبادلہ کی غیر مستقل کیفیت کو ذمے دار ٹھہرایا ہے۔ لیکن یہ بات دکھانے کی کوشش نہیں کی کہ حقیقت میں بینکوں کی ترقی پر یہ صورت حال کس طرح اثر انداز ہوتی تھی[3]۔ دوسری طرف مُرجَن نے اس خاص یا کم از کم ایک اہم سبب کو محض اس بنیاد پر مسترد کر دیا ہے کہ شرح مبادلہ میں مخالف تبدیلیوں کے سلسلے میں اپنائی جانے والی ترکیبوں اور تکنیکوں کی معلومات اُس دور میں بھی آج سے کچھ کم نہیں تھیں[4]۔ لیکن محسوس یہی ہوتا ہے کہ ان دونوں نے ہی حقیقی نکتے کو فراموش کیا ہے۔

شرح مبادلہ کی غیر استقلالی کیفیت صدی کی آخری تین دہائیوں میں یقیناً اہم رہنا عنصر تھی۔ جیسا کہ مسٹر جیو فرے ٹاسن نے صحیح اظہارِ خیال کیا ہے: "یہ پورا دور دہائیاتی اعتبار سے ایک اعصابی اختلال کا دور تھا[5]۔ شرح مبادلہ میں اتار چڑھاؤ سے جو نقصانات امکانی طور پر ہو سکتے تھے اُن کی تلافی تو بلاشبہ ممکن تھی، لیکن کسی غیر یقینی زمانے میں کسی بیوپار میں

---

[1] 'پریسیڈنسی بینک' اور 'اجتماعی سرمایہ بینک' کل جمع شدہ رقموں کا جتنا فی صدی حصہ نقد رقموں کی صورت میں مختلف سالوں میں اپنے پاس رکھتے تھے مندرجہ ذیل ہے 1870- 83 فی صدی؛ 1880- 74 فی صدی۔ 1890- 64 فی صدی، 1894- 29 فی صدی؛ [برطانوی ہندوستان کے بے شماریاتی گوشوارے، 1901 Part - XII]

[2] مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں مُرجَن یا ایل۔ سی۔ جین 'ہندوستان میں دیسی بینک کاری' [انڈی جینس بینکنگ ان انڈیا] مطبوعہ 1929۔

[3] ایل۔ سی۔ جین۔ ہندوستان میں دیسی بینک کاری۔ صفحات 91-149۔

[4] مُرجَن صفحات۔ 5-6۔

[5] مسٹر جیو فرے ٹاسن۔ بنگال کا ایوانِ تجارت اور صنعت۔ [دی بنگال چیمبر آف کامرس (مسلسل)

توسیع بالکل مختلف چیز ہے۔ اس کے علاوہ کسی جگہ ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا جس سے پتہ چلے کہ اس دور میں غیر ملکی تجارت کو بینک کاری کی آسانیوں میں کمی کی وجہ سے کسی قسم کی پریشانی یا رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس لیے اس حقیقت کی وجوہات کہ ہندوستانی بینک غیر ملکی تجارت کے لیے مالیت فراہم کرنے کے میدان میں کیوں داخل نہیں ہوئے شرح مبادلہ کی غیر مستقل کیفیات کی بجائے اس حقیقت میں تلاش کرنی ہوں گی کہ روئی کی مصنوعات کی درآمد و برآمد کو چھوڑ کر باقی تمام غیر ملکی تجارت بنیادی طور پر ان یوروپی افراد کے ہاتھوں میں تھی جو آسانی سے اس بات کے لیے رضامند نہیں کیے جاسکتے تھے کہ وہ کسٹم کی رقمیں اُن ہندوستانی بینکوں میں جمع کرائیں جن کو دوسرے ممالک میں کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ اس لیے ہندوستانی بینکوں کی نشوونما کے سلسلے میں غیر استقلالی کیفیت کے خلاف پیش بندیوں کے امکانات کا سوال اس مسئلے سے بالکل غیر متعلق ہے، چونکہ یہ بینک بنیادی طور پر صرف داخلی تجارت میں دلچسپی اور تعلق رکھتے تھے۔

ہاں جس چیز کو اہم سمجھا جاسکتا ہے وہ یہ کہ وہ جوکھم جو یہ بینک برداشت کررہے تھے وہ شرح مبادلہ کی غیر یقینی کیفیت سے صرف بالواسطہ طور پر متعلق تھا، یہ وہ جوکھم تھا جو ان بیوپاریوں کے دیوالیہ ہوجانے کے امکانات سے پیدا ہوتا تھا، جنھیں ان بینکوں کی طرف سے ادھار دیا گیا تھا۔ یہ خدشہ بہرحال بہت اہم تھا۔ کلکتے اور بمبئی میں ہندوستان کے درآمدی تاجروں میں سے بہت سے تاجر جائز قسم کی درآمدی تجارت کے دوران صرف شرح مبادلہ کی غیر استقلالی کیفیت کی ہی وجہ سے دیوالیہ نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں سے ایک بہت بڑی تعداد بڑے پیمانے پر اسپیکولیشن میں ملوث ہونے کی وجہ سے ناکام ہوئی تھی[1]۔ اس لیے اس دور میں جتنی احتیاط اور دیکھ بھال کے بعد ادھار دیا جاتا تھا، وہ کیفیتیں بینک جیسے اداروں کی نشوونما کے لیے کسی طرح بھی موافق نہیں ہوسکتیں۔

مرجن کے خیال کے مطابق "انیسویں صدی کے آخری نصف حصے میں معاشی حالات میں تقریباً مکمل ٹھہراؤ اور جمود کی کیفیات"[2] ہی حقیقت میں ہندوستان میں بینک کی سست رفتار ترقی کے

(مسلسل)
اینڈ انڈسٹری [1853 – 1953] ایک صدی کا مطالعہ [اے سنچری سروے]' مطبوعہ 1952۔ صفحہ 93۔

[1] ٹائمز آف انڈیا' 2 جنوری 1892 پہلا مضمون۔ [2] مرجن، صفحہ 6۔

بلے ذمے دار ٹھہرائی جاسکتی ہیں۔ اس نکتے کی وضاحت میں وہ آگے بیان کرتا ہے[1]:

"دیسی مصنوعات کی قیمتیں، جن سے شہر میں واقع بینک زیادہ تر اور براہ راست متعلق ہوتے تھے، وہ متواتر نیچی رہیں اور 1866 سے 1888 تک گرتی رہی ہیں، 1888 سے 1895 تک ان میں خاصی حد تک اٹھان نظر آئی۔ لیکن اس کے بعد 1899 تک ایک بار پھر بہت سختی سے نیچے آ گئیں۔ یہ حالات، ظاہر ہے۔ ہندوستان جیسے پچھڑے ملک میں جمع میں اضافے اور بینک کاری میں ترقی کے لیے کسی طرح بھی مددگار ثابت نہیں ہو سکتے تھے۔"

یہ دلیل کچھ عجیب سی لگتی ہے۔ کیونکہ معاشی حالات خاص طور پر شہروں میں اس دور میں ٹھہرے ہوئے نہیں تھے۔ حقیقت میں روئی ملوں، پٹ سن ملوں، چائے کمپنیوں اور دوسرے میدانوں میں متعدد مختلف کمپنیوں کی ترقی اس دور میں کافی ممتاز رہی ہے اس کے علاوہ مذکورہ بیس سال کے عرصے میں خود دیسی مصنوعات کی نیچی اور گرتی ہوئی قیمتوں کا بینک کی جمع رقموں سے کوئی رشتہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔ جو چیز اس سلسلے میں حقیقی اہمیت کی حامل ہے وہ صنعتی حالات ہیں جن کا انحصار منافع کی شرح پر ہوتا ہے اور منافع کی شرح خود پیداواری لاگت اور قیمت فروخت کے درمیانی فرق پر مبنی ہوتی ہے۔ اور یہ بات بھی ماننی پڑے گی کہ زیر بحث دور میں پیداواری لاگت قیمت فروخت کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے گری تھی، ورنہ اس دور میں صنعتوں کی ترقی کے سلسلے میں کوئی توجیہہ نہیں پیش کی جاسکتی۔

پھر ایک یہ بات بھی ہے کہ بینکوں کی جمع کھاتوں کو دیکھنے سے احساس ہوتا ہے کہ ہندوستانی بینکوں کے سامنے مسئلہ جمع حاصل کرنے کا نہیں تھا بلکہ حقیقی مسئلہ یہ تھا کہ ان جمع رقموں کی سرمایہ کاری کس طرح کی جائے۔ چنانچہ 1870 میں ان بینکوں کے پاس جمع کی ہوئی رقموں کا 83 فی صدی سے بھی زیادہ حصہ نقد کی صورت میں موجود تھا[3]۔ 1899 میں نقد کی یہ فی صدی شرح 29 فی صدی سے کچھ زیادہ گر گئی تھی[5]۔ 1899 میں ہی ایکسچینج بینکوں کے پاس نقد سرمایہ 1709 فی صدی تھا[4]۔

1۔ مرچن صفحہ 7-6

2۔ ملاحظہ ہو صفحہ 347۔

3۔ ایضاً

4۔ برطانوی ہندوستان کے بیے شماریاتی گوشوارے، 1901، Part XIII گوشوارہ نمبر 5۔

جس سے صرف یہی بات ثابت نہیں ہو جاتی کہ اتنا زیادہ نقد سرمایہ، جتنا ہندوستانی بینکوں کے پاس محفوظ تھا، وہ بالکل غیر ضروری تھا، بلکہ یہ بھی اظہار ہوتا ہے کہ ایکسچینج بینک اپنے سرمائے کو بہتر طور پر استعمال کر رہے تھے۔ اس خیال کی تصدیق اس دور کے اخبارات سے بھی ہو جاتی ہے[1]۔

یہ سوال اب بھی باقی رہ جاتا ہے کہ بینکوں نے ہندوستان کے اندرونی حصوں کی طرف بڑھنا کیوں نہیں شروع کیا۔ ان مقامات پر خالص بیوپاری بینک کاری کی ترقی کے لیے، جس میں تجارت شامل نہ ہو اور جو برطانوی انداز پر چلیں، کچھ ایسی رقموں کے لیے مانگ کا مرکوز ہونا ضروری تھا جس کے سلسلے کے جوکھم کسی بینک کے لیے بھی قابل قبول ہوں۔ کوئی ایسی علامات نظر نہیں آتیں جن سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ ایسی مانگ موجود تھی۔ بینک کا کاروبار یقیناً بہت فائدہ بخش تھا، اس کا اظہار دیسی بینک کاروں اور مہاجنوں کی انکم ٹیکس کی ادائیگیوں سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ جس وقت پورے اجتماعی سیکٹر کی انکم ٹیکس کی ادائیگیاں دو سالوں 6-1895 اور 1900-1899 میں بالترتیب 11,44,670 اور 13,25,586 روپے تھیں، غیر اجتماعی سیکٹر کے صرف بینک کاروں اور روپیہ ادھار دینے والوں کی یہی رقمیں بالترتیب 35,94,570 اور 38,21,430 روپے تھیں[2]۔ اس کتاب کے مضمون کا احاطہ اس موضوع پر اس سے زیادہ تفصیل بیان کی اجازت نہیں دیتا، لیکن امید کی جاتی ہے کہ جتنا مختصر تجزیہ اس سلسلے میں پیش کیا گیا ہے وہ ہندوستان میں بینکوں کی ترقی کے سلسلے میں ذہنوں پر جو ایک جالا سا تنا ہوا ہے اُسے چھانٹنے میں ضرور مددگار ثابت ہوگا۔

بیمہ کاروبار

بینکوں کی طرح، حکومت کی طرف سے جاری کردہ، بیمہ کمپنیوں کے اعداد و شمار بھی کچھ کم بے ترتیب نہیں۔ یہ بے ترتیبی اس وجہ سے ہے کہ ان اعداد و شمار میں سیکڑوں چھوٹی چھوٹی اور چند روزہ زندگی والی کمپنیاں بھی شامل ہیں۔ جو ایک زمانے میں "تخمینہ بیمے" Insurance کے اصول پر قائم ہوئی تھیں[3]۔ گزشتہ صدی کے آخری حصے میں جدید

---

[1] ٹائمس آف انڈیا، 2 جنوری 1892

[2] برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، 1901 صفحات 9-142

[3] ملاحظہ ہو دسواں باب۔

اندازپرکاروبار کرنے والی بیمہ کمپنیاں شاذونادر ہی کہیں دیکھنے میں آتی تھیں۔ ہندوستانی بیمہ بیوپار کے لیے صرف ایک سنہری وقت آیا، جب بمبئی کی روئی کی گرم بازاری کے دور میں بہت سی کمپنیاں قائم ہوئیں، لیکن یہ کمپنیاں گرم بازاری کے خاتمے کے ساتھ ہی خود بھی بیٹھ گئیں[1]۔ آخر مارچ 1896 تک، جس وقت کی آخری تفصیلات موجود تھیں، ہندوستان میں درج 183 کمپنیاں تھیں اور ان کا کل ادا شدہ سرمایہ 8,99,010 ہوتا تھا[2]۔ کافی چھان بین کے بعد اس بات کا اندازہ لگایا جا سکا کہ اگلے صفحہ پر دیے گئے گوشوارے میں درج شدہ کمپنیاں ہی صرف ایسی تھیں جنھیں صحیح معنوں میں بیمہ کمپنیوں کی مد میں شامل کیا جا سکتا تھا۔

کمپنی کا نام	کاروبار	تعداد	سرمایہ ادا شدہ (روپے)	مقام اور سال (ابتدا)
ٹریٹن انشورنس کمپنی	بحری	1	4,50,000	بنگال 1850 (الف)
انڈین گارنٹی اینڈ شیورٹی شپ ایسوسی ایشن	ضمانت گارنٹی	1	50,000	بمبئی 1872
اوریئنٹ گورنمنٹ سیکیورٹی لائف ایسوسی ایشن	زندگی بیمہ	1	1,50,00[illegible]	بمبئی 1874
انڈین لائف ایسوسی ایشن کمپنی	زندگی بیمہ	1	60140	بمبئی 1892
	زندگی بیمہ	3	1,01,100 / 8,11,240	میسور

[(الف) 'ٹریٹن کمپنی' کا نام آخر مارچ 1882 تک ہندوستان کی کمپنیوں کی فہرست میں نظر نہیں آتا۔ لیکن آر۔ پی۔ ایف۔ اسمال ووڈ کے مضمون "مشرق بعید میں بیمہ بازاروں کی ساخت اور اس کی صورت [دی نیچر اینڈ اسٹرکچر آف انشورنس مارکٹس ان دی فار ایسٹ] جرنل آف دی چارٹرڈ

---

[1] 1863 اور 1876 کے درمیان 33 بیمہ کمپنیاں صرف بمبئی میں درج کرائی گئیں۔ ان میں سے زیادہ تر ایسی گرم بازاری کے دوران قائم ہوئی تھیں۔ برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے۔ 1877

[2] ایضاً، 1897

انشورنس انسٹی ٹیوٹ، جلد 59، صفحہ 84) میں یہ ذکر ملتا ہے کہ 1850 میں اس کمپنی
کی ابتدا ہو چکی تھی۔ یہ کمپنی اب بھی کاروبار میں مصروف ہے۔ نیز ملاحظہ ہو "ہندوستان
اور پاکستان میں آگ بیمے کا کاروبار" [ٹرانسیکٹنگ فائر بزنس ان انڈیا اینڈ
پاکستان] (جرنل آف دی چارٹرڈ انشورنس انسٹی ٹیوٹ، جلد 46، 8-1857)
اس کے بعد 1896 میں ایک اور کمپنی درج کرائی گئی تھی اس کا نام 'تجارت
انشورنس کمپنی لمیٹڈ' تھا۔ جو اب بھی کاروبار میں مصروف ہے، اسمال ووڈ
(سابقہ حوالہ)]

ان تفصیلات سے ہندوستان میں بیمے کے کاروبار کا پوری طرح اظہار ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں بیمہ کاروبار میں رکاوٹ کے سلسلے میں تین وجوہات اہم تھیں۔ یہ وجوہات تھیں۔ (الف) ہندوستانی سرمایہ کاروں میں جدید انداز پر بیمہ کاروبار کے اصولوں کی معلومات کا فقدان، (ب) عوام کی غربت، جس کے ساتھ مشترک خاندانوں سے حاصل ہونے والا وہ تحفظ اور ضمانت اور شامل ہو گئی تھی جو بیمہ فراہم کر سکتا ہے، (ج) دوسرے ممالک سے بہت سی اور ہر قسم کی بیمہ کمپنیوں کا ہندوستان "پر حملہ" جو یوروپی ایجنسی ہاؤسوں کے توسط سے بیوپار کی تلاش کر رہی تھیں۔ غیر ملکی کمپنیوں کی طرف سے کیا جانے والا کاروبار عام طور پر بحری اور آگ بیمے سے تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ صدی کی آخری تین دہائیوں میں ایسے بیوپار میں بہت اضافہ نظر آتا ہے۔ انتہائی منافع بخش بیمہ کاروبار کی غیر ملکی تجارت کے ساتھ پوری طرح وابستگی اور اس کے یوروپی ایجنسی ہاؤسوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہو جانے سے ان ایجنسی ہاؤسوں کے لیے وہ ترغیب ختم ہو گئی جو یہ اس کاروبار کی آزادانہ نشوونما کے سلسلے میں حاصل کر سکتے تھے، یہ اثرات 1880 کی دہائی میں کافی مضبوط نظر آنے بھی شروع ہو گئے تھے۔[1]

متفرق

گزشتہ چند صفحات میں جن کمپنیوں کا ذکر کیا گیا، ان کے علاوہ آخر مارچ 1801 میں

---

[1] گزشتہ صفحے پر نمبر 1 کے حاشیے میں جن 33 کمپنیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے 29 کمپنیاں بحری بیمے سے تعلق رکھتی تھیں۔

516 دوسری کمپنیاں اور بھی موجود تھیں۔ ان کمپنیوں کی صنعتی اعتبار سے تقسیم مندرجہ ذیل ہے۔

صنعتیں	تعداد	اداشدہ سرمایہ
جہاز رانی	9	26,26,102
امداد باہمی ایسوسی ایشن	28	6,32,938
جہاز رانی، بندرگاہوں کے کام اور گودام وغیرہ	5	15,04,100
چھپائی، اشاعت اور اسٹیشنری	30	5,15,372
متفرق تجارت	190	3,27,11,225
روئی، سن کی بنائی اور گانٹھیں بنانا	116	1,64,65,374
کاغذ مل	7	52,49,620
چاول مل	3	1,23,766
آٹا مل	20	39,49738
آرا مل اور عمارتی لکڑی کے مل	3	4,05,000
متفرق مل اور شکنجے (پریس)	19	5,79,017
کافی اور سنکونا	4	1,57,570
متفرق باغات (پلانٹنگ)	12	12,12,472
سونا کان کنی	9	21,27,699
متفرق کان کنی	15	16,16,682
زمین اور تعمیرات	5	65,59,100
شراب کے کارخانے	4	17,00,000
برف کے کارخانے	10	15,97,537
شکر کے کارخانے	10	36, 66651
دیگر	17	43,09,965
	516	8,68,29,928

جہاں تک صرف تعداد کا سوال ہے یہ کمپنیاں اس دور میں درج ہونے والی کل کمپنیوں کا 7•73 فی صدی تھیں لیکن ادا شدہ سرمائے کی حیثیت سے ان کا حصہ صرف 23•4 فی صدی ہی تھا۔ مندرجہ بالا تمام قسم کی کمپنیوں پر علاحدہ علاحدہ تفصیل سے لکھنا ممکن نہیں ہے۔ بہر حال ان میں سے کچھ پر مختصر اشارات ان کی ترقی کے ادوار رجحانات کو سمجھنے میں ضرور مددگار ثابت ہوں گے جو ضمیمہ نمبر 12 میں پیش کیے گئے ہیں۔

امداد باہمی ایسوسی ایشن

موجودہ صدی کے آخری حصے تک بھی ان ایسوسی ایشنوں کے درج کرانے کے سلسلے میں کسی قسم کا کوئی قانون موجود نہیں تھا۔ اس لیے مجبوراً انھیں بھی کمپنی ایکٹ کے تحت ہی رجسٹر کرایا جاتا تھا۔

متفرق تجارتی کمپنیاں

گزشتہ گوشوارے میں کمپنیوں کا یہ سب سے بڑا واحد زمرہ ہے۔ ان کمپنیوں میں لگائے گئے سرمائے میں سے ایک خاصی بڑی رقم بمبئی اور کلکتے میں خوردہ بیوپار کرنے والی دکانوں میں لگائی گئی تھی[1]

متفرق کان کن کمپنیاں

ان میں سے زیادہ تر کمپنیاں بنگال میں زمین سے پتھر نکالنے کے بیوپار میں مصروف تھیں۔

شکر سازی کی کمپنیاں

گزشتہ صدی کے آخری حصے میں شکر سازی کی صنعت میں بہت تیز توسیع کے آثار نظر آرہے تھے۔ ابتدا سے ہی اس صنعت کی توسیع کا مسئلہ ٹیرف کے سوال سے وابستہ تھا۔ دسویں

---

[1] ملاحظہ ہو برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے 1907 میں تفصیلاتی یادداشت۔

دبائی کے دوران ملک میں یورپی ممالک سے ایسی شکر کی درآمد ایک دم بڑھ گئی جس کو خود حکومت مدد پہنچاتی تھی۔ اس عمل کے خلاف ملک میں کافی احتجاج بھی نظر آیا، چنانچہ حکومت کو اس کے نعم البدل کے طور پر کچھ درآمد محصول عائد کرنے پڑے جن کی وجہ سے اس صنعت کو تیزی سے ابھرنے کا موقع مل گیا۔

نتائج

اس باب کی ابتدا میں ایک جگہ یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ "کیا ہندوستان میں اجتماعی سیکٹر کی مزید ترقی و توسیع کی گنجائش تھی؟" گزشتہ چند صفحات میں اس سوال کا جواب کسی حد تک دیا بھی گیا ہے۔ سرمایہ داران صنعتوں میں سرمایہ لگانے کے لیے تیار تھے جو پوری طرح جم چکی تھیں مثال کے طور پر پٹ سن، چائے اور سوتی کپڑا۔ لیکن ان چیزوں کی پیداوار کو ان کی مانگوں کے محدود ہو جانے کی وجہ سے اور زیادہ نہیں بڑھایا جا سکتا تھا۔ ہندوستانی سرمایہ کاریت اور اس کی ساخت کی خود اپنی خصوصیات بھی ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف سرمائے کی نقل و حرکت میں کچھ مزید رکاوٹیں پیدا کرتی تھیں۔ شرح مبادلہ میں گراوٹ کے اثر سے جو غیر استقلالی کیفیات پیدا ہو گئی تھیں ان سے پٹ سن، چائے، ریلوے اور کوئلے کو چھوڑ کر باقی تمام صنعتوں کی طرف غیر ملکی سرمائے کے بہاؤ اور صنعتی ترقی کے سلسلے میں حکومت کی پالیسیوں پر بھی خراب اثرات مرتب ہوئے۔

اگر کرنسی کی قدر میں طویل وقفوں کے بعد گراوٹ پیدا ہو تو اس سے غیر ملکی سرمایہ کاری کی راہ میں کوئی گراوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ ایک ایسی کرنسی جس کی قیمت کسی نقطے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بالکل جمی نہ ہو اگر اس کی قیمت میں خاصی حد تک بھی استقلال موجود ہو، تو یہ کیفیت بھی غیر ملکی سرمایہ کاری کے لیے کوئی خاص رکاوٹ پیدا نہیں کرتی۔ لیکن اگر کسی کرنسی کی قدر میں بہت کچھ غیر استقلالی عنصر شامل ہو تو ایسی صورت میں کوئی بھی غیر ملکی سرمایہ کار سرمایہ لگانے کے لیے ایک سے زیادہ بار سوچنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس کی پریشانی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ اگر کبھی مستقبل میں اسے اپنے سرمائے کو واپس اپنے ملک لے جانا پڑے تو ایسی صورت میں اپنے سرمائے پر کٹوتی کا تخمینہ وہ پہلے سے لگانے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اسے اس قابل بھی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے منافعوں کی منتقلی کی صورت میں نقصانات کا کسی قدر اندازہ لگا سکے۔

اگر وہ یہ سوچتا ہے کہ اس کی سرمایہ کاری سے جو آمدنی ہوگی وہ کرنسی میں گراوٹ کے اثر کو پورا کرنے سے کچھ زیادہ ہوگی تو ایسی صورت میں اُس سے سرمایہ کاری کی توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن زیر مطالعہ عرصے میں کرنسی میں گراوٹ بالکل غیر یقینی سی ہو گئی تھی، اس لیے اس قسم کے تخمینے لگا لینا ممکن نہیں تھا۔ ایسے حالات میں ہندوستان میں سرمایہ کاری کے جوکھم کو برداشت کرنے کے لیے منافعوں کی شرحوں کو بہت اونچا ہونا ضروری تھا۔

چائے اور پٹ سن کی صنعتوں کے سلسلے میں جن میں پونڈ میں سرمایہ کاری بہت اہم حیثیت کی حامل تھی۔ صورت حال کسی قدر مختلف تھی، چونکہ روپے کی قدر میں واضح گراوٹ آنے سے پہلے یہ صنعتیں کافی حد تک جم چکی تھیں اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ ان صنعتوں کی آمدنی زیادہ تر ہندوستان سے باہر ہی ہوتی تھی۔ دوسری طرف اگر دوسرے میدانوں میں سرمایہ لگایا جاتا تو اُس سے آمدنی زیادہ تر ہندوستان میں ہی ہوتی۔ پھر اس کے علاوہ انگلینڈ میں قائم کی جانے والی کمپنیوں کا مینجمنٹ لازمی طور پر مینیجنگ ایجنسی ہاؤسوں کے ذریعے ہی ہو سکتا تھا جن کے اخراجات بہت اونچے تھے۔ اس کے علاوہ ہندوستانی صنعتی ترقی کے پورے مسئلے پر حکومت کی بالواسطہ یا بلاواسطہ گرفت بھی غیر ملکی سرمایہ کاروں کو ہندوستان میں سرمایہ کاری سے منافع کی توقعات کے سلسلے میں، بہت چوکنا اور محتاط ہونے پر مجبور کرتی تھی۔ لوہے اور اسٹیل کی صنعت کی نشوونما کے سلسلے میں اس کی ڈانواڈول پالیسی اس کے لیے ایک اچھی مثال ہے۔ حکومت اس پیداوار کے لیے ایک واحد اہم ترین خریدار تھی لیکن ہندوستان کے لیے سکریٹری آف اسٹیٹ کی "خریدارانہ عادتوں" میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی اور صدی کے آخر تک یہ لگ بھگ تمام ضروری ذخیرے انگلینڈ میں ہی خریدنے میں مصروف تھے۔

کوئلہ کان کنی جیسی صنعتوں میں سرمایہ کاری کے سلسلے میں سب سے پہلی رکاوٹ اس کی مانگ تھی، جس کا انحصار بنیادی صنعتوں۔ جیسے لوہا اور اسٹیل۔ کی ترقی پر تھا، اور دوسری وجہ ذرائع آمد و رفت کی آسانیوں میں کمی تھی جس کا اظہار جھریا کوئلہ کانوں کی ترقی میں تاخیر اور مغربی ساحل پر واقع صنعتوں کے لیے غیر ملکی کوئلے کی درآمد سے بخوبی ہوتا ہے۔ سماجی اداروں پر حکومت کے مصارف، اور دوسری چیزوں کے ساتھ، اس بات سے ملحق تھے کہ حکومت کس حد تک محاصل وصول کر سکتی ہے۔ ہر سال حکومت ہند کو "گھریلو اخراجات" پونڈ کے قرضوں پر سود کی ادائیگی اور ریلوے کی ضمانت کو پورا کرنے کے لیے ایک بہت بڑی رقم

انگلینڈ بھیجا ہوتی تھی۔ صدی کی آخری تین دہائیوں میں روپے کی قدر میں گراوٹ نے نہ صرف موجودہ بوجھ میں اضافہ کیا بلکہ چونکہ برطانوی سرمایہ کار حکومت کے روپے کے قرضوں میں ذرا بھی دلچسپی لینے کو تیار نہیں تھے، اور اس میں حق بجانب بھی تھے، اس لیے حکومت کے پاس اس کے علاوہ اور چارہ کار موجود نہیں تھا کہ وہ اپنی پونڈ کی ذمے داریوں کو بڑھاتی رہے۔

سرحدی جنگوں اور قدرتی اقدامات نے غیر پیداواری قرضوں میں مزید اضافہ کیا۔ ان تمام حالات کے نتائج صرف سماجی اداروں کی تعمیر کو ہی برداشت کرنے نہیں پڑے (چونکہ حکومت کے پاس ان منصوبوں کو پورا کرنے کے لیے مالیت موجود نہیں تھی) بلکہ نئے نئے ٹیکس بھی عائد ہوئے اور تجارت، صنعت اور آمدنیوں پر پرانے محصولوں میں اضافہ بھی کرنا پڑا تاکہ ان اخراجات کو پورا کیا جا سکے۔ ایک عرصے سے ہندوستانی مورخوں کے لیے یہ نقطہ مستقل طور پر تلخی پیدا کرتا رہا ہے اور اس سلسلے میں پیش کی جانے والی دلیلیں اتنی جانی پہچانی ہیں کہ ان کو دہرانا ضروری نہیں ہے۔

بڑی تعداد میں تخمینہ بیمہ کمپنیوں، آپسی قرضہ سوسائٹیوں اور بنگال میں سونے کی کان کنی کا جنون جن کا اس باب میں ذکر کیا جا چکا ہے، ان موضوعات پر آئندہ بابوں میں بحث کی گئی ہے۔

دسواں باب

بچت، بیمہ اور سونا کان کنی کمپنیاں

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے[1]۔ پچھلی صدی کی نویں اور دسویں دہائی کے دوران ہندوستان کے مختلف حصوں میں بہت سی آپسی بچت اور قرض کمپنیاں، تخمینہ بیمہ کمپنیاں، اور سونا کان کنی کمپنیاں قائم ہوئیں۔ مجموعی طور پر یہ کمپنیاں، 1851 سے 1901 کے درمیان کل درج شدہ کمپنیوں کے تقریباً پانچ حصے، اور کل ختم شدہ کمپنیوں کا 44 فی صدی تھیں۔ ان میں بھی آپسی بچت اور قرض کمپنیاں سب سے زیادہ تعداد میں تھیں۔

آپسی بچت اور قرض کمپنیاں

دفتری ریکارڈ کے مطابق 1851 کے بعد سے پچاس سال کے وقفے میں کل 1126 کمپنیاں 'بینک کاری اور قرض دینے والی کمپنیوں' کے عنوان سے قائم ہوئیں۔ ان میں سے 1025 کمپنیاں صرف آپسی بچت کمپنیاں یا قرض دینے والی سوسائٹیاں تھیں جن کو ہندوستانی زبان میں 'ندھی' کہا جاتا تھا۔

1850 میں ایک 'صدر کورٹ فنڈ' قائم کیا گیا جس سے مدراس کے افسر ضرورت کے وقت مناسب شرح سود پر قرض حاصل کر سکتے تھے۔ اس کی مدد سے انھیں جان لیوا سود سے محفوظ رکھا جا سکتا تھا[2]۔ اس فنڈ کو انگلش بلڈنگ سوسائٹی کے ڈھانچے پر تشکیل دیا گیا تھا،

---

[1] ملاحظہ ہوں صفحات 5-342

[2] مدراس کی صوبائی بینک کاری معلوماتی کمیٹی رپورٹ [رپورٹ آف دی مدراس پروانشیل بینکنگ انکوائری کمیٹی] جلد I، 193، صفحہ 33، پیرا 72۔

لیکن اس عمل کے لیے کوئی مخصوص وجہ بھی نہیں بیان کی گئی تھی۔ شروع میں یہ فنڈ صرف چھ مہینے کی مقررہ مدت کے لیے قائم کیا گیا تھا، جس کے آخر میں ایک روپیہ ماہانہ چندے کے بدلے میں انھیں 20½ روپے کی شرح پر ان کی رقمیں واپس لوٹا دی جاتی تھیں۔ اس فنڈ سے 6½ فی صدی سالانہ کے سود پر روپیہ قرض دیا جاتا تھا لیکن مدت گزرنے کے بعد اگر رقم نہ لوٹائی جاتی تو قرض داروں سے جرمانہ بھی وصول کیا جاتا۔ بعد میں اس کی شاخیں بھی کھلیں اور اس فنڈ کو منتقل کر دیا گیا۔[1]

یہ طریقہ بہت تیزی سے پھیل گیا اور جلد ہی بہت سے ایسے فنڈ شروع ہوئے۔ کچھ فنڈوں میں جمع شدہ رقم کو مقررہ اوقات پر 'ڈچ نیلام' کے طریقے پر نیلام کر دیا جاتا، جس میں یہ اس ممبر کو دے دی جاتی جو اس کے لیے سب سے زیادہ کٹوتی دینے پر تیار ہوتا۔ بعض دوسرے فنڈ کچھ مقررہ مگر نسبتاً اونچی شرح پر سود لیتے جو 10 اور 15 فی صدی کے درمیان ہوتی۔ 1872 میں مدراس ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا کہ اس قسم کی سوسائٹیوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے چونکہ یہ کمپنی ایکٹ کے تحت درج نہیں کرائی گئیں، اور اس لیے یہ کوئی مالی مقدمہ چلانے کی بھی حق دار نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے قرضداروں نے ادھار چکانے سے انکار کر دیا اور بہت سی سوسائٹیاں بیٹھ گئیں۔ ان کے نقصانات کا اندازہ تقریباً 2000,000 روپے لگایا گیا تھا۔[2] اس کے اثر سے ان سوسائٹیوں کو اندراج کرانے پر مجبور ہونا پڑا۔ چنانچہ صرف مدراس میں ہی 1869 اور 1870 میں ایک، 1871 میں صفر کے مقابلے میں 1872 میں کل تیرہ سوسائٹیاں درج کرائی گئیں۔ مارچ 1901 کے آخر تک مدراس میں ایسی درج شدہ سوسائٹیوں کی تعداد 741 تک پہنچ چکی تھی۔ ایسی ہی سوسائٹیاں مدراس کی پڑوسی ریاست میسور میں بھی مقبول ہوئیں اور یہاں بھی 191 اندراجات عمل میں آئے۔ 53 کمپنیاں بنگال کے مشرقی ضلعوں میں قائم ہوئیں۔ ہندوستان کی کل 1025 کمپنیوں میں سے باقی چالیس کمپنیاں پنجاب، شمال مغربی صوبے اور بمبئی میں واقع تھیں۔

آخر مارچ 1901 تک کل 605 کمپنیاں ختم کی گئیں۔ ان ختم ہونے والی کمپنیوں میں

---

1. مدراس کی صوبائی بینکنگ انکوائری کمیٹی کی رپورٹ، جلد I، 1930، صفحہ 72
2. ایضاً۔

زیادہ تر دھوکے باز قسم کی کمپنیاں تھیں جو ان کے اجرا کرنے والوں نے محض ذاتی منافع حاصل کرنے کی غرض سے شروع کی تھیں، اور اسی لیے یہ کمپنیاں ایک بہت چھوٹی مگر ہلچل سے پر زندگی گزار کر جلد ہی غائب بھی ہو گئیں۔ کچھ اور کمپنیاں ایسی بھی ختم ہوئیں جو صرف چند سالوں کی مقررہ مدت کے لیے قائم کی گئی تھیں۔ لیکن 1872 میں بھی کچھ کمپنیاں مقررہ مدت کے بجائے مستقل بنیادوں پر بھی قائم کی جا رہی تھیں[1]۔ مستقل قسم کی کمپنیوں کے قیام کے سلسلے میں رجحانات کو ہائی کورٹ کے ایک فیصلے سے اور بھی ترغیب ملی جس کی رو سے وہ تمام ممبر جنھوں نے اپنے مقررہ چندے کی رقم ادا کر دی تھی، اور پھر اسے واپس حاصل کر لینے کے بعد 'ندھی' کو چھوڑ بھی چکے تھے۔ انھیں 'ندھی' کے تمام قرضوں کے لیے اب بھی ذمے دار مانا گیا تھا چونکہ اس طرح رقم واپس لے لینے کو، عدالت کی منظوری حاصل کیے بغیر حصوں سے حاصل شدہ سرمائے میں تخفیف مانا گیا تھا[2]۔ گزشتہ صدی میں قائم ہونے والی ان سوسائٹیوں میں بہت سی سوسائٹیاں بہت کامیاب ہوئیں اور ان میں سے بہت سی آج بھی پھل پھول رہی ہیں۔ مندرجۂ ذیل گوشوارہ نمبر 18 میں ان کے وسیلے مالیاتی ذرائع کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کافی بڑی رقمیں محفوظ سرمائے کے طور پر بھی جمع کر لی تھیں، اور بینکوں کی طرح یہ بھی لوگوں کی رقمیں جمع کر لیتی تھیں اور اپنی شاخیں بھی کھولتی تھیں۔

گوشوارہ نمبر 18

جنوری 1869 سے مارچ 1882 تک قائم ہونے والی بچت اور قرض کمپنیوں کی بہتاتی تقسیم

علاقہ	ادا شدہ سرمائے کی رقمیں (000 روپے میں)			کل
	10 سے 50	50+1 سے 100	100+1 سے زیادہ	
مدراس	59	16	19	94
میسور	36	2	4	42
بنگال	8	2	—	10
	103	20	23	146

[1] ملاحظہ ہوں برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، 1883 - اس کا اندازہ کمپنیوں کے نام کے ساتھ 'مستقل' کے لفظ سے لگایا جا سکتا ہے۔

[2] مدراس کی صوبائی بینک کاری معلوماتی کمیٹی کی رپورٹ، صفحہ - 196۔

[(الف) اس عرصے میں درج ہونے والی 236 کمپنیوں میں سے] 'ندھیوں' کو بعض موقعوں پر جنوبی ہند کے ایک اور ایسے ہی ادارے — چٹ فنڈ سے بھی خلط ملط کیا گیا ہے، جو یہاں کا ایک بہت پرانا ادارہ ہے۔ حالانکہ 'چٹ فنڈ' 'ندھی' سے کافی مختلف ادارہ یا طریقہ ہے لیکن بہت سی صورتوں میں ان کے فرق کا امتیاز بھی آسان نہیں ہے۔ 'چٹ فنڈ' کمپنیوں کی ایک ہندوستانی جج نے، نویں دہائی میں مندرجہ ذیل الفاظ میں تعریف بیان کی تھی[1]

"اس مدراس پریسیڈنسی میں، اور خاص طور پر پریسیڈنسی شہر میں بہت سی کمپنیاں 'چٹ فنڈ' کے نام سے قائم ہوئی ہیں۔ (کم و بیش) پچیس آدمی ایک ساتھ مل جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک، ایک متعینہ رقم جمع کرنے پر متفق ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک روپیہ مہینہ کے حساب سے کل پچیس روپے اپنی اپنی باری پر، جو ہر صورت میں قرعہ اندازی سے طے ہوتی ہے، ہر وہ ممبر جو رقم جمع کراتا ہے اس شرط پر مہینے کی تمام جمع یعنی پچیس روپے لے لیتا ہے کہ وہ متعینہ مدت کے آخر (یعنی پچیس مہینے) تک اپنے حصے کا ایک روپیہ جمع کراتا رہے گا۔ ان میں سے ایک ممبر اس کا ایجنٹ مقرر کر دیا جاتا ہے جو ہر مہینے یہ رقم جمع کر لیتا ہے اور اس مہینے انعام پانے والے ممبر کو دے دیتا ہے۔ انعام حاصل کرنے والا ممبر ایجنٹ کے حق میں، یا خود کمپنی کے حق میں ایک 'پرامسری نوٹ' دے دیتا ہے جو اس رقم کی ادائیگی کے لیے ہوتا ہے جو اب تک اس کی ادا کردہ رقم اور فنڈ کے خاتمے تک واجب الادا رقم کے فرق کے برابر ہوتی ہے۔"

حقیقت میں یہ کمپنیاں مختلف انداز پر چلتی تھیں، جنھیں ہمیشہ جائز اور صحیح طریقہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا[2]۔ اور قانونی مشکلات[3] اور بدعنوانیوں کے باوجود یہ بڑی تعداد میں قائم بھی ہوتی رہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو پی۔ سری نواسا راؤ، مدراس میں چھوٹے مقدمات کی عدالت کے جج کا ایک میمورنڈم۔ 'جوڈیشیل اینڈ پبلک ڈیپارٹمنٹ رجسٹر' 1888ء ڈیپارٹمنٹ نمبر 125

[2] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو 'مدراس کی صوبائی بینک کاری'۔۔۔۔ صفحات 35-226

[3] 1863 تک یہ بات پوری طرح صاف نہیں تھی کہ آیا 'چٹ فنڈ' لاٹری کی ایک قسم تھی، جو سٹیٹ
(مسلسل)

'چٹ فنڈ' اور 'ندھیاں' دونوں کو ہی اس مقصد کے تحت قائم کیا گیا تھا کہ ان کے ذریعے غریب لوگ پابندی کے ساتھ کچھ معمولی رقمیں جمع کر سکیں، جنھیں زمین یا زیورات کی خرید یا شادی بیاہ جیسی تقریبات کے موقعے پر یا بڑے اخراجات یا ایسے ہی موقعوں پر لیے گئے قرضوں کی ادائگی کے سلسلے میں استعمال کر سکیں۔ دوسرے لفظوں میں 'چٹ فنڈ' کا طریقہ بنیادی طور پر ایسے لوگوں کے لیے اپنایا گیا تھا جو ذرائع آمد و رفت اور قرض دینے والے دوسرے اداروں کی نشو و نما سے پہلے ایک ہی گاؤں میں ساتھ ساتھ رہتے تھے، اور اسی لیے ان اداروں کا یہی کردار اب تک بھی باقی ہے۔ اس کے مقابلے میں 'ندھیاں' صرف شہروں میں قائم ہوتی ہیں اور کچھ عرصے سے یہ کافی حد تک بینکوں کے انداز پر کام کرنے لگی ہیں۔ ان میں اور بینکوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ان میں 'جاری کھاتہ' (کرنٹ اکاؤنٹ) نہیں کھولا جاتا۔ 'چٹ فنڈ' صرف ایک ایسی ایسوسی ایشن رہے ہیں جن میں صرف ان کے ممبر ہی رقمیں دیتے ہیں اور پھر خود کو ہی ادھار دے دیتے ہیں، حالانکہ کبھی کبھی زائد رقوں سے عارضی طور پر سرمایہ کاری بھی کر دی جاتی ہے۔[1] 'کمپنی ایکٹ ترمیمی کمیٹی' نے یہ بات محسوس کی تھی کہ 'کمپنی ایکٹ' پر عمل کرنے کے سلسلے میں 'ندھیوں' کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا، اور اسی لیے اس نے سفارش کی تھی کہ انھیں اس ایکٹ کی پابندیوں سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور انھیں حکومت کے کچھ اور مناسب قوانین کے تحت لے آیا جائے۔[2]

تخمینہ بیمہ کمپنیاں[3]

'تخمینہ (اسیسمنٹ) بیمہ' کی اصطلاح آپسی بیمے کے ایک ایسے طریقے کے لیے استعمال

(مسلسل) میں غیر قانونی تھی۔ ملاحظہ ہو کا ماکشی اور اپا دیلائی کے درمیان مقدمہ منبرلد' مدراس ہائی کورٹ کی رپورٹس نمبر 448 دوسرے قانونی مسائل کے لیے نمبر 8 میں دیے گئے مقدمات کی تفصیلات دیکھیے مدراس ہائی کورٹ رپورٹ، 193 ۔

[1] مدراس کی صوبائی بینک کاری طولانی رپورٹ، صفحات 14 212، اور 35- 228

[2] رپورٹ 1957، صفحات 5-184۔

[3] تخمینہ (اسسمنٹ) بیمہ کمپنیوں کے اعداد و شمار 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' کے مختلف شماروں سے لیے گئے ہیں۔ باقی تمام معلومات و اقتباسات 'ٹائمس آف انڈیا' (مسلسل)

کی جاتی ہے جس میں کسی ممبر کی موت پر زندہ رہنے والے تمام ممبروں میں سے ہر ایک کو ایک متعینہ رقم جمع کرانی ہوتی ہے جو مرنے والے کے مفادی [Beneficiary] کو ادا کر دی جاتی ہے۔ یہ زندگی بیمے کا ایک غلط اور مغالطہ آمیز متبادل ہے جس میں ہر ممبر سے مختلف عمروں پر شرح اموات کے گزشتہ تجربے کی بنیاد پر ایک سالانہ پریمیم پیشگی جمع کر لیا جاتا ہے۔

'تخمینہ بیمے' کا طریقہ ہندوستان میں 1894 میں شروع ہوا اور ایک ہی سال کے دوران چونسٹھ کمپنیاں قائم ہوئیں، پھر ان کی ترقی بھی بہت تیزی کے ساتھ ہوئی۔ صرف 1897 میں جو نقطۂ عروج کا سال تھا، 215 کمپنیاں درج کرائی گئی تھیں۔ انیسویں صدی کے کسی ایک سال میں تمام قسم کی کمپنیاں بھی اتنی بڑی تعداد میں قائم نہیں ہوئی تھیں۔ اس زمانے کے سرکاری اعداد و شمار میں ان کمپنیوں کو غلط طور پر 'بیمہ کمپنیوں' کی مد میں دکھلایا گیا تھا۔ اس لیے اس تعداد کے سلسلے میں کسی قدر احتیاط ضروری ہے۔

ہندوستان نے 'تخمینہ بیمے' کا طریقہ جنوبی دنیا سے حاصل کیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تقریباً اسی زمانے میں یہ طریقہ امریکہ میں پھلا پھولا۔ اور غالباً یہیں سے دوسری جگہوں پر پھیلا۔ خیال ہے کہ 1890 میں صرف نیو یارک کی ریاست میں ہی ایسی ایک سو اکتیس کمپنیاں کاروبار کر رہی تھیں۔ سیکڑوں کمپنیاں اب تک ناکام بھی ہو چکی تھیں اور ان کی اوسط عمر کم و بیش نو سال کی تھی۔ تخمینہ بیمے کے منصوبے کو برطانیہ میں بھی آزمانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں یہ پھیلا بھی اور ناکام بھی ہوا۔ اہم اخباروں اور بیمے کے ماہرین نے اس طریقے پر مختلف موقعوں پر سخت ترین تنقیدیں کیں جن سے یہ بھی اظہار ہوتا ہے کہ یہ خرابی کس حد تک پھیل چکی تھی۔

'ٹائمس آف انڈیا' کے مطابق ایک شخص مسٹر اسکاٹ نے جو بمبئی صوبے کے ضلع رتناگری میں ڈپٹی کلکٹر تھا، یہ سلسلہ شروع کیا۔ اس نے سرکاری ملازمین کے لیے 1887 میں 'رتناگری پراویڈنٹ ایسوسی ایشن' قائم کی، لیکن یہ ملازمین اس منصوبے کے

(مسلسل)
کے مندرجہ ذیل شماروں سے حاصل کیے گئے ہیں۔

1854 - 27 جولائی ، 10 - اگست 1895 - 28 جون ، 16 - نومبر 1898 - 24 ستمبر

1899 - 16 - ستمبر -

پیے خود کسی حد تک مشکوک سے تھے۔ بہرحال اِس ایسوسی ایشن کو عوام کے لیے بھی کھول دیا گیا۔ 1893 کے آخر تک اس میں کل 939 ممبر شامل تھے۔ چونکہ یہ اپنی قسم کی ایسوسی ایشنوں کے لیے بہترین نمائندگی کرتی ہے، اس لیے یہ 'تخمینہ بیمہ' کمپنیوں کے طریقہ کار کو سمجھنے کے لیے ایک اچھی مثال ثابت ہوگی۔

جو شخص بھی اس ایسوسی ایشن میں شامل ہونا چاہتا تھا اُسے داخلے کی فیس کے طور پر اپنی عمر کے ہر سال کے لیے چند آنے جمع کرانے ہوتے تھے۔ ہر سال کے اضافے کے ساتھ ایک آنہ داخلہ فیس میں بڑھ جاتا تھا اور دوسری طرف داخلے کی عمر میں بھی ایک سال کمی کر دی جاتی تھی۔ یہ بوڑھے لوگوں کو سوسائٹی سے باہر رکھنے کی غرض سے کیا جاتا تھا۔ جب کوئی ممبر مر جاتا تو زندہ ممبروں سے ایک روپے کی 'موت طلبی' [Death call] رقم لے لی جاتی تھی جو مرنے والے کے ورثا کو ادا کر دی جاتی تھی۔

اس نظام کے طریقۂ کار کو رتناگری پراویڈنٹ ایسوسی ایشن، کی 1893 کی رپورٹ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی سات سالہ زندگی کے دوران کل پینتیس ممبر مرے تھے۔ اسے اگر زندگی بیمہ کی اصطلاح میں کہا جائے تو یہ نتیجہ تھا کہ تقریباً آٹھ آنے مہینہ کے پریمیم پر ممبروں نے 100 روپے کا امکانی فائدہ اپنے لیے حاصل کر لیا تھا۔ اس رپورٹ میں جو گیارہ مثالیں دی گئی تھیں اُن میں ان ممبروں نے صرف 315 روپے لگانے کے بعد کل 6,931 روپے حاصل کیے تھے، اور جیسا کہ رپورٹ میں بیان کیا گیا تھا، ممبروں نے "6616 روپے کا خالص منافع" حاصل کر لیا تھا۔ رپورٹ میں آگے ظاہر کیا گیا تھا کہ 1893 میں ایسوسی ایشن کی کل آمدنی 27,000 روپے تھی جب کہ کل خرچ 7,000 روپے تھا، اس طرح اس قسم کے منافع کی جو توقعات پیدا ہوتی تھیں ان سے اور زیادہ لوگوں میں ان کا ممبر بننے کی ترغیب پیدا ہوتی تھی۔

اگر 'تخمینہ منصوبے' کے تحت بیمہ شدہ اشخاص کی طرف سے ادا کی جانے والی تخمینے کی رقموں کا تعین ہر سال کے دوران مختلف عمروں میں مرنے والوں کی حقیقی شرح اموات کے تناسب سے کیا جائے، تو اس کے نتیجے میں جو لاگت آئے گی وہ لگ بھگ اس لاگت کے برابر ہوگی جو جدید طریقہ پر 'سالانہ قابل تجدید میعادی' (Yearly renewable Terms) کے منصوبے سے آتی ہے۔ ان دونوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہو سکتا۔ اصولی

اعتبار سے ایک تخمینہ بیمہ منصوبہ لاامتناہی حد تک چلایا جا سکتا ہے۔ لیکن عملی صورت میں تخمینوں کی درجاتی تقسیم باقاعدگی کے ساتھ ممبروں کی موجودہ عمر کی بنیادوں پر نہیں کی جاتی تھی، حالانکہ خیال یہی کیا جاتا تھا کہ کسی ممبر کے سلسلے میں کیا گیا تخمینہ اُس کی عمر سے کچھ نہ کچھ رشتہ ضرور رکھتا ہوگا۔ عام طور پر تمام ممبروں کے سلسلے میں تخمینہ برابر ہی کیا جاتا تھا، اور اُن کی موجودہ عمروں کا خیال نہیں کیا جاتا تھا، اس کے پیچھے یہ غلط خیال کارفرما تھا کہ اس طریقۂ کار کے چلتے رہنے کے لیے جو بات ضروری ہے وہ صرف اتنی ہے کہ ایسوسی ایشن میں نسبتاً کم عمر ممبروں کا داخلہ متواتر جاری رہے تاکہ پورے گروپ کی مجموعی طور پر اوسط عمر لگ بھگ ایک سی ہی رہے۔ لیکن اس مفروضے پر کہ اگر تمام ممبروں کی اوسط عمر نہیں بڑھتی ہے تو مجموعی طور پر شرحِ موت بھی نہیں بڑھے گی عمل ہونا مشکل ہوتا ہے۔ جیسے جیسے ممبران اونچی عمر کو پہنچتے جاتے ہیں تخمینے بیمات کے اعتبار سے بڑھتے جاتے ہیں جس کی وجہ سے نئے اور نوجوان ممبروں کے داخلے میں کمی آتی جاتی ہے۔ اس لیے ممبروں کی تعداد میں کمی کے ساتھ موت پر ادا کی جانے والی جس رقم کا بیمہ کیا جاتا تھا، وہ بھی اسی تناسب سے گھٹتی تھی، یہاں تک کہ آخری نصف درجن زندہ رہ جانے والوں میں سے ہر ایک کو، جو اپنے حصے کی رقم کا زیادہ بڑا حصہ ادا کر چکے ہوں، ان کو ایک ہزار کی امکانی رقم کے بجائے صرف پانچ روپے وصول کرنے کی توقع رہ جاتی تھی۔ اسی لیے اس قسم کی تنظیموں کا کسی بڑے عرصے تک باقی رہنا ایک غیر امکانی صورت تھی۔

یہ بات بھی بہت حد تک ممکن ہے کہ تخمینہ منصوبے کی ابتدا کرنے والے سنجیدگی اور صدق دلی سے یہ یقین رکھتے ہوں کہ اس کے شرکا کو فائدہ پہنچے گا لیکن منصوبوں کی مقبولیت نے جلدی ہی اپنی طرف کچھ بے ایمان اور دھوکے باز قسم کے افراد کو بھی متوجہ کر لیا جن کا واحد مقصد اپنا پانچ فی صدی مینجنگ ایجنسی کمیشن حاصل کرنا تھا۔ اِس قسم کی کمپنیوں کی توسیع پر مقامی اور انگریزی دونوں قسم کے اخباروں کی طرف سے سخت تنقیدی حملے ہوئے۔ 1895 میں نئے اندراجات کی تعداد میں خاصی حد تک کمی بھی واقع ہوئی۔ لیکن اگلے ہی سال ایک نئی لہر آئی۔ اس قسم کی کمپنیاں شروع کرنے والوں نے کمپنی کے دستوروں میں غیر ضروری اور بیکار قسم کی ترمیموں کے ذریعے اور کمپنی کے انتظامیہ میں مصروف عملے کی ایمان داری اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں اور قابلیتوں پر زور دے کر اخباروں کی مخالفانہ تنقیدوں کا جواب

دینے کی کوشش بھی کی۔ لیکن جیسا کہ 'ٹائمس آف انڈیا' نے صحیح طور پر اشارہ کیا تھا، انتہائی ایمان داری، پیشہ ورانہ قابلیت اور کارکردگی بھی 'ببول کے پیڑ سے آم کا پھل' اگا لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

اخباروں میں تنقیدوں اور شور و شغف کے اثر سے کچھ تیز اور رسا قسم کے ذہنوں نے نئی قسم کی 'تخمینہ کمپنیاں' قائم کرنی شروع کردیں اور ہندوستانی سوسائٹی نے ان کے کاروبار کے لیے بہترین میدان بھی فراہم کیا۔ ان کی کارگزاریاں بنگال کے مشرقی ضلعوں میں مرکوز تھیں۔ آخر مارچ 1895 کے سال کے لیے پریسیڈنسی ڈویژن کے کمشنر کی رپورٹ کے مطابق نئے قسم کی 'تخمینہ کمپنی' کی ابتدا بیکر گنج سے ہوئی اور یہیں سے یہ ضلع کے مشرقی سب ڈویژن کی طرف پھیلی۔ رپورٹ کے سال میں جو کمپنیاں درج کرائی گئیں ان میں مندرجہ ذیل شامل تھیں۔

موت سے متعلق کمپنیاں	85
شادی سے متعلق کمپنیاں	15
پیدائش سے متعلق کمپنیاں	3
بخار سے متعلق کمپنی	1
یاتراؤں سے متعلق کمپنی	1
کل	105

ہندوستانیوں کی ابھاری ہوئی ان کمپنیوں کے پاس کسی قسم کا حصوں کے ذریعے جمع شدہ سرمایہ (اس اصطلاح میں جس میں یہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے) موجود نہیں تھا اور ان کی طرف سے کوئی سرمایہ کاری بھی نہیں ہوتی تھی۔ ہر کمپنی میں حصوں کی تعداد عام طور پر متعین ہوتی تھی۔ عام طور پر ایک حصے کی لاگت ایک روپیہ یا بعض صورتوں میں اس سے بھی کم ہوتی تھی ان میں چند آنہ داخلہ فیس بھی ہوتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی کمپنیوں میں رجسٹریشن کی لاگت (دفتر وغیرہ کے اخراجات، ڈاک اور چھپائی وغیرہ کے مصارف)، جیسے بدے ہی ان حصوں سے حاصل شدہ رقم کو ختم کر دینے کے لیے کافی ہو جاتی تھیں۔

جیسا کہ پہلے بھی اظہار کیا جا چکا ہے موت سے متعلق کمپنی میں ایک حصے دار کو صرف ایک حصہ لینے کی اجازت ہوتی تھی اور یہ اپنے بعد اپنے نامزد کر سکتا تھا۔ ایک حصے دار کی موت پر کمپنی کے ڈائرکٹر (ہر زندہ حصے دار سے) ایک رقم طلب کرتے تھے جو عام طور پر متوفی

حصے دار کے حصے کی ظاہری قیمت کے برابر ہوتی تھی۔ اس طرح سے جمع کی گئی رقم متوفی کی طرف سے نامزد وارث کو دی جاتی تھی۔

شادی اور پیدائش سے متعلق کمپنیاں بھی کچھ اسی انداز پر چلتی تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ان دونوں صورتوں میں نامزد فرد ایک عورت ہوتی تھی جس کی شادی یا بچے کی پیدائش کے موقعے پر اسی طرح جمع کی گئی رقم کو حاصل کرنے کا حق ہوتا تھا۔ 'بخار سے متعلق کمپنی' کا مقصد بخار کے مریض ممبروں کو علاج کے لیے رقم فراہم کرنا ہوتا تھا، اور یہ رقم کمپنی کی طرف سے چھ پائی ماہانہ چندے سے جمع کی ہوئی رقم سے دی جاتی تھی۔ اس کمپنی نے 1895 میں کاروبار بند کر دیا 'یاترا پراویڈنٹ فنڈ' کے پاس حصوں کے ذریعے جمع شدہ سرمایہ 2000 حصوں پر منقسم تھا۔ اس کے ممبروں کو زیادہ سے زیادہ دو روپے مہینہ کی رقم جمع کروانی ہوتی تھی، اور انھیں یاترا پر جاتے وقت ایک متعینہ رقم لینے کا حق ہوتا تھا۔ یہ حق وقت سے پہلے موت واقع ہو جانے کی صورت میں حصے دار کے نامزد وارث کی طرف منتقل ہو جاتا تھا۔

اس طرح کی نئی نئی 'تخمینہ کمپنیوں' کی اٹھان صرف بنگال کے مشرقی ضلعوں تک ہی محدود نہیں رہی۔ مغربی ہندوستان میں گجرات نے بھی اس قسم کی کمپنیوں کے اجرا کرنے والوں کے لیے ایک اچھی شکارگاہ فراہم کی۔ 'ٹائمس آف انڈیا' کے بیان کے مطابق 31 مارچ 1899 کے سال کے دوران صرف احمد آباد میں ہی ایسی چھبیس کمپنیاں درج کروائی گئیں، مزید 26 کمپنیاں ناڑیاڈ میں قائم ہوئیں اور بہت سی کیرا، امبر ناتھ اور تھاسار جیسے معمولی معمولی شہروں میں بھی کھولی گئیں۔ بہر حال یہ تمام کمپنیاں اپنے قیام کے بعد جلد ہی بیٹھ گئیں جن کی وجوہات پہلے ہی بیان کی جا چکی ہیں۔

انسان میں معاشی تحفظ کی خواہش بہت گہری ہے۔ بیمہ کمپنیاں (جیسا ہم اس اصطلاح سے مطلب سمجھتے ہیں) ایک عرصے سے ہندوستان میں کام کرتی چلی آ رہی تھیں، لیکن یہ بات ضرور شبہے سے خالی نہیں ہے کہ آیا ہندوستانی عوام کی تحفظ کی اس خواہش کو 'دیوالیہ ہوئے بغیر' کمپنیاں پورا بھی کر سکیں۔ بہت چھوٹی چھوٹی رقموں کی پالیسیاں جاری کرنے میں جو لاگت آتی ہو گی وہ یقیناً اتنی ہی زیادہ ہو گی کہ اس کا کاروبار چلانا مشکل ہو گیا ہو گا۔ برطانوی انداز پر چلنے والی 'دوستانہ سوسائٹیاں' ممکن ہے اس ضرورت کو پورا کر سکتی تھیں لیکن یہ کمپنیاں ان کے اجرا کرنے والوں کے لیے یقیناً فائدہ مند ثابت نہ ہوتیں۔ 'تخمینہ کمپنیوں' میں حصے ایک

سستے سودے کے روپ میں پیش کیے جاتے تھے۔ اور غریب لوگوں کے لیے سستا سودا ہمیشہ پرکشش ہوتا ہے۔ دیہی علاقوں میں، جہاں یہ کمپنیاں خاص طور پر مقبول تھیں، اخباروں میں کی گئی تنقیدیں غربت اور ناخواندگی دونوں وجوہات کی بنا پر کوئی خاص اثر پیدا نہیں کر سکتی تھیں بہرحال 1896 میں اندراجات کا میلان پلٹا اور گزشتہ سال کی 215 کمپنیوں کے مقابلے میں اس سال صرف 28 کمپنیاں درج کرائی گئیں۔ 1900 کے آخر تک یہ طریقہ کار اس حد تک ناکارہ سمجھا جانے لگا تھا، اور لوگ اس سے اتنا بدظن ہو چکے تھے کہ نئے اندراجات تقریباً بالکل ہی بند ہو گئے۔ 1894 سے 1900 کے درمیانی عرصے میں کل 450 کمپنیاں قائم ہوئیں اور چند کمپنیوں کو چھوڑ کر باقی تمام کمپنیاں بند بھی ہو گئیں۔ آخر مارچ 1901 میں صرف اکتیس کمپنیوں کے جاری رہنے کی اطلاع دی گئی تھی۔ ان میں سے بہت سی کمپنیاں حقیقی طور پر بیمے کے کاروبار میں مصروف تھیں اور ان اعداد و شمار میں جو خلط ملط پہلے نظر آتا تھا وہ بھی اب کافی حد تک ختم ہو چکا تھا۔

بنگال میں سونا کان کنی کا جنون[1]

یہ حقیقت کسی قدر حیرتناک محسوس ہو گی کہ 1890 کے درمیانی حصے میں کلکتے کے حصہ

---

[1] یہ حصہ 'انڈین اکنومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو' جلد III، نمبر 1، مارچ 1966 میں چھپے میرے ایک مضمون سے اڈیٹر کی اجازت کے بعد اس کتاب کے لیے اپنایا گیا ہے سونے کی کان کنی کے متعلق اعداد و شمار برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے کے مختلف شماروں سے حاصل کیے گئے ہیں۔ دیگر اطلاعات کے ماخذ مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) 'انگلش مین' میں ہفتہ واری زرِ بازار کی رپورٹ، 5 اگست 1890

(ب) 'انگلش مین' (ہفتہ واری جنوری 1891 تا دسمبر 1892) تا 30 ستمبر 1891

(ج) 'سٹیٹسمین اور فرینڈ آف انڈیا' (ہفتہ واری) 6 اور 13 ستمبر 1890 اور 10 ستمبر 1891۔

(د) 'انگلش مین' پہلا مضمون 10 ستمبر 1890

(ر) 'ٹائمز آف انڈیا' 2 ستمبر اور 18 اکتوبر 1890 اور 7، 21 اگست اور 5 دسمبر 1891

بازار پر بھی سونا کان کنی کا جنون طاری ہوا تھا۔ خود اس زمانے کے لوگوں کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ سلسلہ کیسے شروع ہوگیا۔ مگر اب جو کچھ مواد موجود ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان حالات کو پیدا کرنے میں تین اسباب شامل تھے: چھوٹا ناگپور کے علاقے میں دونوں شکلوں یعنی سنگِ ہو کی چٹانوں اور سیلابی ریگ زر میں سونے کی موجودگی کی شہرت اور عام روایتیں، اس علاقے تک ریلوے لائن کی توسیع اور مناسب زر بازار کی موجودگی اور اس دور کا اسپیکولیشن۔

جون 1890 کے آس پاس کے زمانے میں کسی کے ذہن میں ایک گولڈ سنڈیکیٹ قائم کرنے کا زریں خیال پیدا ہوا، چنانچہ 'خرسوان' [The Kharswan] نام کی کمپنی کل 2,00,000 روپے کے مجوزہ سرمائے سے قائم کی گئی جس میں سے 1,60,000 روپے ادا بھی کر دیے گئے۔ اس خیال نے جلد ہی ایجنسی ہاؤسوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا چنانچہ جولائی میں کچھ اور سنڈیکیٹ اور کمپنیاں قائم ہو گئیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا کہ 'خرسوان' نے اپنی ملکیت صرف 89000 روپے میں خریدی تھی اور اس کا ایک حصہ 35,00000 روپے میں بیچ دیا تھا۔ ظاہر ہے اتنی زبردست کامیابی دوسرے ذہنوں میں شعلہ بھڑکا دینے کے لیے کافی تھی۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے فوراً کان کنی کے حقوق حاصل کرنے اور سونا کان کن کمپنیاں قائم کرنے کے لیے سنڈیکیٹ قائم کر لیے۔ ان سنڈیکیٹوں نے 'بانیان' کے حصے بھی جاری کیے[1] جنھیں سونے کے کاروبار یا کان کنی کے سلسلے میں اس سنڈیکیٹ کی طرف سے آئندہ قائم کی جانے والی کسی بھی کمپنی کے مکمل ادا شدہ سرمائے کے دس یا بیس معمولی حصوں سے تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ ان حصوں کی ظاہری قیمت صرف ایک روپیہ فی حصہ رکھی گئی تھی۔ اور یہ سپرد کیے جا سکتے تھے۔ اس پورے سلسلے میں بدعنوانیوں کی کافی گنجائش موجود تھی۔ بہت محدود ذرائع رکھنے والے سرمایہ کاروں کے لیے اسپیکولیشن کے امکانات بھی اس میں بہت حد تک موجود تھے۔

---

[1] یہ انداز (یعنی بنیاد رکھنے والوں کے حصوں کا اجرا) بھی نیا نہیں تھا۔ 'بانیان' کے حصوں کا اجرا اس سے پہلے 1870 کی دہائی کے آخری حصے میں ایک پونڈ بنیاد کمپنی نے کیا تھا، جس نے ہندوستان میں ایک روئی مل قائم کیا تھا اس قسم کا عمل کرنے والی یہ پہلی کمپنی تھی۔ حصے سے حاصل شدہ سرمائے کا کچھ حصہ ہندوستان میں حصوں کے لیے بھی پیش کیا گیا۔ عام طور پر 'بانیان' کے حصوں کو غیر متناسب ووٹ اور یا منافع کے حقوق حاصل ہوتے تھے۔

اس منصوبے کے بانی بھی کسی قسم کی بددیانتی یا بے ایمانی کے رجحانات رکھتے تھے، اس کے متعلق پوری معلومات یقینی یا پختہ نہیں ہے۔ لیکن اس میں بھی شبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ ان لوگوں نے اپنی کامیابی کی منصوبہ بندی بہت اچھی طرح اور پختگی کے ساتھ کی تھی۔ دو یا تین کمپنیوں کو چھوڑ کر باقی سب کے سرمائے کا ڈھانچہ تقریباً ایک ہی سا تھا۔ جولائی 1890 کے آخر تک کلکتے شہر کا بیوپاری حصہ پوری طرح اس راستے پر لگ چکا تھا جس سے وہ اسپیکولیشن کے بھنور میں پھنسنے والا تھا۔ 5۔ اگست کو ایک ممتاز جریدے 'دی انگلش مین' نے اپنی ہفتے واری حصہ بازار رپورٹ میں لکھا:

> "ہفتے کا پہلا حصہ نسبتاً خاموش اور بے جان سا ہی رہا، خاص طور پر اگر ہم 'مان بھوم' اور 'سنگ بھوم' سونا کمپنیوں — جو عام طور پر جڑواں کمپنیاں کہی جاتی ہیں — کے لین دین کو مستثنا کر دیں۔ سونا کمپنیوں کا اجرا ہر طرف ہو رہا ہے اور چونکہ ان میں سے زیادہ تر کمپنیوں کے حصے صرف ایک روپے کی ادائگی کے سرمائے کے ہیں اس لیے یہ کمپنیاں اسپیکولیشن کے لیے ایک اچھا میدان فراہم کر رہی ہیں۔ کلکتے کے حصہ بازار کو سونے کے بخار نے اتنا جکڑ لیا ہے کہ یہ حصے جلد ہی پریمیم کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور لگاتار کافی دنوں کے لیے 25 فی صدی کی پیشگی بھی کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آتی۔"

جو کچھ بھی محتاط رویہ اس سلسلے میں اپنایا جا رہا تھا اگلے ہفتے کے دوران وہ بھی غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایک خاص جوش و خروش اور اسپیکولیشن نے لے لی۔ ایک نئی کمپنی۔ کا رڈ کے کئی ہزار حصوں کا لین دین، نامزدگی کے چوبیس گھنٹے کے اندر ہی 15 سے 175 فی صدی پریمیم پر ہوا۔ ایک دوسری کمپنی۔ 'دی بنگال گولڈ سنڈیکیٹ' کے حصوں پر بھی 'جولائی کے مہینوں کے لیے' 25 فیصدی منافع کا اعلان ہوا اور اس کے ساتھ جاری کیے گئے مینجمنٹ کے اعلان میں بیان کیا گیا کہ اب تک بھی جتنا منافع کمایا جا چکا ہے اس سے اگلے چند مہینوں تک منافع کی تقسیم ناممکن ہو جائے گی۔ لیکن اس سے کہیں ان ذریعوں کی طرف اشارہ نہیں تھا جہاں سے یہ منافع حاصل کیا گیا تھا۔ اگلے ہفتے کے دوران 'سونا پیٹ گولڈ سنڈیکیٹ' نے خود کو محدود ذمے داری کمپنی کے روپ میں قائم کر لیا، جس کا کل سرمایہ 17,24,000 روپے تھا۔ سنڈیکیٹ کے ہر بنیادی سرٹیفکٹ یعنی اس کے حصے کو نئی کمپنی کے دس حصوں میں تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ ان نئے حصوں نے جلد ہی 50 سے 80 فی صدی پریمیم پر اپنے مالک بدل لیے۔ 'سونا پیٹ کمپنی' کلکتے کے ایک

ممتاز ایجنسی ہاؤس ’ایف۔ ڈبلیو۔ ہیلگرس اینڈ کمپنی‘ کے ذہن کی پیداوار تھی۔ سنڈیکیٹ کو ایک محدود ذمہ داری (لمیٹیڈ) کمپنی میں تبدیل کر دینا ایک ایسا طریقہ تھا جس سے نئی کمپنی کو کسی قسم کا فائدہ پہنچائے بغیر پرانے ’سنڈیکیٹ‘ کے ممبروں کو منافع دیا گیا تھا۔ چونکہ پرانے سنڈیکیٹ‘ کے ایک حصے کے بدلے میں نئی کمپنی کے دس حصے دینے سے ان اثاثوں میں کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا تھا جو سنڈیکیٹ کی طرف سے نئی کمپنی کو منتقل ہو رہے تھے۔ چنانچہ سنڈیکیٹ کے ممبروں نے اپنے بنیادی سرٹیفکیٹوں‘ کی حقیقی قدر کے مقابلے میں بہت زیادہ منافع حاصل کرلیا۔

کلکتے کے حصص بازار کو سونے کے بخار نے کچھ اس بری طرح جکڑا تھا کہ 1890 کے جولائی اگست مہینوں میں تقریباً دوسرے بیوپاروں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ایک کے بعد ایک کمپنی کا اجرا ہوا اور موجودہ کمپنیوں نے اپنے سرمائے میں اضافہ کیا۔ ’سونا پیٹ‘ کمپنی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ’چھوٹا ناگپور‘ نے بھی اپنے سرمائے کو صرف 5،00،000 روپے سے بڑھا کر 15،00،000 روپے کرلیا۔ 2۔ ستمبر کو یہ بخار اپنے نقطۂ عروج پر تھا۔ کچھ ممتاز کمپنیوں کے حصوں کی خرید کی اطلاع مندرجہ ذیل قیمتوں پر دی گئی۔

’بنگال گولڈ کمپنی‘ 11، $11\frac{1}{4}$، $11\frac{1}{2}$

’چھوٹا ناگپور‘ 12، $12\frac{1}{2}$، 13، 14

’مان بھوم‘ 6، $6\frac{1}{4}$، $6\frac{3}{8}$، $6\frac{1}{2}$، $6\frac{3}{4}$ $\frac{1}{4}$

’سونا پیٹ‘ $1\frac{5}{6}$، $1\frac{7}{4}$

سونا کمپنیوں کے حصوں کے لیے ایک دیوانہ وار دوڑ چل رہی تھی اور ان کی ایک بہت بڑی تعداد اس عرصے میں ہاتھ بدل چکی تھی۔ اخباروں کی رپورٹ کے مطابق حصہ بازاروں میں ایک زبردست دیوانگی کا سا جوش و خروش نظر آتا تھا جس کی توقع بھی کبھی نہیں کی گئی تھی۔ ’کلبرن اینڈ کمپنی کی مینجنگ ایجنسی کے تحت، جس کا شمار سب سے پرانی اور سب سے زیادہ با اثر کمپنیوں میں ہوتا تھا، ’بیٹ پٹ گولڈ کمپنی‘ کے اجرا نے اس آگ پر تیل سا چھڑک دیا۔ مینجنگ ایجنٹس کے دفتر کا ’حقیقی معنوں میں ایک پرجوش مجمع نے محاصرہ کرلیا جو ہم سطح حصوں کے لیے اپنے مُنہ داخل کرنا چاہتا تھا۔‘‘ اگلے ہفتے بھی حالانکہ سونا کمپنیوں کے حصوں کا بیوپار کافی تیز رہا، لیکن جنون کا وہ دورہ کافی حد تک ٹھنڈا

ہوگیا تھا۔ بہت بڑے سرمائے کے ساتھ ایک کمپنی کے اجرا کا اعلان اور دوسری اتنے ہی بڑے سرمائے کی کمپنیوں کے اجرا کے متعلق افواہوں نے اس جنون کے دور کے لیے کافی موثر بدرقہ فراہم کیا۔ اب عوام اتنی بہت سی سونا کمپنیوں سے کچھ مشتبہ سے ہوگئے تھے اور اب لوگوں نے ان کے درمیان فرق اور امتیاز بھی کرنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ کمپنیوں کے حصوں کی قیمتیں اب بھی اتنی اونچی لگائی جا رہی تھیں لیکن دوسری کچھ کمپنیوں کے حصوں پر کوڑتی بھی شروع ہو چکی تھی۔ اگلے ہفتے کے دوران بازار میں حصوں کی قیمت میں کسی قدر یکسانیت اور ٹھہراؤ ضرور نظر آیا، لیکن یہ بھی طوفان سے پہلے کا سکون تھا۔ چنانچہ چند ہی دن بعد جوش و خروش کے ایک نئے دورے نے گزشتہ دورے کو بھی مات کر دیا۔ 29 ستمبر کو 'انگلش مین' کے شہر میں مقیم 'اڈیٹر' نے رپورٹ دی:-

"ویسے تو کم و بیش سارے ہی طبقے سونا کمپنیوں کے حصوں میں پھنسے ہوئے ہیں لیکن مارواڑی، جن کے جوئے سے بحث ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے، ان حصوں کے کاروبار میں کچھ اتنے جوش و خروش اور لگن کے ساتھ پھنسے ہوئے ہیں جس کی مثال اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ افراتفری اور گڑبڑ کے اعتبار سے آج کل حصہ بازار مکمل طور پر 'منارۂ بابل' کا نمونہ پیش کرتا ہے۔"

قیمتیں پھر بہت تیزی سے اوپر چڑھ گئیں۔ کچھ کمپنیوں نے جن کے متعلق "کچھ غیر معمولی اچھی باتوں کا اظہار ہوا تھا، انھوں نے اس عرصے میں کافی فائدہ حاصل کیا، دوسری کمپنیاں نسبتاً ٹھہراؤ کے ساتھ آگے بڑھیں۔ قیمت میں سب سے زیادہ اٹھان 'رانچی کمپنی' کے حصوں میں نظر آئی جو ہفتے کے پہلے دن 13½ روپے میں آزادی کے ساتھ بیچے اور خریدے جا رہے تھے، صرف اتنی سی خبر کے بعد کہ اسے ایک بہت اہم اور قابل قدر رعایت حاصل ہو گئی ہے" اس کے حصے ہفتے کے آخری دن 15½ روپے تک چڑھ چکے تھے۔ اگلے ہفتے بازار اسی استقلال کے ساتھ کھلا لیکن ہفتے کے آخر تک قیمتیں کسی قدر ڈھیلی ہو چکی تھیں۔

اور پھر ناگزیر کیفیات بھی رونما ہوئیں۔ گزشتہ ہفتے کے آخر میں قیمتوں میں جس کمزوری کی علامات نظر آئی تھیں وہ آئندہ صورت حال کی طرف ایک اشارہ تھیں لیکن کوئی بھی اس افراتفری کا پہلے سے اندازہ نہ کر سکا جو کم و بیش فوراً ہی نظر آ گئی، اور آخر

میں قیمتوں کے بالکل ٹوٹنے اور بیوپار کی تباہی پر ختم ہوئی' انگلش مین' کے مالیاتی اڈیٹر کی رائے میں اس بحران کا سبب وہ صورت تھی جس میں بہت تیزی کے ساتھ ایک کے بعد ایک کمپنی نے حصوں کا اجرا کیا تھا اور جس کے نتیجے میں سٹے بازوں کی ایک بہت بڑی تعداد (جن میں زیادہ تر ہندوستانی تھے اور جنھوں نے بعد میں بے باقی کے خیال سے حصے خریدے تھے) اپنی ذمے داریوں کو پورا کرنے کے قابل نہ رہی تھی۔ لیکن شاید اس کی حقیقی وجہ یہی تھی کہ پانی کا بلبلا اب پھوٹ چکا تھا۔

بازار کا اتار چڑھاؤ افواہوں پر مبنی ہوتا ہے۔ حصوں کی قیمت میں اضافہ یا کمی مختلف 'اچھی' یا بری اطلاعات کے علاوہ کسی اور چیز پر منحصر نہیں ہوتی، یا پھر جیسا کہ 'انگلش مین' نے لکھا تھا اس کے لیے "رعایات اور کمپنیوں کی کامیاب کانٹ چھانٹ" ذمے دار ہوتی ہے۔ سنگ مردہ میں سونے کی مقدار کی موجودگی کے سلسلے میں باقاعدہ تجزیے کی اطلاعات، جن کی کچھ ذمہ دار اور غیر متعلق قسم کے حریفوں نے بھی تصدیق کی ہو، کبھی بھی عوام کے سامنے نہیں رکھی گئیں۔ اس کے علاوہ ملک کے ممتاز اخبارات جو ان حالات کو پوری توجہ کے ساتھ دیکھ رہے تھے لیکن نسبتاً خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے، شروع ستمبر میں نظر آنے والے جنون سے ایک دم چونک پڑے اور انھوں نے موجودہ حالات پر پورے زور و شور سے حملہ شروع کیا۔ 'انگلش مین' نے ۱۵ ستمبر کو مندرجہ ذیل تنبیہ شائع کی۔

"اندازہ یہ ہے کہ گزشتہ ایک یا دو ہفتوں کے دوران تقریباً ایک کروڑ روپے کی رقمیں ایک سے دوسرے ہاتھوں میں منتقل ہو چکی ہیں۔ ۔ ۔ ڈر یہ ہے کہ آج کی بہت سی پیسہ کھینچنے والی کمپنیاں جلد ہی ماضی قریب کی ایک ناخوشگوار یادیں بن کر رہ جائیں گی۔ (لیکن لوگ) 'سونے کی دوڑ' کو ڈربی لاٹری' میں رقم جھونکنے سے زیادہ سنجیدگی سے نہیں دیکھتے۔ اس بازی کا چسکا کلکتے کے دربانوں (قلیوں) تک پہنچ چکا ہے، جن کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ چند ہفتوں کی ہلچل میں انھوں نے بھی ایک کھیل سمجھ کر اس میں حصہ لیا ہے۔"

ایک ہزار میل دور بمبئی سے 'ٹائمز آف انڈیا' نے بھی اسی انداز میں لکھا تھا۔[1]

---

[1] ۱۵ ستمبر ۱۸۹۰۔

" بنگال میں سونے کے جنون کے نتائج کے سلسلے میں کسی بہت بڑے پیش گو
کی ضرورت نہیں ہے۔ چاہے پٹ سن اور دیگر سب اس دیوانگی میں پیچھے
رہ گئے ہیں جو اپنی بداحتیاطی اور دحشت میں کچھ اس حد تک پہنچ گئی ہے
جس کا مقابلہ ساؤتھ سی 'ببل' کے بعد سے اب تک کوئی نہیں کر سکا ہے۔۔۔
یہ جوا ہے، خالص اور سیدھا سادا جوا، سونا کہیں بھی دیکھا نہیں گیا ہے۔
کسی ذمے دار شخص نے یہ جرأت نہیں کی ہے کہ سونے کے متعلق روزانہ نئی نئی اور
حیرتناک معلومات کی جو اطلاعات دی جا رہی ہیں ان کی چھان بین کرے۔ ان
سٹے بازوں کی قسمت ایک کلاسیکی مثال ہو گی۔

'اسٹیٹسمین' اور 'فرینڈ آف انڈیا' کے مالیاتی مضمون نگار کی طرف سے دی گئی تنبیہ پر عوام نے خاصی دلچسپی کا اظہار کیا۔[1]

بہر حال اس بحرانی کیفیت کا تھوڑا بہت فائدہ مند اثر یہ ہوا کہ کچھ نئے نئے منصوبے جو ابھی ابتدائی منزلوں میں ہی تھے وہ پوری طرح منظرِ عام پر آنے سے پہلے ہی مرجھا گئے۔ قیمتوں میں زبردست گراوٹ کے اثر سے ہفتے کے آخری حصے میں کچھ خریداروں نے آگے بڑھ کر کچھ حصے خریدے بھی اور بازار میں ایک بار پھر کچھ اٹھان نظر آئی لیکن صرف معتدل سی۔ اس کے بعد بازار کچھ غیر مستقل سا ہو گیا اور خرید و فروخت میں چناؤ اور امتیاز برتا جانے لگا 1890 کے آخری حصے تک مشہور کمپنیوں کے حصے بھی اپنی ظاہری قدر کی 50 فی صدی قیمت کے حصے پر بک رہے تھے۔ لیکن سونا کمپنی کے حصوں کے لیے اب بھی کسی قدر دل چسپی ضرور باقی تھی اور نئی کمپنیوں کا قیام ابھی تک جاری تھا۔ 1891 کے ابتدائی حصے میں بازار میں پھر کچھ گرمی سی نظر آئی اور بعض صورتوں میں قیمتیں ایک بار پھر دوگنی ہو گئیں۔

بازار میں اس موافق رخ کی بنیادیں بہت نازک سی تھیں۔ 'کلبرن مینجنگ ایجنسی' کے تحت سونا کانوں میں تجرباتی طور پر دو ٹن سنگ مردہ پگھلنے کے حیرتناک اور غیر معمولی نتائج اس امید افزا رجحان کے لیے ذمے دار تھے۔ لیکن تقریباً دو ہفتوں کے بعد بازار پھر

[1] ملاحظہ ہو 'ایک پرانے تاجر' کا اڈیٹر کو لکھا گیا خط۔ فرینڈ آف انڈیا ہفتے واری 6 ستمبر 1890

نرم پڑ گیا اور قیمتوں میں گراوٹ کے رجحان کے ساتھ ساتھ بازار میں بے قاعدگی پھر پیدا ہو گئی۔ اب مارواڑی لوگ حصے بیچ رہے تھے اور یورپی بیوپاری خرید رہے تھے۔ تقریباً وسطِ مئی 1981 میں "سونا پیٹ کان میں (جس کے مینجنگ ایجنٹس ایف۔ ڈبلیو ہیلگرس اینڈ کمپنی' تھے) خام سونے کے ایک ڈلے اور ساحلی ریگ زر میں سونے کے کچھ ٹکروں کی کھوج،" اور کمپنی کے مینجر کی موافق رپورٹ،" نے سونے کے بازار میں ایک نئی روح سی پھونک دی۔ قیمتیں تیزی سے یہاں تک بڑھیں کہ دو روپے سے کچھ ہی کم پر پہنچ کر رکیں۔ تقریباً اگلے ایک مہینے تک حصوں کے پلندوں کی خاصی بڑی تعداد ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھوں میں تو ضرور منتقل ہوئی لیکن بازار میں بحالی کی صلاحیت کا فقدان بھی واضح طور پر نظر آرہا تھا۔ ہندوستانی اسپیکولیٹروں نے اب ہر اچھی خبر کو پرکھ پرکھ کر دیکھنا شروع کر دیا تھا اور اب وہ صرف فوری منافع کے حصوں میں یقین رکھتے تھے۔ مارواڑی اسپیکولیٹر 'سونا پیٹ' کانوں کی پیش کردہ توقعات کو بھی بہت زیادہ امید افزا نہیں محسوس کر رہے تھے۔ جس کے اثر سے اگست کے آخری ہفتے میں قیمتوں میں زبردست گراوٹ پیدا ہو گئی۔ اس کیفیت سے یوروپی بیوپاریوں کو بہت حیرت تھی۔ 'دی انگلش مین' کے مالیاتی 'ڈیٹر' کے الفاظ کے مطابق؛

> "۔۔۔۔ ہوشیار ترین لوگوں کے اندازے بھی بہت سی صورتوں میں غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ اور اس موقعے پر جیسا کہ اس سے پہلے متعدد موقعوں پر ہو چکا ہے، مارواڑیوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُن ذرائع کا اندازہ کر لینا بہت مشکل ہے جہاں سے انھیں اطلاعات ملتی ہیں۔ مگر یہ بات دس میں سے نو صورتوں میں صحیح ہے کہ اس سے پہلے کہ کسی دوسرے کو اطلاع ملے انھیں ضرور مل جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی تردید نہیں کی جا سکتی۔"

اگلے چند ہفتوں میں قیمتوں میں اور گراوٹ آئی اور بازار بالکل مفلوج سا ہو کر رہ گیا۔ اب اس میں دوبارہ کوئی اٹھان نہیں آتی تھی۔ اگلے چند مہینوں میں ایک دو آنے قیمت کی اطلاعات کے بعد حصص بازار کی رپورٹوں میں سونا کمپنیوں کے حصوں کا ذکر تک آنا بند ہو گیا۔ اخباروں میں ان کی جگہ قانونی کارروائیوں اور حصہ داروں کے گرم اور پُرشور

جلسوں کی روداددوں نے لے لی۔ کچھ کمپنیاں اپنے "قابل قدر" کان کنی حقوق کو بیچ دینے کے بعد رضاکارانہ طور پر ختم ہو گئیں، بعض کو ہزار دشواریوں کے بعد عدالتوں میں کھینچ لیا گیا، کچھ نے مجرمانہ مقدموں کے خوف سے عدالت سے باہر ہی اپنے معاملات کو طے کر لینا پسند کیا، اور بعض کمپنیاں رجسٹر پر اپنی بقا کو اس وقت تک کسی نہ کسی طرح قائم رکھے رہیں۔ جب تک انھیں صدی کے آخر میں اس میں سے خارج نہیں کر دیا گیا،

تقریباً سارے ممتاز ایجنسی ہاؤس اس بدترین دھوکے اور جعل سازی میں پوری سنگ دلی کے ساتھ شریک تھے۔ ان میں سے دو جو سب سے زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں وہ 'پوسنر اینڈ کمپنی' کی منیجنگ ایجنسی کے تحت 'جیٹ پٹ کمپنی' اور وان اسٹارٹ ایجنسی ہاؤس کے تحت 'ڈھاکا' کمپنی تھے۔ ڈھاکا کے معاملات کے سلسلے میں جو انکشافات ہوئے وہ بہت چونکا دینے والے تھے۔ اس کمپنی کی ایجنسی شروع میں 'فارڈائس اسکنر اینڈ کمپنی' کو پیش کی گئی، جس نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ 'ایف ڈبلیو۔ ہیگلرس اینڈ کمپنی' نے جس نے اس کی ایجنسی سنبھالی تھی، ایسا لگتا ہے کہ عملی صورت میں اس پر گرفت حاصل نہیں کی اور 'سی۔ جی۔ وان اسٹیارٹ' ایجنسی جو عارضی طور پر اس کی مینجنگ ڈائرکٹر کے فرائض انجام دے رہی تھی 'ڈھاکا کا کمپنی' اسی کے ہاتھوں میں رہی۔ 'وان اسٹیارٹ کمپنی' نے اس کمپنی کا سارا سرمایہ 'بینک آف بنگال' سے نکال کر 'بنگال ٹرسٹ اینڈ لون کمپنی' میں جمع کروا دیا۔ موخر الزکر کمپنی کے دس دس حصوں کی صرف پانچ کمپیوں کو چھوڑ کر باقی سارے حصے صرف وان سٹیارٹ اور اس کی بیوی کے نام پر تھے، اور یہ پانچ کمپیں بھی اس کمپنی کے ملازمین یا وآن سٹیارٹ کے نام پر درج تھیں۔ ان میں سے ایک شخص کرچلے (Critchley) تھا جس نے وان سٹیارٹ کے انگلینڈ چلے جانے کے بعد اس کے قائم مقام کے فرائض انجام دیے۔ اس طرح کرچلے قرض خواہ اور قرض دار دونوں ہی کمپنیوں کی نمائندگی کرتا تھا۔

'ڈھاکا کا کمپنی' کے حصے دار کرچلے کے پاس پہنچے اور اس سے کمپنی کا کل سرمایہ، جو 3,30,000 روپے تھا، حاضر کرنے کو کہا۔ اس نے ان لوگوں کو بتایا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا اور یہ بتلانے سے بھی انکار کر دیا کہ اتنی بڑی رقم کا کیا ہوا۔ اس پر 'میک نیل اینڈ کمپنی' کے مسٹر ایگنیو اور 'پلیس سڈنس اینڈ گاف' [Place Siddons & Gough] کے سڈنس نے اس بات کی پیش کش کی کہ قانونی کارروائی شروع کرنے کے بیان کے

پاس چندہ جمع کر دیا جائے۔ کچھ عرصے بعد ڈھاڈ کا اینڈ کمپنی کے حصے داروں کا ایک جلسہ اس مقصد سے منعقد کیا گیا کہ یہ طے کیا جائے کہ آیا اس سلسلے میں کمپنی کا سرمایہ واپس لینے کے اقدامات اٹھائے جائیں یا پھر کمپنی کو بند کر دیا جائے۔ لیکن اس وقت تک حالات اور ماحول بدل چکا تھا۔ چونکہ یوروپی حصے داروں نے ان لوگوں کے ساتھ ایک متحدہ مورچہ سنبھال لیا تھا جس کے اثر سے خود حصے داروں میں ایک نسلی تناؤ اور کھنچاؤ سا پیدا ہو گیا تھا، جیسا کہ 'دی انگلش مین' میں چھپی مندرجہ ذیل رپورٹ سے اظہار ہوتا ہے۔

"جلسے میں حاضرین کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب یہ خطرہ پیدا ہونے لگا کہ اس جلسے میں بہت گڑبڑ پیدا ہو جائے گی چونکہ کرچلے نے ایک دیسی مالدار حصے دار پر 'تحکمانہ انداز' اپنانے کی کوشش کی۔ مسٹر وان سٹیارٹ کے دوست پوری طاقت کے ساتھ اکٹھا ہوئے تھے، اور جلسے کی ابتدا سے ہی یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پوری کاروائی کو اپنے انداز کے موافق ہی رکھیں گے۔ چنانچہ جو پہلی قرارداد پیش کی گئی وہ یہ تھی۔ . . . آنریبل مسٹر ایوانس (ٹنالسٹ) کی رائے کو مان لیا جانا چاہیے اور ایسے اقدامات اٹھائے جائیں کہ کمپنی کے ڈائرکٹر پر دباؤ ڈالا جائے کہ اس نے سرمائے کی جو رقمیں نکلوائی ہیں وہ انھیں واپس کرے اور دوبارہ 'بینک آف بنگال' میں جمع کروائے۔

کوئی بھی شخص یہ بات سوچے گا کہ مسٹر وان سٹیارٹ کے دوست حصے داروں کی حیثیت سے اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ میں، اس قرارداد سے متفق ہوتے ہوں گے، چونکہ ان کی رقمیں خورد برد ہوئی تھیں۔ لیکن جیسا کہ نتیجے سے اظہار ہوتا ہے وہ ان کے ضائع ہونے پر پوری طرح مطمئن ہو چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اسے سمجھ دار بیوپاری کا ایک معتدل انداز نہیں کہا جا سکتا، اور ایک حصہ دار کی حیثیت سے ان کا یہ طرزِ عمل ناقابلِ فہم ہے۔

جب یہ قرارداد ہاتھ اٹھا کر منظور کی گئی . . . . تو مسٹر وان سٹیارٹ کے ساتھیوں نے فوراً ہی اس پر باقاعدہ 'پولنگ' کی مانگ کی جس کے متعلق جلسے کے صدر مسٹر اگینو نے فیصلہ دیا کہ پولنگ فوراً ہی ہونی چاہیے۔ چونکہ ایسوسی ایشن کے دستور میں ایک مد ایسی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کوئی بھی شخص حصے دار کی حیثیت

سے کسی جلسے میں اس وقت تک رائے دینے کا حق دار نہیں ہے جب تک وہ حصے
کا رقعہ جلسے میں دکھلا نہ دے، اور حاضرین میں سے کچھ لوگ اپنے یہ رقعے جلسے میں
لانا بھول گئے تھے، چنانچہ صدر کے اس فیصلے سے کہ پولنگ فوراً ہی کی جائے
جلسے میں تھوڑی سی دیر کے لیے کچھ گڑبڑ بھی نظر آئی.... چنانچہ وان سٹیارٹ
کے گروہ نے اس قرارداد کو نامنظور کروا دیا۔ ان کو 125,000 ووٹ ملے،
جب کہ ان لوگوں کو جو اس قرارداد کے حق میں تھے۔ 100,800 ووٹ حاصل ہوئے
..... دوسری طرف یہ قرارداد کہ کمپنی کو ختم کر دیا جائے، اسے بھی ناکامی ہی
ہوئی۔"

جون 1890 سے ایک سال کے عرصے کے دوران 35 سونا کمپنیاں درج کروائی گئی تھیں جن کا کل ادا شدہ سرمایہ 8000000 روپے تھا لیکن وہ رقم جو فروخت کرنے والوں کی ادائیگیوں کے سلسلے میں، اور حصہ بازار میں فی الحقیقت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھوں میں منتقل ہوئی وہ اربوں روپے کی حد تک تھی۔ ان میں سے کسی کمپنی کا اجرا بھی ہندوستانیوں کی طرف سے عمل میں نہیں آیا تھا۔

اس لیے یہ بات کسی حد تک حیرتناک ضرور محسوس ہوتی ہے کہ حالانکہ کلکتے کا تقریباً ہر یوروپی مینجنگ ایجنسی ہاؤس کمپنیوں کے اجرا میں ملوث تھا لیکن انھوں نے یا تو اس قسم کی کوشش ہی نہیں کی، اور یا اگر کی تو اس میں ناکام رہے کہ برطانیہ میں سرمایہ کاروں کو اس طرف راغب کر کے کوئی پونڈ بنیاد کمپنی کا اجرا کر سکیں۔ اگر ہندوستانی لوگ حصہ بازار میں جوئے کی بازیاں لگا رہے تھے تو یہ عمل پورے ہوش و حواس کے ساتھ کر رہے تھے، لیکن یہ اثر اور روزن بہر حال یوروپی ایجنسی ہاؤسوں کا ہی تھا کہ جو اس سلسلے میں ترغیب دے رہا تھا اور جو اتنے عرصے تک اس سلسلے کو متواتر قائم بھی رکھے رہا۔ ان کے اس طرز عمل پر بالکل ابتدا میں یعنی 6 ستمبر 1890 کو ہی، 'اسٹیٹسمین' اور 'فرینڈ آف انڈیا' میں ایڈیٹر کو لکھے گئے ایک خط میں تنقید بھی شائع ہوئی تھی۔

"مجھے اس سلسلے میں جو چیز سب سے زیادہ حیرتناک محسوس ہوتی ہے وہ یہ
ہے کہ کافی معقول اور مشہور اور اس شہر میں ایک عرصے سے کاروبار کرنے والی
تجارتی کمپنیاں، جیسے 'میسرز گلینڈرس آربتھناٹ اینڈ کمپنی' وغیرہ نے بہا تیں

فراموش کردیں کہ ایسے منصوبوں کی حمایت اور پشت پناہی میں جن میں ایک معقول اور ایماندارانہ اسپیکولیشن کے بنیادی عناصر ہی موجود نہ ہوں، اپنے ناموں کے استعمال کی اجازت دے کر خود اپنے اوپر کیا ذمے داریاں عاید کر رہی ہیں۔ ایک منصوبہ زنامار گولڈ پراسپیکٹنگ کمپنی، جس سے بڑا منصوبہ جہاں تک میری ذاتی معلومات ہے آج کی نسل کی بیوپاری دنیا کے سامنے کبھی پیش نہیں کیا گیا.... اور مجھے کہنا پڑے گا کہ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میسرز کلبرن اینڈ کمپنی جیسی فرم اکیلی کسی ایسے منصوبے کی سرپرستی اور اتالیقی کر رہی ہوگی جس کی وابستگی سے وہ لوگ شاید شرم محسوس کریں گے جن کی اپنی کوئی ساکھ اور جگہ موجود نہیں ہے....''

بہرحال ایسا لگتا ہے کہ ایسی تنقیدوں سے اس طرز عمل پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں پڑا جو ان ایجنسی ہاؤسوں نے اختیار کیا تھا۔ بعض صورتوں میں لندن میں ان کے مالکوں یا مختاروں نے ان کی تھوڑی بہت تنبیہ بھی ضرور کی تھی لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا۔ جس وقت بازار میں پہلی بار ہراس پھیلا اور ان ہاؤسوں کی دی ہوئی یا یہاں سے چھپے چوری نکالی گئی اطلاعات سے عوام کا اعتماد کسی حد تک ٹوٹنا شروع ہوا تو ان لوگوں نے دوسرے طریقے اپنانے شروع کیے، مثال کے طور پر برطانیہ کی مشہور سونا کان کنی کے ماہرین کو یہاں لایا گیا، یا بوس ورتھ اسمتھ [Bos WorTh SmiTh] کو اپنے ساتھ شامل کیا گیا جو آسٹریلیا کی سونا کان کنی میں اپنے تجربے کے لیے بہت مشہور تھا۔ لیکن کچھ عرصے بعد ایسی شخصیتوں کے بیانات کا اثر بھی عوام پر پڑنا بند ہو گیا اور سونے کے سلسلے میں اسپیکولیشن کی روح مردہ ہوتی چلی گئی۔

بنگال میں سونے کے جنون کی کہانی چند وجوہات کی بنا پر اہم ہے۔ اس سے یورپی ایجنسیوں کے اُس رویّے اور طرز عمل کا اظہار ہوتا ہے، جسے صرف شرمناک کہا جا سکتا ہے چونکہ صرف انھیں ایجنسیوں نے ایسی مشتبہ قسم کی سونا کان کن کمپنیاں کھولی تھیں۔ اور جس انداز سے انھوں نے 'ڈھاڈ کا کمپنی' کے حصے داروں کے جلسے میں عمل کیا تھا اس سے ان پر کچھ اور زیادہ گہرے اور سنگین الزامات عائد ہوتے ہیں۔ سونے کا جنون کلکتے کے حصص بازار کو بھی منظر عام پر لے آیا اور اس نے ایک ایسی باقاعدہ تنظیم کی ضرورت کا پوری طرح احساس

پیدا کر دیا جو عوام کو دھوکے باز قسم کی کمپنیوں اور بے ایمان اور سازشی قسم کے حصہ دلالوں سے کسی قدر تحفظ اور بچت فراہم کر سکے۔

اب تک یہ کتاب 1851 سے 1900 تک کے عرصے میں اجتماعی سیکٹر کی نشوونما سے متعلق رہی ہے۔ اس کے بعد کے دو بابوں میں مجموعی میلانات، مالیت کی فراہمی اور بیوپاری کارپوریشنوں کے انتظامیہ پر بحث کی گئی ہے اور آخری باب میں اس نقطے پر بحث کی گئی ہے کہ کیا ملک کی معاشی ترقی صدی کے آخری نصف حصے کے بعد رُک گئی۔؟

گیارھواں باب

اجتماعی سیکٹر میں مالیت کاری

رُجحانات اور قانونی تبدیلیاں

1850 اور 1870 کے درمیانی عرصے میں اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کے سلسلے میں جو تجربہ صنعتی سرمایہ کاروں کو حاصل ہوا تھا اس نے کمپنیوں کے مالیاتی ڈھانچے کے بیے اُن کے انداز فکر میں خاصی تبدیلی پیدا کر دی تھی یعنی کسی معمولی حصے کی ظاہری قدر کی مناسبت قرض سرمایہ ابھارنے کے طریقے اور حصوں کے ذریعے ابھارے گئے سرمائے سے اس ڈھانچے کے بنتے اور تناسب وغیرہ کے سلسلے میں ان کے تصورات کافی حد تک بدل چکے تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ کارپوریشنوں کی تعداد میں بھی مجموعی اور عمومی اضافہ ہوا۔ ایک طرف نئی کمپنیوں کا اجرا کرنے والے سرمایہ ابھارنے کی کوششوں میں اب عوام کے زیادہ وسیع حلقے تک پہنچنے پر مجبور تھے۔ پھر اسی دوران عوام بھی کمپنیوں کے طریقۂ کار سے زیادہ بہتر طور پر واقف ہو گئے تھے اور ان کمپنیوں میں سرمایہ کاری کے سلسلے میں اب یہ قدرتی طور پر زیادہ آسانی سے تیار تھے۔ اس طرح سرمایہ کار طبقے میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا چلا گیا، اور اس حلقے میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے جن کے ذرائع یقینی طور پر کافی محدود تھے۔

چھٹی اور ساتویں دہائی میں 5,000 روپے اور 2500 روپے کے حصے حاصل کرنا ایک خاصی عام بات تھی، چونکہ یہ عام طور پر دولت مند تاجر یا کبھی کبھی ہندوستانی ریاستوں کے حکمران اور رئیس قسم کے زمیندار ہی خریدتے تھے۔ لیکن جیسے جیسے سرمائے کی مانگ بڑھی اور سرمایہ کار طبقے کی ساخت میں تبدیلی رونما ہوئی، بڑی بڑی قیمتوں کے حصوں کی خرید و فروخت مشکل ہوتی چلی گئی۔ 1873 میں جب بمبئی کے رایل کاٹن مل کے حصے 400 اور 500 روپے کی کوٹی پر بک رہے تھے تو اس کے لیے یہ وجہ بھی بیان کی گئی

تھی کہ ان حصوں کی ظاہری اونچی قیمت نے بہت سے لوگوں کے لیے ان کے لین دین میں دشواری
پیدا کر دی تھی[1] چنانچہ یہ بات محسوس کی جانے لگی کہ حصوں کی قیمت کو بہت کافی حد تک کم
کیا جانا ضروری ہے، لیکن اس سلسلے میں کچھ قانونی دشواریاں اب بھی حائل تھیں۔ اصولی طور پر
حصوں کی ظاہری قیمت کو کمپنی کے رضاکارانہ خاتمے کے بغیر کم ہی نہیں کیا جا سکتا تھا[2] اور
'دی گریٹ ایسٹرن اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمیٹیڈ' نے یہی طریقہ اپنانے کا فیصلہ کیا تھا[3]۔
لیکن اس قانون کی توضیح و تشریح کے سلسلے میں غالباً اس زمانے میں خاصہ اختلاف اور
گڑبڑی نظر آتی ہے۔ چونکہ 'دی کولابا اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمیٹڈ'[4] اور 'دی انڈیا
جنرل اسٹیم نیوگیشن کمپنی لمیٹیڈ'[5] نے اپنے حصوں کی قیمت کی تبدیلی کے سلسلے میں ان قانونی
نزاکتوں کا بالکل خیال نہیں کیا تھا۔ چنانچہ آٹھویں اور نویں دہائی میں اور اس سے بھی
زیادہ کچھ بعد کے سالوں میں 1000 روپے 500 روپے 250 روپے اور 100 روپے

---

[1] 'ٹائمز آف انڈیا' 28- اپریل- 1873
[2] 1866 کے ایکٹ کے سیکشن 11 X کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں؛
"حصوں سے محدود کوئی بھی کمپنی اپنی ایسوسی ایشن کے میمورنڈم میں صرف اسی صورت میں ترمیم کر سکتی ہے، کہ ایسوسی ایشن کے میمورنڈم کی بنیادی تشکیل میں اسے اس کی اجازت دی گئی ہو یا اس سے نیچے دیے گئے طریقے کے مطابق مخصوص قرارداد کے ذریعے تبدیلی کی گئی ہو کہ وہ ایسے نئے حصوں کے اجرا کے ذریعے جنھیں یہ مناسب تصور کرتی ہے، اپنا سرمایہ بڑھا سکے، یا موجودہ حصوں سے زیادہ رقم کے حصوں میں اپنے سرمائے کو مجتمع اور تقسیم کر سکے یا ادا شدہ حصوں کو اسٹاک میں تبدیل کرے، لیکن مندرجہ بالا صورت کے علاوہ نیچے بیان کی گئی صورت، یعنی نام کی تبدیلی کے علاوہ اپنی ایسوسی ایشن کے میمورنڈم میں دی ہوئی شرائط میں کوئی کمپنی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی۔"
[3] 'ٹائمز آف انڈیا' 28 اپریل 1873ء [4] 'ٹائمز آف انڈیا' 1- اگست 1874
[5] 1881 میں کمپنی نے اپنے حصوں کی برائے نام قیمت کو 1,000 روپے سے 100 روپے فی صدی کر دیا۔ "یہ محسوس کیا گیا کہ مقامی بازار کے لیے اتنی بڑی قیمت ضرورت سے کچھ بہت زیادہ تھی۔ تقریباً ساری دوسری کمپنیاں 100 کے حصے رکھتی ہیں، اور 1000 روپے کا حصہ رکھنے سے حصوں کے لین دین میں نقصان ہوتا ہے اور چھوٹے سرمایہ کاروں کی پہنچ اسکرپ حصوں کی مشکل ہو جاتی ہے۔" برکم، صفحہ 132 Scrip

کے حصے جاری کیے گئے۔ اس طرف ایک غیر معمولی اور انتہائی قدم اس وقت نظر آیا جب کلکتے کا بازار سونا کان کنی کے جنون میں مبتلا ہوا، اس زمانے میں جتنی بھی کمپنیاں جاری کی گئیں جو تقریباً تین درجن تھیں، ان سب کے حصے صرف ایک ایک روپے کی قیمت کے تھے[1]۔ حصوں کی اکائی کی قدر میں ایک تدریجی گراوٹ بلاشبہ ایک صحیح قدم کہی جا سکتی تھی، لیکن ایک ایک روپے کے حصوں کا اجرا، بہرحال صرف ایک ایسی ترکیب تھی جس سے غریب اور بھولی بھالی انجان جنتا کو اپنی طرف کھینچنا مقصود تھا۔

اب تک یہ طریقہ رہا تھا کہ بروئے کار سرمائے کا زیادہ بڑا حصہ مقامی بینکوں اور مہاجنوں سے نجی قسم کے ادھاروں کے ذریعے ہی ابھارا جاتا تھا جس کی کفالت کے لیے کمپنی کے سامان کے ذخیروں کو استعمال کیا جاتا اور کمپنی کے قائم اثاثوں کو رہن رکھا جاتا تھا۔ اس انداز پر حاصل کیے جانے والے قرضوں کے کچھ نقصانات بھی تھے۔ پہلی بات یہ کہ شرح سود کے اعتبار سے یہ نسبتاً زیادہ مہنگے بیٹھتے تھے، اور دوسرے ان کی واپسی کے سلسلے میں قرض خواہوں کا نجی یا شخصی دباؤ زیادہ ہوتا تھا، خاص طور پر اس وقت جب زر بازار زیادہ سخت ہو یا جس وقت کمپنی مالی مشکلات سے دوچار ہو۔ اگر کمپنی کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو اس سے کمپنی کے مشکلات میں کچھ اور اضافہ ہی ہو جاتا تھا اور بعض صورتوں میں کمپنیوں کو بڑی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑ جاتا تھا، جس کے نتیجے میں کبھی کبھی کمپنی کو اپنی رہن شدہ ملکیتوں تک کو بیچنا ضروری ہو جاتا تھا اور کمپنی کو ختم کر دینا پڑتا تھا[2]۔

---

[1] ملاحظہ ہو دسواں باب

[2] روئی مل صنعت کے بحران کے اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے گریوس کاٹن اینڈ کمپنی کے جیمس گریوس نے کہا تھا، "ایک اور وجہ جو اپنی موجودگی کا احساس پیدا کر رہی ہے، ان اداروں میں لگے ہوئے سرمائے کا ناکافی ہونا ہے۔ ادھار لیے گئے سرمائے کی اپنی ایک جگہ اور اہمیت ضرور ہے اور خوشحالی اور پھولنے پھلنے کے زمانے میں خود حصے داروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچتا ہے، لیکن جب حالات ناموافق ہوتے ہیں تو اس وقت قرضے طلب کیے جاتے ہیں اور پرانے قرضوں کے بدلے میں بہت زیادہ شرح سود پر نئے قرضے حاصل کیے جاتے ہیں، جس کے لیے میرا یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ اس سے ملوں کی کامیاب کارکردگی میں زبردست مشکلات کھڑی ہو جاتی ہیں۔" ٹائمس آف انڈیا، اپریل 1879 نیز ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا، 31 مئی 1881، 29 اپریل 1878 اور 17 فروری 1879

اس لیے آٹھویں دہائی میں روئی بافٹ سن مل کے لیے قرضا یک جونک کی طرح تصور کیا جانے لگا تھا جو اس مل کی شہ رگ سے خون چوس لیتی ہے حصوں سے حاصل شدہ سرمائے میں کمی کو پورا کرنے کے سلسلے میں یقیناً یہ ایک بہت کمزور طریقہ تھا۔ پر بس میں نظر آنے والی تنقیدوں سے حصے داروں میں کسی قدر جان کاری پیدا ہوئی جس کے اثر سے کچھ تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں اب بھی قرضوں کے بدلے میں ترجیحی حصے اور قرض نامے (ڈبنچر) دونوں ہی طریقوں کو استعمال کیا جانے لگا۔ لیکن صدی کے باقی سالوں[1] میں صرف قرض نامے ہی بیوپاری دنیا میں کچھ مقبولیت حاصل کر سکے۔ خاص طور پر مندہ بازاری کے زمانے میں۔ جب حصوں پر منافع یا تو بالکل ہی غائب ہو جاتا یا اسے کمپنی کے سرمائے سے ادا کیے جانے کا اعلان کیا جاتا۔ اس سلسلے میں اخباروں میں جو تنقیدیں شائع ہوئیں ان سے سرمائے کی گھساوٹ حصوں پر منافع اور ریزرو کے لیے ایک مناسب پالیسی کے بارے میں کمپنیوں کی مینجمنٹ کے طرز فکر میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی۔ آٹھویں دہائی کے تقریباً آخری حصے تک نفع نقصانات کے حسابات میں سرمائے کی گھساوٹ کی مد کو نظرانداز ہی کیا جاتا تھا۔ کمپنی کے پاس موجود اسٹاک (حصوں) کی قدر کو بڑھا چڑھا کر لگایا جاتا تھا اور حصوں پر منافع کی شرحوں میں اتار چڑھاؤ نظر آتا تھا۔ بمبئی میں ایک بار پھر گریوس کاٹن اینڈ کمپنی، کی فرم نے ہی طریقہ کار میں تبدیلی پیدا کرنے میں رہنمائی کی۔ ان کے مینجمنٹ کے تحت کام کرنے والے ملوں نے حصوں کے منافع کو یکساں رکھنے کے لیے، ایک محفوظ رقم بنائے رکھنے کی پختہ پالیسی اپنائی اور منافع میں لگاتار 10 فی صدی کا اعلان کیا۔[2] دوسری طرف غالبًا جے۔ این۔ ٹاٹا وہ پہلی شخصیت تھی جس نے پہلی بار خالص منافع کی رقم کا حساب لگانے سے پہلے سرمائے میں گھساوٹ کے لیے ایک معقول رقم کی بچت کی پالیسی کی حمایت کی۔[3] کلکتے میں 1879 کے آس پاس کے زمانے سے عام طرز فکر میں تبدیلی پیدا ہوئی شروع ہوئی جو 'فرینڈ آف انڈیا'[4] کی بے لاگ تنقید کا نتیجہ تھی۔ اور پھر بہت زیادہ وقت نہیں گزرا کہ

---

[1] ملاحظہ ہو 'ٹائمز آف انڈیا' 30 مئی 1880 میں شائع ہوئی قرض ناموں کی ایک فہرست اور 'فرینڈ آف انڈیا' یا 'انگلش مین' کے 1900 کے کسی بھی شمارے میں شائع ہوئی حصوں کی قیمتیں۔

[2] 'ٹائمز آف انڈیا' 4 جنوری 1884۔

[3] 'ٹائمز آف انڈیا' 17 اگست 1886۔ [4] نمبر کا حاشیہ اگلے صفحے پر

گھساوٹ کے محفوظ سرمائے کی پالیسی ایک عمومی صورت اختیار کر گئی۔ کچھ کمپنیوں نے ایک عمومی محفوظ سرمایہ رکھنے کا طریقہ بھی اپنایا تاکہ اسے کمپنی کی توسیع کے لیے استعمال کیا جاسکے اور بعض صورتوں میں اس قسم کے سرمائے کو بونس حصوں کے اجرا کے ذریعے بھی حاصل کیا گیا۔[1] مینجمنٹ کے لیے اس کام میں کامیابی حاصل کرلینا خاص طور پر کافی مشکل رہا ہوگا چونکہ حصے داروں کی طرف سے حصوں پر زیادہ منافع دیے جانے کا دباؤ بہت زیادہ تھا۔ اور غالباً محفوظ سرمایہ جمع کرلینے کے سلسلے میں مینجمنٹ کی جھجک کے لیے کم از کم کسی حد تک تو ضرور یہی چیز ذمے دار تھی۔

مالیاتی مینجمنٹ کی تکنیک کے سلسلے میں ایک اور دلچسپ تجربہ منافع کے دستی رقعے [Bearer Dividend Warrants] جاری کیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ لازمی طور پر ایک ایسے طریقے میں آسانیاں پیدا کرنے کی غرض سے شروع کیا گیا تھا جو کافی وسیع پیمانے پر پہلے سے عمل میں آرہا تھا، اور جس میں حصوں کے منتقل کیے جانے میں نام کی جگہ کو کورا چھوڑ دیا جاتا تھا۔[2] کسی درج شدہ حصے دار کو جو کچھ عمل کرنا ہوتا تھا وہ صرف اتنا تھا کہ منافع کے دستی رقعے کو اس حصے دار کے پاس بھیج دے جس کے پاس حصے کے منتقل ہونے کا کورا پروانہ موجود ہے۔

1850 سے کافی پہلے بھی کلکتے اور بمبئی کی بیوپاری دنیا میں حکومت کی ضمانتوں (سیکیورٹی) اور اس وقت موجود کمپنیوں کے حصوں کا لین دین ایک عام بات تھی۔ ساتویں دہائی کے ابتدائی سالوں میں اسپیکولیشن کی گرم بازاری کے نتیجے میں مالیات کے ان رقعوں کا بیوپار اور بھی مخصوص اہمیت اختیار کر گیا۔ کلکتے کی گرم بازاری نے اس سلسلے میں کچھ ایسا جوش خروش پیدا کیا کہ یورو پین اور حصوں کے دلالوں نے کلکتے میں ایک اسٹاک ایکسچینج کے قیام کو ضروری سمجھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ تھیکر کی 1864 بنگال ڈائرکٹری میں کلکتے کے ایک مقام اا۔

بقیہ گزشتہ صفحے کا۔ مختلف شمارے مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں 24 مارچ 1880، 28 نومبر 1881
9 نومبر 1877، 28 ستمبر 1877 کے شمارے۔

1. ٹائمز آف انڈیا، 28۔ مارچ 1882 (ایمپریس مل پر)
2. ایضاً۔ 16 اکتوبر 1890

اسٹرینڈ' میں ایک اسٹاک ایکسچینج کا حوالہ بھی مل جاتا ہے۔ ان میں یوروپی بل اور حصہ دلالوں کی فہرست میں، جو اس کاروبار میں معروف تھے، 14 دلال اس ایکسچینج کے ممبر بھی ظاہر کیے گئے تھے۔ اس ادارے کے متعلق صرف ایک اطلاع یہ اور درج کی گئی تھی کہ ایک کمرہ، جس میں تمام ملکی اور غیر ملکی ممتاز اخبارات اور ان کے ساتھ تار کے ذریعے موصول شدہ تازہ ترین پیغامات اور اطلاعات موجود ہوتی تھیں، ان لوگوں کے لیے کھول دیا گیا تھا جو 5 روپے مہینہ چندہ[1] ادا کرتے تھے۔ لیکن یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ اس ادارے نے ایک ملاقات کی جگہ فراہم کرنے اور ایک اطلاعاتی خدمات انجام دینے والے ادارے سے زیادہ کوئی کامیابی حاصل کی تھی۔

بہرحال کلکتے میں ایک اور ادارہ بھی تھا۔ کلائیو روڈ پر موجود تھا جو پہلی جون 1858 کو قائم کیا گیا تھا۔ یہ ایک تجارتی ایکسچینج تھا جس کی ایک انتظامیہ کمیٹی تھی جو نو افراد پر مشتمل تھی جن میں ایک ہندوستانی رام گوپال گھوش بھی تھا۔[2] 1867 میں اس کے دفاتر 102 'کلائیو اسٹریٹ' پر منتقل کر دیے گئے تھے، جہاں یہ 1893 تک رہے اور اس کے بعد انھیں 'رائل ایکسچینج' کی عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ حالانکہ 1867 سے پہلے اس ادارے کو مختلف نام دیے جاتے رہے۔ جیسے 'دی ایکسچینج' یا 'مرچنٹس ایکسچینج' (تاجروں کا ایکسچینج) لیکن صدی کے باقی حصے میں اسے 'بروکرس ایکسچینج' (دلالوں کا ایکسچینج) کا ہی نام دیا جاتا رہا۔[3] 'گزیٹ آف انڈیا' میں دی جانے والی حصہ بازار کی قیمتوں کی اطلاعات ''دفتری اطلاعات'' سے ہی شروع ہوئی تھیں جو اسی 'دلال ایکسچینج' کی طرف سے دی جاتی تھیں۔[4] دلال ایکسچینج، کی انتظامیہ کمیٹی کا جلسہ مہینے کے ہر پہلے سنیچر کو پوری باقاعدگی کے ساتھ ہوتا تھا۔ بدقسمتی سے ہماری تحقیقات اس ادارے کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے میں قاصر رہی ہیں۔ یہ ایک ایسی کوشش محسوس ہوتی ہے جس کے ذریعے کلکتے میں حصہ بازار کا قیام مدنظر تھا۔

---

[1] تھیکر کی بنگال ڈائرکٹری 1864 صفحہ 85

[2] ایضاً۔

[3] ایضاً

[4] 1876-1877 اور 1878 میں اسٹاک بازار کی کوئی بھی رپورٹ ملاحظہ ہو۔

ساتویں دہائی میں کلکتے کے حصص بازار میں ہندوستانی عنصر کوئی بہت بڑا نہیں تھا، اسی لیے 'دلال ایکسچینج'، اپنے ممبروں اور انتظامیہ دونوں کے اعتبار سے خالص یوروپی تنظیم تھا۔ حصوں اور دوسری ضمانتوں وغیرہ کے لین دین کا کاروبار ایک نیم کے درخت کے نیچے عمل میں آتا تھا جہاں تمام دلال جمع ہو جاتے تھے۔ پھر جب 1893 میں بنگال ایوان تجارت نے 'اورنٹیل بینک' کی عمارت حاصل کرکے اس میں کچھ تبدیلیوں کے بعد اس کا نام 'رایل ایکسچینج بلڈنگس' رکھا تو یہ بھی کوشش کی گئی کہ حصص بازار کو نیم کی درخت کی چھاؤں سے ہٹا کر ان عمارتوں میں منتقل کر دیا جائے، لیکن اس تحریک میں، ہندوستانیوں — اور خاص طور پر مارواڑیوں کے داخلے کے سلسلے میں، جنھیں 'شور مچانے والوں' کی بنیاد سمجھا جانے لگا تھا۔ اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی مانی جاتی تھی کہ ان کی موجودگی کے بغیر، اس بازار کی جگہ میں تبدیلی کے متعلق سوچنا بھی بے کار ہے۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لیے اس رائے کا بھی اظہار کیا گیا کہ مجوزہ ہال میں ایک پردے کی دیوار کھچوا دی جائے لیکن غالباً اس تجویز کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور یہ حصص بازار اس وقت تک بھی نیم کے درخت کے نیچے ہی رہا جب تک 1908 میں، کلکتہ اسٹاک ایکسچینج باقاعدہ طور پر قائم نہیں ہو گیا۔[1]

---

[1] ہندوستانی سرمایہ بازار، صنعتی مالیت کاری اور ہندوستان میں 'اسٹاک ایکسچینج کی نشو و نما کے مطالعے کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں فائدہ مند ہو سکتی ہیں۔

— ایس کے باسو۔ 'ہندوستان میں صنعتی مالیت کاری [انڈسٹریل فائنانس ان انڈیا] مطبوعہ 1939

— کے ایل گرگ 'ہندوستان میں اسٹاک ایکسچینج [اسٹاک ایکسچینج ان انڈیا] مطبوعہ 1946

— ایم۔ اے۔ ملکی۔ ہندوستان میں نئے سرمایہ حصوں کا بازار' [نیو کیپٹل اشوز مارکیٹ ان انڈیا] مطبوعہ 1947

— پی۔ سی۔ جین۔ 'ہندوستان میں صنعتی سرمایہ کاری [انڈسٹریل فائنانس ان انڈیا] مطبوعہ 1961

— آر۔ سی۔ مہتا۔ منصوبہ بند ترقی کے لیے ہندوستان میں سرمایہ بازار کیپٹل مارکٹ ان انڈیا

(مسلسل)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے دوران حصہ بازار میں بیوپار ہر شہر کی موجود روایات کے مطابق عمل میں آتا تھا اور اس کے لیے کوئی باقاعدہ قواعد و ضوابط موجود نہیں

(مسلسل)

فار پلانڈ گروتھ] مطبوعہ 1965ء۔

—— اسٹاک ایکسچینج (لندن) دفتری سالنامہ [آفیشیل ایئر بک] ۔

—— کلکتہ اسٹاک ایکسچینج " " [" " "] 2 جلدیں 42-1940ء۔

—— مدراس اسٹاک ایکسچینج " " [" " "] ۔

—— ہندوستانی سرمایہ کاروں کا سالنامہ [انویسٹرس انڈیا ایئر بک] مرتبہ پلیس مٹرنس اور گٹ، پہلا شمارہ 1912ء۔

—— نواروجی جمشید جی کلسارا - ہندوستانی ضمانتوں، اسٹاک اور کرنسی نوٹوں پر معلومات [گائڈ ٹو انڈین سیکوریٹیز، اسٹاکس اینڈ کرنسی نوٹس] 1897ء۔

—— اے ما پنجشرمان - ہندوستانی سرمایہ کاری پر معلومات [اے گائڈ ٹو انڈین انویسٹمنٹ] مطبوعہ 1881ء۔

—— ایس داس - ہندوستان میں صنعتی سرمایہ کاری، [انڈسٹریل انٹرپرائز ان انڈیا] مطبوعہ 1938ء۔

—— اے۔ کرشنا سوامی - ہندوستان میں سرمائے کا ارتقا، [کیپٹل ڈیولپمنٹ ان انڈیا 1860-1913] [ٹائپ شدہ] 1941ء۔

—— آئی۔ ایم۔ ایف (انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ) ہندوستان میں مالیاتی ادارے، [فائنانشیل انسٹی ٹیوشنس ان انڈیا] مطبوعہ 1950ء۔

—— کے۔ کے شرما ' ہندوستان میں زر کا بازار' [دی انڈین منی مارکیٹ] مطبوعہ 1934

—— وی۔ آر۔ سرداسنے - ہندوستان میں سرمایہ بازار' [دی انڈین کیپٹل مارکیٹ] مطبوعہ 1956ء۔

ایم۔ ایم۔ مہتا - ' ہندوستانی صنعتوں کا ڈھانچہ - اسٹرکچر آف انڈین انڈسٹریز مطبوعہ 1955ء۔ ۔۔۔ (مسلسل)

تھے۔ چونکہ 1927 تک بھی انڈین ایئر بک [ہندوستانی سالنامے] میں اظہار کیا گیا تھا کہ بھگتان یا بے باقی کے دن مقرر نہیں ہیں۔ جس دن کوئی معاہدہ عمل میں آئے اس سے اگلے دن رقعوں کو دے دینا ضروری ہوجاتا ہے، اور ضمانتوں کی فروخت کا کام زیادہ تر کوری منتقلیوں، کی شکل میں عمل میں آتا ہے[۱]۔،، لیکن مزید تحقیق کے بغیر اس بات کو یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ان قواعد میں جن کے تحت حصہ بازار کا لین دین ہوتا تھا، کسی قسم کی بے قاعدگی کا عنصر بالکل بھی موجود نہیں تھا۔ یہی حقیقت کہ دلال ایکسچینج، کی انتظامیہ کمیٹی کا جلسہ مہینے میں کم سے کم ایک بار ضرور ہوتا تھا اس قسم کا شبہہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہے ۔ آخر اتنی باقاعدگی سے جلسے ہونے کا کیا مقصد تھا؟۔ اسٹاک بازار میں کاروبار کرنے والے بیک وقت دلالی بھی کرتے اور ان حصوں کا کاروبار بھی کرتے تھے۔ لین دین فوری ادائیگیوں اور مستقبل کی ادائیگیوں، دونوں ہی شکلوں میں ہوتا تھا۔ مستقبل میں ادائیگی کے معاہدے کو 'وقتی سود' کا نام دیا جاتا تھا۔ ادھار رقموں پر منافع کی حدوں (   )

(مسلسل)

ـــ ڈی۔آر۔ سامنت اور ایم۔ اے ملکی 'ہندوستان میں صنعتوں کی تنظیم اور مالیت کاری' [آرگنائزیشن اینڈ فائنانس آف انڈسٹریز ان انڈیا] مطبوعہ 1937۔

ـــ نیشنل کاونسل آف اپلائڈ مین پاور ریسرچ۔ منصوبہ بند معاشیات میں سرمایہ بازار [کیپٹل مارکٹ ان پلانڈ اکونومی] مطبوعہ 1966۔

ـــ پی۔ایس۔ لوکناتھن۔ 'ہندوستان میں صنعتی تنظیم [انڈسٹریل آرگنائزیشن ان انڈیا] مطبوعہ 1935۔

ـــ ایم۔ وی۔ ناموشی 'ہندوستان میں وسیع پیمانے کی نجی سیکٹر کا ارتقا [دی ڈیولپمنٹ آف دی لارج سکیل پرائیویٹ سیکٹر ان انڈیا] (مقالہ)۔ گوکھلے انسٹی ٹیوٹ آف پالیٹکس اینڈ اکونومکس، پونا' 1656۔

[۱] اے۔ کے سین [مرتبہ] 'دی اسٹاک ایکسچینج'۔ ایک مذاکرہ، مطبوعہ 1958 صفحہ 62۔

کے سلسلے میں بھی خاصہ بیوپار ہو جاتا تھا۔[1]

اس کے مقابلے میں بمبئی میں شروع ہی سے اسٹاک اور حصوں کے بیوپار پر ہندوستانیوں کا غلبہ تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ 50-1840 کے درمیانی عرصے میں چھ سے زیادہ حصہ دلال بمبئی میں ایسے نہیں تھے جن کو بینک اور تاجر لوگ اس حیثیت میں تسلیم کرتے ہوں۔[2] 1860 میں یہ تعداد 60 تک پہنچ گئی تھی۔ دلالوں کی رہنمائی پریم چند رائے چند کرتا تھا، "جس نے اسٹاک دلالوں کو وہ جگہ اور وہ اہمیت بخش دی تھی جو انھیں اس سے پہلے حاصل نہ ہو سکی تھی"[3] امریکی خانہ جنگی کی ابتدا اور اس کے بعد پیدا ہونے والی گرم بازاری نے ان دلالوں کی تعداد اور ان کی شہرت میں اتنا اضافہ کیا جس کی مثال اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ گرم بازاری کے نقطہ عروج کے وقت بمبئی میں ان کی تعداد 200 سے 250 تک ہو گئی تھی۔[4] خانہ جنگی کے خاتمے کے اثر سے پورے بیوپار کو جو شکست ہوئی اس کا اثر وسیع پیمانے پر کمپنیوں کے خاتمے کی شکل میں ظاہر ہوا اور بیوپار کی طرف سے ایک بددلی سی پیدا ہوئی جس کا لازمی نتیجہ یہی ہوا کہ بمبئی میں ان دلالوں کی تعداد اور مقبولیت میں کمی پیدا ہوئی۔ آٹھویں دہائی کے ابتدائی حصے میں روئی کی صنعت میں ترقی اور توسیع نے حصہ بازار کے کاموں میں ایک مستقل اٹھان اور نشوونما کی حقیقی بنیاد فراہم کی۔ 1877 میں حصہ دلالوں کی تعداد 318 ہو گئی اور انیسویں صدی کے آخری سالوں تک یہ تعداد لگ بھگ اتنی ہی رہی۔[5]

ابتدا میں یہ دلال 'کاٹن گرین' میں جمع ہوتے جہاں اس وقت 'الفنسٹن سرکل' واقع ہے۔ 1855 تک بھی یہ لوگ یہیں جمع ہوتے رہے۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک یہ لوگ پرانے قلعے کی دیواروں اور پرانے مرکنٹائل بینک کے درمیانی قطعے میں جمع ہوئے اور آخریں

---

1. ملاحظہ ہو 'بنگال میں بیوپاری معاملات'، ٹائمز آف انڈیا، 28 دسمبر 1874۔
2. 'بمبئی اسٹاک ایکسچینج معلوماتی کمیٹی کی رپورٹ' [رپورٹ آف دی بامبے اسٹاک ایکسچینج انکوائری کمیٹی] 1924 صفحات 6-3۔
3. ایضاً۔
4. ایضاً۔
5. ایضاً۔

ان لوگوں نے ڈلال اسٹریٹ میں ایک جگہ حاصل کر لی اور یہیں جمع ہونا شروع کر دیا[1]۔ صدی کے باقی سالوں میں یہ دلال چلچلاتی دھوپ یا تیز بارش میں ایسی جگہ دیوانہ وار بھاگتے دوڑتے نظر آتے، جنھیں دیکھ کر راہ گیر خاصے ناخوش بھی ہوتے۔ اس کے علاوہ پیدل چلنے والوں کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنے کے سلسلے میں انھیں پولس کی طرف سے ہٹائے جانے کا سطرہ بھی لگا رہتا[2]۔ 1875 سے ہی، جب سے حصہ دلال منظم ہوئے تھے، یہ لوگ بمبئی کے ممتاز مِل مالکوں کے ساتھ مِل کر حصہ بازار کو ایک مناسب عمارت میں قائم کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ اس مقصد کے لیے ڈی۔ ایم۔ پیٹیٹ مینوفیکچرنگ مل لمیٹیڈ' کے 23 حصے بھی عطا کیے تھے۔ یہ، اور کچھ ضمانتیں، اور اسی کی دی ہوئی کچھ نقد رقم مل کر لگ بھگ 25,000 روپے ہو گئے[3]۔ خود دلالوں نے بھی کوئی 7,000 روپے کی رقم جمع کر لی[4]۔ 1887 کے آخر تک 'حصہ اور اسٹاک دیسی دلال ایسوسی ایشن' (دی نیٹو شیر اینڈ اسٹاک بروکرس ایسوسی ایشن) کے پاس لگ بھگ 38,000 روپے کی رقم موجود تھی جو 'پیٹیٹ مل' میں ، فی صدی سالانہ کے منافع پر لگی ہوئی تھی[5]۔ اس کے بعد یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ ایک عمارت حاصل کر لینے میں جتنی رقم کی ابھی کمی باقی ہے اس کے لیے ایسوسی ایشن قرض نامے جاری کر دے، لیکن غالباً اس تجویز کو پوری ضمانت نہ مل سکی[6]۔ تین سال کے بعد ایسوسی ایشن کی رقم 50,000 روپے تک پہنچ گئی اور ایک یوروپی شخص کو ایک خاص ممبر (ایکس آفیشیو) کی حیثیت سے ایسوسی ایشن کے لیے ایک مناسب حال تعمیر کرانے کے سلسلے میں اقدامات اٹھانے کے لیے مقرر کیا گیا[7]۔ پھر بھی 1899 تک اسٹاک ایکسچینج کے لیے ایک مخصوص ہال

---

[1] بمبئی اسٹاک ایکسچینج معلوماتی کمیٹی کی رپورٹ، 1924، صفحات 6-3

[2] 'ٹائمز آف انڈیا' 11۔ جنوری 1869

[3] ایضاً 7۔ جنوری 1887

[4] ایضاً 6۔ جنوری 1888

[5] ایضاً۔

[6] ایضاً۔

[7] 'ٹائمز آف انڈیا' 6 جنوری 1888۔

حاصل نہ کیا جا سکا۔[1]

حصوں اور اسٹاک کے بیوپار میں ایک تنظیم اور باقاعدگی پیدا کرنے کی تحریک نے بمبئی میں اُس وقت زور پکڑا جب 65-1863 کے عرصے میں حصوں کے بیوپاری جنون کے بعد مکمل شکست اور بیوپاری اختلال کا تجربہ ہوا۔ انتہائی اور غیر صحت مند اسپیکولیشن کے رجحان اور ذاتی منافع حاصل کرنے کے لیے نئی نئی چالوں اور بدعنوانیوں نے۔ جو دلالوں میں سے ایک چالباز گروہ کا شیوہ بن گئی تھیں، اور بعد میں ان میں سے بہت سوں کے دیوالیہ ہو جانے کی وجہ سے انھیں بالکل محتاج اور فقیر کر دیا تھا۔ اس قسم کی مانگ میں کچھ اور مضبوطی پیدا کر دی کہ دلال اسٹریٹ میں جو زبردست 'بدنظمی' پیدا ہو گئی تھی اس میں کسی قدر نظم و ضبط پیدا کیا جائے۔ چنانچہ 15۔ جولائی 1875ء کو 'ٹائمس آف انڈیا' میں دلالوں کے ایک جلسے کی رپورٹ شائع ہوئی جو لین دین میں 'فرق' کی حدیں مقرر کرنے کی غرض سے منعقد کیا گیا تھا۔ 11 ر تاریخ کو دلالوں نے ایک کمیٹی مقرر کی جسے 'حصہ اور اسٹاک دیسی دلال ایسوسی ایشن' کے قواعد و ضوابط تیار کرنے تھے۔ یہ ایسوسی ایشن ابھی دو ہی دن پہلے " حصہ اور اسٹاک کے دیسی دلالوں کے کردار، حیثیت اور مفادات کے تحفظ اور اس ایسوسی ایشن کے ممبروں کے لیے ایک ہال یا عمارت فراہم کرنے"[2] کی غرض سے قائم کی گئی تھی۔ حقیقت میں اس ایسوسی ایشن کے قیام سے کچھ ہی عرصے پہلے ایک اجتماعی سرمایہ کمپنی ایسی ابھاری جا چکی تھی جسے ایک 'کھلا اسٹاک ایکسچینج' فراہم کرنا تھا۔ لیکن اس منصوبے کو بمبئی میں کسی قسم کی حمایت حاصل نہ ہو سکی تھی اور اس لیے اسے ختم کر دیا گیا تھا۔[3] حصہ اور اسٹاک دیسی دلال ایسوسی ایشن' کے قیام کے بارہ سال بعد ایک دوہری لکھی دستاویز کے ذریعے 3۔ دسمبر 1887 کو[4] باقاعدہ طور پر اس کا قیام عمل میں آیا۔

جیسا کہ اس ایسوسی ایشن کے دستور میں اظہار کیا گیا تھا اس تنظیم کے مقاصد اور بالوں

---

[1] بمبئی اسٹاک ایکسچینج کی رپورٹ وغیرہ، صفحہ 4۔ [2] ٹائمز آف انڈیا 16 جولائی 1875
[3] 23 اکتوبر 1874 [4] بمبئی اسٹاک ایکسچینج کی رپورٹ وغیرہ صفحہ 4۔

(دو ہری دستاویز جو ایک ہی کاغذ پر دو بار لکھی جاتی تھی اور بیچ میں دندانے ڈال کر اسے علاحدہ کر لیا جاتا تھا تاکہ اس کے مضمون میں کسی قسم کی تحریف نہ کی جا سکے۔ (مترجم)

کے علاوہ "معقول اور ایمان دارانہ بیوپاری طریقوں کی ترقی، بدعنوانیوں کو دبانا، دلالوں کے درمیان پیدا ہونے والے قضیوں کا تصفیہ، اور دلالی کے بیوپار میں سلوک، رعایت اور خوش خلقی کے سوالوں کو طے کرنا" شامل تھے۔ اس ایسوسی ایشن کے ممبر بننے کا حق صرف ہندوستانیوں کو ہی حاصل تھا اور ابتدا میں داخلے کی فیس صرف 51 روپے تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس وقت تک ایسوسی ایشن کا انتظام صحیح طریقے سے نہیں چل رہا تھا۔ چونکہ ٹائمس آف انڈیا نے لکھا کہ موجودہ اسٹاک ایکسچینج، جیسا بھی اس وقت موجود ہے، اپنی ساخت میں ناقص ہے اور اپنے ممبروں کی فہرست میں چند باعزت مستثنیات کو چھوڑ کر، بے ہنگم اور بے اصول قسم کے لوگوں کا ایک گروہ سموئے ہوئے ہے۔ پھر بھی 24 اکتوبر 1888 کو جب یہ تنظیم لگ بھگ تباہی کی حد تک پہنچ رہی تھی۔ چونکہ پچھلے دو سالوں کے دوران کچھ دلال چند ملوں کے حصوں کی زبردست پیشگی خرید میں مصروف ہو کر ناکام ہو گئے تھے اور جب ان کے حسابات کو جبریہ طور پر بند کیا گیا تو مشکلات اور پیچیدگیوں میں پھنس گئے تھے۔ تو اسی اخبار نے لکھا تھا کہ "غلط کاروں کو اسٹاک ایکسچینج سے نکال دیا گیا ہے اور مینجمنٹ نے مستقبل میں اس قسم کے واقعات کو دہرائے جانے کے خلاف سخت ترین اقدامات اٹھائے ہیں۔" اس کے باوجود بھی اس اخبار نے یہی رائے ظاہر کی تھی کہ اس کے بورڈ میں بہتری پیدا کرنے کے خیال سے تبدیلی لانا اور ایسوسی ایشن کے قواعد کو بھی بہت کافی حد تک سخت کیا جانا ضروری ہے۔ اس نے جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دی تھی وہ یہ تھی کہ ایسوسی ایشن کے ممبروں کی طرف سے ایک مضبوط ضمانت ضروری ہونی چاہیے۔ لیکن ان تنقیدوں کے باوجود بھی ایسوسی ایشن آہستہ آہستہ مضبوط ہوتی جا رہی تھی چنانچہ 1890 میں شہر کے ایکسچینج بینکوں نے بھی اس ایسوسی ایشن کو تسلیم کر لیا اور یہ بینک صرف انہی لوگوں کے ساتھ اپنا کاروبار جاری رکھتے جن کے ناموں کی تصدیق ایسوسی ایشن کے ڈائرکٹروں کی طرف سے ہو جاتی تھی۔

---

1. بمبئی اسٹاک ایکسچینج کی رپورٹ وغیرہ صفحہ 4
2. ایضاً۔
3. ٹائمز آف انڈیا 7 جنوری 1887
4. ٹائمز آف انڈیا 4 جنوری 1899

اسٹاک ایکسچینج کی نشوونما کو خود کمپنی کی ترقی کا ایک ضمنی عمل کہا جا سکتا ہے۔ کمپنیوں کی تعداد میں اضافے کے نتیجے میں حصہ دلالوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے، تاکہ حصہ بازار میں اس بڑھتے ہوئے بیوپار کو چلایا جا سکے۔ جب ہر کس و ناکس ضمانت کے لین دین کا کام شروع کر دیتا ہے اور اس میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے کچھ قواعد و ضوابط بھی موجود نہیں ہوتے تو ان کی کارکردگی کے معیار میں گراوٹ آنا ایک لازمی بات ہے۔ اور یہی وہ منزل ہے جہاں سنجیدہ لوگ، جن کی آمدنی کا انحصار ساہن داری سے حصہ بازار پر ہی ہوتا ہے اس قسم کے اقدامات کی ابتدا میں دلچسپی لینا شروع کر دیتے ہیں جن سے انھیں سرمایہ کار عوام کا اعتماد حاصل ہو سکے تاکہ حصہ بازار کو ایک 'اسٹاک ایکسچینج کی شکل میں منظم کیا جائے جس کے ذریعے اس کے ممبروں سے کارکردگی کے ایک کم سے کم معیار کی ضمانت حاصل ہو اور اس کی بنیاد پر عوام اس پر اعتماد کر سکیں۔ آٹھویں دہائی کے تقریباً درمیانی حصے تک کلکتہ اور بمبئی میں اس سلسلے کے ارتقا کی اس منزل پر پہنچ چکے تھے۔ اس کی مزید شہادت اس حقیقت سے بھی مل جاتی ہے کہ حالانکہ بمبئی کے دلال ایک غیر معمولی صورتِ حال کے مقابلے کے لیے لگ بھگ ایک دہائی پہلے بھی جمع ہو چکے تھے، اور ان لوگوں نے ایک اجتماعی قدم اٹھایا بھی تھا لیکن اس وقت تک جب تک کمپنیوں کی تعداد میں کافی اور حقیقی اضافہ نہیں ہو گیا حصہ بازار کو باقاعدہ طور پر منظم کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

یہاں یہ بھی مناسب ہو گا کہ بمبئی اور کلکتے کے حصہ بازاروں کی کچھ خصوصیات پر ایک نگاہ ڈال لی جائے۔ ان دونوں ہی جگہوں پر اس بازار کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہاں بیوپار کا ایک خاصہ بڑا حصہ اسپیکولیشن کاروبار سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی وجہ غالباً اس بازار میں خاصی بڑی تعداد میں مارواڑیوں کی موجودگی تھی جن کے متعلق عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں فطری طور پر یہ لوگ زیادہ سٹے باز ہوتے ہیں۔ 'وقتی سوددں' اور بے باقی کے مقررہ دنوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس بازار میں اس میلان کے قائم رہنے اور پھلنے پھولنے میں اور آسانی مل گئی تھی۔ ادھار لی گئی رقموں پر قرق کا لین دین اسپیکولیشن اور تباہی کی مخصوص علامات ہیں۔ اس بات کا واضح اظہار کبھی کبھی پیدا ہو جانے والے بحرانوں سے بخوبی ہو جاتا ہے جو ایسے دلالوں کی ناکامیوں کا نتیجہ ہوتے تھے جنھیں پہلے سے بھی کمزور خیال کیا جاتا تھا[1]

---

[1] ٹائمز آف انڈیا، 4 جنوری 1889

اس کے علاوہ سال میں کم سے کم دو بار، خاص طور پر جب کلکتے میں پوجا اور کرسمس کی چھٹیوں کے موقعے پر حصہ بازار بند کیا جاتا، ان اسپیکولیٹروں کو ادھار لی ہوئی رقموں کو واپس کرنے کی غرض سے جبریہ فروخت کرنی پڑتی۔ ان موقعوں پر چالاک قسم کے لوگ سستے سودوں کی تاک میں رہتے۔ بہت تیزی سے منافع حاصل کرنے کے لیے بعض موقعوں پر جھوٹی افواہیں بھی پھیلادی جاتیں۔ دلال بڑی بے چینی سے 'ولایت کے تار' کے منتظر نظر آتے اور بازاروں میں جنگ اور امن کی خبروں کے لیے ایک خاص حس سی پیدا ہو جاتی۔ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ بمبئی کے دلال اور حصوں کا بیوپار کرنے والے کافی ہوشیار اور چالاک لوگ تھے۔ اس فن کے پورے ماہر تھے کیوں انھیں حصہ بازار کی تمام نزاکتوں اور تکنیکوں پر پورا عبور حاصل تھا۔ ان کی شیخیوں میں سے ایک یہ بھی دعویٰ تھا کہ 'دینے' اور 'طلب' Put and Call کے متبادل میں یہ ایک دو چالیں تو لندن اسٹاک ایکسچینج کے بیوپاریوں کو بھی سکھاتے ہیں۔[1]

کمپنی قانون میں تبدیلیاں

1862 کے انگلش ایکٹ کے بعد ہندوستان میں بھی 1862[2] میں ایک مکمل اور جامع ایکٹ پاس کیا گیا۔ جس کا مقصد "اجتماعی کمپنیوں کے قیام کے سلسلے میں مختلف قوانین کو مجتمع کرنا یا ان میں ترمیم کرنا اور تجارتی کمپنیوں اور دوسری ایسوسی ایشنوں میں باقاعدگی پیدا کرنا یا انھیں ختم کرنا تھا۔ 1882 میں اس ایکٹ کی ایک بار پھر تشکیل کی گئی۔[3] جس میں انگلش قانون میں اب تک کی گئی ترمیموں کو تیرہ ترمیموں کے ذریعے شامل کیا گیا، اور تین اس قسم کی تبدیلیاں پیدا کی گئیں جو ہندوستان میں عدالتوں کی طرف سے دیے گئے زبانی فیصلوں کی وجہ سے ضروری ہو چکی تھیں۔ 1882 اور 1890 کے درمیان ہندوستان میں اس سلسلے میں جو اور ترمیمی ایکٹ پاس کیے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1887 کا ایکٹ VI: کمپنی کے خاتمے کی صورت میں قرضوں کو ترجیح دینے کے لیے۔

---

1. 'ٹائمز آف انڈیا' 4 جنوری 1889
2. 1866 کا ایکٹ X
3. 1882 کا ایکٹ VI

1891 کا ایکٹ XII: کچھ زبانی تصحیح کے سلسلے میں اور 1882 کے ایکٹ کے سیکشن 144، ش (الف) میں "بل" کے لفظ کے بعد "ہندی" لفظ کو شامل کیے جانے کے سلسلے میں۔

1895 کا ایکٹ XII: کمپنیوں کو یہ اختیارات دینے کے سلسلے میں کہ اگر ہائی کورٹ تصدیق کر دے تو وہ اپنے مقاصد اور دستور کی ساخت میں تبدیلی لا سکتی ہیں۔

1900 کا ایکٹ IV: کچھ کمپنیوں کو یہ اختیار دینے کے سلسلے میں کہ وہ برطانیہ میں اپنے ممبروں کا ایک شاخ رجسٹر رکھ سکتی ہیں۔

اس کتاب کے محدود دائرے کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ان تمام قوانین پر کوئی تفصیلی بحث کی جائے لیکن پھر بھی ان کی چند زیادہ اہم خصوصیات کو کسی قدر اہمیت کے ساتھ دیکھنا ضروری ہے۔

1866 کے ایکٹ نے بیمہ کمپنیوں سے وہ پابندی ہٹائی جس کے تحت وہ خود کو محدود ذمے داری رکھنے والی کمپنیوں کی حیثیت سے درج نہیں کروا سکتی تھیں۔ اب تک جو صورت حال تھی اس میں صرف بیمہ کمپنیاں ہی ایسی باقی رہ گئی تھیں جن پر یہ پابندی ابھی باقی تھی۔ لیکن اس ایکٹ کی منظوری نے ہندوستان میں ان کمپنیوں کی نشوونما پر موافق اثرات پیدا کیے۔ اس سلسلے کی سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ حالانکہ اس سے پہلے دوسرے ملکوں میں درج شدہ بیمہ کمپنیاں ہندوستان میں محدود ذمے داری کی بنیاد پر کاروبار کر سکتی تھیں، لیکن ہندوستانی کمپنیاں اس کا حق نہیں رکھتی تھیں۔ 1866 کا ایکٹ بہرحال اس سلسلے میں ضرور بر ناکام رہا کہ اس کے ذریعے ایک ایسی صورت پھر پیدا کر دی جائے جس سے کمپنیوں کو خود اپنے حصے خرید لینے کی ممانعت ہو جائے۔ یہ وہ صورت تھی جسے قانون ساز حلقوں نے 1850 کے ایکٹ میں اس وقت بھی شامل کیا جانا مناسب اور ضروری خیال کیا تھا[1] جب ہندوستان میں کمپنیاں اپنی بالکل ابتدائی منزلوں میں تھیں۔ یہ اور کچھ اور ایسی ہی صورتیں اس وقت ختم کر دی گئیں جب 1857 میں اس ایکٹ میں ترمیم کی گئی، یہ عمل شاید اس لیے کیا گیا تھا کہ کمپنیوں کے

---

[1] ملاحظہ ہو 1850 کے ایکٹ LXIII کا سیکشن 8

انتظامیہ کو انتظامی امور میں آزاد چھوڑ کر ابھرنے میں ترغیب فراہم کی جائے یا پھر یہ انگریزی متوازی قانون کی صرف کوری نقل میں ہی کیا گیا ہوگا۔ لیکن 1866 کے ایکٹ میں اس کی غیر موجودگی اس صورت میں مخصوص طور پر حیران کن نظر آتی ہے جب یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایکٹ 65-1863 کے خطرناک تجربات کے بعد اور ایک بحرانی دور میں پاس کیا گیا تھا۔

1882 میں قانون میں ترمیم کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب 1866 کے ایکٹ کے سیکشن 49 میں ایک بہت بڑی کمزوری کا علم ہوا۔ صوبہ بمبئی کے ایک مقدمے کے دوران یہ بات روشن ہوئی کہ کسی کمپنی کے لیے یہ عمل پوری طرح قانونی حدود میں ہے کہ وہ اپنے حصے داروں کے اجلاس میں حسابات کا ایک چٹھا منظور کرے اور اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کے رجسٹرار کے سامنے دوسرا گوشوارہ پیش کرے[1]۔ 1882 کے ایکٹ کے ذریعے اس کمزوری کو ختم کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ انگلش قانون کی مناسبت سے اس نے ایک اصول یہ بھی دے دیا کہ اگر حصہ دار اس قسم کی خواہش رکھتے ہوں تو اپنے کچھ ڈائرکٹروں کی ذمے داریوں کو غیر محدود بھی کر سکتے ہیں[2]۔ اس سے اس حقیقت کا پوری طرح احساس ہو جاتا ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ کی اکثریت اجتماعی سرمایہ دار کی پوری ساخت اور اس کی حقیقی اہمیت کو پوری طرح سمجھ لینے سے قاصر تھی۔ جیسا کہ کلکتے کے اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کے رجسٹرار نے صحیح طور پر اظہار کیا تھا کہ یہ حالت اپنی بہترین صورت میں ایسی کیفیت پیدا کر دے گی جس میں صحیح اور مناسب قسم کے لوگ ڈائرکٹر کے لیے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے جھجکیں گے اور بدترین صورت میں یہ چناؤ کو کٹھ پتلیوں کا چناؤ بنا کر رکھ دے گی[3]۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، ہندوستان میں کمپنیاں عام طور پر اپنے اثاثوں کی گھٹائی کے لیے کوئی رقم علاحدہ نہیں رکھتی تھیں[4]۔ بہت سی کمپنیاں اپنے اسٹاک کی قدر کو بڑھا چڑھا کر

---

[1] ملاحظہ ہو اس بل میں دیے گئے مقاصد اور وجوہات جو بعد میں 1882 کا ایکٹ VI ہو گیا۔ لجسلیٹو پروسیڈنگس ان انڈیا؛ نیز ملاحظہ ہو بامبے میل، 8 ستمبر 1881 اور ٹائمز آف انڈیا 10 مارچ 1882 (اداریہ)۔

[2] 1882 کا ایکٹ VI

[3] جوڈیشل اینڈ پبلک ڈپارٹمنٹ رجسٹر، نمبر 446

[4] ملاحظہ ہو صفحات 396

لگاتی تھیں۔ کچھ دوسری کمپنیاں حصوں پر منافع کے اعلان سے پہلے اپنے فائدوں میں سے ناقابل وصول قرضوں کی رقموں کو بھی منہا نہیں کرتی تھیں[1]۔ اس طرح سے حصوں پر تقسیم کیے گئے منافع کا ایک حصہ اصل میں لگائے گئے سرمائے کی واپسی ہی ہوتا تھا۔

دوسری طرف کچھ کمپنیاں ایسی بھی تھیں جو اپنے سرمائے اور محاصلی اخراجات کے درمیانی فرق پر پوری توجہ دیتی تھیں اور اپنے نفع نقصان کے گوشوارے میں بڑی خوشی کے ساتھ عمارتوں میں اضافے اور نئی مشینوں کے اخراجات کا اظہار کرتی تھیں اور اسے منہا کرتی تھیں۔

اس کے علاوہ خود کمپنی کے افسران اپنی ہی کمپنی کے حصوں کے اسپیکولیشن میں بھی پھنسے ہوئے نظر آجاتے تھے۔ کمپنیاں جس شخص کو چاہتیں اپنا ڈائرکٹر مقرر کر دیتیں، جس کے لیے تعلیمی یا کسی اور قسم کی مقررہ استعداد ضروری نہیں تھی۔ حالانکہ پبلک اکاؤنٹنٹوں کی فرمیں 1870 کی دہائی میں نظر آنی شروع ہو گئی تھیں، لیکن اِن کا کسی کمپنی کے حسابات کی جانچ پڑتال کے لیے تقرر ضروری نہیں تھا۔ غیر پیشہ ور قسم کے اکاؤنٹوں کے لیے جو چیز سب سے زیادہ اہم تھی وہ اُن کی فیس تھی، جس کی وجہ سے بہت سی صورتوں میں آڈٹ کا کام محض ایک دکھاوا اور فریب ہی رہ جاتا تھا[2]۔

1857 کے ایکٹ میں حسابات کا ایک گوشوارہ فراہم کیا گیا تھا اور کمپنیوں کو اپنے حسابات تیار کرتے وقت، جس حد تک حالات اجازت دیں، اس کے قریب رہنا ضروری تھا۔ لیکن جیسا کہ عام طور پر ہوتا تھا بیوپاری برادری نے "اتنا قریب جتنا حالات اجازت دیں" کی اصطلاح کو تمام پابندیوں کو نظر انداز کرنے کے لیے ایک کھلا اجازت نامہ تصور کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بار بار پریس نے حکومت سے درخواست کی اور زور ڈالا کہ وہ خود کمپنیوں کے آڈیٹروں کا تعین کرے یا کم از کم آڈیٹروں کے تقرر کے سلسلے میں قواعد و ضوابط ضرور عائد کر دے، جس میں ان کی عملی استعداد اور بڑی بدعنوانیوں یا بے پراپئوں کے لیے ذمہ داری کو مقرر کر دیا جائے لیکن جب ان اپیلوں پر نظر ثانی کی گئی تو ان اپیلوں پر کسی قسم کی توجہ نہیں دی گئی[3]۔

---

[1] ٹائمز آف انڈیا 24 جولائی 1891 اُدر نٹیل اسپننگ اینڈ ویونگ ملس پر لکھے ہوئے۔

[2] ملاحظہ ہو "سوفٹ اینڈ فیئر و پبلک اکاؤنٹنٹس" کا ایک اشتہار ٹائمز آف انڈیا 18 اکتوبر 1875

ملاحظہ ہو "فورڈ گلاسٹر جوٹ مل" پر ایک اداریہ۔ فرینڈ آف انڈیا 9۔ نومبر 1877

[3] ملاحظہ ہو ٹائمز آف انڈیا 10 فروری 1879 میز اورنٹیل لائف انشورنس کمپنی۔ (مسلسل)

حصے دار جس چیز کے سب سے زیادہ خواہش مند تھے وہ یہ تھی کہ کسی طرح مینجنگ ایجنٹوں کے اختیارات پر کوئی قانونی گرفت پیدا ہو جائے۔ زندگی بھر کے لیے مینجنگ ایجنٹوں کا تقرر، تقرری کے چھڑوانے کی صورت میں بہت بڑے معاوضے کی ادائیگی کی پابندی، اور ہر پونڈ وزن کی پیداوار پر چوتھائی آنہ کمیشن، اور اسی طرح کے دوسرے مختلف طریقے جن سے مینجنگ ایجنٹ کمپنی کے منافع چوستے تھے، یہی سب باتیں حصہ داروں کی اہم شکایتیں تھیں۔

لیکن مینجنگ ایجنٹوں کی بدعنوانیوں پر سخت قانونی گرفت کے سلسلے میں پریس کا سارا شور و غل اور عوام میں سمجھ دار طبقے کی رائے ان میں سے کسی نے بھی قانون سازی پر کوئی اثر پیدا نہ کیا۔ ان ایکٹوں کو دیکھنے کے بعد کوئی ایسی خاص تبدیلی نظر نہیں آئی جس سے کمپنیوں کے مینجمنٹ یا حصے داروں کے حقوق کے تحفظ پر کوئی خاص اثر پیدا ہوا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ایکٹوں کو قانون سازوں کی طرف سے ہندوستان کی مخصوص کیفیات اور حالات کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لینے کی بہترین مثال کہا جا سکتا ہے۔ اگر ہندوستان میں پوری نصف صدی کے کمپنی قوانین میں کوئی نکتہ متواتر چھپا ہوا نظر آتا ہے تو وہ 1850 کے قانون کو چھوڑ کر ——————

اس پالیسی کی پورے یقین اور سختی کے ساتھ پابندی ہے کہ جو کچھ برطانیہ کے لیے اچھا تھا، وہ یقیناً ہندوستان کے لیے بھی مناسب ہوگا۔ یہ بات نہیں تھی کہ جو لوگ ان ایکٹوں کی تیاری کے ذمے دار تھے وہ قابل نہیں تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ ہندوستانی کمپنیوں کے سلسلے میں بہت اچھی استعداد اور تجربات کے بھی حامل تھے۔ وھٹلے اسٹوکس   جس نے اس بل کو پیش کیا، اور آگے بڑھایا جو بعد میں 1882 کا ایکٹ   ہوا کم از کم ایسی ہی ایک شخصیت تھا۔ غالباً جس چیز کی حقیقت میں کمی تھی وہ سمجھ کی نہیں تھی بلکہ عزم اور ارادے کی تھی۔

1913ء میں جب کمپنی ایکٹ ایک بار پھر ترمیم کے لیے اٹھایا گیا تو کامرس اور صنعت کے شعبے کے سیکریٹری آر۔ ای۔ اینتھوون R.E. ENTHOVEN نے یہ بات حکومت کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ "ہندوستان میں کمپنیوں کے دستور اور ان کے انتظامیہ میں باقاعدگی اور نظم و ضبط پیدا کرنے کے لیے کوئی بل پاس کرنا اور اس میں مینجنگ نظام کی بدانتظامیوں اور

(مسلسل)
کے مقدمے کے سلسلے میں رائے۔ ٹائمز آف انڈیا ۲ نومبر 1891 اور 21 جنوری 1895 کے شمارے میں 'ہمالین بینک' کے مقدمے کے سلسلے میں رائے۔

بدعنوانیوں کے سلسلے میں کوئی قدم نہ اٹھانا، حکومت کے لیے ایک بار پھر سخت تنقید کا دروازہ کھول دینے کے مترادف ہوگا۔ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ انگلش کمپنی قانون کو اگر ہندوستان میں درآمد کیا جائے اور اگر اسے ان حالات میں کام میں لانا ہو جو انگلینڈ میں موجود نہیں ہیں تو اس میں کچھ مخصوص ترمیمیں کرنا لازمی ہیں"[1] ہندوستان میں مینجنگ ایجنسی فرمیں بالکل وہی کام انجام دیتی ہیں جو انگلینڈ میں ڈائرکٹر انجام دیتے ہیں[2]۔

اگر دیکھا جائے تو ہندوستانی قانون مینجنگ ایجنٹوں پر وہ ذمے داریاں بھی عائد نہیں کرتا جو انگریزی قانون کے تحت انگلینڈ میں ڈائرکٹروں کو سنبھالنی پڑتی تھیں[3]۔ مینجنگ ایجنٹوں کو کمیشن کے روپ میں معاوضہ ملتا تھا، اس کے علاوہ انھیں ان کمپنیوں سے جن کے انتظامیہ کا کام ان کے سپرد تھا بیوپاری رشتہ رکھنے سے بھی کچھ معاوضہ حاصل ہوتا تھا، پھر یہ لوگ کمپنی کے لیے خریدے جانے والے مال اور اس کی پیداوار کی فروخت سے بھی منافع کماتے تھے ان تمام چیزوں سے بے ایمانیوں اور بدعنوانیوں کے لیے خاصی گنجائش نکل آتی تھی[4]۔

اینتھوون کے الفاظ میں ہی "یہ بھی ممکن ہے، اور بہت زیادہ غیر معمولی بھی نہیں ہے کہ مینجنگ ایجنٹ ایک فرم کی حیثیت سے پٹ سن، روئی، کوئلہ یا ایسی ہی کوئی چیز بہت بڑی مقدار میں خرید لیں اور سودا کرتے وقت کسی قسم کا اظہار نہ کریں کہ یہ سودا اپنی فرم کے لیے کیا ہے یا کسی ایسی ایک یا ایک سے زیادہ کمپنی کے لیے کیا ہے جس کے لیے یہ فرم مینجنگ ایجنٹ کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی چیز کی بہت بڑی مقدار میں خرید کے بعد، اگر اس چیز کا بازار موافق نہ رہے، تو مینجنگ ایجنٹ یہ سوچنے لگیں کہ یہ سودا کسی ایسے فرم کی طرف سے کیا گیا تھا جس کا انتظام ان کے سپرد ہے یا اسی طرح سے اگر بازار بہتر ہو جائے تو ایسی صورت

---

[1] اینتھوون کے نوٹ کے لیے ملاحظہ ہو' کامرس اینڈ انڈسٹریز ڈیپارٹمنٹ، کمپنیز، نمبر 69۔ 6 ستمبر 1913 یہ نوٹ ایس۔ کے۔ سین کی 'معاشی پالیسی [اکونومک پالیسی]' ضمیمہ A، صفحات 199-203 میں چھپا ہوا ہے۔

[2] ایضاً۔

[3] ایس۔ کے۔ سین (سابقہ حوالہ)۔

[4] ایضاً۔

میں کوئی بات ایسی مانع نہیں ہو سکتی کہ یہ اس سودے کو خود اپنی ہی فرم کی ملکیت ظاہر کریں، اور اس طرح اس کے منافع کے خود حق دار ہو جائیں[1]۔" انگلینڈ میں کسی ڈائرکٹر کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اپنے ذاتی مفاد اور کمپنی کے مفادات میں فرق پیدا کرے[2]۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلارک کے بیان کے مطابق۔ جس نے 'ہندوستانی کمپنیز ترمیمی بل، (1914 کا ایکٹ) پیش کیا تھا۔ حکومت نے "معتدل انداز میں ابتداً[3]" کی کہ مینجنگ ایجنٹوں نے جو مکمل اور بے لگام قسم کی آزادی حاصل کر لی تھی، اور پوری نصف صدی میں جس کے اثر سے انھوں نے اپنی حیثیتوں کو مستحکم بنا لیا تھا، اس پر کچھ پابندیاں اور باقاعدگی عائد کر دی جائے اور چیزوں کے ساتھ ساتھ اس بل میں یہ صورت رکھی گئی تھی کہ ڈائرکٹروں کی اکثریت مینجنگ ایجنٹوں سے آزاد رہتے ہوئے چنی جائے گی (سوائے ایسی نجی کمپنیوں کے جہاں دونوں کی تعداد میں مینجنگ ایجنٹوں کی اکثریت ہو)' اس کے علاوہ جہاں کمپنی مالک کا نام مخفی رکھنے کے اصول undisclosed Principal پر مبنی ہو وہاں ایک تحریری میمورنڈم کے ذریعے ٹھیکے کی شرائط کی تفصیل دی جانی ضروری تھی۔ جیسا کہ اس سلسلے میں خوف کیا جا سکتا تھا، اس بل پر بہت سخت تنقید ہوئی۔ بنگال ایوان تجارت' تو اس حد تک آگے بڑھ گیا کہ جب کلارک نے اس بل پر گفتگو کے لیے کلکتے جانے کی پیش کش کی تو اس نے اس بل کی "پریشان کن مدوں" پر گفتگو کرنے سے ہی انکار کر دیا[4]" اور اس بل کو "چند سال کے لیے" التوا میں ڈال دینے کی درخواست کی۔ برطانوی پارلیمنٹ میں بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا جہاں سر جے۔ ڈی۔ ریز Sir.J.D. Rees نے اسے ایک ایسا بل کہا جو "ان بیوپاری فرموں سے گہرا رشتہ رکھتا ہے جو پورے طور پر یا کسی حد تک انگلینڈ میں واقع ہیں" انھوں نے آگے کہا کہ "اس کی کچھ صورتیں، کچھ بیوپاریوں کی رائے کے مطابق ہندوستان اور اس ملک میں، دونوں جگہ خطرناک اور نقصان دہ اثرات پیدا کر سکتی ہیں، خاص طور پر وہ مدیں جن کا تعلق ڈائرکٹروں سے ہے" انھوں نے تجویز پیش کی کہ اس بل کو ملتوی کر دیا جائے[5]۔ چنانچہ حکومت کو جھکنا ہی پڑا۔ لیکن جیسا کہ بنگال کے ایڈووکیٹ

---

1. ایس۔ کے۔ سین (سابقہ حوالہ)
2. ایضاً
3. ایضاً۔
4. کاؤنسل میں کلارک کی تقریر۔ 5۔ مارچ 1913۔ گزٹ آف انڈیا۔ حصہ VI 1913۔
5. ایضاً۔

جنرل کینوک   نے کہا تھا، اس بل کے سیکشن 83(c) کو ہٹا دینا، جو اس پورے بل کا بنیادی مقصد تھا، اِس قانون کے حقیقی موضوع کو ہی براہ راست ختم کر دیتا ہے، اور میری رائے میں باقی ماندہ کچھ مددوں کے عملی افادے کو اس حد تک کم کر دیتا ہے کہ ان کا اثر زایل ہو جاتا ہے۔"[1]

عدالتی قوانین کا ارتقا

کمپنی ایکٹ بذاتِ خود قوانین کا کوئی مکمل اور خود کفیل مجموعہ نہیں ہیں۔ یہ بات فرض کر لینا بھی گمراہ کن ہوگا کہ انیسویں صدی کے دوران جو کچھ اہم تبدیلیاں اس سلسلے میں رونما ہوئیں وہ تمام کی تمام آئینی ہی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عدالتیں ہی تھیں جنھوں نے کمپنی قوانین کا مربوط اور مکمل مجموعہ تیار کر دیا۔ اس عمل میں عدالتوں نے ساجھے داری کے قوانین سے بھی استفادہ کیا؛ ررکارپوریشن قوانین اور دوسرے قوانین کو بھی استعمال کیا۔ گوور کے الفاظ میں "بالکل بنیادی اور قانونی اصولوں میں سے زیادہ تر کو عدالتوں نے اس طرح وضع کیا تھا کہ ان میں یا تو ان قوانین سے کوئی بھی مدد نہیں لی گئی تھی یا بہت کم استفادہ کیا گیا تھا اور ان عدالتوں کے فیصلے ایک سنگ میل کی سی حیثیت رکھتے تھے اور بعد کے ایکٹوں نے اِن کو تبدیل کر دینے یا نظر انداز کرنے کی کم کوشش کی۔"[2] ان بنیادی اصولوں میں سے کچھ اصول مندرجہ ذیل مقدمات میں صدی کی آخری چوتھائی میں وضع کیے گئے تھے۔ حالانکہ ان مقدمات کا فیصلہ انگلینڈ میں ہی ہوا تھا لیکن ان کا جواز ہندوستان کے لیے بھی یکساں طور پر صحیح تھا۔

1857 میں دارالامراء (ہاؤس آف لارڈز) نے ایشبورے کیرج کمپنی اور ریشے[3] کے درمیان مقدمے میں فیصلہ دیا کہ یہ بات کسی کمپنی کے اختیارات سے باہر ہے کہ وہ ایسے کام کرے

---

[1] بنگال کے ایڈووکیٹ جنرل جی، ایچ، بی کینوک کا خط، مورخہ 12 فروری 1914 'کمپنیز' اگست 1914 اقتباس، ایس کے سین، معاشی پالیسی، صفحہ 104

[2] ایل سی۔ بی۔ گوور، جدید کمپنی قانون کے وصول، دی پرنسی پلز آف ماڈرن کمپنی لاء مطبوعہ 1951 صفحہ 51۔

[3] L 653 .HL 7 .L-R.

جن کے لیے کمپنی کی ایسوسی ایشن کے میمورنڈم میں ظاہرہ طور پر اجازت نہیں دی گئی ہو۔ اس میں یہ مقصد چھپانہ ہو۔ لیکن کسی کمپنی کی ایسوسی ایشن کے میمورنڈم میں "مقاصد کی شق" میں "خارج از اختیار" کے اصول کو اپنانے کا آخری نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ یہ غیر ضروری طور پر طویل ہو جاتی تھی اور اجتماعی طاقت کے غلط اور بے جا استعمال کو روکنے کی بجائے کمپنی کے قیام میں تمام ایسے مقاصد شامل کر لیے جاتے تھے جن کو امکانی طور پر سوچا جا سکتا تھا۔ 'ٹربودر' اور دہائٹ ورتھ[1] کے درمیان اور اور یگم گولڈ مائننگ کمپنی' اور 'روبرٹ'[2] کے درمیان مقدمات میں دارالامرا کے لارڈس نے سرمائے کو بڑھانے اور اسے قائم رکھنے کا اصول طے کیا تاکہ عوام کو محدود ذمے داری کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ تحفظ ضرور دیا جا سکے[3]۔ 'ارلینجر' اور 'بیو سومبریلاد فاسفیٹ کمپنی'[4] Erlanger Vs. New Sambrao Phasphate Co. کے درمیان اور گلسٹن' اور 'تارنیز'[5] کے درمیان مقدمات میں ان لوگوں نے حصے داروں کو یہ اصول دے کر کچھ تحفظ فراہم کیا کہ کمپنی کے اجرا کرنے والے اپنے 'ناتجربہ کار' حصے داروں سے امانت داری کا رشتہ[6] رکھتے ہیں اور اس لیے انھیں پورے بھروسے اور اعتماد کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور حصے داروں کے سامنے اپنے تمام مفادات کا مکمل اظہار کرنا چاہیے۔

'انڈریوس' اور 'گیس میٹر کمپنی'[7] کے درمیان انھوں نے پوری ہمت اور جرأت کے ساتھ، ساجھے داری قانون سے مستعار لیا ہوا، یہ تصور پوری طرح مسترد کیا کہ تمام حصے داروں کے لیے یکساں اور برابر ہونے جیسی کوئی شرط مضمر ہے، اور اس طرح ان لوگوں نے کمپنیوں کے لیے نئے ترجیحی حصوں کے اجرا کے ذریعے سرمایہ ابھار نا ممکن کر دیا۔

1

2

3

4 ملاحظہ ہو گوور، باب 6۔

5

6

7 Seq per Lord Macnaghten in A.C. at P.248

I.Ch.361, C.A. Overruling Hutton Vs. Scarborough Cliff Hotel Co.(1865) 2.Dr.S.M.521

اور صدی کے آخری حصے میں جب تک سولومن[1] کے درمیان مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوا۔ اس اصول کے معنی بھی پوری طرح نہیں سمجھے جا سکے کہ قانون کی نگاہ میں ایک کمپنی بذاتِ خود ایک علاحدہ حیثیت اور وجود رکھتی ہے۔ صرف اسی وقت اور باتوں کے علاوہ یہ بات بھی پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی کہ تمام ساتوں حصے داروں کے لیے۔ جو کم سے کم تعداد کسی کمپنی کے قیام کے لیے لازمی تھی۔ یہ ضروری نہیں ہے مثال کے طور پر ان میں سے کچھ دوسروں کے نامزد افراد ہو سکتے ہیں اور کوئی حصے دار محدود ذمے داری کے حق کو ضائع نہیں کرتا۔ اس کے نتیجے کے طور پر اب محدود ساجھے داری کے لیے کسی ایکٹ کی ضرورت نہیں تھی چونکہ نجی لعزی اور دوسری چھوٹی کمپنیاں آسانی سے قائم کی جا سکتی تھیں[2]۔ اس صورت حال کو اوکاہن فرننڈو O'Kahen Fernando نے بہت اچھی طرح بیان کیا ہے[3]۔

"اٹھارھویں صدی اور انیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں ایک وقت وہ بھی تھا جب ساجھے داری کے قانون کو اجتماعی سرمایہ داروں کے سلسلے میں کام میں لایا گیا تھا لیکن اب اجتماعی سرمایہ داروں کی قانونی صورت نے ساجھے داری کے کاموں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنا شروع کر دیا ہے۔ ایسی ہی کایا پلٹ اب ٹرسٹوں کے قوانین میں نظر آ رہی ہے جس کے لیے اب ٹرسٹ کارپوریشن کی حیثیت سے اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کو استعمال کیا جانے لگا ہے۔"

لیکن عدالتیں ایسے اصول وضع کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکیں جن کے ذریعے حصے داروں کی اقلیت کو اکثریت کی دست درازیوں سے تحفظ دیا جا سکے۔ پراسپکٹوں اور دستوروں میں ڈائرکٹروں کی طرف سے کی گئی غلط بیانیوں کے سلسلے میں قانونِ عرفی کے

---

[1] H.L. 22 A.C. (1897)۔ اس مقدمے کے بنیادی لفظوں کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو گوور صفحات 4-3۔

[2] گوور صفحہ 51۔

[3] گوور کے یہاں اقتباس، صفحہ 51 حاشیہ نمبر 83 قانون عرفی [illegible] اصول کہ گزشتہ مثالیں یا فیصلے موجودہ صورتوں یا موجودہ فیصلوں کے لیے مثال بنائے جا سکتے ہیں۔ (مترجم)

اصول کا اطلاق محض تباہی کا باعث ہوا[1]۔ اس کے علاوہ گوور کے الفاظ ہیں: "پبلک رجسٹریشن کے لیے انتہائی قانونی انداز میں قواعد وضوابط کی ترتیب نے، جس میں ایک یہ پہلو بھی مضمر تھا کہ یہ تمام درج شدہ اداروں کے لیے ایک تعمیری اطلاع یا نوٹس کا کام انجام دیں گے، ایک انتہائی مصنوعی قسم کا تصور پیدا کر دیا۔ جو بہت سی پیچیدگیوں سے پر تھا اور جس نے پبلسٹی کے ان اصولوں کے لیے، جو بنیادی طور پر بہت صحت مند کہے جا سکتے تھے، اتنا ہی نقصان پہنچایا جتنا یہ فائدہ پہنچا سکتے تھے"[2]

---

[1] یہاں 'ڈیری' اور 'پیک' Derry vs. Peek کے درمیان مقدمے کی طرف حوالہ ہے جس کی وجہ سے فوری ترمیم کی غرض سے ڈائرکٹروں کی ذمے داری ایکٹ 1890 کو پاس کرنا پڑا۔ ملاحظہ ہو گوور صفحہ 52

[2] گوور، صفحہ ان نقصانات کی مثالوں کے لیے اس کی کتاب کا پانچواں اور آٹھواں باب بھی ملاحظہ ہو۔

ہندوستانی کمپنی قانون اور عدالتی قانونی نشوونما کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتابیں، رپورٹیں اور جرنل دیکھے جا سکتے ہیں،

— ایل۔ پی۔ رسل، ہندوستانی کمپنیز ایکٹ [دی انڈین کمپنیز ایکٹس] 1882 تا 1877 مطبوعہ 1888 ۔

— ای۔ آر۔ اسمیتھام S.R.Smetham. 'ہندوستانی کمپنیز ایکٹ'، [انڈین کمپنیز ایکٹ] 1882 مطبوعہ 1902

— راما آیر کوڈانڈا، 'کارپوریٹ اداروں اور رجسٹریشن کا قانون'۔ [لا آف کارپوریٹ باڈیز اینڈ رجسٹریشن]، مطبوعہ 1903

— ایس سی۔ باگچی۔ 'کارپوریشنوں کے قانون کا اصول۔ برطانوی ہندوستان کے مخصوص حوالے کے ساتھ'، [پرنسپلس آف دی لا آف کارپوریشنس، وِد اسپیشل ریفرنس ٹو برٹش انڈیا] مطبوعہ 1914

— کے۔ ایم گھوش، 'ہندوستانی کمپنی قانون' دی انڈین کمپنی لا۔ گیارھواں ایڈیشن

(مسلسل)

(مسلسل)

جلد 2، مطبوعہ 1963 اس موضوع پر موجودہ دور میں سند ہے۔

— اجتماعی اداروں کے قانون کے موجودہ مسائل مینجمنٹ اور عمل پر سیمینار، روداد [سیمنار آن کرنٹ پرابلمس آف کارپوریٹ لاء، مینجمنٹ اینڈ پریکٹس پروسیڈنگس] مطبوعہ 1964۔

— ہندوستان کے گورنر جنرل کی کاؤنسل کی روداد، جو 1882 سے قانون وضع کرنے اور قواعد وضوابط تیار کرنے کے لیے مجتمع ہوئی، (انڈیا آفس لائبریری)۔

— بنگال کی قانونی رپورٹیں۔ رپورٹ شدہ مقدمات کے خلاصے۔ [بنگال لاء رپورٹس ڈائجسٹ آف کیسز رپورٹیڈ] جلد 1 تا 15۔ 1878۔

— بمبئی ہائی کورٹ میں طے کیے گئے مقدمات کی رپورٹیں۔ 1875

— مدراس ہائی کورٹ میں طے کیے گئے مقدمات کی رپورٹیں۔ 1862 تا 1874 جلد 1 تا 7۔

— ہندوستانی قانونی رپورٹیں (انڈین لاء رپورٹس) بمبئی، الہ آباد، کلکتہ، مدراس از 1875

— بی۔ ڈی۔ بوس، ہندوستانی عدالتی مقدمات کا خلاصہ [اے ڈائجسٹ آف انڈین لاء کیسز] 1836 تا 1909، مطبوعہ 1912 (برٹش میوزیم لائبریری)۔

— انڈین لاء میگزین، 1878۔

— جوائنٹ اسٹاک کمپنی — 1936۔

بارھواں باب

اجتماعی سرمایہ اداروں کا انتظامیہ

مینجنگ ایجنسی نظام

معاشیات کے طالب علموں کی توجہ مینجنگ ایجنسی طریقۂ کار پر پہلی بار جنگوں کے درمیانی عرصے میں 'صنعتی کمیشن'[1] اور 'ہندوستانی ٹیرف بورڈوں'[2] کی رپورٹوں میں مبذول کرائی گئی۔ اس موضوع پر دلچسپی پیدا ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نظام کے سلسلے میں بہت سے مطالعے شائع ہوئے جن میں لوکناتھن کی کتاب اب بھی بہت اہم سمجھی جاتی ہے۔[3]

---

[1] 'ہندوستانی صنعتی کمیشن کی رپورٹ' [رپورٹ آف دی انڈین انڈسٹریل کمیشن]، 18-1916، صفحات 13، 18، 39، اور 349۔

[2] خاص طور پر 'سوتی کپڑے کی صنعت کی رپورٹ' [رپورٹ آف دی کاٹن ٹیکسٹائل انڈسٹری]، 1926۔ اور اسی صنعت پر ایک دوسری مکمل اور تفصیلی رپورٹ —— 1932۔ نیز ملاحظہ ہو 'ہندوستانی مرکزی بینک کاری معلوماتی کمیٹی کی رپورٹ'، [انڈین سنٹرل بینکنگ انکوائری کمیٹی رپورٹ] 32-1931 اور 'فسکل کمیشن'، 'پلاننگ کمیشن'، اور 'انکم ٹیکس تحقیقاتی کمیشن' [انکم ٹیکس انویسٹیگیشن] کی رپورٹیں۔

[3] پی۔ ایس۔ لوکناتھن: ہندوستان میں صنعتی تنظیم [انڈسٹریل آرگنائزیشن ان انڈیا]۔ کچھ دوسری کتابیں اور مضامین جو اس سلسلے میں دیکھے جاسکتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔ ڈی۔ ایچ۔ بکانن صفحات 75-165۔ ڈی۔ آر۔ سامنت اور ایم۔ اے۔ ملکی، صفحات 7 - 32۔ پی۔ گرفتھس، 'ہندوستان پر برطانوی اثر' [دی برٹش امپیکٹ آن انڈیا] مطبوعہ 1952، صفحات 62-453۔ 'کمپنی قانون کمیٹی کی رپورٹ' [رپورٹ آف

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس سلسلے میں قانونی صورتیں سب سے پہلے 1936 کے کمپنی ایکٹ میں فراہم کی گئی تھیں۔ اس کے بعد سے دنیا کے مختلف حصوں میں معاشیات کے طالب علموں کی دلچسپی مینجنگ ایجنسی نظام سے وابستہ رہی ہے اور ہندوستان میں اس سلسلے میں زبردست اختلافِ رائے رہا ہے۔ 1856 کے کمپنی ایکٹ میں مینجنگ ایجنٹ کی تقرری، مدت کارکردگی، معاوضے کے طریقوں اور اس کے اختیارات اور فرائض کے سلسلے میں بڑی سخت شرطیں رکھی گئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ مینجنگ ایجنٹوں کے طرفداروں اور حامیوں کی دلیل یہ تھی کہ اس طریقے میں بنیادی طور پر کوئی بات غلط نہیں تھی اور بیوپاری دنیا میں چند گنے چنے جعلی بیوپاریوں کے طرزِ عمل نے اس طریقہ کار کو بدنام کر دیا تھا۔ ان لوگوں کی رائے تھی کہ اس نظام کو ختم کرنے سے پہلے بہتر یہ ہوگا کہ پارلیمنٹ مینجنگ ایجنٹوں کی ان قابلِ قدر خدمات پر ایک بار پھر نگاہ ڈالے جو ان لوگوں نے گذشتہ صدی میں صنعتوں کی

(صفحہ 352 سے آگے)

دی کمپنی لا رکمیٹی] مطبوعہ 1952، پیرا 4- 113 — مالکین کی ایسوسی ایشن [ایمپلائیرس ایسوسی ایشن]۔ 'مینجنگ ایجنسی نظام کے حصول' [ڈیو مینٹس آف دی مینجنگ ایجنسی سسٹم] مطبوعہ 1954 ۔ اے۔ برمر [A.Brimmer] 'ہندوستان میں سرمایہ کاریت کا انداز' [دی سیٹنگ آف انٹرپرینیورشپ ان انڈیا] 'کوارٹرلی جرنل آف اکونومکس'، جلد LXIX، نمبر 4، نومبر 1954۔ ایم۔ ایم مہتا 'ہندوستانی صنعتوں کا ڈھانچہ' [اسٹرکچر آف انڈین انڈسٹریز] مطبوعہ 1955۔ راج، کے نگم: 'ہندوستان میں مینجنگ ایجنسیاں' [مینجنگ ایجنسیز ان انڈیا] مطبوعہ 1957۔ چارلس، اے۔ مایرس 'مینجمنٹ کی ٹریننگ میں تازہ تبدیلیاں' [ریسنٹ ڈیولپمنٹ ان مینجنگ ٹریننگ] 'انڈین جرنل آف پبلک ایڈمنسٹریشن'، اپریل، جون 1958 جلد IV، نمبر 2، اور مارجنل رسپونس [Marginal Response] (چھٹا باب) اس کی کتاب 'ہندوستان میں صنعتی رشتے [انڈسٹریل ریلیشنز ان انڈیا]' مطبوعہ 1958 میں 'نیشنل کاؤنسل آف اپلائیڈ اکونومک ریسرچ' 'مینجنگ ایجنسی نظام' [دی مینجنگ ایجنسی سسٹم] مطبوعہ 1959۔ جیوفرے ٹامپسن 'مینجنگ ایجنسی - بیوپاری تنظیم کا ایک نظام' مینجنگ سسٹم ۔ اے سسٹم آف بزنس آرگنائیزیشن] مطبوعہ 1961۔ پی۔ ایس۔ لوکناتھن 'سرمایہ کاری - سرمایہ کاروں اور تکنیکی ماہرین کی فراہمی، ہندوستان کے مخصوص حوالے کے ساتھ' [انٹری پرینیورشپ — سپلائی آف انٹری پرینیورس اینڈ ٹیکنالوجسٹس وِد اسپیشل ریفرنس ٹو انڈیا] 'مشرقی ایشیا کے مخصوص حوالے کے ساتھ معاشی ترقی' [اکونومک ڈیولپمنٹ وِد اسپیشل ریفرنس ٹو ویسٹ ایشیا] (مرتبہ) کے۔ بیرل [K.Berril] میں۔

ابتدا اور ان کی نشوونما کے سلسلے میں انجام دی تھیں۔ یہ نظام اب بھی قابلِ قدر کام انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، یہ طریقِ کار مستعد بھی ہے اور کم خرچ بھی اور یہ کہ اس طریقے کو بالکل ختم کر دینے کی بجائے قایم رکھا جانا چاہیے اور اسے مضبوطی بخشی جانی چاہیے، خاص طور پر ایسی صورتِ حال میں کہ جب نجی سیکٹر کو تیز صنعتی ترقی میں اپنے فرائض پوری طرح انجام دینے کی دعوت دی جاری ہے۔ 1956 کے کمپنی ایکٹ کے پاس ہو چکنے کے بعد بھی اس سلسلے میں کچھ اور تحقیقی مطالعے ہوئے اور اس نظام کی افادیت کے سلسلے میں دلیلیں ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہیں۔

لتنے تحقیقی مطالعوں کے بعد بھی اس نظام کی ابتدا اور بنیاد کے بارے میں ابھی تک پوری طرح معلومات نہیں ہے[1] چونکہ اس کو "بتدریج تبدیلی کا نتیجہ"[2] سمجھا جاتا تھا، اس لیے اس کی ابتدا بھی اندازوں، مفروضوں اور تعیموں کا موضوع بن کر رہ گئی۔ مثال کے طور پر اس بیان پر غور کیا جائے جسے اس سلسلے میں بار بار دُہرایا جاتا رہا ہے[3] "تاریخ، جغرافیہ اور معاشیات، یہ تمام طاقتیں مینجنگ ایجنسی نظام کی ابتدا اور اس کی نشوونما میں شامل ہو گئی تھیں"۔ مگر دنیا میں شاید ہی انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا ہو جو تاریخ، جغرافیہ اور معاشی عناصر کی پیداوار نہ ہو۔ بہر حال جب تک ہم یہ نہ سمجھ لیں کہ کسی ادارے کی تخلیق میں یہ مختلف عناصر ایک دوسرے کے ساتھ کس انداز سے شامل ہوتے، ہم اس سلسلے میں کوئی خاص نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے۔

اس باب کا مقصد ان حالات پر کچھ روشنی ڈالنا ہے جن میں اس طریقِ کار کی ابتدا ہوئی، اور یہ دیکھنا ہے کہ انیسویں صدی کے دوران اس کی ترقی کی راہیں کیا رہیں۔

1860 کی دہائی تک ہندوستان میں اجتماعی اداروں کے انتظامیہ کے سلسلے میں بہت سے دلچسپ تجربات کیے جا چکے تھے۔ اس دور کے بعد اور خاص طور پر آٹھویں دہائی کے بعد سے ملک میں بیوپاری کارپوریشنوں کے انتظامیہ کے سلسلے میں سب سے زیادہ معقول طریقہ مینجنگ ایجنسی نظام ہی ہو گیا تھا۔ اس طریقِ کار کو عام طور پر اپنا لیے جانے کے باوجود بھی پیچھے دار دہا

---

[1] انسلے، صفحہ 113 (حاشیہ)

[2] لوکناتھن، صفحہ 15۔

[3] ایس۔ کے۔ باسو، مینجنگ ایجنسی نظام — حال اور ماضی کی روشنی میں' [دی مینجنگ ایجنسی سسٹم — ان دی پراسپیکٹ اینڈ ریٹرآسپیکٹ] مطبوعہ 1958۔

میں کسی طرح مقبولیت حاصل نہیں کر پایا تھا، اور اس کی ترقی کی ابتدائی منزل میں بھی بہت سے لوگ اسے اجتماعی اداروں کے لیے ایک مہلک اور تباہ کن طریقہ کار مانتے تھے۔ چنانچہ انیسویں صدی کے بقیہ سالوں میں اس نظام میں ترمیم و تبدیلی پیدا کرنے کے سلسلے میں حصے داروں کی طرف سے کافی ہلچل اور اضطراب کا مظاہرہ ہوا۔

عملی اعتبار سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستان میں اجتماعی سرمایہ کمپنی کے اصولوں کی نشوونما میں بینک کار اداروں نے ہی پہل کی[1] شروع شروع میں بینک محض مقامی کردار کے مالک تھے۔ پہلا اجتماعی سرمایہ بینک ــــ 'دی جنرل بینک آف انڈیا' جو 17/مارچ 1886 میں کلکتے میں قایم ہوا تھا ــــ بنیادی طور پر ان یورپی افراد نے قایم کیا تھا جو 'ایسٹ انڈیا کمپنی' میں ملازم تھے۔ اس کے قیام میں یورپی ایجنسی ہاؤس اس لیے کسی قسم کی دلچسپی نہیں رکھتے تھے کہ اس کے ذریعے ان کے بیوپاری سلسلوں میں سے ایک پر ہاتھ ڈالا جا رہا تھا۔ 'جنرل بینک' نے انتظامیہ کا جو طریقہ اپنایا وہ دنیا کے دوسرے حصوں میں اجتماعی اداروں کے مینجمنٹ کے لیے ایک عمومی اور مثالی طریقہ تھا، اور وہ کچھ اس طرح تھا کہ ڈائرکٹروں کا بورڈ معاوضہ پانے والے افسروں کے ذریعے بینک کے معاملات کی براہِ راست نگہداشت کرتا تھا۔ اس کے ڈائرکٹر بنیادی طور پر 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کی سول اور فوجی خدمات سے حاصل کیے گئے تھے۔ شاید یورپی بیوپاری برادری سے مخاصمت اور مخالفت ہی اس کے لیے ذمے دار ٹھہرائی جا سکتی ہے کہ اس بینک نے اپنے انتظامیہ کے سلسلے میں یہ مخصوص ڈھانچہ اپنایا تھا۔ تیسری دہائی کے درمیانی سالوں میں، بیوپاری بحران کے نتیجے میں، کلکتے کے ایجنسی ہاؤسوں کی ناکامی نے یورپی حکومت کے ملازمین کے اس اعتماد کی بنیادوں کو بُری طرح ہلا کر رکھ دیا کہ یہ ایجنسی ہاؤس ان کی بچتوں کو صحیح طور پر محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اس سے انھیں اجتماعی سرمایے کی بنیادوں پر خود اپنے بینک قایم کرنے کی ترغیب فراہم ہوئی، چنانچہ چوتھی دہائی میں شملہ اور بنارس بینکوں کا قیام عمل میں آیا۔ ان بینکوں نے بھی انتظامیہ کے لیے وہی ڈھانچہ اپنایا جو جنرل بینک نے اپنایا تھا۔ اس نئی تحریک نے ایجنسی ہاؤسوں کو بھی مجبور کیا کہ وہ بھی انتظامیہ اور بینک کار کمپنیوں کے قیام میں شریک ہوں چنانچہ اس عرصے بہت سے نئے بینک قایم ہوئے[2]

---

[1] ملاحظہ ہو پہلا باب۔

[2] ایضاً۔

جب تک بینک اپنے کردار کے اعتبار سے مقامی رہے ان کے انتظامیہ کا انداز بھی پہلے ہی جیسا رہا لیکن جیسے ہی ملک کے دوسرے حصوں میں ان کی شاخیں پھیلنی شروع ہوئیں ان شاخوں کے انتظامیہ نے کچھ مشکلات پیدا کرنی شروع کر دیں ان دشواریوں کو مختلف طریقوں سے حل کرنے کی کوشش کی گئی بعض صورتوں میں، جہاں اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل مقامی حصے دار مل سکے، وہاں ان شاخوں کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے مقامی ڈائرکٹروں کا بورڈ قایم کر دیا گیا[1] کچھ صورتوں میں کسی مشہور اور باعزت شخص کو ایک مقررہ تنخواہ اور منافعے پر کمیشن کی بنیاد پر شاخ کے منیجر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا[2] منافع پر کمیشن کاروبار میں ترغیب اور دلچسپی فراہم کرنے کے لیے دیا جاتا تھا۔ انتظامیہ کے یہ دونوں طریقے ہندوستان میں کاروبار کرنے والے ان برطانوی بینکوں نے بھی اپنا لیے تھے[3] جو قواعد وضوابط کے مطابق حصوں کے ذریعے حاصل کیے جانے والے سرمایے کے ایک تہائی حصے کے ہندوستان میں حصول کے لیے پیش کش کرتے تھے[4] بینک کار کمپنیوں کے انتظامیہ کے سلسلے میں مینیجنگ ایجنسی نظام کو مکمل طور پر کبھی نہیں اپنایا گیا۔ اس سلسلے میں جتنا قریب سے قریب پہنچا گیا اس کی حد یہ تھی کہ منافعوں پر ایک مقررہ کمیشن ادا کر دیا جاتا تھا لیکن بہرحال دو ایک صورتیں ایسی بھی نظر آجاتی ہیں جہاں کسی بینک کے مقامی بیوپار کے چلانے کے لیے کسی ایجنسی ہاؤس کو مقرر کیا گیا ہو[5]

---

[1] 'آگرہ اینڈ یونائیٹڈ سروسز بینک لمٹیڈ' نے 1838 میں کلکتے میں ایک ایجنسی کھولی، جس کا کام کلکتے میں رہنے والے حصے داروں کی ایک کمیٹی کی نگرانی میں چلتا تھا، اور نتیجہ... مناسب تھا ایک ادارہ یہ بھی موجود تھا کہ مرکنٹائل ہاؤس کی خدمات حاصل کر لی جائیں لیکن اس سلسلے میں مفادات میں ٹکراؤ کی بنیاد پر اعتراضات کیے گئے۔ کوکے، صفحہ 208۔

[2] ایل۔ کارمیخائل (L.Carmchael) 1849 میں شملہ بینک کی کلکتہ شاخ کے بیوپار کو چلاتا تھا۔ اس کے بعد اس ایجنسی کو جان مارگن نے حاصل کر لیا۔ ان دونوں کو ہی معاوضہ" ادائیگیوں (Disbursements) کی مقررہ فیصدی شرح کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ ایضاً، صفحہ 293۔

[3] کوکے، صفحہ 222۔

[4] ایضاً، صفحہ 351، نیز ملاحظہ ہو چوتھا باب

[5] 'لینڈ مورٹگیج بینک آف انڈیا لمٹیڈ' کی مدراس ایجنسی 'پارے اینڈ کمپنی' کے پاس (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہندوستان میں قایم شدہ بینکوں کے حصے دار زمرے کی ساخت بھی انتظامیہ کے سلسلے میں کچھ سخت مسائل پیدا کرتی تھی۔ حصے داروں کی ایک کافی بڑی تعداد برطانوی تھی جو عام صورتوں میں برطانیہ واپس چلی جاتی تھی۔ بعض صورتوں میں وہ ان بینکوں کے انتظام کے سلسلے میں مطمئن نہیں ہوتے تھے اور لندن میں حصے داروں کی ایک کمیٹی بنا کر احتجاج کے ذریعے اس سلسلے میں زور ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ جلدی ہی ایسی کمیٹی 'ڈائرکٹروں کے بورڈ' کا نام اپنا لیتی اور ہندوستان میں باقاعدہ طور پر قایم شدہ بورڈ پر اپنی گرفت اور سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتی، اور ظاہر ہے اس سے حصے داروں میں اختلافِ رائے پیدا ہو سکتا ہو سکتا تھا۔ اس قسم کی کھینچ تان کے آخری نتائج عام طور پر نقصان دہ ہوتے۔ 'شملہ بینک' کے سلسلے میں اختلافِ رائے کے نتیجے میں ایک تجویز یہ بھی پیش کی گئی کہ اس کا صدر مقام لندن میں منتقل کر دیا جائے اور آخر میں حصے داروں کے درمیان اس پھوٹ کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایے کو ہی تقسیم کر دیا گیا — آدھا سرمایہ 'شملہ بینک' کو چلانے کے لیے، اور آدھا 'لندن اور ایسٹرن بینک کارپوریشن' کے انداز پر لندن میں ایک نیا بینک قایم کرنے کے لیے دے دیا گیا[1]۔ اس قسم کی کھینچ تان کا عام طور پر یہی نتیجہ نہیں ہوتا تھا۔ 1846 میں اس وقت کے 'اورینٹل بینک کارپوریشن' کے بمبئی کے حصے داروں نے لندن ڈائرکٹروں کے اخراجات اور کارگزاریوں سے غیر مطمئن ہوتے ہوئے یہ طے کیا کہ لندن کے ڈائرکٹروں کی ہدایت کاری کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن ان کی یہ تحریک کسی قدر قبل از وقت تھی، چونکہ بینک کے دستور میں اس وقت تک کسی قسم کی تبدیلی نہیں پیدا کی جا سکتی تھی جب تک ہندوستانی اور برطانوی دونوں حصے داروں کی واضح رائے اور منظوری حاصل نہ ہو جائے[2]۔

چونکہ ہندوستانی بینکوں نے کسی زمانے میں بھی 'مینجنگ ایجنسی' طریقہ یا کوئی ایسا نظام نہیں اپنایا تھا جو دنیا کے کسی اور حصے میں نہیں اپنایا گیا تھا، اس لیے ہمارے موجودہ مطالعے

(صفحہ 354 سے آگے)

تھی۔ اسی طرح 'ماریشس بینک' کے لیے 'ہورسے طر اینڈ کمپنی، کلکتہ' کو ایجنٹ مقرر کیا گیا تھا۔ تھیکر کی بنگال ڈائرکٹری، 1875، صفحات 368 اور 370۔

[1] ملاحظہ ہو کوکے۔ (سابقہ حوالہ) میں شملہ بینک کی تاریخ۔

[2] ایضاً۔

میں ان کی تاریخ وار کو دُہرانے سے کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا۔ اصل میں ہندوستان میں زندگی بیمہ کمپنیوں کی ابتدائی تاریخ ہی وہ حصہ ہے جس سے 'مینیجنگ ایجنسی' نظام پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ہندوستان میں زندگی بیمہ کاروبار اٹھارھویں صدی کے خاتمے پر سب سے پہلے یورپی ایجنسی ہاؤسوں کی طرف سے کلکتے میں شروع ہوا۔ یہ ایجنسی ہاؤس، بحری بیمے کے کاروبار کے سلسلے میں پہلے سے تجربہ رکھتے تھے[1] حالانکہ زندگی بیمے کا کاروبار کُل ہند بنیادوں پر منظم کیا گیا تھا لیکن بیمہ صرف یورپی لوگوں کا ہی ہوتا تھا۔ اس سے یہ کاروبار بہت محدود ہو کر رہ جاتا تھا اور کم از کم ابتدائی منزلوں میں منافع کی توقعات بہت کم ہونا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ اس سے ملک کے دوسرے حصوں میں کاروبار کے حصوں کی غرض سے علاحدہ شاخیں یا تنظیمیں قایم کرنے کی ضرورت بھی نہیں پیش آتی تھی۔ پھر خود ایجنسی ہاؤس بھی، جن کا ملک کے دوسرے حصوں سے رشتہ قایم تھا، اس مشکل اور رکاوٹ کے سلسلے میں ایک بہترین حل فراہم کر دیتے تھے۔

زندگی بیمہ کمپنی شروع کرنے کا طریقہ کار بہت آسان تھا۔ کسی ممتاز ایجنسی ہاؤس کا ایک سینیر ساجھے دار اپنے گھر پر ہی منصوبے پر گفتگو کے لیے دوسرے حصے داروں کو مدعو کر لیتا تھا۔ اگر یہ لوگ منصوبے پر متفق ہو جاتے تو ایک کمپنی قایم کر دی جاتی، جس کے پہلے ڈائرکٹر یہی لوگ ہو جاتے۔ اس کمپنی کا انتظامیہ اُسی 'ایجنسی ہاؤس' کو سونپ دیا جاتا جس نے اس کمپنی کی بنیاد رکھی تھی[2]۔ اس طریقہ کار میں کچھ فوائد بھی تھے۔ کوئی ایجنسی ہاؤس بہت تھوڑے معاوضے پر اپنی ہی تنظیم کے ذریعے، اور اس کی لاگت میں کسی خاص اضافے کے بغیر، کسی بیمہ کمپنی کے کاروبار کو چلا سکتا تھا۔ اسی طرح سے دوری کے مسئلے کو ملک کے دوسرے حصوں اور مشرق بعید کے 'ایجنسی ہاؤسوں' کی تقرری سے حل کر لیا گیا تھا۔ یہ ایجنسی ہاؤس کلکتے کے بنیادی 'ایجنسی ہاؤس' کے تحتی ایجنٹوں کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ لیکن ایک طرف اگر کلکتے کا 'صدر ایجنسی ہاؤس' کمپنی کے تمام بیوپاری معاملات کے لیے حقیقی اور مجموعی طور پر ذمے دار ہوتا تو دوسری طرف 'تحتی ایجنسی ہاؤس'، بیمہ ایجنٹوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا اور صرف کمپنی کے بیوپار کو متوقع گاہکوں تک پہنچانے اور بیمے کے لیے پیش کشوں کو وصول کر کے کمپنی کو بھیجنے کے

---

[1] ملاحظہ ہو پہلا باب۔

[2] 'بنگال جنتری' وغیرہ۔ (سابقہ حوالہ)

معاملات سے تعلق رکھتا تھا۔

کلکتے کے 'صدر ایجنسی ہاؤس' کی تقرری کی شرائط، معاوضہ اور بیمہ کمپنیوں کے "سکریٹری اور خزانچی" کی حیثیت سے ان کے اختیارات اور فرائض پر نگاہ ڈالنے سے ہمیں ان اداروں کی بالکل ابتدائی شکل نظر آجاتی ہے جو بعد میں 'مینجنگ ایجنسی' نظام کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس سلسلے میں ہمیں جو سب سے پہلی تحریر ملتی ہے وہ کلکتے کی 'تیسری لاڈابل سوسائٹی' Laudable Society کے 'قواعد وضوابط' ہیں۔ یہ کمپنی 1809 میں قایم ہوئی تھی۔ اس سوسائٹی کو قایم کرنے والے اور ڈائرکٹر الیگزینڈر کالون، جان ولیم فلٹن اور جان کرٹنڈن تھے جو کلکتے کے مشہور تاجر مانے جاتے تھے۔ الیگزینڈر اینڈ کمپنی، کو اس سوسائٹی کا 'سکریٹری اور خزانچی' مقرر کیا گیا اور اس کے 'قواعد وضوابط' کی مد 5 کے تحت ان کو 200 روپیے مہینہ کا معاوضہ ادا کیا جاتا تھا، جو "(اشتہارات، سوسائٹی کے لیے ضروری کاغذات کی چھپائی اور قانونی اخراجات کو چھوڑ کر) باقی تمام اخراجات کے عوض" دیا جاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ تمام اخراجات جو بالکل صاف طور پر سوسائٹی کے لیے کیے جاتے تھے، ان کا بار براہِ راست اس کمپنی پر آتا تھا۔ 'قواعد وضوابط' کی چھٹی، گیارھویں اور تیرھویں 'مد' میں 'سکریٹری اور خزانچی' کے فرائض اور اختیارات کی تفصیلات بیان کی گئی تھیں۔ اختیارات محدود تھے اور فرائض صرف انتظامیہ امور سے متعلق تھے۔ جوکھم کو منظور کرنا اور رقموں پر گرفت اور ان کا استعمال وغیرہ قسم کے اہم امور کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق صرف ڈائرکٹروں کی کمیٹی کو سونپا گیا تھا۔ 'قواعد وضوابط' میں 'سکریٹری اور خزانچی' کی کارکردگی کے لیے کوئی مدت متعین نہیں کی گئی تھی لیکن چونکہ خود سوسائٹی ہی چھ سال کی مقررہ مدت کے لیے قایم ہوئی تھی اس لیے غالباً یہ بات ذہنوں میں رہی ہوگی کہ 'سکریٹری اور خزانچی' اس سوسائٹی کی مقررہ مدت تک یہ فرائض انجام دیتے رہیں گے۔

اس سوسائٹی کی ایک دلچسپ اور کسی قدر غیر معمولی خصوصیت کو یہاں بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حالانکہ سوسائٹی بیمے کے لیے ایسے افراد کی خواہشمند تھی، اور ایسے افراد نے اس کے پاس اپنا بیمہ بھی ضرور کرایا ہوگا جو (سوسائٹی کے حصے دار بھی ہوں[1] اور ملک کے مختلف حصوں میں رہتے ہوں، لیکن اس نے سوسائٹی کے انتظامی امور کو صرف ایسے حصے داروں

---

[1] ملاحظہ ہو پہلا باب۔

تک ہی محدود کر دیا تھا جو بنگال میں رہتے تھے۔ یہ غالباً ملک کے دوسرے صوبوں میں نوٹس وغیرہ بھیجنے کے اخراجات میں بچت کی غرض سے کیا گیا تھا، چونکہ اگر دوسرے صوبوں کے حصے دار سوسائٹی کے جلسوں میں شریک ہونا بھی چاہتے تو اس زمانے کے ذرائع آمد و رفت کی دشواریوں کی وجہ سے یہ بات کم و بیش ناممکن ہوتی اور یہ اخراجات محض فضول ہی ہوتے۔

'یونین سوسائٹی' جو کلکتے میں 23 اپریل 1814 کو قائم ہوئی تھی اس کے 'قواعد و ضوابط' سے اظہار ہوتا ہے کہ زندگی بیمے کے کاروبار میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اور اب تک ان سوسائٹیوں کے انتظامیہ میں بھی نسبتاً زیادہ تفضع اور پختگی پیدا ہو چکی تھی — سوسائٹی کے ڈائرکٹروں کے بورڈ — جنھیں اس سوسائٹی کے منیجروں کا نام دیا تھا — کو ان کے سامنے پیش کی جانے والی بیمے کی درخواستوں کے حسن و قبح کو طے کرنے کی روزانہ زحمت سے محفوظ رکھنے کی غرض سے سوسائٹی نے 'منیجروں' کی ایک تحتی کمیٹی مقرر کی تھی جس میں طبی افراد بھی ہوتے تھے۔ 'قواعد و ضوابط' کی ستائیسویں اور اٹھائیسویں مدیں حسابات کو مناسب طور پر رکھنے، اور ان کی اشاعت اور بورڈ کے جلسوں میں رائے دہی کے طریقوں سے متعلق تھیں۔ ان سے اس کا اظہار ہوتا ہے کہ کمپنیوں کے انتظامیہ میں پیدا ہونے والے مسائل کو بالکل ابتدائی منزل کے یہ رہنما پوری طرح سمجھتے تھے۔[1]

'یونین سوسائٹی' نے اپنے اپنے ایجنٹوں — 'میکنٹوش، فُلٹن اینڈ میک کلِن ٹوک' [Mackintosh Fulton & Maclintock] — کے معاوضے کے سلسلے میں ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ سوسائٹی کے دستور کی مد 26 میں صورت رکھی گئی تھی کہ "... میکنٹوش فُلٹن اینڈ میک کلِن ٹوک، کو، سوسائٹی کے کاروبار چلانے، اور اس کے سلسلے میں ایک تنظیم رکھنے کے لیے، تمام غیر متوقع اخراجات کے ساتھ، طباعت اور قانونی اخراجات کو چھوڑ کر، تمام حاصل شدہ پریمیوں کی ادائیگی کا 3 فیصدی کمیشن حاصل کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ سوسائٹی کے فنڈ پر پڑنے والے اخراجات میں 2 فیصدی مزید کمیشن ان پریمیوں کے سلسلے میں بھی حاصل کرنا چاہیے جو ادا نہیں ہوئے۔ ان آخری اخراجات میں وہ سابق پیشگی ادائیگی یعنی 3,000 روپیے فی حصہ، بھی شامل ہے جو بیمہ کرنے والی حقیقی کمپنی (یونین سوسائٹی) ادا کرتی ہے۔"[2]

---

[1] بنگال جنتری وغیرہ (سابقہ حوالہ)

[2] ایضاً۔

'یونین سوسائٹی' کے دستور میں جو صورتیں اور تفصیلات مل جاتی ہیں وہ ہندوستان میں کسی مینیجنگ ایجنسی سے کیے گئے معاہدے کے سلسلے میں پہلی مثال ہیں اور اس طریقہ کار کی بنیادی تفصیلات اس میں موجود ہیں۔ صرف وہ صورتیں ضرور موجود نہیں ہیں جو بعد میں اس کے نامناسب اور ناجائز استعمال میں مددگار ثابت ہوئیں۔ مثال کے طور پر کسی مینیجنگ ایجنٹ کا پوری زندگی کے لیے متعین کیا جانا۔ یہ بات کسی طرح صحیح محسوس نہیں ہوتی کہ اس طریقہ کار کی ابتدا اس سے پہلے کسی اور شعبے میں ہوئی ہو۔

اس کے بعد ملک میں بیوپاری کارپوریشنوں کی نشوونما کے اگلے دور میں جہاز رانی، کوئلہ کان کنی، اور شکر سازی کی بہت سی کمپنیاں قایم ہوئیں، اس وقت بھی 'ایجنسی ہاؤس' ہندوستان میں بیوپار کی ایک مخصوص اکائی کا روپ برقرار رکھے رہے، اور ملک کے مختلف حصوں کے درمیان یہی ایک بیوپاری رشتے کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ بعض صورتوں میں، جن کی تفصیلات بھی موجود ہیں، ان نئی کمپنیوں کی مینیجنگ ایجنسیاں سنبھالنے کے لیے کچھ ایجنسی ہاؤس ایسے بھی کھولے گئے جن کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ کمپنی پر اپنی گرفت قایم رکھنے میں دلچسپی لیتے ہوں[1]۔ ان کمپنیوں کے حصے دار زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر مقامی ہی تھے، جس کی وجہ سے وہ کمپنی کی روزمرہ کیفیات و حالات پر نگاہ رکھ سکتے تھے۔ لیکن ان کی یہی نگرداشت بعض صورتوں میں انتظامیہ سے اختلاف اور جھگڑوں کی صورت بھی اختیار کر گئی۔ ان اختلافات اور قضیوں کی وجہ سے ہی آج ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ اس دور میں

---

[1]

کمپنیاں	ایجنٹ	ماخذ
'نشچندپور شوگر کمپنی'	'گسبورنے اینڈ کمپنی'	'کوکے' صفحہ 274۔
'گینجز اسٹیم نیویگیشن کمپنی'	'رچونڈ اینڈ کمپنی'	'بنگال اور آگرہ ڈائرکٹری' اور 'سالانہ رجسٹر 1850'
'یونین اسٹیم ٹگ کمپنی'	'الپکار اینڈ کمپنی'	ایضاً۔
'کلکتہ ڈوکنگ کمپنی'	'رستم جی کواس جی'	بریم صفحہ 11۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بھی جب 'مینجنگ ایجنسی' نظام محض اپنی تشکیلی اور ابتدائی منزلوں میں ہی تھا کسی کمپنی کا کسی ایسے ایجنسی ہاؤس سے قریبی تعلق، جس کے بیوپاری مفادات تعداد میں بہت سے اور بعض صورتوں میں متضاد بھی ہوتے تھے، 'ایجنسی ہاؤس' کو اپنے حاصل شدہ اختیارات کے نامناسب اور ناجائز استعمال کی طرف بڑھا دیتا تھا، خاص طور پر ایسی صورتوں میں جب اس 'ایجنسی ہاؤس' نے اشیاء کے سٹے میں زبردست رقمیں لگادی ہوں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل مثال ایک اچھا نمونہ فراہم کرسکتی ہے۔

1844 میں 'کارٹیگور اینڈ کمپنی' کی فرم نے، جو اس وقت ایک اجتماعی سرمایہ کمپنی 'اسٹیمنگ ایسوسی ایشن' کے منیجر کے فرائض انجام دے رہی تھی، ایسوسی ایشن کے کاروباری دائرے کو پھیلا کر اس میں ملک میں داخلی جہاز رانی کے بیوپار کو شامل کرلینے کا ارادہ کیا۔ اور اس نے حصے داروں کو اس سلسلے میں تیار کرلیا۔ ان کوششوں کا نتیجہ 6/ فروری 1844 کو 'انڈیا جنرل اسٹیم نیویگیشن کمپنی' کے قیام کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کا 20,00,000 روپے کا مجوزہ سرمایہ جلدی ہی جمع کر دیا گیا۔ کمپنی کے کیپٹن اے۔ جی میکنزی کو، جو اس وقت 'اسٹیمنگ ایسوسی ایشن' کے سپرنٹنڈنٹ کے فرائض انجام دے رہا تھا، اس کا مینجنگ ڈائرکٹر مقرر کیا۔ جون 1847 کو حصے داروں کے ایک جلسے میں کیپٹن میکنزی پر کھلے لفظوں میں یہ الزام لگایا گیا کہ وہ 'انڈیا جنرل' کے مفادات کو 'کارٹیگور اینڈ کمپنی' اور 'اسٹیمنگ ایسوسی ایشن' کے مفادات کا محکوم بنا رہا ہے۔ اس پر الزامات عائد کیے گئے کہ 'ایسوسی ایشن' کے کاموں کو تیزی سے انجام دینے کے لیے 'انڈیا جنرل' کے کاموں کو پیچھے ڈال دیتا ہے، 'کارٹیگور اینڈ کمپنی' کے لیے انجام دیے گئے کاموں کے بلوں کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی ہے، اور یہ کہ 'کارٹیگور اینڈ کمپنی' کی طرف سے جو مشینیں اور سامان 'انڈیا جنرل' کے ہاتھ بیچا گیا تھا، یہ صرف میکنزی کے ہاتھوں خریدا گیا تھا اور اس میں بیچنے والے فریق کے مفادات کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میکنزی کو سرسری طور پر ہی برطرف کر دیا گیا اور ساتھ ہی مینجنگ ڈائرکٹر کے عہدے کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد کمپنی کا انتظامیہ

(صفحہ 361 سے آگے)

'سٹیمنگ ایسوسی ایشن'	'کارٹیگور اینڈ کمپنی'	ایضاً، صفحات 10-9
'بنگال کول کمپنی'	ایضاً	ایضاً

ڈائرکٹروں کے سُپرد کردیا گیا جن کو ایک سکریٹری مدد دیتا تھا جس کے پاس زبردست انتظامیہ اختیارات ہوتے تھے[1]

ایسی ہی ایک اور صورت 1850 میں نظر آئی جس میں بمبئی کی 'رچمونڈ اینڈ کمپنی' کی ناکامی کے نتیجے میں 'اورینٹل بینک کارپوریشن' کو نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔ ٹی۔ آر۔ رچمونڈ جو اس فرم کا سینئر ساجھے دار تھا گینجز اسٹیم شپ نیویگیشن کمپنی، کا مینجنگ ایجنٹ بھی تھا، اور اس حیثیت میں اس نے بینک سے رقمیں اُدھار لی تھیں جس کے متعلق اس کا کہنا تھا کہ یہ 'گینجز کمپنی' کے حسابات میں اور اسی کمپنی کے لیے لی گئی تھیں۔ کمپنی نے اس قرض سے انکار کیا، اور الزام لگایا کہ ان رقموں کو کمپنی کے سلسلے میں خرچ نہیں کیا گیا[2]

صنعتی اداروں کے قیام کے اثر سے یہ بات ضروری سی ہو گئی کہ انتظامیہ تکنیک میں کچھ ترمیمیں اور اختراعات پیدا کی جائیں۔ مشینیں اور دوسرا ضروری سامان برطانیہ سے حاصل کیا جاتا تھا، اور ان درآمدات کو صحیح صحیح اور تیزی سے حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہاں کے پیداواری افراد کے ساتھ ایک مستقل تعلق قایم رکھا جائے۔ ہندوستانی کمپنیوں کے وہ برطانوی حصے دار جو ریٹائر ہو کر اپنے گھر واپس چلے گئے تھے ان دونوں کے درمیان بہت کارآمد رشتہ قایم کیے ہوئے تھے۔ ان افراد میں حصے داروں کی ایک کمیٹی کے قیام سے بڑے اچھے اثرات اور نتائج پیدا ہوئے تھے اور ہندوستانی کمپنی اور اس اکائی کے درمیان جو برطانیہ میں اس کے مفادات کی نگہداشت کرتی تھی ایک کم خرچ اور کافی مستعد قسم کا رشتہ قایم ہو جاتا تھا۔ لیکن کچھ دن بعد یہ طریقِ کار ہندوستانی اور برطانوی حصے داروں میں اختلاف کے بیج بوتا نظر آنے لگا چونکہ برطانوی حصے داروں نے ایک کمیٹی کے وسیلے سے ایک خودمختار حیثیت حاصل کر لینے کی کوششیں شروع کر دیں[3]

---

[1] بریم، صفحات 25-9۔

[2] کوسے، صفحہ 14۔

[3] "تین حصے دار افراد کا ایک 'لندن بورڈ' بھی قایم کیا گیا تھا جس کے فرائض میں آرڈر پر تیار کیے جانے والے جہازوں کی تیاری کی دیکھ بھال، سامانِ خریداری کو پیش کرنا اور انگلینڈ میں رہنے والے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہندوستان میں ریلوے دور کا آغاز اپنے ساتھ صنعتی ترقی بھی لایا۔ خود ریلوے کمپنیوں کا جہاں تک سوال ہے وہ اپنی بنیادوں کے اعتبار سے برطانوی تھیں اور ہندوستان میں ان کے بیوپار پر لندن کے بورڈوں کے ذریعے ہی گرفت رکھی جاتی تھی[1]

چھٹی دہائی میں روئی ملوں، پٹ سن ملوں اور چائے کمپنیوں کی ابتدا مینجنگ ایجنسی نظام کی نشوونما کے سلسلے میں ایک نئی منزل کہی جا سکتی ہے۔ ان اداروں کو نسبتاً زیادہ سرمایہ درکار تھا، جو عام طور پر 3,00,000 سے 5,00,000 روپیے کے درمیان ہوتا تھا اور ان کی کچھ ایسی صورت ہوتی تھی کہ یہ نہ صرف اپنی ایک علاحدہ اور آزادانہ انتظامیہ تنظیم نہیں رکھ سکتے تھے بلکہ حقیقت میں انھیں ایک ایسی تنظیم کی ضرورت ہوتی تھی جو خود ان کے معاملات کا بھی مستعدی سے انتظام کرتی رہے۔ اس کے باوجود بھی بالکل ابتدا سے ہی ان کو چلانے کے لیے مینجنگ ایجنٹ مقرر کیے گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی وجہ بتلانا مشکل محسوس ہوتا ہے۔ ایک سرمایہ کار طبقے کی غیر موجودگی، منیجری صلاحیتوں کی کمی، اور ذرائع آمد و رفت کی آسانیوں میں کمی، ایسے

(صفحہ 363 سے آگے)

حصے داروں کے مفادات کی نمائندگی کرنا شامل تھے۔ بورڈ نے خود مختارانہ اور آزادانہ حیثیت اختیار کر لی اور بار بار اس کی شکایت کی کہ کلکتے میں ان کے ساتھی ڈائرکٹر انھیں کمپنی کے معاملات کے سلسلے میں کافی اطلاعات نہیں بھیجتے۔ یہ صورتِ حال کچھ عجیب الجھتا تھی، چونکہ ایک موقع پر جب سرمایہ طلب کیا گیا تھا تو اس وقت لندن کے (ہوم) بورڈ نے اپنے حصے داروں میں ایک اعلانیہ گھمایا تھا، جس میں لندن کے حصے داروں کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ اس وقت تک اس پر عمل نہ کریں جب تک یہ بورڈ کلکتے کے ڈائرکٹروں کی پالیسی سے مطمئن نہ ہو جائے۔ اس پر کلکتہ بورڈ نے ایک عام اجلاس میں 'لندن بورڈ' کو ختم کر دیا تھا۔ موخر الذکر بورڈ نے اپنے ختم ہو جانے سے انکار کیا اور یہ داخلی جھگڑا اس حد تک طول پکڑ گیا کہ کلکتے میں مخالف گروپ نے 'لندن بورڈ' کی صرف تصدیق ہی نہیں کی بلکہ کمپنی کے معاملات میں ان کی قابلِ قدر دلچسپیوں کے شکریے کی ایک قرارداد بھی شامل کر دی۔ لیکن کلکتے کے ڈائرکٹروں کے بورڈ نے اس گروپ بندی میں پھنسنا پسند نہ کیا۔ ان دونوں بورڈوں کے اختیارات کو زیادہ واضح طور پر بیان کیا گیا، یہاں تک کہ 1850 میں 'لندن بورڈ' کو آخر میں ختم کر دیا گیا۔" بریم صفحات 6-25۔

[1] جینکس، صفحہ 195۔

اسباب ہیں جو اس کی پوری توضیح کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ ان حالات نے مینجنگ ایجنسی نظام کی ترقی میں مدد ضرور پہنچائی لیکن ایسا نہیں تھا کہ یہ ہندوستان میں ہی موجود ہوں۔ ان حالات میں جو چیز قدرتی طور پر نشوونما پا سکتی تھی وہ محدود اور چھوٹی خاندانی کارپوریشنیں تھیں، اور دنیا کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ایجنسیوں کے تحریری معاہدے اور ٹھیکے کچھ اور بھی اظہار کرتے ہیں۔ اس کی ایک امکانی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ صنعتی ترقی کی ابتدائی منزلوں میں کسی منصوبے کے لیے جو سرمایہ درکار ہوتا تھا وہ کچھ خوشحال لیکن کافی معروف قسم کے بیوپاریوں کے ایک چھوٹے سے گروپ سے ابھارا جاتا تھا جن میں سے زیادہ تر افراد کسی چھوٹے سے خاندان سے گھرے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ ایسی صورت میں کمپنی کے انتظام کو کسی ایسے شخص یا کسی ایسی فرم کو سونپ دینا مناسب محسوس ہوتا تھا جو بیوپاری میدان میں ایک اچھی حیثیت اور شہرت کی مالک ہو۔ لیکن اس ذمے داری کو کوئی بھی صرف اس صورت میں لے لینے کے لیے تیار ہوگا کہ اسے ایک اچھا معاوضہ ملتا رہے اور ایک طویل مدت کے لیے اس معاوضے کا حصول یقینی بھی ہو۔ اس لیے مینجنگ ایجنسی نظام کے استعمال نے ان تاجر پیشہ حصہ داروں میں ضرور دلچسپی پیدا کی ہوگی جو خود اپنے نجی بیوپاروں میں پھنسے ہوئے تھے۔ بمبئی کے سب سے پہلے روئی مل کے ابھارنے والے پارسی کواس جی نانا بھائی داور اور اس مل کے حصے داروں کے درمیان مینجنگ ایجنسی کا جو معاہدہ ہوا تھا اس سے اس خیال کو اور تقویت پہنچتی ہے۔ اس معاہدے کی کُل نو شقوں میں سے صرف دو شقیں — پہلی اور چوتھی — ہمارے نقطۂ نگاہ سے کچھ اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ شقیں مندرجہ ذیل ہیں[1]:

"اول، ... تم (پارسی کواس جی نانا بھائی داور) عمارتیں حاصل کرو گے... یہاں اور انگلینڈ سے (لفظ بلفظ) مشنیں درآمد کرو گے اور ان کے نصب کرانے کا انتظام کرو گے۔ اس مقصد کے لیے تمام ضروری کام انجام دو گے اور ان کاموں کے لیے لوگوں کو ملازم رکھو گے، اس میں جو بھی مصارف ہوں گے... وہ تمھاری طرف سے ہوں گے۔ ان تمام معاملات کا پورا انتظام ہماری طرف سے ہماری اپنی مرضی اور خوشی سے، تمھیں سونپا جاتا ہے، اور تم اپنی پوری زندگی

---

[1] ایس۔ ڈی مہتا۔ صفحات 7-26۔

یہ کام انجام دیتے رہوگے۔

"چوتھے،۔۔۔ ہم تمام حصے داروں نے۔۔۔ فیصلہ کیا ہے کہ اس فیکٹری کے اجرا کے سلسلے میں جو پریشانیاں تم برداشت کروگے ان کے معاوضے کے طور پر تم اپنی پوری زندگی متذکرہ فیکٹری کے آڑھتیا یا دلال رہوگے، جس کا مطلب ہے کہ اس فیکٹری کو جتنی بھی روئی درکار ہوگی وہ تم ہی خرید کروگے اور اس فیکٹری میں جتنا بھی دھاگہ یا کپڑا تیار ہوگا اسے تم ہی فروخت کروگے، اور اس کمپنی کے حساب میں تم جتنی بھی بکری کروگے اس کا پانچ فیصدی کمیشن تم ساری زندگی لیتے رہوگے لیکن خریدے جانے والے مال پر تم کچھ وصول نہیں کروگے۔۔۔ ایسی صورت میں بھی کہ جب کمپنی کچھ مال براہِ راست بیچے گی تم اپنی پوری زندگی اس بکری کی آمدنی میں سے پانچ فیصدی کے حقدار رہوگے۔"

اس معاہدے کی تشریح کے ساتھ ساتھ یہ بات یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس کمپنی کا کوئی 'ڈائرکٹروں کا بورڈ' نہیں تھا جیسا کہ واضح طور پر اظہار ہوتا ہے پہلی شق میں داور کے فرائض کا خاکہ دیا گیا ہے اور اسے پوری زندگی کے لیے کمپنی کا واحد مالک و مختار منیجر مقرر کیا گیا ہے بمبئی میں دوسرے لوگ بھی ایسے موجود تھے جو اس کمپنی کے منیجر کی جگہ مقرر کیے جا سکتے تھے، لیکن داور ایک اتنا ہی اچھا انتخاب تھا جتنا اچھا کوئی اور ہو سکتا تھا، اور اس نے کچھ ایسی لیاقت و صلاحیت اور تحریک کا مظاہرہ کیا تھا جو یقیناً قابلِ تحسین تھی۔ اس کا مکمل با اختیار منیجر مقرر کیا جانا کوئی بہت نئی یا خاص بات نہیں تھی۔ پوری زندگی کے لیے منیجری حاصل کر لینے میں بھی اس خواہش سے زیادہ کوئی اور تحریک کارفرما نہیں تھی کہ داور اس بات کی یقینی دہانی چاہتا تھا کہ وہ اس مِل کے منافعے میں سے مستقل اپنا حصہ حاصل کرتا رہے گا جو بہت حد تک اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا جہاں تک داور کو دیے جانے والے معاوضے کا سوال ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت میں اس نے کمپنی کو اپنی خدمات مفت دے دی تھیں۔ مل کی پیداوار کی فروخت کے لیے 'سول ایجنسی' ــــ جو حقیقت میں اس سے مطلب نکلتا ہے ــــ کسی مل منیجر کی خدمات کا معاوضہ نہیں ہوتا۔ بکری پر پانچ فیصدی کمیشن تجارت کا ایک معمولی حق ہوتا ہے، اور خواہ داور اس مل کا منیجر ہوتا یا نہ ہوتا یہ بہر طور ادا کیا جانا تھا۔ لیکن چونکہ کمیشن سے ایک اچھا اور مستقل ذریعۂ آمدنی پیدا ہو رہا تھا، اس لیے داور کی اس خواہش کو کہ وہ مل کے مینجمنٹ کی تمام ذمے داریاں اور پریشانیاں

اپنے سرمائے لیے، بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک انتظامیہ کے نظریے کے اعتبار سے اس معاہدے میں جو چیز واحد طور پر غیر معمولی نظر آتی ہے وہ صرف یہ تھی کہ پیداوار اور فروخت دونوں ذمے داریوں کو ایک ہی آدمی کو سونپ دیا گیا تھا، اور یہی وہ نکتہ تھا جس میں آنے والی بیوپاری نسلوں کے لیے خطرناک جراثیم موجود تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس پورے معاہدے کو اس حقیقت کی روشنی میں بھی دیکھا جانا ضروری ہے کہ اس مل کے تقریباً سارے حصے دار مقامی ہی تھے ان میں سے بہت سے افراد روئی اور پارچوں کے بیوپار میں لگے ہوئے تھے، اور بیوپار کے تمام حالات اور تبدیلیوں کی پوری معلومات رکھتے تھے، اور خواہ بے ضابطہ ہی سہی، لیکن داور کی کارگذاریوں پر مختلف اور متعدد طریقوں سے نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس معاہدے میں کسی بھی حالات میں داور کی برطرفی کے لیے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی تھی، ممکن ہے یہ اس بات کا ثبوت ہو کہ حصے دار اس کی سالمیت پر بھروسہ رکھتے تھے، اور انھیں اپنی ہوشیاری اور نگہداشت پر بھی کامل اعتماد تھا۔

اجتماعی سرمایہ تنظیم نے صنعتی اداروں کی ابتدا کے امکانات ضرور پیدا کیے لیکن ہندوستان میں صرف تاجر طبقے کے پاس ہی وہ ذرائع اور وہ خواہش موجود تھی جن سے اس کا قیام عمل میں آسکتا تھا۔ ممکن ہے ایک یا دو روئی مل یا اسی طرح ایک دو پٹ سن یا چائے کی کمپنیاں اس طبقے سے باہر کے لوگ قایم بھی کر دیتے لیکن یہ لوگ اس قسم کی مہموں میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے یا پھر ان میں وہ صلاحیت اور ساکھ موجود نہیں تھی جو عوام میں اتنا بھروسہ پیدا کر سکے کہ وہ اپنے سرمائے کو اپنے سے علاحدہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ بمبئی اور کلکتہ جیسے شہروں میں کچھ تعداد ایسے تاجر پیشہ سرمایہ داروں کی ضرور موجود تھی، لیکن ان کے ہاتھوں میں جو سرمایہ موجود تھا اس کی مختتم قوتِ پیداوار زیادہ تھی اور اس لیے یہ صنعتی اداروں کی اجرا پر صرف اسی صورت میں آمادہ ہو سکتے تھے جب ان سے منافعے کے امکانات بہت زیادہ ہوں۔ مینیجنگ ایجنسی کے ٹھیکے میں ان کے لیے یہی کشش تھی کہ اس سے مستقل طور پر ایک بڑی رقم کما سکتے تھے اور اس میں ہمیشہ کے لیے انھیں اپنا سرمایہ کسی کمپنی میں ڈبونا بھی نہیں پڑتا تھا۔ ایک مینیجنگ ایجنٹ اپنے معاہدے کی رو سے ایک کمپنی کا مختار بنا دیا جاتا تھا اور اسے اس کی ضمنی شاخوں میں سرمایہ کاری کی بھی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کو ایک ایسا روپ دے دیا جاتا تھا جس میں یہ کمپنی کا ایک مکمل اور بلا شرکتِ غیرے ڈکٹیٹر ہو جاتا تھا۔

مینجنگ ایجنسی نظام — جسے بڑی خوبی کے ساتھ برآمز (Buchanan) نے "ایک ایسا اولیائی نظام ... جس میں سرمایہ کارانہ فیصلے کیے جاتے تھے[1]" کہہ کر بیان کیا ہے، یہ نظام اس وقت تک قایم شدہ کچھ روئی اور پٹ سن ملوں اور چائے کمپنیوں میں، ساتویں دہائی کے تقریباً آخر تک، اس لیے صحیح صحیح طور پر چلتا رہا کہ ان کے جو مینجنگ ایجنٹ مقرر کیے گئے تھے وہ اپنی مضبوطی اور دیانت داری کے سلسلے میں بہت اعلیٰ معیار کے حامل تھے لیکن بہرحال ابھی یہ نظام وسیع پیمانے پر نہیں پرکھا گیا تھا۔ ساتویں دہائی کے دوران ایک طویل عرصے تک بمبئی اور کلکتے میں حصوں کے سلسلے میں، زبردست قسم کی گرماگرمی کا دور دورا رہا۔ اس وقت کمپنیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ روئی اور پٹ سن ملوں میں زیادہ منافعوں کے امکانات عوام کے سامنے صرف آٹھویں دہائی کے ابتدائی سالوں میں کھل کر سامنے آئے، اور چائے کی صنعت کے سلسلے میں، جس میں لوگوں نے ایسی کیفیات کو ساتویں دہائی میں ہی سمجھ لیا تھا، اس نے اسپیکولیشن کی ایک ایسی دیوانگی سی پیدا کر دی تھی کہ اس کے اثرات دہائی کے خاتمے تک بھی پوری طرح نہ مٹ سکے[2]۔

ساتویں دہائی کے دوران مینجنگ ایجنسی کے ٹھیکوں میں بھی کچھ اہم تبدیلیاں نظر آنے لگی تھیں۔ ان میں سب سے اہم تبدیلی معاوضے کی ادائیگی کے سلسلے میں تھی۔ اب ایک معیاری در، ایک پونڈ دھاگے یا مل میں پیدا شدہ کپڑے پر ¼ آنہ یا ⅜ پینی کمیشن وصول کیا جاتا تھا۔ چائے کمپنیوں کے ایجنٹوں کی طرف سے وصول کیے جانے والے کمیشن کی تفصیلات پوری طرح موجود نہیں ہیں لیکن بہرحال اتنا کہہ دینے کے لیے مواد ضرور موجود ہے کہ یہ روئی اور پٹ سن ملوں سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس دور کے مبصرین کی رائے کے مطابق ایک 'مینجنگ ایجنٹ' ایک کمپنی سے اوسطاً 30,000 روپیے سے 40,000 روپیے سالانہ کے درمیان کما لیتا تھا اس موقعے پر ہم کچھ لکھنے والوں کی اس رائے سے بھی اختلاف کا اظہار کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ اس نظام سے انتظامیہ کے اخراجات میں بہت کمی پیدا ہو جاتی تھی اور یہ سوال بھی کر سکتے ہیں کہ یہ بچت "کس کے حق میں تھی؟" کسی مینجنگ ایجنٹ کے دفتر کا محاسب چار مختلف کمپنیوں کے کھاتوں میں ضرور اندراجات مکمل کر سکتا ہے لیکن ان میں سے ہر کمپنی مینجنگ ایجنٹ کو اتنی

---

[1] (متفرق)

[2] ملاحظہ ہو پانچواں، چھٹا اور ساتواں باب۔

رقم بہرحال ادا کرتی تھی جو ان میں سے ہر ایک کمپنی کا علاحدہ دفتر چلانے کے لیے کافی ہو۔

جب آٹھویں دہائی کے ابتدائی حصے میں بیوپاری سائیکل کی جنبش اوپر کی طرف ہوئی تو ایسے بہت سے لوگ جن کی سالمیت اور ساکھ مشتبہ تھی صنعتی اداروں کے اجرا میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے نظر آئے۔ ان لوگوں نے مینیجنگ ایجنسی نظام پر ہی انحصار کرنا شروع کر دیا جس میں پہلے ہی سے کچھ تیز اور شاطر قسم کے ہاتھوں میں پہنچ چکنے کے بعد، بدعنوانیوں کے کافی امکانات پیدا ہو چکے تھے۔ اب ان صورتوں میں مالی بوجھ میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا تھا جب انضمام شمولیت یا تنظیم نو کی وجہ سے کسی ایجنٹ کو اپنی تقرری سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا اور اسے اس سلسلے میں کافی مقدار میں دفتری الاؤنس اور معاوضہ ادا کیا جاتا تھا[1] کسی مینیجنگ ایجنٹ کی تقرری کو ایسوسی ایشن کے دستور میں ہی شامل کر لیا جاتا تھا جس سے مستقبل میں اس میں تبدیلی ناممکن ہو جاتی تھی[2] نئے مینیجنگ ایجنٹ یہ بات بھی بخوبی جانتے تھے کہ ایک عام سرمایہ کار کو جس چیز میں دلچسپی ہوتی ہے وہ اس کے حصوں پر منافع ہے۔ اگر ایسے کچھ لوگ تھے بھی تو وہ بہت کم تھے جو کسی ایسوسی ایشن کے دستور کی مدوں میں دی گئی شرائط کی جانچ پڑتال کرتے تھے یا ان پر سنجیدگی سے غور کرنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے۔ دوسری طرف موجودہ کمپنیاں بہت زبردست منافع کما رہی تھیں جن سے سرمایہ کاروں کو اپنے حصوں پر بہت اچھا منافع حاصل کرنے کی امیدیں پیدا ہوتی تھیں اور عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے اتنی امید کافی تھی سرمایہ کاروں کے لیے کشش پیدا کرنے کی کوشش میں کچھ مینیجنگ ایجنٹ تو اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے کھلے طور پر ایسے وعدے کرنے شروع کر دیے کہ اگر ان کے مل ایک کم سے کم متعینہ مقدار میں سالانہ منافعے کا اعلان کرنے میں ناکام ہوتے تو یہ اپنے مینیجنگ ایجنسی کمیشن

---

[1] ملاحظہ ہو 'مانڈوی اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمیٹڈ' اور ان کے 'سکریٹری اور خزانچی' رحیم بھائی علاؤالدین بھائی کے درمیان مقدمے کی رپورٹ، جس میں بیان کیا گیا تھا کہ اگر یہ کمپنی آئندہ پچیس سالوں کے درمیان بند کی گئی تو 'سکریٹری اور خزانچی' کو معاوضے کے طور پر 50000 روپیے ادا کیے جائیں گے۔ 'دی ٹائمس آف انڈیا' 10 جنوری 1880۔

[2] ملاحظہ ہو ایک مقدمے کی رپورٹ — 'مریادا اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمیٹڈ' اور آنندجی دھرام کے درمیان۔ 'دی ٹائمس آف انڈیا' 24 جنوری 1876۔

کو بھی چھوڑ دیں گے۔ لیکن بہر حال ان وعدوں پر عمل کا وقت آتا تو یہ عام طور پر ان سے پھر جاتے، اور حصے داروں کے لیے ان وعدوں کی صرف یاد ہی باقی رہ جاتی۔[1] ایسا بھی نہیں تھا کہ اس کے خلاف حصے داروں نے احتجاج نہ کیا ہو، انھوں نے پوری طاقت کے ساتھ احتجاج کیا مگر اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ایسے اجارہ کرنے والے جو بہت زیادہ مشہور نہیں تھے یا جن کی ساکھ مضبوط نہیں تھی انھوں نے خاموشی کے ساتھ کمپنیاں کھول لیں جن کی مالیت کاری خود وہ اپنے نجی ذرائع اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کی مدد سے کر لیتے تھے، اور پھر ایک یا دو بار حصوں پر بڑے بڑے منافعوں کے اعلانات کے بعد اپنے حصوں کی ملکیتوں کے بار کو حصہ بازار میں ہلکا کر دیتے اور مینیجنگ ایجنسی کا ٹھیکہ لے کر خود اپنی حیثیت کو پوری طرح مضبوط کر لیتے۔[2] یہ مینیجنگ ایجنٹ محض اپنا کمیشن حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے اور انھیں ملوں یا حصے داروں کی اچھائی بُرائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے 'ٹکسٹائل جرنل' کے اڈیٹر نے لکھا تھا:[3]

"ڈائرکٹر ایجنٹوں کے دوست اور رشتے دار تھے اور آڈیٹروں کے ساتھ انھیں بھی ایجنٹ ہی مقرر کرتے تھے۔ ملوں کے انتظامیہ روئی کی خرید اور دھاگے کی فروخت کے سلسلے میں تمام عاملہ اور بیوپاری اختیارات رکھتے تھے، اور یہ بالکل اسی حیثیت سے کسی دوسرے مل میں بھی دلچسپی رکھ سکتے تھے، یا پھر کسی اور مل کی ملکیت یا اس کی کارکردگی ان کے پاس ہو سکتی تھی، یا پھر روئی، دھاگے اور دوسری اشیاء کا بیوپار اپنے طور پر بھی کر سکتے تھے۔ یہ دوسرے بڑے بڑے سرمایہ کاروں کو بھی اپنی طرف

---

[1] ملاحظہ ہو 'یونائٹیڈ اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمٹیڈ' کے سلسلے میں 'ٹائمس آف انڈیا' کو لکھا گیا، گوکل داس جگموہن داس کا ایک خط، 5 مارچ 1873۔

[2] ملاحظہ ہو سوراب جی سپر دجی بنگالی کا حکومت ہند کو بھیجا ہوا میمورنڈم 'جوڈیشیل اور پبلک ڈپارٹمنٹ رجسٹر، ڈپارٹمنٹل نمبر 212۔ ایس۔ ایس۔ بنگالی، بمبئی کا ایک مشہور تاجر، صحافی، ماہر تعلیم اور لیجسلیٹر تھا۔ اس کی مختصر سی سوانح حیات کے لیے ملاحظہ ہو ایس۔ ایم۔ رتنا گور کی 'بمبئی کی صنعتیں — روئی مل [بومبے انڈسٹریز: دی کاٹن مل] مطبوعہ 1917، صفحہ 699۔

[3] رتنا گور، صفحات 51-49۔

> کھینچ لیتے جنھیں حصوں پر منافعے کے علاوہ اور بھی بیوپاری منافع دیا جاتا۔ 1880 کی دہائی کے آخری حصے تک ایجنٹ عام طور پر صرف تاجر طبقے سے ہی متعلق ہوتے تھے... اور یہ لوگ مشینوں اور پیداواری عمل اور طریقۂ کار سے ناواقف ہوتے تھے کتائی اور بُنائی کے کام کی دیکھ بھال لنکاشائر سے لائے ہوئے منیجروں اور نگہ داروں کے سُپرد ہوتی تھی اور کچھ پارسی اور ہندو ان کی مدد کرتے تھے۔"

نیچے معاوضوں، سستے خام مال، اور رسد کے مقابلے میں مانگ کے مستقل اونچا ہونے کی وجہ سے زیادہ منافع حاصل ہوتا تھا۔ لیکن جب 1874 کے بعد بیوپاری سائیکل کا میلان نیچے کی طرف ہونا شروع ہوا اور بازار میں مندے کی کیفیات پیدا ہو گئیں تو یہ منافعے صرف ماضی کی ایک یاد ہو کر رہ گئے۔ یہ صورتِ حال ان مینجنگ ایجنٹوں کی طرف سے رسد اور مانگ کے قوانین کے لیے مکمل بے توجہی کی وجہ سے اور بھی بگڑی چونکہ یہ لوگ صرف اپنے کمیشن کی بڑی بڑی رقمیں حاصل کر لینے میں دلچسپی رکھتے تھے اور مانگ کے متواتر گرتے رہنے کے باوجود بھی یہ لوگ اپنے ملوں کی پیداوار کو پوری پیداواری گنجائش تک چلاتے رہتے تھے[1] اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوا کہ نہ صرف اونچے منافعے حاصل ہونا بند ہو گئے بلکہ کمپنیاں خسارے پر چلنا شروع ہو گئیں[2]

---

[1] پیداوار میں کمی کی تمام تجویزوں کے سلسلے میں ایجنٹ مخالفت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خود مل مالکوں کی ایسوسی ایشن بھی کام کے کم اوقات کے سلسلے میں ایک باثر معاہدہ کروانے میں ناکام رہی۔

[2] بمبئی میں کچی روئی، کپڑے (T.Clothes) اور دھاگے کی قیمتوں میں 1873 سے 1882 کے درمیان جو گراوٹ آئی وہ مندرجہ ذیل ہے (سادہ انڈیکس)

سال	دھاگہ (20 پوائنٹ)	کپڑا	کچی روئی
1873		—	100
1874	100	100	82
1875	81	86	80
1876	80	76	75

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سرمایہ کاروں نے جلدی ہی ان کیفیات کو سمجھنا شروع کر دیا اور آزاد قسم کے حصے داروں کی طرف سے مدافعت نظر آنے لگی۔ اس وقت تک، جب تک کہ بیوپاری سائیکل اپنے آخری نقطۂ انحطاط تک پہنچی ہے، حصے داروں کے جلسے کافی پُرشور ہونے لگے تھے اور ان میں جھنجھلاہٹ اور غصے کے اثرات کافی حد تک نمایاں نظر آجاتے تھے[1] بہت سے ایسے حصے دار جو مقامی تھے اور خود بھی روئی اور کپڑے وغیرہ کے کاروبار میں ہی مصروف تھے، انھوں نے جلدی ہی مینجنگ ایجنٹوں اور ملوں اور دفتروں کے عملے کی زبردست بدعنوانیوں کو بھی پہچان لیا، جو اپنی حیثیتوں اور جگہوں کے ناجائز استعمال سے اپنے مشاہروں کے علاوہ ایسا روپیہ کمانے کے لالچ میں پھنسے ہوتے تھے جو ان ایجنٹوں کے تساہل اور تکنیکی ناواقفیت اور نالائقی کی وجہ سے بہ آسانی ممکن تھا۔ ان بدعنوانیوں کی بالکل صحیح صحیح اور مکمل تصویر رُتنا گور کے مندرجہ ذیل بیان میں بخوبی نظر آسکتی ہے[2]

"یہ بات پوری طرح صاف ہوگئی تھی کہ موخرالذکر (مینجنگ ایجنٹ) ایسی

(صہ 371 سے آگے)

1877	86	89	82
1878	79	83	81
1879	74	80	86
1880	84	85	98
1881	85	89	95
1882	78	83	90

[ہندوستانی قیمتوں کا انڈیکس نمبر۔ (سابقہ حوالہ) گوشوارہ عـ ، صفحہ 12]

لہ مثال کے لیے ملاحظہ ہو "ٹائمس آف انڈیا" 3/مارچ 1873، 21/اگست 1874، 26/اگست 1877، 30/مارچ 1873۔ "بمبئی یونائیٹڈ اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمیٹڈ" "دی مدراس اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمیٹڈ"، "دی نیو کولابا کمپنی لمیٹڈ" اور "دی بھاونگرملس اینڈ پریس کمپنی لمیٹڈ" کے سلسلے میں (بالترتیب)

لہ رُتنا گور، صفحات 51-50۔

روئی اور دھاگے کے بیوپار میں مصروف تھے جو ملوں سے تعلق رکھتا تھا اور اس
نفع نقصان کی حدوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے جس کا اندازہ لگا لینے کی حیثیت میں
یہ ایجنٹ تھے، کمپنی کے حصوں میں اسپیکولیشن بھی کرتے تھے بلکہ بعض صورتوں میں
اپنے لیے مناسبت پیدا کرنے کی غرض سے حسابات کے گوشواروں میں پھیر بدل
تک کر دیتے تھے۔ فرموں کے ایجنٹوں کی طرف سے روئی کی فراہمی کے لیے کھلے
ٹھیکے لیے جاتے تھے جو بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ، اگر قیمتیں گرنی شروع
ہوتیں تو، ملوں کے حسابات کی طرف منتقل کر دیے جاتے۔ خریدنے اور بیچنے میں ملوں
کے حسابات میں اسپیکولیشن بے روک ٹوک چلتا رہا اور دوسری طرف دھاگوں کے
کچھ مختلف لیبل بے ایمان قسم کے مقابلے اور دھوکے بازی اور نقالی کے لیے الگ
محفوظ رکھ لیے جاتے۔ روئی کی خرید کا کام ان پڑھ چھٹنے والے کرتے جو روئی کے
ریشے اور اس کی قدر کو پرکھنے کے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں سمجھے جاسکتے تھے،
اور ان کی ایمانداری پر بھی پوری طرح بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کی تلائی
بھی بے ایمان قسم کے تولنے والے کرتے تھے جنھیں کم تولنے کے لیے رشوت دی
جاتی تھی۔ کوئلہ معیار یا وزن، یا دونوں اعتبار سے گھٹیا ہوتا اور روئی کی تیاری
ایسی مشینوں کے ذریعے ہوتی جن کی خرید چھپے چوری لیے گئے مشینوں کے ذریعے
ہوئی ہوتی اور ایسے اسٹوران کی دیکھ بھال کے ذمے دار ہوتے جن میں دھوکے
باز قسم کے کارکنوں کا بول بالا ہوتا۔ فیکٹری کے تنخواہوں کے گوشوارے میں ایسے
ملازمین کی تنخواہیں وصول کی جاتی جن کا وجود ہی نہ ہوتا تھا اور خود ملازمین بھی
اپنے نگہداروں اور جمعداروں کو بخششیں (رشوتیں) دیتے تھے۔ ڈائرکٹروں
کا بورڈ جعلی ہوتا تھا۔ آڈیٹر اپنی کارگذاریوں کی نرمی اور دلکشی کی بنیاد پر
چنے جاتے تھے اور کسی کمپنی کے اخراجات میں اونچے اور فیاضانہ دفتری اخراجات
اور وکیلوں کی فیسیں اس کی شان و شوکت اور رعب میں اضافہ کرتیں۔
ایمانداری کے ساتھ بیوپار اور پیداوار کے تمام اصول و قواعد کو بالکل الٹ
دیا گیا تھا۔ اور اس پورے سلسلے کو اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو کچھ ایسا
محسوس ہوتا تھا جیسے یہ صنعت صرف اس مقصد سے چلائی جا رہی تھی کہ

دھوکے بازی اور جعل سازی کا ایک مکمل نظام قایم رہ سکے۔"

ظاہر ہے کہ ان حالات میں حصے داروں کی برہمی ایک لازمی نتیجہ تھی، چنانچہ یہ مینجمنٹ کے سامنے کچھ کرید کرنے والے سوالات اُٹھا دیتے، لیکن ان کے جواب بہرحال غیر اطمینان بخش اور مسائل کو ٹال دینے والے ہی ہوتے تھے۔ ایسے متجسس حصے داروں کا منہ بند کرنے کے لیے بعض صورتوں میں ایجنٹوں نے وکیلوں کی مدد تک حاصل کی۔ حصے داروں کو صرف مینجنگ ایجنسی ٹھیکے کے ڈنڈے کا ہی مقابلہ کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ انھیں خود اپنے شریکِ کار ایسے سرمایہ کاروں کے ساتھ بھی گذارا کرنا پڑتا تھا جن کا ضروری غیر ضروری دخل مل کے معاملات میں ہوتا تھا اور جو مینجمنٹ پر کسی باقاعدہ قسم کی تنقید کی کوشش کو ناکام کر دیتے تھے۔[1]

ہر طرف سے ناامید ہو کر ان لوگوں نے اس توقع پر عدالتوں کی طرف رُخ کیا کہ حصے داروں کے عمومی مفادات کے لیے نقصان دہ ہونے کی دلیل پر عدالت اس قسم کے ٹھیکے کو ختم کر دے گی، لیکن عدالت کے جج بھی تحریری الفاظ کو صرف اتنا ہی تبدیل کر سکتے تھے جتنا مذہبی پیشوا مقدس کتاب کے الفاظ میں ردو بدل کر سکتے ہیں۔

حالانکہ حصے دار ایک یا دو صورتوں میں سالانہ یا ششماہی حسابات کے گوشواروں کو پاس کیے جانے کی تجویز کو ناکام کر دینے سے زیادہ اس مینجمنٹ کی بدانتظامیوں کو روکنے کے سلسلے میں کچھ اور نہ کر سکے، لیکن بیوپاری مندے نے مینجنگ ایجنٹوں سے خود ہی بدلہ لے لیا، لیکن اس سلسلے میں خود حصے داروں کو بھی تباہ کر دیا۔ مینجنگ ایجنٹوں نے تجارتی فرموں کی حیثیت سے خود کو عادتاً روئی اور افیون کے اسپیکولیشن میں پھنسا رکھا تھا۔ مندے کے دور میں جو نقصانات ہوئے ان کے نتیجے میں بہت سی ایسی فرمیں ناکام ہو گئیں۔ ایجنٹوں نے اسپیکولیشن کی مالی ضروریات کو پورا کرنے اور ناکامی سے بچنے کے لیے صرف اپنے ہی مالی ذرائع کو استعمال نہیں کیا بلکہ ان ملوں کی مالیات اور قرض لینے کے اختیارات کو بھی پوری طرح استعمال کیا جن کا انتظام ان کے ہاتھوں میں تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو "ٹائمز آف انڈیا" 28/فروری 1871، کیسوجی نائک اور بامبے رایل اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمٹیڈ کے درمیان مینجنگ ایجنسی ٹھیکے کے سلسلے میں۔ نیز ملاحظہ ہو "ٹائمز آف انڈیا" 4/مارچ 1871 اور 8/مارچ 1871۔

فرموں کی ان ناکامیوں میں سب سے بڑی اور اہم ناکامی 'کیسوجی نائلک اینڈ کمپنی' کی تھی جو بمبئی میں چار روئی ملوں کی مینجنگ ایجنٹ تھی۔ یہ ناکامی 1878ء کے آخری حصے میں نظر آئی، اور اس نے کچھ ایسی ہی بحرانی کیفیات پیدا کر دیں جو برطانیہ میں 'سٹی آف گلاسگو بینک' کی ناکامی سے پیدا ہوئی تھیں۔ اب اس موقعے پر ان لوگوں کو ذرا دیر رک کر اپنی اس دلیل پر دوبارہ غور کرنا مناسب ہوگا جن کا خیال ہے کہ چھوٹے چھوٹے اور معدوم سے مینجنگ ایجنٹ ہی اس پورے نظام کو خراب اور بدنام کرتے ہیں، چونکہ اس فرم کی ساکھ، لیاقت اور سالمیت وغیرہ پر حقیقی ناکامی سے پہلے کون شبہ کر سکتا تھا؟ لیکن اس مضبوطی اور ساکھ کے باوجود، 'جو کیسوجی نائک' کو اس دور میں حاصل تھی، یہ چاروں مل ——— جن سے اس فرم کو ملنے والا معاوضہ 4,00,000 روپیے سالانہ سے زیادہ بتلایا جاتا ہے[1] ——— اور اس سے ملحق دوسری متعدد فرمیں دیوالیہ ہو گئیں۔ ان ملوں کے حصے داروں کو اپنے سرمائے کی ایک ایک پائی سے ہاتھ دھونا پڑا، اور لین دار اپنے دعووں کے لگ بھگ 50 فیصدی حصے سے محروم ہو گئے، جس کا بعد میں 60,00,000 روپیے حساب لگایا گیا[2]۔ ایجنٹوں کی اس فرم کی ناکامی کے اعلان کے وقت اس کی کُل ذمے داریاں 3,00,00,000 روپیے[3] کی تھیں۔ پڑھنے والے کو یہ رقمیں حیرت اور شبہے میں ڈال دینے کے لیے کافی ہیں۔

یہ سب کچھ کیسے کیا گیا؟ اس کا جواب کافی دلچسپ ہے اور اس دور میں صنعتی مالیت کاری کے طریقوں میں ہی مل جاتا ہے۔ ایک پختہ طریقہ یہ تھا کہ صنعتی کمپنیوں کا اجرا کرنے والے اپنے حصوں کا اجرا صرف اتنے سرمائے کے لیے کرتے جو قایم سرمائے کے لیے ضروری ہوتا تھا۔ بروئے کار سرمایے کا زیادہ بڑا حصہ جب ضرورت پڑتی قلیل مدتی قرضوں کے ذریعے حاصل کر لیا جاتا، اور اس مقصد کے لیے عام طور پر کمپنی کے دستور میں ہی ڈائرکٹروں کے بورڈ کو کسی محدود یا غیر محدود رقم کو اُدھار لینے کے اختیارات دے دیے جاتے تھے۔ جن چار ملوں کا اوپر ذکر کیا گیا ان کے سلسلے میں اس اختیار کا استعمال مل کی ضرورت سے کہیں زیادہ حد تک کیا گیا اور ایجنٹوں نے ہی ان

---

[1] 'ٹائمز آف انڈیا' 30/دسمبر 1878، 6/جنوری 1879۔

[2] ملاحظہ ہو ایس۔ ایس۔ بنگالی کا 'میمورنڈم'۔ (سابقہ حوالہ)

[3] 'ٹائمز آف انڈیا' 6/جنوری 1879۔

اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے عوام سے اُدھار رقمیں اُبھاریں جو ڈائرکٹروں کا حق تھا۔ لیکن اس طرح اُبھاری ہوئی مالیت کو استعمال کرنے سے پہلے ایک تکنیکی دشواری کو حل کرنا بھی ضروری تھا۔ ان کمپنیوں کے دستوروں میں ایک صورت یہ رکھی گئی تھی کہ ملوں کے پاس موجود ایک مقررہ رقم سے زیادہ مالیت کو کمپنی کے مقرر کردہ بینک میں جمع کرایا جانا ضروری تھا چنانچہ ہر قسم کی غیر قانونی صورتِ اظہار سے بچنے کی غرض سے ڈائرکٹروں کے بورڈ کی پاس کردہ ایک تجویز کے ذریعے ، ان ایجنٹوں نے خود کو ہی کمپنیوں کا بینک کار مقرر کر لیا اور اس طرح حسابات کے کھاتوں میں اندراجات سے بچ گئے اور اس کے بعد ان رقموں کو اسپیکولیشن میں لگانا شروع کر دیا۔ مینجنگ ایجنٹوں کی فرم کے ایک ممبر پر بعد میں مقدمہ چلایا گیا اور چار سال کی قید کی سزا سُنائی گئی[1] اور ڈائرکٹروں کے خلاف چلائے گئے مقدمے کے نتیجے میں ان کے خلاف 10,00,000 روپے کا فیصلہ سُنایا گیا۔[2] ہندوستان میں یہ پہلا ایسا مقدمہ تھا جس میں کسی مینجنگ ایجنٹ کو سزا ہوئی تھی۔ اور اب اس میں کسی قسم کے شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ صنعتی کمپنیوں کی ایسوسی ایشنیں اپنے مینجنگ ایجنٹوں کی حیثیت میں تجارتی فرموں سے ہر قسم کے خطرات کی توقع رکھ سکتی تھیں۔

ایک دلیل عام طور پر یہ بھی دی جاتی ہے کہ یہ مینجنگ ایجنسیاں کمپنیوں کے بالکل ابتدائی دور میں اپنے مالی ذرائع سے ان کی پرورش کرتی تھیں، لیکن اس دعدے کے لیے کوئی پختہ اور قابلِ یقین ثبوت مشکل سے ہی ملے گا۔ اس سلسلے میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ روئی، پٹ سن اور چائے کی صنعتوں میں آٹھویں دہائی کے دوران سرمایہ کاری کے لیے جو ایک ہلچل اور جوش تھا وہ اس دعوے کے خلاف ہی ایک ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اگر بفرضِ محال کچھ مینجنگ ایجنٹوں نے اپنی کمپنیوں میں کچھ مالیت لگائی بھی تو وہ ان منافعوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی جو وہ ان سے حاصل کر لیتے تھے۔ اس عمل کے کئی پہلو تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ ان ایجنٹوں نے اپنی کمپنیوں کی مالیتوں پر گرفت رکھتے ہوئے روپیہ کمانے کے کچھ طریقے بھی پہچان لیے تھے۔ کسی ایجنٹ کے پاس جب بھی کوئی رقم فاضل ہوتی تو وہ کمپنی کو کافی اونچی شرح سود پر اُدھار دے دیتا۔[3] دوسری

---

[1] ایضاً، 29/ستمبر 1879۔

[2] ایضاً۔

[3] کم سے کم مدراس اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمیٹڈ کے حصے داروں کے ایک (بقیہ اگلے صفحہ پر)

طرف جب بھی ایجنٹوں کو رقموں کی ضرورت ہوتی تو وہ کمپنی سے اُدھار لے لیتے جو بازار کی شرح سے کم سود پر لیا جاتا، خواہ کمپنی کو خود اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اونچی شرح سود پر ہی اُدھار لینا پڑتا[1] اور پھر اس کے علاوہ ایک یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ ایجنٹوں کو دی جانے والی، اور ان سے حاصل کی جانے والی، امداد میں جو جو کم ہوتے تھے خود ان میں بھی بڑا فرق تھا۔ چونکہ جب کمپنی اپنے ایجنٹ کو کچھ رقم اُدھار دیتی تو یہ اُدھار غیر محفوظ رہتا اور اس سلسلے میں ایک بہت بڑا خطرہ یہ باقی رہتا کہ یہ پورا کا پورا اسپیکولیشن کی نذر ہو کر ضائع ہو سکتا ہے، جبکہ وہ قرض جو ایجنٹوں کی طرف سے کمپنیوں کو دیا جاتا تو اس کی ضمانت کے لیے اس کے پیچھے کمپنی کی زمینیں، مشینیں، اور کمپنی کے دوسرے وہ اسٹاک ہوتے جن کی دیکھ بھال بھی خود انہی ایجنٹوں کے سپرد ہوتی۔ ان اثاثوں سے اگر پورا کا پورا اُدھار نہ بھی چکایا جا سکتا تو کم از کم کچھ حصہ تو ضرور ہی حاصل کیا جا سکتا تھا۔

ایک بار پھر انیسویں صدی کی آخری چوتھائی کے حالات پر نگاہ ڈالتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ 'کیسو جی' کے مقدمے میں ہونے والے انکشافات، حصے داروں کے احتجاجوں اور اخباروں اور رسالوں میں شائع ہونے والی حصے داروں کے جلسوں کی لفظ بہ لفظ رودادوں، اور پھر ان پر کی جانے والی تنقیدوں نے، بمبئی میں اصلاح کا ایک ماحول پیدا کر دیا۔ ان کمپنیوں کے حصے داروں نے، جو ناکام ہو گئی تھیں، اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور ان کی نئی تشکیل کے وقت زیادہ بہتر لوگوں کو ان کا مینیجنگ ایجنٹ مقرر کیا، معاوضے کی ادائیگی کے سلسلے میں زیادہ مساوات کے اصولوں کو نگاہ میں رکھا اور ان کے لیے کارگزاری کی مدت کو نسبتاً زیادہ معقول انداز کے

(صفحہ 376 سے آگے)

جلسے کی روداد سے تو یہی اظہار ہوتا ہے کہ کمپنی نے 9 فیصدی کی شرح پر 50,000 روپیے اس وقت اُدھار لیے تھے، جب وہ یہ رقم حصوں پر سرمائے کی طلب سے حاصل کر سکتی تھی۔ اس سلسلے میں بھی کچھ شبہات کا اظہار کیا گیا تھا کہ آیا کمپنی کو حقیقت میں رقم کی ضرورت تھی بھی یا نہیں۔ 'ٹائمس آف انڈیا' 21/اگست 1874۔

[1] 'ناگپور دی اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمیٹڈ' کے سکریٹری اور خزانچی' کے خلاف ایک مقدمہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ساتھ محدود کیا گیا۔ بعض صورتوں میں حصے داروں کا ردِعمل یقیناً بہت تیکھا بھی تھا۔ 'بیوکولا با کمپنی' کے حصے داروں نے اپنی کمپنی سے مینیجنگ ایجنسی کے طریقے کو بالکل ہی ختم کر دینے کے سلسلے میں بڑی سخت جنگ لڑی، اور اس کے بدلے میں ایک مینیجر کی تقرری کی پُرزور حمایت کی جس پر ڈائرکٹروں کے بورڈ کی براہِ راست گرفت ہو۔ اس سلسلے میں 1877 میں کی جانے والی پہلی کوشش بہر حال ناکام رہی[1] لیکن جلدی ہی انھیں اپنے مقصد میں کامیابی ہو گئی جب 'مدراس اسپننگ اینڈ ویونگ' کمپنی قایم ہوئی تو حصے داروں نے اس کے دستور میں ایک شق شامل کروادی جس میں کسی مینیجنگ ایجنٹ کے تقرر کی ممانعت کر دی گئی تھی۔[2] لیکن ایک ہی سال کے اندر اندر ڈائرکٹروں نے دستور کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، بمبئی کی ایک فرم کو 5 فیصدی کمیشن اور 10,000 روپیے کے مقررہ معاوضے پر دس سال کی مدت کے لیے مینیجنگ ایجنٹ مقرر کر دیا۔[3] 'ٹائمز آف انڈیا' میں اس کے بعد کی بھی کچھ تفصیلات دی گئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک طرف مینیجنگ ایجنٹ اپنے کمیشن کے حصول کے لیے مستقل سختی سے لڑتے رہے لیکن دوسری طرف پورے سال کے دوران ایک بار بھی یہ اپنی کمپنی کو دیکھنے کے لیے نہ گئے۔[4] اس کے علاوہ بھی بہت سی مثالیں تھیں لیکن اس کتاب کا مضمون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس موضوع پر اس سے زیادہ تفصیل بیان کی جائے۔

اصلاحات کا رجحان تو حقیقت میں 3-1872 میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ ایسی بہت سی مثالیں بھی مِل جاتی ہیں جن میں معاوضے کی ادائیگی، اس ذمے داری کی مقررہ مدت اور انتظامیہ

(ص 377 سے آگے)

میں اظہار کیا گیا کہ انھوں نے، کمپنی سے کیے گئے ایک معاہدے کے تحت اس کی رقموں کو استعمال کیا جس کے لیے انھوں نے صرف 5 فیصدی سالانہ کا سود ادا کیا۔

1. 'ٹائمز آف انڈیا' 26 / فروری 1877 کو حصے داروں کے جلسے کی روداد۔
2. ایضاً۔ 21 / اگست 1874۔
3. ایضاً۔
4. ایضاً۔ 22 / مئی 1875 کو حصے داروں کے جلسے کی روداد۔

کے اختیارات وغیرہ خاصے بدلے ہوئے نظر آتے ہیں[1] معاوضے کی ادائیگی کے سلسلے میں ایک اطمینان بخش طریقے تک پہنچنے کی کوششوں میں بہت سے گنجلک قسم کے طریقۂ کار بھی پیدا ہوئے[2] لیکن اصلاحات کی آخری شکل پیش کرنے کا سہرا ایک انگریز 'جیمس گرینوس' کے سر نظر آتا ہے جو بمبئی پریسیڈنسی میں روئی کی صفائی اور دبائی کی صنعت کا بانی تھا۔ یہ لنکاشائر میں 1820 میں پیدا ہوا تھا، اور اپنے وطن میں فیکٹری کی زندگی کا تجربہ حاصل کر چکنے کے بعد 1866 میں ہندوستان آگیا تھا۔ یہاں آکر اس نے بڑودچ میں خارج کاٹن کی ساجھے داری میں 1868 میں بیوپار شروع کیا تھا[3]

---

[1] (الف) 'میروان جی اینڈ کمپنی' کو 'فوربس اینڈ کمپنی' کے استعفے کے بعد صرف دس سال کی مدت کے لیے ایک روئی مل کا ایجنٹ مقرر کیا گیا تھا۔ 'ٹائمس آف انڈیا' 27/اکتوبر 1873۔

(ب) وہ فرم جو 'گریٹ ایسٹرن اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی' کی مینجنگ ایجنسی حاصل کرنا چاہتی تھی، باوجودیکہ اس کے پاس کمپنی کے کل جاری شدہ 695 حصوں میں سے 600 حصے بھی موجود تھے اسے خود کو کارکنوں کے رکھنے اور نکالنے کے سلسلے میں، پوری طرح بورڈ کی نگہداشت اور گرفت کی پابندیوں کے ساتھ کام کرنے کی پیش کش کرنی پڑی۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ اس ایجنسی کی متمنی فرم نے یہ بھی ظاہر کیا کہ یہ اس ذمے داری کے لیے کوئی مقررہ مدت کی خواستگار نہیں ہے مگر اگر انھیں اختیارات کے ناجائز استعمال یا بدعنوانیوں کے علاوہ، کسی اور وجہ سے برطرف کیا جائے، تو انھیں اس کے عوض پانچ سال کا معاوضہ دیا جائے۔ 'ٹائمز آف انڈیا' 10/نومبر 1874۔

(ج) 'کھٹاؤ مکن جی اینڈ کمپنی' کو، جس نے 'منگل داس ناتھو بھائی' کی جگہ لی تھی، ایک پائی فی پونڈ پیداوار کا معاوضہ مقرر کیا گیا تھا جو اس وقت کی معیاری شرح کا صرف ایک تہائی تھا۔ یہ صورت اس وقت تک تھی جب تک کمپنی حصوں پر 4 فیصدی سے کم منافع ادا کرتی، لیکن اس شرح منافع سے اوپر انھیں بھی معیاری در پر کمیشن ملتا تھا۔ ایضاً۔ 10/ستمبر 1874۔

(د) 'بھاؤ نگر پلس اینڈ پریس کمپنی' اپنے مینجنگ ایجنٹ —— فوربس اینڈ کمپنی —— کو مشینوں کے حصوں پر 5 فیصدی دیتی تھی۔ کمپنی کے خالص منافعے پر ایک فیصدی اور دفتری الاؤنس کے طور پر 450 روپے مہینہ ادا کرتی تھی۔ ایضاً۔

[2] ایضاً۔ 25 ستمبر 1874 —— ملاحظہ ہو 'مانڈوی اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی' پر ایک مضمون۔

[3] 'رتناگور' صفحہ 708۔

1877 میں 'گریوس کاٹن اینڈ کمپنی' کو خالص منافعے پر ۱۰ فیصدی کمیشن پر دس سال کی مدت کے لیے 'ایمپریس مل' کا مینیجنگ ایجنٹ مقرر کیا گیا[1]۔ اس کے تقریباً 80 سال بعد، حکومت ہند نے اسی مثال کو اپناتے ہوئے 1956 کے کمپنی ایکٹ میں یہ صورت رکھی کہ کسی مینیجنگ ایجنسی کو دس سال سے زیادہ مدت کے لیے مقرر نہیں کیا جا سکتا اور معاوضے کے طور پر اسے کمپنی کے خالص منافعے کا ۱۰ فیصدی سے زیادہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ بمبئی کے اخباروں نے 'گریوس کاٹن اینڈ کمپنی' کے معاہدے کا خیر مقدم کیا اور اس امید کا اظہار کیا کہ یہ معاہدہ مستقبل میں مینیجنگ ایجنسیوں کی تقرری کے لیے ایک نمونہ اور مثال سمجھا جائے گا۔

لیکن ایسی امیدیں پوری نہ ہو سکیں اور یہ بات اور زیادہ واضح اور یقینی ہو گئی کہ بمبئی میں باقاعدہ قانون کے علاوہ کوئی دوسری چیز مینیجنگ ایجنٹوں کو "ان کمپنیوں کا خون چوسنے سے نہیں روک سکتی جن کے مینیجمنٹ کے یہ خود ہی ذمے دار سمجھے جاتے ہیں[2]"۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ نئے طریقے کو بالکل اپنایا ہی نہیں گیا ہے۔ این۔ ٹاٹا جو جلدی ہی اس منظر پر نظر آنے لگتا ہے، اس نئے طریقے کا صرف حامی ہی نہیں تھا بلکہ اس نے مینیجمنٹ کے پورے مسئلے میں ایک انقلاب سا پیدا کر دیا۔ موجودہ شرائط کے سلسلے میں چند چھوٹی موٹی خوشگوار یا بہتر شرائط کے ساتھ معاہدے کی خواہش کے بدلے میں اس نے پورے صنعتی نظام میں تجدید کے لیے ایک مستقل اور مصمم ارادے کا اظہار کیا، اور اس کی منچلی طبیعت کا یہ جذبہ ہی وہ حقیقی روح تھا، جو اسے اپنے لالچی اور وقتی منافع کے خواہش مند ہم عصروں سے الگ اور ممتاز کرتا ہے[3]۔

---

[1] ملاحظہ ہو "ٹائمز آف انڈیا" 20 مارچ 1887 میں 'ایمپریس کاٹن مل' پر ایک مضمون۔

[2] اخبار میں اظہار کیا گیا تھا کہ بمبئی میں 45 روئی مل معاوضے کے پرانے طریقے پر چل رہے ہیں۔ "ٹائمس آف انڈیا" 20 مارچ 1887۔

[3] "ٹائمز آف انڈیا" کو لکھے گئے ایک خط میں جے۔ این۔ ٹاٹا نے عوام سے ایک ایسے روئی مل کھولنے میں ساتھ دینے کی دعوت دی تھی جو 20 سے زیادہ 'کاؤنٹ' کا دھاگا کات سکے، اور اس مل کے خالص منافعے کے ۱۰ فیصدی کمیشن پر خود کو مینیجمنٹ سنبھالنے کے لیے پیش کیا تھا۔ اس ۱۰ فیصدی کمیشن کا حساب بھی مل کے خالص منافعے میں سے مل کے اثاثوں پر ۱۰ فیصدی گھساوٹ کی منہائی کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

"ٹاٹا" اور 'اچھا مینجمنٹ' کے الفاظ مترادف الفاظ ہو گئے تھے۔ گریوس کاٹن اینڈ کمپنی' اور 'ٹاٹا اینڈ سنز' کو چھوڑ کر چند ہی فرمیں ایسی تھیں جنھوں نے اس نئے طریقے کو اپنایا تھا[1] اس کے باوجود بھی 'ایم پیٹٹ'، 'مرارجی گوکل داس'، اور 'منگل داس ناتھو بھائی' جیسے لوگوں کو چھوڑ کر جنھوں نے یقینی طور پر اپنے ملوں کا انتظام بہت اچھی طرح چلایا[2] چاروں طرف سے متواتر بڑھتی ہوئی تنقید کی بوچھار نے دوسرے لوگوں کے لیے پُرانے نظام پر چلاتے رہنا مشکل ضرور کر دیا۔

اخباروں کے اداریوں میں شائع ہونے والے تنقیدی حملوں نے ـــ مثلاً: "دنیا کے کسی سرمایہ دار طبقے نے ایسا کوئی دوسرا فضول خرچی کا نظام اختراع نہیں کیا جیسا موجودہ (پُرانا) ایجنسی کا منصوبہ ہے[3] یہ یا "احمقانہ، قابلِ نفرت اور تباہ کُن اصول ...[4]" کچھ نہ کچھ فائدے بھی ضرور پہنچائے، خواہ وہ کتنے ہی معمولی یا چھوٹے کیوں نہ ہوں۔ کچھ عرصے تک تو ایک پونڈ دھاگے یا کپڑے کی پیدا وار پر ¼ آنہ کمیشن کی بنیاد پر مل کھول لینے کی کوششیں ناکام ہوتی رہیں[5] اور جو مل اس

(صفحہ 380 سے آگے)

بعد کیا جاتا تھا۔ 'ٹائمز آف انڈیا' 17 / اگست 1886۔ اس کے علاوہ اس وقت عام طور پر یہ بھی کہا جاتا تھا کہ ٹاٹا ہی صرف ایک ایسی شخصیت تھا جو مُردہ 'دھرم سے مِل' میں ایک نئی جان ڈال کر اسے دوبارہ کھڑا کر سکتا تھا اور پریسیڈنسی کے انتہائی خوشحال ملوں میں اس کا شمار کروایا جا سکتا تھا۔

[1] ایک اسکاٹ نسل کے شخص کو 'بیوپل آف انڈیا کاٹن مل لمیٹڈ' کی ایجنسی پر، مل کے خالص منافعے کے 10 فیصدی کمیشن پر مقرر کیا گیا تھا، اس ٹھیکے کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس میں پابندیاں تنقید کرنے والی شقیں موجود تھیں۔ ایضاً، 11 / مئی 1883۔

[2] مسٹر منگل داس ناتھو بھائی، جن کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا گیا تھا، 'بامبے یونائیٹڈ اسپننگ اینڈ ویونگ مل' کے 1860 میں اس کے قیام سے 1874 تک ایجنٹ رہے۔ اس وقت انھوں نے استعفےٰ دیا اور اس سے الگ ہو گئے۔ اس مدت میں مل حصوں پر اتنا منافع ادا کر چکا تھا جو کمپنی کے کل ادا شدہ سرمائے کی برابر ہوتا تھا ـــ 9,00,000 روپیے ـــ اور اس کے علاوہ اس کے پاس 12,00,000 روپیے کے اثاثے بھی موجود تھے۔ ایضاً۔ 26 / اگست 1874۔

[3] 'ٹائمز آف انڈیا' 27 / مارچ 1885۔

[4] ایضاً، 7 / جنوری 1887۔

[5] ایضاً

بنیاد پر کھلے بھی تھے وہ سب بھی نجی کمپنیاں ہی تھے[1] 1887 میں کمپنیوں کا اجراء کرنے والے بغلوں میں دستاویزوں کے پلندے دبائے دروازے دروازے گھومتے پھرتے تھے، جیسے برہمن پنیاں دبائے پھرتے ہیں ... "ہم" ہندوستانی دھاگے اور کپڑے کے لیے "ایک زبردست چینی بازار[3]" کی جھوٹی امیدیں پھیلاتے ہوتے یہ لوگ عوام سے حصوں میں سرمایہ لگانے کی "بھیک مانگتے" نظر آتے تھے[4]۔ نویں دہائی کے آخری حصے اور دسویں دہائی کے دوران مینیجنگ ایجنسی نظام مجموعی طور پر بہرحال پرانے ڈھنگ پر ہی چلتا رہا، حالانکہ اب اس کی خرابیوں میں کسی قدر کمی ضرور آگئی تھی اور کہیں کہیں کچھ مینیجنگ ایجنٹوں کی حیثیت میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ اچھے تجربکار اور ہر طرح لائق مل مینیجر اور انجینیر مینیجنگ ایجنٹوں کی جگہ پر زیادہ سے زیادہ تعداد میں مقرر کیے جانے لگے تھے، اور ملوں کی ایجنسیاں یورپی فرموں نے بھی لینی شروع کر دی تھیں لیکن اگر ان تمام تبدیلیوں کی فہرست درج کی جائے تو اس کتاب کے بہت سے صفحات اس کے لیے درکار ہوں گے یہاں صرف اتنا اظہار کر دینا کافی ہے کہ اصلاحات کے لیے جدوجہد متواتر جاری رہی اور یہ کوششیں 1898 اور 1900 کے تجارتی مندے کے زمانے میں خاص طور پر زور پکڑ گئیں۔ کم سے کم 23 فرموں نے 1895 کے بعد کی دہائی کے دوران اپنی مینیجنگ ایجنسیاں چھوڑ دیں، کہا یہی جاتا ہے کہ یہ رضاکارانہ طور پر اور حصے داروں کے مفادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے[5] کیا گیا۔

---

[1] "ٹائمز آف انڈیا" میں خبر شائع ہوئی کہ "بھائیاز" جنھوں نے ایک مل کھولا تھا اور منافعوں کے ساتھ ساتھ گھٹتے بڑھتے کمیشن کی شرح کے معاوضے پر یہ اس کے مینیجنگ ایجنٹ بھی ہو گئے تھے، اس مل کو صرف نجی طور پر سرمایہ حاصل کرنے کے بعد کھول سکتے تھے، چونکہ عوام کو یہ گھٹتی بڑھتی شرح پر کمیشن کا طریقہ پسند نہیں آیا تھا۔ ایضاً۔ 4/جنوری 1889۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ "نیشنل کاؤنسل آف اپلائڈ اکونومک ریسرچ" نے مینیجنگ ایجنٹوں کے لیے گھٹتے بڑھتے معاوضے کی شرح کی سفارش کی ہے۔ ملاحظہ ہو "مینیجنگ ایجنسی نظام" (سابقہ حوالہ)

[2] "ٹائمز آف انڈیا" 6/ستمبر 1887۔

[3] ایضاً۔

[4] ایضاً۔

[5] رتنا گور، صفحہ 53۔

لیکن اس سے پہلے کہ ہم بمبئی کے مینجنگ ایجنسی نظام کے موضوع کو ختم کریں مندرجہ ذیل اعداد و شمار پر نگاہ ڈالنا مناسب ہوگا۔

گوشوارہ نمبر 19

بمبئی میں مینجنگ ایجنٹوں اور ان کے انتظامیہ کے تحت کام کرنے والی کمپنیوں کی تعداد 1871 (الف)

مینجنگ ایجنسی فرمیں		کمپنیوں کی تعداد				
قسم	تعداد	روئی مل	روئی شکنجے	بیمہ	دیگر	کل میزان
یورپی	16	2	15	11	6	34
ہندوستانی	9	10	4	—	—	14

(الف) "ٹائمس آف انڈیا ڈائرکٹری" 1872 سے مرتب کیا گیا۔

اس گوشوارے کے لیے یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ پوری طرح مکمل ہے، چونکہ اس میں صرف وہی کمپنیاں شامل ہیں جو 1872 کی ٹائمس آف انڈیا ڈائرکٹری میں دی گئی تھیں۔ اس گوشوارے میں شامل فرموں کے علاوہ آٹھ افراد ایسے اور بھی تھے جو سکریٹری کہے جاتے تھے۔ ان میں سے صرف ایک شخص یورپی تھا جو ایک بیمہ کمپنی کا سربراہ تھا۔ باقی سات ہندوستانی افراد تھے جن میں سے دو روئی ملوں میں، دو روئی شکنجوں میں (پریس) میں، اور تین افراد دوسرے میدانوں میں کام کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ ممکن ہے نجی حیثیت سے مینجنگ ایجنسی بھی رکھتے ہوں، جیسے کہ کواس جی کے پاس تھی۔ اس گوشوارے سے جس اہم ترین حقیقت کا اظہار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مینجنگ ایجنسیاں رکھنے والی فرموں میں ہندوستانی فرموں کے مقابلے میں یورپی فرموں کی تعداد زیادہ تھی۔ اور یہ کہ موخر الذکر فرمیں اپنے انتظامیہ کے تحت زیادہ کمپنیاں رکھتی تھیں اور ان کے مفادات میں اول الذکر کے مقابلے میں زیادہ فرق اور انتشار تھا۔

گوشوارہ نمبر 20

منیجنگ ایجنٹوں کے انتظامیہ کے تحت کام کرنے والی کمپنیوں کی بہتاتی تقسیم (الف)

منیجنگ ایجنٹ	کمپنیوں کی تعداد							کُل کمپنیاں
	1	2	3	4	5	6	7	
یورپی	9	4	_	1	_	1	1	34
ہندوستانی	6	2	_	1	_	_	_	14

(الف) 'ٹائمس آف انڈیا' ڈائرکٹری 1872 سے مرتب کیا گیا۔

مندرجہ بالا گوشوارے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں کے مقابلے میں یورپی افراد ایک ہی اکائی کے ذریعے زیادہ کمپنیوں کا انتظام چلاتے تھے اور اس طرح گذشتہ گوشوارے سے اخذ کیے ہوئے نتائج کو بھی تقویت ملتی ہے۔

وہ واحد ہندوستانی فرم جو چار کمپنیوں کے انتظامیہ کو چلاتی تھی 'کیسوجی نائک اینڈ کمپنی' تھی۔ ان چار کمپنیوں میں سے دو روئی مل تھے اور دو روئی شکنجے (پریس) تھے اور ان کا کُل ادا شدہ سرمایہ 2733000 روپیے تھا۔ تین یورپی فرمیں، جن میں سے ہر ایک سات، چھ اور چار کمپنیوں کے انتظامات کی ذمے دار تھی، بالترتیب 'فوربس اینڈ کمپنی'، 'ایوارٹ لاتھم اینڈ کمپنی' اور 'ریمنگٹن اینڈ کمپنی' تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس آدھی یا اس سے بھی زیادہ کمپنیاں بیمے کی تھیں جو بمبئی یا کسی اور مقام پر قایم ہوئی تھیں۔ مندرجہ بالا تجزئے میں شامل بیمہ کمپنیوں کے علاوہ کم از کم باون بحری بیمہ، سترہ آگ بیمہ، اور بارہ زندگی بیمہ کمپنیاں اور بھی تھیں جن کی ابتدا تو کہیں باہر ہوئی تھی لیکن ان کا کاروبار ایسی ایجنسیوں کے ذریعے ہندوستان میں چلتا تھا جو زیادہ تر یورپی افراد کے پاس تھیں[1]

---

[1] 'بیرام جی جی جی بھائی جمعوں نے 1870 میں 'بامبے فائر انشورنس کمپنی' کا اجرا کیا تھا، ان

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

1872 کی 'ٹائمس آف انڈیا ڈائرکٹری' میں شامل تمام کمپنیوں میں سے بینکوں کو چھوڑ کر[1] صرف تین کمپنیاں ایسی تھیں جو بغیر کسی مینجنگ ایجنٹ کے چل رہی تھیں۔ یہ تھیں 'دی بامبے گیس کمپنی' (پونڈ بنیاد کمپنی)، 'دی بامبے میکنیکس بلڈنگ کمپنی' (تعمیراتی سوسائٹی) اور 'ٹریکر اینڈ کمپنی' (تجارتی کمپنی)، جن کا کل سرمایہ 10,00,000 روپیے تھا۔ ایک اور قابلِ ذکر حقیقت جو اس میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام مینجنگ ایجنسیاں ساجھے داری تنظیمیں ہی نہیں تھیں۔ ان میں سے ایک 'لمٹیڈ کمپنی' بھی تھی۔ یہ 'دی لندن ایشیاٹک اینڈ امریکن کمپنی لمٹیڈ' تھی جو لندن میں حصوں کے ذریعے قایم کی گئی تھی اور جس کا کل اداشدہ سرمایہ 10,00,000 پونڈ تھا۔ یہ بمبئی کی 'کولابا پریس کمپنی لمٹیڈ' کے انتظامیہ کی ذمے دار تھی جس کا اپنا سرمایہ 1871 میں 9,40,000 روپیے تھا[2]

بمبئی کی سوتی کپڑا صنعت کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے 1871 سے ملکی یا قومی اہمیت حاصل کی۔ دوسری طرف ہندوستانی صنعت کاروں کی امتیازی حیثیت بھی بنیادی طور پر اسی صنعت سے وابستہ ہے، لیکن ان صنعت کاروں نے اس میدان میں جتنا حصہ لیا اس پر ہمارے اب تک کے تجزیے میں پوری طرح روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ ان کے اس حصے کا مکمل اظہار مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے بخوبی ہو جاتا ہے[3]

(صفحہ 384 سے آگے)

کا تخمینہ تھا کہ 1830 میں بھی لگ بھگ 5 کروڑ روپیے یا 50 لاکھ پونڈ کی رقم ایسی یورپی ایجنسی ہمہ کمپنیاں، ہندوستان سے باہر بھیج دیتی تھیں، جن کی ہندوستان میں ایجنسیاں موجود تھیں۔ ملاحظہ ہو اس کا فوت نامہ 'ٹائمز آف انڈیا' 19 ستمبر 1890۔

[1] جبکہ مینجنگ ایجنٹ نہیں کہتے تھے مگر ملاحظہ ہوں (ڈائرکٹری) صفحات 22-421۔

[2] 'ٹائمز آف انڈیا ڈائرکٹری' 1872۔

[3] رتناگور، صفحہ 54۔

گوشوارہ نمبر 24

بمبئی میں موجود مینجنگ ایجنسیاں اور ان کے انتظامیہ میں کام کرنے والی ملیں 1895ء

قومیتیں	ایجنسیاں	ملیں
ہندو	27	30
پارسی	15	22
مسلمان	4	4
یہودی	1	8
یورپی	3	6
کُل	50	70

ہندوستان کی مختلف قومیتوں کے اپنے تناسب کے ساتھ ساتھ اس میدان میں کیا اثرات پیدا ہوئے، اس تجزیے کے سلسلے میں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں روئی ملوں کے قیام کے سلسلے میں اگلی دو یا تین دہائیوں میں پارسی فرقہ دوسروں سے کافی آگے تھا۔ لیکن جیسے جیسے وقت بڑھتا گیا ہندو پارسیوں سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ مندرجہ بالا گوشوارے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس میدان میں یورپی قومیت کا اثر خاصہ محدود رہا۔

پینتالیس[45] کمپنیوں کا تجزیہ اس طرح بھی کیا گیا ہے کہ ان کے ڈائرکٹروں کے بورڈ کی ساخت پر بھی روشنی پڑ سکے۔ 1871 میں ڈائرکٹروں کے بورڈ میں موجود کل 223 ڈائرکٹروں کی جگہوں پر ایک سو اکتیس افراد فائض تھے۔ اس تجزیے سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے گئے ہیں[1]

ایک بورڈ میں ڈائرکٹروں کے عہدے کی اوسط تعداد	5
ایک فرد کے پاس ڈائرکٹر کے عہدے کی اوسط تعداد	1.7
یورپی ڈائرکٹروں کی کل تعداد	39

---

[1] ٹائمز آف انڈیا ڈائرکٹری، 1872 سے مرتب کیے گئے۔

ہندوستانی ڈائرکٹروں کی کل تعداد	92
یورپی افراد کے پاس ڈائرکٹر کے عہدے	50
ہندوستانی افراد کے پاس ڈائرکٹر کے عہدے	173
یورپی ڈائرکٹروں کا ہندوستانی ڈائرکٹروں سے تناسب	2.36:1
ڈائرکٹری کے عہدوں کے لیے یورپی افراد کا ہندوستانی افراد سے تناسب	3.46:1

ہندوستانی اور یورپی، دو قومیتوں کے افراد جو ڈائرکٹر کے عہدوں پر رہے ان کی بہتاتی تقسیم کے تجزیے سے کچھ اور دلچسپ نتائج اُبھرے۔ ایک طرف جب کہ کوئی یورپی ڈائرکٹر ایک ہی وقت میں تین کمپنیوں سے زیادہ کا ڈائرکٹر نہیں تھا ہندوستانیوں میں بارہ کی حد تک ایسے افراد تھے جو چار سے گیارہ کے درمیان ڈائرکٹر کے عہدے سنبھالے ہوئے تھے۔ اس کو مندرجہ ذیل گوشوارے میں دکھلایا گیا ہے:

گوشوارہ نمبر 22

1871 میں بمبئی میں ڈائرکٹر کے عہدوں پر فائض افراد کی بہتاتی تقسیم (الف)

ڈائرکٹر	ڈائرکٹر کے عہدوں پر فائض 1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11	کل
یورپی	29	9	1	–	–	–	–	–	–	–	–	39
ہندوستانی	67	9	4	4	2	–	3	1	–	1	1	92
کل	96	18	5	4	2	–	3	1	–	1	1	131

(الف) "ٹائمز آف انڈیا ڈائرکٹری" 1872 سے مرتب کیا گیا۔
... کمپنیوں کا تجزیہ کیا گیا ان میں سے صرف بیس کمپنیاں ایسی تھیں جن کے ڈائرکٹر یورپی تھے۔

تین کمپنیوں ـــــ 'ٹریپر اینڈ کمپنی'، 'بمبئی مکینکس بلڈنگ سوسائٹی' اور کراچی کی 'دی لینڈنگ شپنگ کمپنی'، کے بورڈوں میں سب کے سب یورپی افراد تھے۔ اسی طرح پچیس کمپنیاں ایسی تھیں جن کے ڈائرکٹروں کے بورڈ صرف ہندوستانی افراد پر مشتمل تھے۔ باقی کمپنیوں کے بورڈوں کی ساخت ملی جلی تھی۔ اور آخر میں حیرتناک بات یہ بھی ظاہر ہوئی کہ حالانکہ دو کمپنیوں کے بورڈ خالص ہندوستانی ہی تھے لیکن ان کمپنیوں کی مینجنگ ایجنسیاں، 'اے۔ سی۔ برائس اینڈ کمپنی' کے پاس تھیں جو غالباً ایک یورپی فرم تھی[1]

مواد کی کمی کی وجہ سے کلکتے میں مینجنگ ایجنسی نظام کا مفصل خاکہ تیار کر لینا مشکل ہے۔ اس زمانے کے اخباروں اور رسالوں کی چھان بین سے بھی جو کچھ مواد حاصل ہو سکا وہ اتنا کم ہے کہ وہاں اس نظام کے خط وخال صاف طور پر نہیں ابھارے جا سکتے۔ بمبئی کے اخباروں میں حصے داروں کے جلسوں کی جو لفظ بہ لفظ تفصیلی روداد یں شائع ہوتی تھیں ان کے مقابلے میں کلکتے کا 'فرینڈ آف انڈیا' جیسا اہم اخبار ان کو بالکل نظر انداز کرتا تھا۔ الہ آباد سے شائع ہونے والے 'پائینیر' میں گو کہ مالیات کے سلسلے میں بہت اہم نکات اور رائیں ہوتی تھیں لیکن یہ بھی حصے داروں کے جلسوں کی رودادوں کے سلسلے میں خاموش ہی رہتا تھا۔ کلکتے کا 'انگلش مین' ضرور ایسا اخبار تھا جو حصے داروں کے تقریباً تمام ایسے جلسوں کی اطلاعات شائع کرتا جو شہر میں منعقد ہوتے، لیکن ان رودادوں میں بھی جلسے میں حاضر حصے داروں کے نام آخری حسابات کی منظوری کے لیے پیش کی گئی قرار دادوں، ڈائرکٹروں کے چناؤ اور آڈیٹروں کی نامزدگی جیسے معاملات سے زیادہ کوئی خاص بات نہ ہوتی۔ ایسا اس لیے بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ جلسے بہت خاموش اور پُرسکون ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک زیادہ امکانی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کلکتے کی کمپنیوں کے حصے داروں کی ساخت مختلف تھی۔ اس سلسلے میں یہ بھی شبہ کیا جا سکتا ہے کہ کلکتے میں خود مختار اور آزاد قسم کے حصے دار عام طور پر یورپی افراد تھے جو سرمائے کے حصول کے مقابلے میں اپنے حصوں پر اونچے منافعے میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اور اس کے ساتھ ہی یہ لوگ یا تو ایسے پیشوں میں مصروف تھے جو ان بیوپاروں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے یا پھر یہ ایسے حصے دار تھے جو برطانیہ میں رہا کرتے تھے اور ان جلسوں سے غیر حاضر رہتے تھے۔ حصے داروں کے ان جلسوں کے سکون

---

[1] دی ٹائمز آف انڈیا، ڈائرکٹری، 1872ء

کی وجہ بھی غالباً یہی رہی ہوگی جو ایسے دور میں منعقد ہوتے تھے جسے بیوپاری اعتبار سے یقیناً بروقت کہا جاتا تھا۔ بہرحال ہمیں اخباروں میں وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے آڈیٹروں کے نام خطوط اور مالیاتی نامہ نگاروں کی رایوں اور بیانوں سے اس سلسلے میں کافی معلومات فراہم ہوجاتی ہیں کہ کلکتے میں بھی کمپنیوں کا انتظامیہ بمبئی سے کسی طرح بہتر نہیں کہا جا سکتا تھا۔

پٹ سن کے حصصوں کی گراوٹ پر رائے زنی کرتے ہوئے — جو 1874 میں بعض صورتوں میں ان کی اصلی قدر سے 50 فیصدی کی حد تک گر گئی تھی — "ٹائمس آف انڈیا" کے "بنگال میں بیوپاری معاملات" کے نامہ نگار نے لکھا تھا:

"لیکن ان ضروری بچتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوتے جو غیر محتاط اور مصروف قسم کے انتظامیہ پر پابندی اور ان کے کمیشنوں میں کٹوتی، منیجروں کی اونچی اونچی تنخواہوں میں کمی، دخانی کشتیوں وغیرہ کے سلسلے میں آسانی سے، فوری طور پر عمل میں لائی جا سکتی تھیں، نیز اور دوسرے ایسے بہت سے مسائل جو اس وقت بغیر کسی قسم کی بحث کے گذر جاتے تھے جب بہت سی صورتوں میں 30 فیصدی منافع کی پیش کش کے ساتھ ڈائرکٹر اپنے حصے داروں سے ہر سال ملتے تھے، اور پھر اس کے ساتھ مزید مقابلے کو ختم کر کے یعنی نئے مل قایم کر کے ..."[1]

حالات کو کافی بہتر کیا جا سکتا ہے۔ نامہ نگار کی مندرجہ بالا رائے مندرجہ ذیل خط کی روشنی میں کچھ اور واضح اور موثر ہو جاتی جو ایک چائے کمپنی کے حصے دار نے 'فرینڈ آف انڈیا' کے آڈیٹر کو لکھا تھا:[2]

"پیداوار کی خام آمدنی پر ایجنٹ 5 فیصدی کمیشن وصول کرتے ہیں، جو 40,000 سے 60,000 روپیے کے بیچ میں ہو سکتا ہے جبکہ دوسری طرف حصے دار کو ممکن ہے ایک پائی بھی نصیب نہ ہو۔ بازار کی خواہ کچھ بھی حالت ہو یہ لوگ پیداوار بہرحال جاری رکھتے ہیں۔"

---

[1] "ٹائمس آف انڈیا"، 22 مارچ 1875۔

[2] فرینڈ آف انڈیا، 12 جون 1887 نامہ نگار نے یہ بھی اظہار کیا تھا کہ پٹ سن کمپنیاں، اپنے ایجنٹوں کو پیداوار پر 2¼ فیصدی کمیشن دیتی ہیں جو ایک 300 کرگھے والے پٹ سن مل میں 40,000 روپیے ہوتا ہے۔

بالکل ایسے ہی الزامات ایک 'رقعہ لکھنے والے' نے چائے کمپنیوں کے مینجنگ ایجنٹوں کے خلاف بھی عاید کیے تھے۔ اس کے قول کے مطابق بہت سے ایجنٹ سامان کی خرید اور تھیلیوں پر کمیشن کے ساتھ دفتری الاؤنس بھی وصول کرتے تھے، اور کچھ ایسے ایجنٹ بھی تھے جو 'مالیات کا پوری طرح حساب بھی نہیں دے سکتے تھے'[1] نئے نئے جوٹ ملس کے ڈائرکٹروں کی رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے 'فرینڈ آف انڈیا' نے رائے ظاہر کی تھی کہ کمپنی کے مینجمنٹ میں خود اپنے ہی حصوں کے لین دین کے کاروبار جیسی بدعنوانیوں کے جراثیم سرایت کر چکے ہیں، اور یہ ایک ایسا مرض ہے جس کا خود حصے داروں کو ہی، کمپنی کے دستور کی مدوں میں دی گئی شرائط کے ذریعے علاج کرنا چاہیے[2] کلکتے کے پٹ سن اور روئی ملوں پر مضامین کے ایک سلسلے میں اس اخبار نے اور بہت سی بدعنوانیوں اور ناجائز قسم کے کاموں کا راز افشا کیا جو ان ملوں کے انتظامیہ ادارے عمل میں لاتے تھے۔ کچھ اہم اور زیادہ سنگین قسم کے الزامات میں سرمائے کی گھساوٹ کا خیال کیے بغیر اور اس سلسلے کی رقم کو منہا کیے بغیر حصوں پر منافعے کا اعلان کیا جانا شامل تھا، اور جیسا کہ اخبار نے لکھا تھا، گویا کہ "پٹ سن مل بھی 'پور شراب' ہے جس کی قدر پرانی ہو جانے پر بڑھ جاتی ہے"[3]، مل کی پیداوار کی 'مستقل فروخت' جو اخبار کے خیال میں جائز انداز سے عمل میں نہیں آتی تھی[4] اور موجودہ ذخیروں کی قدر کو مستقل بڑھا کر حسابات کے گوشواروں میں کاٹ چھانٹ کے بعد اس کو زیادہ بہتر بنانا وغیرہ قسم کے الزامات شامل تھے۔ ان مضامین میں آگے اس طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا کہ مینجنگ ایجنٹوں کے ذریعے معاوضوں، اور ایسے ہی دوسرے سلسلوں میں روپیہ آہستہ آہستہ کھنچتا رہتا ہے[5]۔ اخباروں میں اس قسم کے مستقل حملوں سے

---

[1] 'فرینڈ آف انڈیا' 24/مارچ 1880۔

[2] 'فرینڈ آف انڈیا' 28/نومبر 1881۔

[3] ملاحظہ ہو 'فورٹ گلاسٹر مل' پر ایک مضمون، 'فرینڈ آف انڈیا' 9/نومبر 1877۔

[4] ملاحظہ ہوں دو مضامین — 'ہمارے پٹ سن مل' — 'فرینڈ آف انڈیا' 28/ستمبر اور 5/اکتوبر 1877۔

[5] ایک حصے دار کے قول کے مطابق 'دنبار کاٹن مل' کے مینجنگ ایجنٹ شو تنے 'کلبرن اینڈ کمپنی' نے آدھا منافع کھینچ لیا تھا جو 1874 سے، جب سے یہ مل قایم ہوا تھا، 5½ سال کے عرصے میں 115,643 روپیے منافعے کے روپ میں اور 23,100 روپیے دفتری اخراجات کے طور پر وصول کیا گیا تھا اس عرصے میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حسابات کے طریقوں کے سلسلے میں کچھ اصلاحات پیدا کرنے کے لیے ایک سازگار ماحول ضرور پیدا ہو گیا، اور یہ اصلاحات جلدی ہی نظر بھی آنی شروع ہو گئیں لیکن خود مینیجمنٹ کے رویے میں بہت آہستہ آہستہ تبدیلی پیدا ہوئی۔

کلکتے کی کمپنیوں کے ڈائرکٹروں کے بورڈ بھی اتنے ہی نمائشی تھے جتنے بمبئی میں تھے۔ ایک حصے دار نے شکایتاً لکھا تھا کہ یہ بورڈ "دائمی اور غیر ذمے دار تھے" اور کسی قسم کی اطلاعات نہیں دیتے تھے[1]، اہلیتی حصوں کو دستوروں میں جو تحفظ دیا گیا تھا، جس کے پیچھے یہ مقصد کار فرما تھا کہ کمپنی کے مفادات میں ڈائرکٹر اپنی حیثیوں کو زیادہ پُر زور اور مضبوطی کے ساتھ استعمال کر سکیں، اس کا نتیجہ صرف یہی تھا کہ صرف دولتمند افراد ہی ڈائرکٹر چُنے جا سکتے تھے، اور اس حصے دار کی رائے میں "ایسے احمق افراد جو خود کو ایک یا دو تیز طرار ڈائرکٹروں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جانے دیتے تھے[2]، ڈائرکٹر بن جاتے تھے۔ پھر جیسا کہ ایک اور حصے دار نے لکھا تھا یہ ڈائرکٹر "بہت سی صورتوں میں اپنے ایجنٹوں کے مالیاتی دباؤ میں بھی ہوتے تھے، یا پھر ایجنٹوں کی فرموں کے ممبر یا ان کے نائب ہوتے تھے[3]۔ ان حالات کی روشنی میں یہ بات بہت زیادہ حیرتناک محسوس نہیں ہوتی کہ اخبار

صـ 390 سے آگے

کمائے گئے کل منافعے ــــ 281,172 روپے میں سے حصے داروں کو صرف 21 فیصدی حصوں پر منافع کے طور پر وصول ہوا تھا اور جس میں سے ایک حصہ ضرور اصل سرمایے کا رہا ہوگا چونکہ سرمائے کی گھساوٹ کے سلسلے میں کافی رقم محفوظ نہیں کی گئی تھی۔ 'فرینڈ آف انڈیا' 6 اگست 1881۔

'بارنگ گور (Baranggore) جوٹ ملس کے سلسلے میں ــ جو ایک پونڈ سرمایہ کمپنی تھی مینجنگ ایجنٹوں کا کمیشن 10,696 پونڈ 7 شلنگ تھا اور لندن کے چھ ڈائرکٹروں نے مجموعی طور پر فیس کے حساب میں ایک سال کے دوران 1,500 پونڈ حاصل کیے تھے۔ یہ سب ملا کر اس رقم سے جو حصے داروں نے منافعے کے طور پر وصول کی تھی 40 فیصدی زیادہ تھی، اور کلکتے کی دوسری ایجنسیوں کی موصول کی ہوئی رقموں سے بھی کافی زیادہ تھی۔ 'فرینڈ آف انڈیا' 9 نومبر 1877۔ نیز 'باوریہ کاٹن مل' پر رائے کے لیے 9 مئی 1882 کا شمارہ ملاحظہ ہو۔

[1] 'فرینڈ آف انڈیا' 28 نومبر 1881۔

[2] 'فرینڈ آف انڈیا' 28 نومبر 1881۔

[3] ایضاً۔ 24 مارچ 1880۔

نے ان ڈائرکٹروں کو فضول اور غیر ضروری تصور کرتے ہوئے انھیں بالکل ہی ختم کر دینے کی وکالت کی تھی[1] لیکن ڈائرکٹروں کے بورڈوں کو ختم کر دیے جانے کی تجویز بھی ایک رجعت پسندانہ تجویز کہی جا سکتی تھی چونکہ ایک اچھے اور عقلمند ڈائرکٹروں کے بورڈ کی نشو ونما کے ذریعے ہی مینجنگ ایجنٹوں کی کارگزاریوں پر انتہائی ضروری گرفت اور قابو رکھا جا سکتا تھا۔

یورپی مینجمنٹ کے خلاف ایک سخت تنقید یہ بھی تھی کہ یہ ہندوستانیوں کے مقابلے میں یورپی افراد کو اونچی اونچی تنخواہوں پر ملازم رکھنے کا رجحان رکھتے ہیں[2] یہ ایک ایسا رجحان تھا جو پورے برطانوی دورِ حکومت میں ایسا ہی چلتا رہا اور صرف آزادی کے بعد حکومتِ ہند کے دباؤ میں ختم ہوا[3]

---

[1] ملاحظہ ہو پٹ سن کمپنیوں پر بیوپاری رپورٹ' "ٹائمس آف انڈیا" 29/مارچ 1875۔

[2] "ٹائمز آف انڈیا" — "بنگال میں بیوپاری معاملات کے نامہ نگار نے لکھا: "ہندی۔ یورپی نوجوان یورپی افراد کی صرف 10 فیصدی تنخواہوں پر ان کی جگہ لے سکتے ہیں، یعنی 25 یا 30 روپیے مہینہ، صرف تین مہینے کی ٹریننگ کے بعد۔ "ٹائمس آف انڈیا" 29/مارچ 1875۔

[3] ہندوستان میں غیر ملکی فرموں میں ہندوستانی ملازمین کے اعداد و شمار 56-1954 میں مندرجہ ذیل ہیں:

تنخواہوں کا زمرہ (روپیے)   کل ملازمین کے فیصدی ، ہندوستانی ملازمین

تنخواہوں کا زمرہ (روپیے)	1954	1955	1956
1,000 سے 1,500	54.0	61.5	66.7
1,501 سے 3,000	23.0	27.4	33.3
اعلیٰ ترین	6.5	7.9	10.0

[1,000 سے کم تنخواہ پانے والوں کے سلسلے میں اطلاعات حاصل نہیں کی گئی تھیں۔]

ایسی کمپنیاں جن میں 1955 اور 1956 میں 79 فیصدی سے زیادہ غیر ہندوستانی افراد ملازم تھے، اور اس عرصے میں ان میں کوئی تبدیلی بھی رونما نہیں ہوئی تھی، مندرجہ ذیل مدوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ باغات کمپنیاں (86.1٪)، پٹ سن کمپنیاں (84.8٪) اور بینک کاری کمپنیاں (75.6٪)۔ مینجنگ ایجنسیوں میں 64.0 فیصدی اور 1956 میں 59.3 فیصدی غیر ہندوستانی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کلکتے نے اپنے صنعت کاروں کے زُمرے میں پیشہ ور قسم کی کمپنیاں اُبھارنے والوں کے ایک عنصر کی بھی پرورش کی، چنانچہ کلکتے کے اجتماعی سرمایہ کمپنی رجسٹرار کو ان کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ میں اظہار کرنا پڑا[1]:

"یہ بات بھی بہت کافی صورتوں میں نظر آجاتی ہے کہ کسی اجتماعی سرمایہ کمپنی کا اجرا محض اسپیکولیشن کے طور پر کیا جاتا ہے (چند اسپیکولیٹر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس طرف بیوپاری ہوا چل پڑے (یہ 'اسٹاک' کی مقدار اور کسی 'بلاک' کا

(صفحہ 392 سے آگے)

افراد ملازم تھے۔ ہندوستان میں غیر ملکی کمپنیوں میں ایسے کُل 6,566 غیر ملکی افراد ملازم تھے جن کی تنخواہیں 1,000 روپیے سے زیادہ تھیں۔ ان میں سے 86.7 فیصدی افراد برطانوی تھے، 3.9 فیصدی امریکی (ان کی تعداد 1954 میں 227 سے 1956 میں 259 تک بڑھ گئی تھی)، 108 سوئٹزرلینڈ کے لوگ تھے (جو 1955 میں 121 تھے) 1955 کے مقابلے میں غیر ملکی ملازمین کی تعداد 244 کی حد تک گر گئی تھی، لیکن یہ کمی بنیادی طور پر منیجری عہدوں میں 216 کی کمی کی وجہ سے واقع ہوئی تھی (ماخذ: مخفی)

لیکن عہدوں کے لیے صرف ضروری لیاقت پر ہی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ مندرجہ ذیل اقتباس 'سکریٹری آف اسٹیٹ' کو لکھے گئے وائسرائے، جان لارنس کے خط سے لیا گیا ہے (7 راگست 1868) جو ہندوستانی 'سول سروس' میں تقرری کے طریقوں میں تبدیلی کے مسئلے سے متعلق ہے۔

"تبدیلی کے سلسلے میں بُنیادی اعتراض پالیسی سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم نے ہندوستان کو بنیادی طور پر ہتھیاروں کی طاقت سے فتح کیا ہے، حالانکہ پالیسی اور اچھے انتظامیہ نے بھی ہمیں خاصی مدد پہنچائی ہے۔ اسی انداز میں ہمیں اب بھی اپنے اس طریقے کو برقرار رکھنا چاہیے۔ انگریزوں کو ہمیشہ صفِ اول میں ہونا چاہیے، اور باعزت و بااختیار عہدوں پر ہماری حکومت برقرار رکھنے کے لیے ایک اولین شرط ہونی چاہیے۔

بی۔ بی۔ مصرا کے یہاں اقتباس 'ہندوستانی اوسط طبقہ' [دی انڈین مڈل کلاس] مطبوعہ 1961، صفحہ 372۔

[1] ملاحظہ ہو پی۔ سی۔ گھوشا، کلکتے کے 'رجسٹرار آف جوائنٹ اسٹاک کمپنیز' کا حکومتِ بنگال کو پیش کیا ہوا میمورنڈم، نمبر 66، 14 رنومبر 1881۔ جوڈیشیل اینڈ پبلک ڈیپارٹمنٹ رجسٹر، 1882، ڈیپارٹمنٹ نمبر 446۔

فیصلہ کر لیتے ہیں، پھر ان پر ایک برائے نام قدر مقرر کر لیتے ہیں، اور اس میں اُبھاری ہوئی کمپنی کے بڑے امید افزا پراسپیکٹس تقسیم کر کے اپنی جیبیں بھر لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ، مثال کے طور پر، ایک مل کھول دیتے ہیں، کسی کمپنی کے ہاتھ اسے فروخت کرنے کے لیے ایک 'ٹرسٹی' متعین کر دیتے ہیں، اس کی قدر و قیمت کو اپنے ہی تخمینوں سے مقرر کرتے ہیں، اور 'ٹرسٹی' سے ایک اونچی قیمت کا معاہدہ کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ایسوسی ایشن کا دستور تیار کرنے کے لیے یہ لوگ کچھ اور لوگوں کے شامل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ ایک متعینہ سرمائے کے ساتھ ایک کمپنی قایم کر لیتے ہیں، اس سرمائے کا بڑا حصہ اس مل کی خرید میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ حصوں کی بہت بڑی تعداد خود ہی خرید لیتے ہیں — جس سے ان کے مل کی اعلیٰ قدر و قیمت کا اظہار ہوتا ہے — یہ ان رقموں کے علاوہ ہوتا ہے جو انھیں نقد حاصل ہو سکتی ہیں، پھر یہ ان حصوں میں اسپیکولیشن شروع کرتے ہیں، اور پھر جب بازار میں اس سلسلے میں جوش و خروش پیدا ہو جاتا ہے تو یہ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے حصوں کو اونچی قیمتوں پر نکال دیتے ہیں، پھر ان میں سے کچھ لوگ ڈائرکٹر بن جاتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک شخص، یا اس کی اپنی فرم، کمپنی کی مینیجنگ ایجنٹ، یا ایجنٹ بن جاتی ہے اور اس فرم کا ہی کوئی ممبر اس کمپنی کا مینیجنگ ڈائرکٹر بن جاتا ہے، یہی فرم اس کمپنی کو سامان فراہم کر کے یا رقمیں اُدھار دے کر بیوپار بھی کرتی ہے۔ یہ لوگ اپنے ووٹوں کی مدد سے، کافی مقدار میں منافعوں کا اعلان کر کے، عوامی ساکھ حاصل کر لیتے ہیں خواہ ابھی کمپنی نے تھوڑا ہی بیوپار کیا ہو۔ پھر جب ایک بار ساکھ بن جاتی ہے تو اس سے اور زیادہ ساکھ پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ لوگ حصوں پر منافعے کی شرحوں کو کم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور آخر میں کمپنی کو دیوالیہ کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ خود ہی دیوالیہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر یہ ایک ایسی ہی اور کمپنی کھڑی کر دیتے ہیں اور نئی کمپنی کو پرانی کمپنی خریدوا دیتے ہیں۔ دیوالیہ کمپنی کے بیوپار یا اثاثوں کی قیمت یہ لوگ نئی کمپنی کے حصوں کی شکل میں ادا کرتے ہیں اور اس طرح تاش کے پتوں سے ایک کے اوپر ایک گھروندا بناتے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر جب تباہی آتی ہے تو معصوم عوام کو،

حصے داروں اور لین داروں کے روپے میں نقصان پہنچتا ہے۔"

اس کھلی بے ایمانی اور دھوکے بازی کا اتنا واضح بیان جو حکومت کے ہی ایک اتنی اہم حیثیت رکھنے والے کی طرف سے پیش کی گئی ایک رپورٹ میں دیا گیا تھا، اس سے صرف ایک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کلکتے میں کمپنیوں کا اجراء اور ان کا مینجمنٹ بہت بُری طرح سے بیمار تھا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکال لینا بھی غلط ہوگا کہ کلکتے میں ہر مینجنگ ایجنٹ محض دھوکے باز ہی تھا۔ زیادہ الامکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت جب کہ اجتماعی سرمایہ کمپنیاں تعداد میں ابھی تھوڑی سی ہی تھیں، چند خراب مثالوں نے ہی عوام کے ذہنوں پر مبالغہ آمیز اثرات چھوڑے ہوں۔ لیکن اگر تنقیدوں کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے، تو بہرحال اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ "حصے داروں کے مفادات اور ان کے نتیجے میں ان لوگوں کے مفادات جو اجتماعی سرمایہ کمپنیوں میں سرمایہ کاری کے خواہشمند ہوتے ہیں، ان کو پورا تحفظ نہیں مل رہا (تھا)... [1]"

آخر میں، کلکتے کی کمپنیوں کے سلسلے میں ایک شماریاتی تحقیقی مطالعہ کیا گیا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ مینجنگ ایجنسیوں کی تعداد، ان کے تحت کام کرنے والی کمپنیوں کی تعداد، اور ان کی مدیں، اور کمپنیوں کے ڈائرکٹروں کے بورڈ کی ساخت اور ان کے کرداروں کا اندازہ لگایا جا سکے، اور اس سلسلے میں صورتِ حال کو صحیح کیا جا سکے۔ حصہ بازار کی رپورٹ کے ایک تجزیے سے ظاہر ہوا کہ 1875 میں کم سے کم اکتیس مینجنگ ایجنٹ ایسے تھے جو 128 کل اندراج شدہ کمپنیوں میں سے نوے کمپنیوں کے انتظامیہ کے ذمے دار تھے۔[2] رپورٹ میں شامل باقی تمام کمپنیاں، جن میں بارہ بینک اور چار ریلوے کمپنیاں بھی تھیں، مینیجر یا سکریٹری کے عہدوں پر فائض یہ واحد شخصیتوں کے انتظامیہ کے تحت کام کرتی تھیں۔ ان لوگوں کے علاوہ جو بینک اور ریلوے سے متعلق تھے، یہ انفرادی شخصیتیں بھی داور کی طرح مینجنگ ایجنٹ ہی ہو سکتی تھیں۔[3] ان میں سے کچھ تو یقیناً تھیں بھی، جیسا کہ اس حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تین چائے کمپنیاں — 'ذہرہ دون'، 'ٹلکوار'، اور 'ہولنگوری' — ایک

---

[1] ملاحظہ ہو پی۔ سی۔ گھوشا، کلکتے کے 'رجسٹرار آف جوائنٹ اسٹاک کمپنیز' کا حکومتِ بنگال کو پیش کیا گیا میمورنڈم نمبر 66، 14 / نومبر 1881، 'جوڈیشیل اینڈ پبلک ڈیپارٹمنٹ رجسٹر' 1882، ڈیپارٹمنٹل نمبر 446۔

[2] 'فرینڈ آف انڈیا' میں شائع ہوئی حصہ بازار کی رپوٹ سے مرتب کیا گیا۔ 5 / نومبر 1875۔

[3] ملاحظہ ہوں صفحات 41-440۔

ہی فرد آر۔ ایس۔ اسٹانٹن کے انتظامیہ میں کام کر رہی تھیں[1]

گوشوارہ نمبر 23 میں فہرست میں شامل کمپنیوں کی صنعتی تقسیم دکھلائی گئی ہے[2] کُل اکتیس مینجنگ ایجنسیوں میں سے اُنیس ایجنسیاں یا تو صرف ایک کمپنی کا انتظامیہ چلا رہی تھیں یا بیوپار کے صرف ایک ہی میدان کی کمپنیوں کا انتظامیہ ان کے پاس تھا۔ ان میں سے بارہ صرف چائے کے بیوپار سے متعلق تھیں، دو کے پاس ایک ایک پٹ سن مل تھا، تین اور ایجنسیوں کے پاس ایک ایک پٹ سن شکنجے (پریس) تھے، ایک ایجنسی ایک طباعتی پریس چلا رہی تھی اور آخری ایجنسی شراب کھینچنے کے ایک کارخانے کا انتظام کر رہی تھی۔ شیو نے کلبرن اینڈ کمپنی اپنے تحت انتظامیہ میں کمپنیوں کی تعداد، اور مفادات کے تنوع، دونوں اعتبار سے اہم ترین ایجنسی تھی۔

گوشوارہ نمبر 23

1875ء میں کلکتے کی مینجنگ ایجنسیاں

کمپنیوں کی تعداد	صنعت	زیرِ انتظام کمپنیوں کی تعداد: انفرادی شخصیتوں کے تحت	زیرِ انتظام کمپنیوں کی تعداد: فرموں کے تحت
12	بینک	12	–
5	کوئلہ کانیں	1	4
4	روئی مل	1	3
10	پٹ سن مل	–	10
9	پٹ سن شکنجے	1	8
4	ریلوے	4	–
66	چائے	10	56
18	متفرق	9	9
128	تمام	38	90

[1] "فرینڈ آف انڈیا"، 5 نومبر 1875ء۔

[2] ایضاً۔

چار چائے کمپنیوں کے انتظامیہ کے علاوہ 'رانی گنج کول ایسوسی ایشن'، 'دی بنگال جوٹ کمپنی'، 'دی ڈنبار کاٹن ملز'، 'دی بنگال جوٹ پریسنگ کمپنی'، 'دی ریوینٹ اسٹیم ٹگ کمپنی' اور آخر میں شاید اہم ترین، 'دی انڈیا جنرل اسٹیم نیویگیشن کمپنی' جیسے ادارے بھی اس کی سرپرستی میں تھے۔ 'ولیمسن میگور اینڈ کمپنی'، جو صرف آٹھ چائے کمپنیوں پر گرفت رکھتی تھی، بلاشبہ چائے صنعت میں اولین حیثیت کی مالک تھی اور آج تک اس میدان میں اس کی حیثیت ممتاز رہی ہے۔ 1879 کی 'حصص اور اسٹاک بازار' کی فہرست سے 1875 کی فہرست کے موازنے سے اس ساخت میں بہت معمولی سے فرق کا اظہار ہوتا ہے اور مینجنگ ایجنٹوں کے کنٹرول اور ان کے درجوں میں، چائے صنعت کو چھوڑ کر — جہاں کم سے کم سترہ کمپنیاں ایک سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہو گئی تھیں — کہیں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔[1] ان مینجنگ ایجنسیوں کی تبدیلیوں کی وجوہات ظاہر نہیں کی گئی ہیں لیکن ایجنسیوں کو فروخت کر دیا جانا، دیوالیہ اور موت ہی عام طور پر اہم ترین وجوہات تھیں۔

ستّر کمپنیوں کے ڈائرکٹروں کے بورڈ کے تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بورڈوں میں ڈائرکٹر کے کُل 241 موجود عہدوں پر 148 افراد فائض تھے، یا ایک کمپنی میں تین ڈائرکٹر تھے۔ تمام ڈائرکٹروں کی بھتائی تقسیم مندرجہ ذیل انداز پر تھی۔[2]

ایک فرد کے پاس ڈائرکٹر کے عہدوں کی تعداد	عہدوں پر فائض افراد کی تعداد
7	1
5	3
4	6
3	18
2	21
1	99
106	148

[1] 'فرینڈ آف انڈیا' 7 / نومبر 1875۔

[2] تھیکر کی بنگال ڈائرکٹری سے مرتب کیا گیا۔ 1875

ڈائرکٹر کے عہدے سب سے زیادہ جے۔ ایچ۔ ڈیمن کے پاس تھے جو 'ولیمسن میگور اینڈ کمپنی' کا ایک سینیر ساجھے دار تھا۔ اس فرم کا دوسرا ساجھے دار آر۔ بی میگور تھا جو تین ایسی کمپنیوں کا ڈائرکٹر تھا جس میں ولیمسن موجود نہیں تھا۔ وہ تین افراد جن میں سے ہر ایک پانچ پانچ حیثیتوں پر فائق تھا، لیوزرینڈر ــــ ہندوستان میں 'رابرٹ اینڈ کیرول' کی فرم کا ساجھے دار ــــ ڈآر۔ ایس ہاسٹائن۔ 'اسٹائن اینڈ کمپنی' میں ساجھے دار ــــ ڈاور سی۔ این کیرتوٹ ــــ ایک طبی ڈاکٹر تھے مینجنگ ایجنسی فرموں میں نائب (اسسٹنٹ) بھی بعض صورتوں میں ڈائرکٹروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ صرف چھ ڈائرکٹر ہندوستانی تھے جن کے نام یہ تھے: پیارے چرن میترا، ــــ جو گریٹ ایسٹرن ہوٹل، 'بنگالی ٹی کمپنی' اور 'دور رنگ ٹی کمپنی' میں ڈائرکٹر تھا ــــ ڈ بانک جی رستم جی ــــ جو بدنصیب 'رستم جی ٹوائن اینڈ کینواس کمپنی' کا اجرا کرنے والا اور 'ہاوڑا ڈاکنگ کمپنی' اور 'ٹریٹن میرین انشورنس کمپنی' کا ڈائرکٹر تھا اور جیسا کہ ماخذ[1] سے ظاہر ہوتا ہے، کلکتے میں یہی واحد ایسی بیمہ کمپنی تھی جو ہندوستانیوں نے ابھاری تھی۔ باقی تین افراد 'بیکنٹھ ناتھ سین'، جی۔ سی۔ پال اور ایچ سیل تھے جن کے پاس ایک ایک عہدہ تھا۔

ہندوستان میں کچھ ایسے ڈائرکٹر بھی تھے جو لندن کی کمپنیوں کے کچھ بورڈوں میں بھی ڈائرکٹر کے عہدے پر فائق تھے[2] اور اسی طرح لندن میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو ہندوستانی کمپنیوں کے بورڈوں میں شامل تھے[3] لیکن کسی کمپنی کے ڈائرکٹر کے عہدے اور اس کی مینجنگ ایجنسی کے درمیانی رشتے، اور اس رشتے کی خصوصیات کو صرف اسی صورت میں قایم کیا جا سکتا ہے جب چند مثالوں کا فرداً فرداً مطالعہ کیا جائے۔ اس قسم کا مطالعہ مجموعی اعتبار سے اس کتاب کے دائرے سے باہر ہے لیکن یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ رشتے کیا تھے 'ولیمسن میگور اینڈ کمپنی' کا مطالعہ کیا گیا۔ ان تمام کمپنیوں کا بھی تجزیہ کیا گیا جس میں اس فرم کے دونوں ساجھے دار ڈائرکٹر کی حیثیتیں رکھتے تھے اور اس طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ 'سوم ٹی کمپنی' کو چھوڑ کر باقی تمام کمپنیوں کی مینجنگ ایجنسیاں 'ولیمسن

---

[1] تھیکر کی بنگال ڈائرکٹری، 1875ء۔

[2] مثال کے طور پر کلکتے کا سیٹھ اے۔ اپکار 'نیشنل بینک آف انڈیا لمٹیڈ' کے لندن بورڈ میں شامل تھا۔ ایضاً۔

[3] اس کی ایک مثال ڈیوڈ ڈوسن کی ہے، جو 'گریٹ ایسٹرن ہوٹل کمپنی لمٹیڈ' کے بورڈ میں شامل تھا۔ ایضاً، صفحہ 380۔

میگور اینڈ کمپنی' کے پاس نہیں تھیں بلکہ اور کمپنیوں کے پاس تھیں۔ اسی طرح سے ان تمام کمپنیوں کے بورڈوں کا بھی تجزیہ کیا گیا جن کی مینجنگ ایجنسی اسی فرم کے پاس تھی۔ 1879 میں اس فرم کے پاس سب ملا کر گیارہ چائے کمپنیوں کی مینجنگ ایجنسیاں تھیں جن میں سے پانچ پونڈ سرمایہ کمپنیاں تھیں۔ ایسی دو پونڈ سرمایہ کمپنیوں کے متعلق معلومات موجود نہیں تھیں، لیکن جارج ولیمسن جو غالباً فرم کی لندن شاخ کا ایک ساجھے دار تھا، باقی تین کمپنیوں کے بورڈوں میں سے دو میں ڈائرکٹر تھا۔ دو ہندوستانی کمپنیوں کے متعلق معلومات موجود نہیں تھیں۔ 'سوم ٹی کمپنی' کو چھوڑ کر دوسری کمپنیوں کے ڈائرکٹر 'ولیمسن میگور اینڈ کمپنی' میں ساجھے دار نہیں تھے۔ ان میں سے کچھ کمپنیوں کے بورڈوں میں چند ڈائرکٹر کچھ ایسی کمپنیوں کے بورڈوں میں بھی ڈائرکٹر تھے جن کے دو ساجھے داروں میں سے ایک ڈائرکٹر بھی تھا، لیکن ایسی کمپنی کی مینجنگ ایجنسی 'ولیمسن میگور اینڈ کمپنی' کے پاس نہیں تھی۔[1] بہرحال اس سے اگر کوئی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ڈائرکٹر کے عہدے اور کسی کمپنی کی مینجنگ ایجنسی کا درمیانی رشتہ نسبتاً کمزور ہوتا تھا۔ لیکن بیوپاری راز داری کے نقطۂ نگاہ سے ایک یہ بات ضرور حیرت کی ہے کہ کسی چائے کمپنی کی مینجنگ ایجنسی فرم کے ساجھے داروں میں سے ایک فرد کو اس بات کی اجازت دے دی جائے کہ وہ کسی ایسی ہی دوسری چائے کمپنی میں ڈائرکٹر کے عہدے پر بھی فائض رہے جس کی مینجنگ ایجنسی ان کے پاس ہو۔

صنعتی اداروں کے قیام اور ان کی مالیت کاری کے سلسلے میں کلکتے میں ہندوستانی عوام کا ردِ عمل یقیناً کمزور تھا۔ چونکہ اس سلسلے میں پیدا ہونے والے جوکھموں میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا اس لیے یہ بات قدرتی تھی کہ ایسے اداروں کے انتظامیہ میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں تھا لیکن اس سے کوئی ایسا نتیجہ نکال لینا کہ ان میں صنعتی اداروں کو تجزرسی، معاشی اعتبار سے صحیح اور مستعدی سے چلا سکنے کی صلاحیت اور لیاقت ہی موجود نہیں تھی، حقیقت سے بہت بعید ہوگا۔ اس کا مکمل ثبوت 'ایمپریس کاٹن مل کمپنی لمیٹڈ' کی تاریخ میں مل جاتا ہے، جو کلکتے میں 1877 میں قائم ہوئی تھی اور جو ایک واحد مثال تو ضرور ہی کہی جا سکتی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ممتاز نمونہ بھی تھی۔ اس کے حصے داروں کا ایک بہت بڑا زمرہ اور ساتھ ہی ساتھ کمپنی کے تمام ڈائرکٹر ہندوستانی تھے اور اسی طرح اس کے مینجنگ ایجنٹ 'ڈی۔ بی۔ مہتا اینڈ کمپنی' تھے کمپنی کا حصوں سے حاصل

---

[1] مثال کے طور پر ڈائرکٹر کی فہرست، ایس۔ این۔ سمیلی اور آر۔ ایس۔ اسٹانٹن، تھیکر کی بنگال ڈائرکٹری 1875۔

شدہ 6,25,000 روپیے کا سرمایہ 500 روپیے کے 1250 حصوں میں منقسم تھا اور سارے کا سارا سرمایہ ادا شدہ تھا۔ 'فرینڈ آف انڈیا' کے مالیاتی نامہ نگار کے الفاظ کے مطابق: "یہ ہگلی میں لگائے گئے ملوں میں سب سے سستے روئی ملوں میں سے ایک تھا اور جدید ترین" [1] تھا۔ اس کا خام منافع جس میں پیداواری تمام اخراجات شامل تھے 'ایکوٹی' رقم اور قرض لیے گئے سرمایے کی مجموعی رقم کے 30 فیصدی کی برابر تھا بلکہ ملک کے اس حصے میں کسی بھی مل کے منافعے کے مقابلے میں، یہ سب سے زیادہ تھا۔ مل نے درجہ بدرجہ توسیع کی پالیسی کو اپنایا تھا اور اس کے لیے مستقل کوشاں تھا جس کے لیے یہ اپنے منافعے میں سے ہی سرمایہ دوبارہ لگاتا جا رہا تھا۔ 1882 میں اس مل نے بونس حصوں کا اجرا کر کے کل 2,50,000 روپیے کا مزید سرمایہ محفوظ کر لیا جو اس کے موجودہ سرمایے میں 40 فیصدی کا اضافہ تھا۔ اخباروں میں مستقل طور پر اس کا حوالہ "بہترین" کے الفاظ میں دیا جاتا تھا۔ [2] اس کے مینیجنگ ایجنٹوں نے مل کو جو مالی مدد دی تھی اس کا ذکر کر دینا بھی اس جگہ مناسب ہوگا۔ 1882 میں کمپنی کے حسابات کے گوشوارے میں ان ایجنٹوں کی طرف سے 1,05,642 روپیے 6 آنے کا ادھار دکھلایا گیا تھا۔ [3]

ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی بیوپاری کارپوریشنوں کے مینجمنٹ میں وہی خرابیاں اور وہی مرض نظر آتے ہیں جن میں بمبئی اور کلکتے کی کمپنیاں مبتلا تھیں۔ کورگ کے چیف کمشنر کے سکریٹری نے میسور میں ان ۔۔ت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا تھا: [4]

"حصے داروں کی حیثیت سے غیر تعلیم یافتہ اور بے یار و مددگار رعیت کی بنیادوں پر قایم، اور بے ایمان اور چالباز قسم کے لوگوں کے زیرِ انتظام یہ (کمپنیاں) بہت سی صورتوں میں اس لیے چلائی گئی ہیں کہ ان سے صرف ڈائرکٹروں اور ان کے دوستوں کو ہی فائدہ پہنچتا ہے اور اس کے لیے پوری طرح حصے داروں کے مفادات سے قیمت چکائی گئی ہے۔ اور ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ جہاں تعلیم یافتہ اور معمولی سمجھ بوجھ

---

[1] 'فرینڈ آف انڈیا' 11 جون 1881۔

[2] 'فرینڈ آف انڈیا' 11 جون 1881۔

[3] 'جوڈیشیل اینڈ پبلک ڈیپارٹمنٹ رجسٹر' ڈیپارٹمنٹل نمبر 332۔ 1866 کا کمپنی ایکٹ کورگ پر بھی عائد نفیس کیا گیا۔ ایضاً۔

رکھنے والے افراد کو تحفظ دینے کے لیے [1866 کے کمپنی] ایکٹ میں کافی صورتیں موجود
بھی ہیں، وہاں بھی حصے دار اپنے مفادات کے تحفظ میں مجبور و معذور رہے ہیں،
اور ان کی طرف سے حکومت کے افسر ـــ رجسٹرار ـــ کی مداخلت بھی کسی نہ کسی طرح
ناکام کردی گئی ہے"۔[1]

حقیقت یہ تھی کہ ہندوستان کے اس حصے کے لوگوں کے ذہنوں میں اجتماعی سرمایہ اداروں کے سلسلے میں کچھ عجیب قسم کے تصورات موجود تھے۔ ایک بالکل انوکھا طریقہ جو اجتماعی سرمایے کے بالکل بنیادی اصول پر ہی ضرب پہنچاتا تھا، میسور میں قایم ہونے والی تمام کمپنیوں کے دستور میں اپنایا جاتا تھا۔ یہ دستور کی ایک مد ہوتی تھی جس کے تحت حصے دار اپنے حصوں کے اداشدہ سرمائے کو کمپنی سے واپس مانگ سکتے تھے اور اس طرح اس سے الگ ہوسکتے تھے۔[2] یہ حیرتناک مد کمپنیوں کے دستور میں صرف شامل ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ جیسا کہ اس علاقے کے کمپنیوں کے رجسٹرار نے لکھا تھا: "اسے کچھ پس پردہ لوگوں کی طرف سے، کچھ مخصوص اور چنے ہوئے حصے داروں کے حق میں، استعمال بھی کیا جاتا تھا اور جس کی قیمت اور نقصان حصے داروں میں باقی ایماندار حصے کو چکانا پڑتا تھا۔"[3] دھوکے بازی کا اس سے انوکھا طریقہ سوچ لینا مشکل ہے اور اس بات میں بھی شبہ کیا جاسکتا ہے کہ دنیا بھر میں اس جیسی مثال کہیں اور مل سکتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ میسور کی عدالتیں بجا طور پر یا بیجا طور پر، ایسوسی ایشنوں کے ان دستوروں کو منظور بھی کرتی تھیں[3]، جو عوامی پالیسی اور کمپنی کے مفادات کے اتنے کھلے طور پر منافی تھے۔

شمال مغربی صوبے میں بھی، جو واحد دوسرا ایسا صوبہ تھا جو کمپنیوں کے قیام کے نقطۂ نگاہ سے کسی قدر اہمیت رکھتا تھا، کیفیات کچھ اس سے اچھی نہ تھیں۔ 'پنجاب بینک لمٹیڈ' کی مثال، ملک کے

---

[1] 'فرینڈ آف انڈیا' 11 رجون 1881۔

[2] جوڈیشیل اینڈ پبلک ڈیپارٹمنٹ رجسٹر، ڈیپارٹمنٹل نمبر 332۔ 1866 کا کمپنی ایکٹ، گو کہ پر کبھی عائد نہیں کیا گیا۔

[3] ایضاً، اقتباسات زیادہ تر 'مدعیوں' سے متعلق ہیں۔ کچھ بعد میں ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا کہ ایسے حصے دار جنھوں نے اس طرح کمپنی سے اپنا سرمایہ واپس لیا تھا، کمپنیوں کے قرضوں کے لیے ذمے دار رہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو صفحہ 486۔

اس حصے میں عمل میں لائی جانے والی کارگذاریوں کی بخوبی وضاحت کر دیتی ہے۔ 1877 میں جب
چودہ سال کی خدمات کے بعد بینک کو دیوالیہ کر کے ختم کیا گیا، جس کی وجہ محض بدانتظامی ہی تھی، اس
وقت اس کا اداشدہ سرمایہ 20,00,000 روپیے تھا اور 1,50,000 روپیے کا محفوظ فنڈ تھا۔ اس وقت
اس کی طرف سے دیے گئے ناقابلِ وصول قرض 11,27,713 روپیے یا کُل اداشدہ سرمایے اور محفوظ فنڈ
کی مجموعی رقم کے نصف سے زیادہ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دیوالیہ کے اعلان سے پہلے کے تین سالوں
کے دوران بینک نے خود اپنے ہی حصے خریدنے میں 3,00,000 روپیے خرچ کیے تھے "تاکہ ان حصے
داروں کو راضی رکھا جا سکے جو اپنے حصوں کی قدر کی گراوٹ اور ناقدری پر شور و غل مچا رہے تھے[1]"

بہرحال آخر میں نتیجے کے طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں اجتماعی سرمایہ داروں کا
انتظامیہ سخت بیمار تھا۔ اس مرض کے نقصان دہ اثرات کو بھی بہت سے لوگ سمجھتے اور محسوس کرتے تھے
اور اس نے ایسے افراد پر ضرور خراب اثر ڈالا ہوگا جو خاصی اہم حد تک سرمایہ کار ہونے کی صلاحیت رکھتے
تھے لیکن بہرحال یہ بات بھی غلط ہوگی کہ اس وقت کے تمام مینجنگ ایجنٹوں کو ایک ہی رنگ میں
پیش کیا جائے۔ یقیناً اس میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنی ساکھ اور شہرت کے تحفظ کے لیے پوری طرح
کوشاں تھے اور اس بات کے لیے متواتر جد و جہد میں مصروف تھے کہ انھیں ہر قیمت پر حاصل ہو سکنے
والے ذاتی اور نجی مفادات کے علاوہ بھی کچھ اور حاصل ہو جائے۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود بھی،
ان حالات پر مجموعی طور پر نگاہ ڈالنے والا، بہرحال اس فیصلے میں مذبذب نظر آتا ہے کہ کیا بدانتظامی کو
ایک استثنا کی بجائے ایک اصول اور پختہ قاعدہ نہیں کہا جا سکتا؟ بہرحال اس پورے طریقے یا
مینجنگ ایجنسی کے ادارے میں داخلی یا بنیادی طور پر کوئی چیز غلط نہیں تھی۔ یہ طریقہ ضرورت
کے تحت پیدا ہوا تھا۔ یہ ایک واحد ایسا نظام ہے جس میں مینجنگ ایجنٹ کی طرف سے کسی قسم کی سرمایہ
کاری بغیر مینجمنٹ کے ماہرین کو کسی ایک کمپنی یا مختلف کمپنیوں کے ایک گروہ کے انتظامیہ پر متعین
کرنا ممکن ہو سکتا ہے، اور حالانکہ اس طریقۂ کار کا مستقبل ہندوستان میں بالکل ختم ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے[2]

---

[1] بیکن۔ 5 / جولائی، جیسا کہ "ٹائمز آف انڈیا" 13 / جولائی 1877 میں اطلاع دی گئی۔

[2] لوک سبھا نے 27 ممبروں کی طرف سے پیش کی گئی ایک قرار داد کو 19 کے مقابلے 58 ووٹوں سے
پاس کر دیا، جس کے ذریعے سیمنٹ، شکر، پٹ سن، سوتی کپڑا، اور کاغذ سازی کی صنعت میں مینجنگ ایجنسی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں یہ اپنا اہم کردار بہرطور ادا کر رہا ہے[1]۔ 'انڈسٹریل کمیشن' کے الفاظ میں، آیا بڑی بڑی مینجنگ ایجنسی فرمیں "اپنے بیوپار کے طریقوں میں غیرضروری طور پر قدامت پسند تھیں" یعنی یہ کمپنیاں "صنعتوں کے مقابلے میں بیوپار ہی کو ترجیح دیتی تھیں[2]" یہ بات کہنا مشکل ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ انیسویں صدی کے دوران مینجنگ ایجنسیوں سے حاصل ہونے والے امکانی منافعے کا جو چسکا اور لالچ موجود تھا اس نے بہت سے تاجروں کو روئی، چائے اور پٹ سن کمپنیاں قایم کرنے پر مجبور ضرور کیا تھا۔

ظاہر ہے کہ اس بات کا علم نہ رکھتے ہوئے کہ اس موضوع پر ابتدائی کام ہو چکا ہے بی بی کلنگ نے "ہندوستان میں مینجنگ ایجنسی نظام کی بنیادیں" کے موضوع پر ایک مضمون لکھا ہے[3]۔ کلنگ کے مضمون

(صفحہ 402 سے آگے)

نظام کو 2 اپریل 1962 کے بعد سے تین سالوں کے درمیان ختم کر دینے کی مانگ کی گئی تھی۔ 'ہندوستان ٹائمز' کا غیرملکی اڈیشن، یکم دسمبر 1966۔ نیز ملاحظہ ہو مائیکل کڈرون' 'ہندوستان میں غیرملکی سرمایہ کاری' [فارین انویسٹمنٹ ان انڈیا] مطبوعہ 1965، صفحات 3-52۔

[1] نائیجیریا میں بہت سی صنعتوں کی نشو و نما غیرملکی فرموں کی مینجنگ ایجنسیوں کے تحت عمل میں آ رہی ہے مثال کے طور پر مشرقی خطے میں 'نکالاگو' [N. Kalagu] میں 'نائیجیرین سیمنٹ کمپنی لمیٹڈ' کی مینجنگ ایجنسی 'ٹنل پورٹ لمیٹڈ سیمنٹ کمپنی' کے پاس ہے۔ 'ٹنل پورٹ لمیٹڈ' اور اس کا ضمنی ادارہ 'ایف۔ایل۔اسمتھ اینڈ کمپنی' کے پاس مجموعی طور پر صرف 10.8 فیصدی 'ایکوٹی' سرمایہ ہے جو اس وقت تقریباً 40 لاکھ پونڈ سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ اس کمپنی کو حصوں کے ذریعے 13 / نومبر 1954 میں قایم کیا گیا تھا۔

اسی طرح سے امریکہ کی 'دی انڈین ہیڈ اِن کارپوریشن' نے مشرقی نائیجیریا کے 'آبا' شہر میں 'آبا ٹکسٹائل لمیٹڈ' مینجنگ ایجنسی معاہدے کے تحت قایم کیا ہے۔ غیرملکی فرموں کے لائسنسوں کے تحت مصنوعات کی پیداوار کرنے والی کمپنیوں نے جو معاہدے کیے ہیں ان میں اور غیرملکی فرموں سے تکنیکی مشارکت کے سلسلے میں کیے گئے بہت سے معاہدوں میں مینجنگ ایجنسی کا طریقہ شامل ہے۔

[2] 'انڈسٹریل کمیشن کی رپورٹ' 18-1916۔

[3] "مینجنگ ایجنسی ایک پوری طرح رائج طریقہ رہی ہے۔۔۔ لیکن کسی نے بھی ان حالات و کیفیات

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کا احاطہ صرف ان چھ کمپنیوں کی تاریخ تک محدود ہے جو 1836 سے 1846 کے درمیان یا تو 'کار ٹیگور اینڈ کمپنی' نے کھولی تھیں اور یا ان کو اپنے لیے حاصل کر لیا تھا۔ کلنگ کی تحقیقات، بہرحال، زیر نظر باب میں جو معلومات دی گئی ہیں، ان کی تصدیق کرتی ہیں، حالانکہ جن چیزوں کو کلنگ نے اہمیت دی ہے ان میں کافی فرق بھی ہے۔

کلنگ اس نظام کی ابتدا 1836 میں اس وقت سے دکھلاتا ہے جب 'کار ٹیگور اینڈ کمپنی' کو 'اسٹیم ٹگ ایسوسی ایشن' کا مینجنگ ایجنٹ مقرر کیا گیا تھا اور اس سے پہلے کے حالات پر صرف اتنا کہہ کر گذر جاتا ہے[1]:

"ایجنسی ہاؤس بھی 1834 سے پہلے قایم ہونے والی مٹھی بھر اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کو چلاتے تھے۔ حالانکہ اجتماعی سرمایہ کمپنی کا طریقہ خود صرف بیمہ اور 'لاڈابل' سوسائٹیوں تک ہی محدود تھا لیکن ایجنسی ہاؤسوں کے منیجر کی حیثیت سے تقرر نے بعد میں نظر آنے والے مینجنگ ایجنسی نظام کے لیے ایک ماڈل پیش کر دیا۔"

یہ نکتہ ثابت کر دینے کے جوش میں کہ مینجنگ ایجنسی نظام مکمل طور پر محض ہندوستانی ذہن تھا، میرے خیال میں کلنگ نے غلط نکتے پر زور دیا ہے۔ جیسا کہ اس باب میں پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے اس نظام کے ابتدائی خط و خال 'اسٹیم ٹگ ایسوسی ایشن' کے قیام سے تقریباً بیس سال پہلے ہی ابھر چکے تھے[2]۔ 'کار ٹیگور اینڈ کمپنی' کی تقرری کی شرائط ویسی ہی تھیں جن پر اس سے پہلے یورپی ہاؤس بیمے کا کاروبار کرتے تھے، اور اس طرح اول الذکر کمپنی کسی طرح بھی کوئی انحرافی نقطہ نہیں پیدا کرتی[3]۔ بہرحال اگر ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ کلنگ اس نظام کا اطلاق صرف ایسی ہی اجتماعی سرمایہ

(صفحہ 403 سے آگے)

کو بیان نہیں کیا جو اس کی ابتدا کے وقت موجود تھے"، جرنل آف ایشین اسٹڈیز، جلد XXVI نمبر 1۔ نومبر 1966، صفحات 47-37۔ یہ اقتباس صفحہ 37 سے لیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو میرا پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کا مقالہ، لندن 1965 باب 14، صفحات 31-415۔ حقیقت میں یہ باب 61-1960 کے تعلیمی سال کے دوران لکھا گیا تھا۔

[1] کلنگ، صفحہ 38۔

[2] ملاحظہ ہوں صفحات 36-432۔

[3] 'اسٹیم ٹگ ایسوسی ایشن' پانچ سال کی مدت کے لیے قایم کی گئی تھی اور اس کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بیوپاروں پر کرنا چاہتا ہے، جیسی 'اسٹیم ٹگ' اور کوئلہ کان کن کمپنیاں تھیں، تب بھی ہم بہ تحقیق و جستجو کے بغیر یہ بات پورے وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ نظام 1818 اور 1836 کے درمیانی عرصے میں موجود کمپنیوں کے انتظامیہ کے سلسلے میں نہیں اپنایا گیا تھا[1] اس طرح کلنگ کی یہ آہ وزاری کہ "یہ کتنا بڑا طنز ہے کہ ایک ایسا نظام جس کی ایجاد کا سہرا برطانوی تجارتی ہاؤسوں کے سر رکھا جاتا رہا ہے، اور جسے نوآبادیاتی نظام کی دین بتایا جاتا رہا ہے اس کی ابتدا حقیقت میں ایک ہندوستانی ملکیت کی فرم سے ہوئی ہو[2]" اس صورت میں بھی بے اثر اور کھوکھلی سی لگتی ہے کہ جب ہم اس 'کارٹیگور اینڈ کمپنی' کو بھی ایک ہندوستانی ملکیت کی فرم تصور کر لیں، جس میں ٹیگور ایک یورپی شخص کا برابر کا ساجھے دار ہی تھا[3] لیکن بہر حال تھوڑی بہت پروازِ تخیل[4] سے قطع نظر اور حقیقت کی ایک اہم اور سنجیدہ

(صفحہ 404 سے آگے)

معاملات کو پانچ منتخبہ ڈائرکٹروں کی ایک کمیٹی چلاتی تھی، جس کے تحت 'کارٹیگور اینڈ کمپنی' کو ماشیروں کی خالص آمدنی کے 5 فیصدی معاوضے پر کاروبار کی تفصیلات کے انتظام کے لیے، سکریٹری کی حیثیت سے متعین کر دیا گیا تھا۔ یہ شرائط جنھیں کلنگ نے پہلا "مینیجنگ ایجنسی معاہدہ" کہا ہے، الیوسی ایشن کی دستاویز میں بھی موجود تھیں، جو (بیمہ کمپنیوں کے قواعد، یا آج کی کمپنی ایسوسی ایشنوں کے میمورنڈم کے متوازی تھیں) کلنگ صفحہ 40۔

[1] ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 4 میں کمپنیوں کی فہرست، خالص طور پر 'بوریا کاٹن ملز' کے سلسلے میں (و) کے تحت حوالوں کی فہرست۔ باب ا ضمیمہ نمبر 3، اور 'ہندوستان کی معاشی تاریخ'، [دی اکونومک ہسٹری آف انڈیا] وی۔ بی۔ سنگھ (مرتبہ)، (مطبوعہ 1965 صفحات 11-304) میں بشنو پودہ گوہا کا مضمون، 'کوئلہ کان کنی صنعت'، بھی ملاحظہ ہوں۔

[2] کلنگ۔ صفحہ 47۔

[3] کلنگ، صفحات 59-38۔

[4] کلنگ سوال کرتا ہے: "ٹیگور نے ایک اجتماعی سرمایہ کمپنی کیوں قایم کی اور 'فوربس (اسٹیمر)' کو اپنے ایجنسی ہاؤس کے تحت کیوں نہیں چلایا ہے" سرمائے کی ضرورت کے علاوہ وہ کہتا ہے: "نئی کمپنی کا نام ہی ——— 'اسٹیم ٹگ ایسوسی ایشن ——— اس سلسلے میں ایک اور بات سمجھاتا ہے۔ کلکتے میں ایسوسی ایشنیں سماجی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

غلطی[1] کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی اس کے مضمون سے 'کار ٹیگور اینڈ کمپنی' کے سلسلے میں ہماری معلومات میں کافی فائدہ بخش اضافہ ہوتا ہے۔

(صفحہ 405 سے آگے)

اور معاشی ترقی کی غرض سے ابھاری جاتی تھیں اور لوگ اس میں اچھے مقاصد کی حمایت اور ساتھ ہی ان سے منافع حاصل کرنے کی غرض سے سرمایہ لگاتے تھے۔ عوام کے دماغوں میں سماجی ترقی اور اجتماعی سرمایہ قسم کی تنظیموں کے درمیان جو ایک رشتہ سا پیدا ہو گیا تھا، ٹیگور نے اپنے منصوبے کو آگے بڑھانے کی غرض سے، اس رشتے سے فائدہ اٹھانا چاہا۔" (صفحہ 39)

کلنگ نے 'ایسوسی ایشن' لفظ کے انتخاب میں ضرورت سے زیادہ پڑھنے اور معنی پہنانے کی کوشش کی ہے۔ کچھ اجتماعی سرمایہ ادارے ضرور ایسے تھے جنھیں 'ایسوسی ایشن' کا نام دیا گیا تھا، لیکن بہت سے ایسے بھی تھے جنھیں 'کمپنیوں' کا نام بھی دیا گیا تھا۔ ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے کہ 'بنگال ٹی ایسوسی ایشن' جو 'کار ٹیگور اینڈ کمپنی' ہی کا ایک ادارہ تھی، اس سلسلے میں بھی یہ بات ذہن میں رکھی گئی ہو، یا اسی طرح 'رانی گنج کول ایسوسی ایشن لمٹیڈ' بہت بعد میں قایم کی گئی تھی۔ محض اسی فرق کی بنیاد پر کمپنیوں کو 'ایسوسی ایشنوں' کے مقابلے میں یقیناً کچھ زیادہ دشواریوں اور پریشانیوں کا مقابلہ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ کسی ادارے کو 'ایسوسی ایشن' کا نام دیا جانا یا 'کمپنی' کا، یہ بہت حد تک سرمایہ کاروں کی تحریک کے سلسلے میں، ہوشیاری یا چالاکی سے زیادہ ذاتی پسند و ناپسند کا اظہار کرتا ہے۔ 'ایجنٹ'، 'منیجر'، 'سکریٹری'، اور 'سکریٹری اور خزانچی' وغیرہ الفاظ، اور زیادہ تر آخری الفاظ، عام طور پر ہی انہی معنوں میں استعمال ہوتے تھے جن میں 'منیجنگ ایجنٹ' استعمال ہوتا تھا۔ اور یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ 1956 کے کمپنی ایکٹ میں بھی 'سکریٹریوں اور خزانچیوں' کے عہدوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

[1] ہندوستان میں پہلا 'محدود ذمے داری ایکٹ' 1866 میں پاس نہیں کیا گیا تھا، جیسا کہ کلنگ نے اپنے مضمون کے حاشیہ نمبر 18 میں حوالہ دیا ہے۔ پہلا ایسا ایکٹ جس نے اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کو محدود ذمے داری بخشی، بینک کار اور بیمہ کمپنیوں کو چھوڑ کر، 1857 میں پاس ہوا تھا۔ 1860 میں اس کی توسیع بینک کار کمپنیوں اور 1866 میں بیمہ کمپنیوں تک کر دی گئی تھی۔ ملاحظہ ہوں صفحات 131 تا 137، 143، 410-11۔

تیرھواں باب

چند نتائج

مارچ 1901 کے آخر تک ہندوستان میں درج شدہ کُل 1364 کمپنیوں کا مجموعی اداشدہ سرمایہ 37,00,00,000 کروڑ روپیے سے کچھ زیادہ نہیں تھا۔ اسے پچاس سال کی طویل مدت میں ایک ہندوستان جیسے وسیع و عریض اور اتنے کثیر ذرائع رکھنے والے ملک کے لیے کوئی خاص متاثر کن ترقی نہیں کہا جاسکتا۔ زیرِ نظر باب میں انیسویں صدی کے دوران اجتماعی سیکٹر کی ترقی اور اس کی اہم ترین خصوصیات کو مختصراً بیان کیا گیا ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ترقی کی رفتار اس حد تک معمولی اور سُست کیوں رہی۔

اجتماعی (کارپوریٹ) ادارے ہندوستان کی قدیم تاریخ میں ایک بالکل اجنبی تصور نہیں نظر آتے۔ 'گلڈ' انداز کی کارپوریشنیں پورے ہندو عہد میں باقی رہیں، اور بعد میں مغل دور تک کسی نہ کسی انداز میں، اپنی بقا کو برقرار رکھے رہیں لیکن بہرحال ان تنظیموں اور جدید اجتماعی سرمایہ کمپنیوں کے درمیان کوئی براہِ راست رشتہ قایم نہیں کیا جاسکتا۔ موخرالذکر کمپنیوں کی نشو و نما ہندوستان میں ان یورپی منشور یافتہ کمپنیوں کی مثالوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہوئی جو اس دور میں موجود تھیں اور کاروبار چلا رہی تھیں۔ اجتماعی سرمایہ تجارتی کمپنیاں سب سے پہلے 1660 کے بعد کی دہائی میں قایم ہونا شروع ہوئیں، اور لگ بھگ ساٹھ سال پھولنے پھلنے کے بعد یہ اٹھارھویں صدی کے دوران آہستہ آہستہ کمزور ہوتی چلی گئیں۔ پھر اس کے بعد انیسویں صدی کی پہلی چوتھائی کے آخر تک

لہ ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 20۔

ہمیں جدید کمپنیوں کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر ترقی نظر نہیں آتی اور حالانکہ مینیجنگ ایجنسی نظام کچھ پہلے ہی نظر آنا شروع ہو جاتا ہے لیکن ابھی اس کی نشو و نما ابھی ابتدائی منزلوں میں تھی۔

ہندستانی کمپنیوں کے سلسلے میں پہلا ریلا یورپی ایجنسی ہاؤسوں کے ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ آیا، جو خود 1820 کے بعد کی دہائی کے بیوپاری بحران کا نتیجہ تھا۔ کمپنیوں کی ترقی کی رفتار میں بھاپ کی طاقت کو پیداواری طریقے میں استعمال میں لانے اور دخانی جہازوں کی آمد نے مدد پہنچائی[57] حالانکہ بنیادی طور پر بینک کار، صنعتی، کان کنی اور جہاز رانی کمپنیوں کی ابتدا یورپی تحریک کی ہی مرہون منت کہی جا سکتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس میں ہندوستانی عنصر خاصی اہمیت کا حامل تھا۔ ایجنسی ہاؤسوں کے ساتھ ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سول اور فوجی ملازمین نے بینک کار اور کچھ صنعتی کمپنیوں کو ابھارنے اور ان کی مالیت کاری میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس دور میں ابھاری گئی کچھ کمپنیوں کی محدود کامیابی کے لئے چند مخصوص وجوہات کو ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے، جن میں خراب مینجمنٹ بھی کوئی کم اہم وجہ نہیں کہی جا سکتی۔ چونکہ صنعتی ادارے تعداد میں بہت تھوڑے تھے اس لئے خام مال کی قلت اس زمانے میں خاص طور پر محسوس نہیں کی گئی۔ لیکن ساتھ ہی اس زمانے میں ایسا سرمایہ ابھار لینا جس میں جوکھم مول لیا جائے کچھ زیادہ آسان نظر نہیں آتا۔ جس کے لیے ایک امکانی وجہ یہی دی جا سکتی ہے کہ وہ صنعتی کمپنیاں جو اس وقت موجود تھیں اور پیداواری عمل میں مصروف تھیں۔ ان کی کارگذاریاں کچھ بہت زیادہ امید افزا اور اطمینان بخش نہیں تھیں — ایک منظم سرمایہ بازار نہ ہونے کی وجہ سے کمپنیاں ابھارنے والوں کو سرمایہ حاصل کرنے کے لیے اخباروں میں اشتہارات اور ذاتی تعلقات کا سہارا لینا پڑتا تھا[58] کمپنیوں کو بڑی بڑی ساجھے داریوں کی حیثیت پر رکھنے سے ان کی رفتار میں اور زیادہ دشواریاں حائل ہوتی تھیں۔ یہ بات بینکوں کے لیے خاص طور پر مشکلات پیدا کرتی تھی۔ چونکہ قرضوں کی وصولی کے لیے عدالتی مقدمات میں ہر حصے دار کو ایک مدعی کی حیثیت سے شامل کیا جانا ضروری تھا۔ ان حالات میں 1850ء کے بعد کی دہائی میں کچھ انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوئیں[59]

---

[57] ملاحظہ ہو پہلا باب۔

[58] ملاحظہ ہو دوسرا باب۔

[59] ملاحظہ ہو دوسرا باب

1850 کے کمپنی ایکٹ نے سرمایہ ابھارنے کے کام کو مقابلتاً آسان کر دیا اور اس دہائی کے ابتدائی حصے میں ریل کی ابتدا سے صنعتی ترقی کے لیے مزید راہیں کھل گئیں۔ چنانچہ جلدی ہی روئی اور پٹ سن کے کچھ مل وجود میں آگئے[1] 1859 میں حکومت پر زور ڈالا گیا کہ وہ 1845 کے آسام کلاسی قانون Clearence Rule کو کسی قدر آسان کرے۔ جس کے نتیجے میں وہ طریقہ جس کے تحت (چائے کمپنیوں کے سلسلے میں) درخواست دینے والوں کو یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ وہ زمین پر کاشت کرنے کے ذرائع رکھتے ہیں، بند کر دیا گیا[2]۔ اس فیصلے کے ساتھ درخواستوں کا ایک ریلا سا آیا، جو آخر میں 4-1863 تک غیر محتاط انداز میں چائے کمپنیوں کے قائم کئے جانے کی حد تک پہنچ گیا۔ یہ گرم بازاری 1866 میں ختم ہوئی اور پھر 1870 تک یہ صنعت دبی دبی سی رہی[3]

اسی دوران 1860 کے ایکٹ کے ذریعے محدود ذمہ داری کی توسیع بینکوں تک بھی کر دی گئی اس کے فوراً ہی بعد امریکی خانہ جنگی کے نتیجے میں برطانیہ کو روئی کی رسد بند ہو گئی اور ہندوستانی روئی پر منحصر ہونا پڑا، جس کے نتیجے میں بمبئی میں روئی کی قیمتیں چڑھتی چلی گئیں۔ 65-1862 کے درمیانی چار سال میں بمبئی سے برآمد ہونے والی روئی کی قیمت میں چار گنا اضافہ نظر آیا، برآمد کی کل قدر اس وقت لگ بھگ 8,25,00,000 پونڈ تھی۔ چنانچہ اسپیکولیشن کی دیوانگی کا ایک دورہ سا پڑ گیا۔ 1863 سے 1865 تک جتنی کمپنیاں رجسٹرڈ کرائی گئیں ان کا کل اداشدہ سرمایہ لگ بھگ 20,60,00,000 روپیے تھا۔ اتنی بڑی رقم میں سے 94.4 فی صدی حد تک صرف بینکوں، سرمایہ کاراداروں (فائنانشیل) اور زمین بازیابی کمپنیوں کا سرمایہ تھا۔ تقریباً وہ تمام کمپنیاں جن کا اجرا اس عرصے میں ہوا تھا 1865 کی تباہی[4] کے بعد بند کرنی پڑیں۔ لیکن بمبئی اور کلکتے کے شہروں میں ان واقعات کا ایک نتیجہ بہرحال یہ ضرور رہا کہ ان سے حصہ بازار روشنی میں آگئے اور ان میں جو تنظیمی کمزوری تھی وہ پوری طرح کھل کر سامنے آگئی۔

---

[1] ملاحظہ ہو چوتھا باب

[2] ملاحظہ ہو ' بنگال میں چائے صنعت ' پر ایجر کا نوٹ ۔ ' بنگال میں چائے صنعت پر مضامین، (پیپرس رگارڈنگ دی ٹی انڈسٹری آف بنگال) 1873 - صفحہ 11

[3] ملاحظہ ہو چھٹا باب

[4] ملاحظہ ہو پانچواں باب

بمبئی کے حصہ بازار کی باقاعدہ تنظیم 1875 میں عمل میں آئی۔ کلکتے میں اسٹاک ایکسچینج ، کو منظم کرنے کی ابتدائی کوششیں ویسے تو 1858 میں ہی نظر آجاتی ہیں لیکن ان میں کامیابی موجودہ صدی کی پہلی دہائی تک ہی نصیب ہوسکی۔ بمبئی میں حصوں کی دلالی کا لگ بھگ سارا کاروبار ہندوستانیوں کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن دوسری طرف کلکتے میں بنگالی دلال یورپی دلالوں کے ساتھ کام کرتے نظر آتے ہیں، یہ صورت ابتدائی چند سالوں میں خاص طور پر دیکھی جاسکتی تھی ، لیکن انیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں اس بیوپار پر مارواڑیوں کا تسلط رہا۔ اسٹاک بازار کی کارگزاریوں کے فن میں ہندوستانی دلال کافی حد تک پرسکون اور بے جھجک تھے اور سٹے (وقتی سودے جن میں قیمتوں کا فرق ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتا ہے) سے ان کا لگاؤ بمبئی اور کلکتے دونوں جگہوں کے اسٹاک بازاروں کی ایک نمایاں خصوصیت تھی[57]۔

1870 کے بعد کی دہائی کے ابتدائی حصے میں گرم بازاری کے آخری اثرات بھی ختم ہوگئے اور ملک کی تین خاص صنعتیں ترقی اور خوشحالی کی راہوں پر آگے بڑھنے کے قابل ہوگئیں[58] اب حصہ بازاروں کے اثر و عمل میں عوام کا ایک زیادہ وسیع دائرہ آتا تھا۔ حصہ بازاروں کے توسط سے ایسے لوگوں کی بچتوں کے سرمایہ کاروں کی طرف منتقل ہونے سے ، جو بذات خود سرمایہ کاری میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اجتماعی سیکٹر کی نشو ونما میں مدد ملی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ 1870 سے پہلے کمپنیوں کی کارکردگی کا جو تجربہ صنعت کاروں نے حاصل کیا تھا، اس سے ان کے ذہنوں پر یہ بات بھی روشن ہوگئی تھی کہ اگر یہ لوگ حصہ بازار کے ذریعے حاصل ہونے والی آسانیوں کا پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو انہیں کمپنیوں کے سرمایہ کارانہ ڈھانچوں میں تبدیلی پیدا کرنا بھی لازمی ہے۔ مثال کے طور پر ان لوگوں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ معمولی اور چھوٹے سرمایہ کاروں کو سرمایہ کاری کی طرف متوجہ کرنے کے لیے حصوں کی ظاہری قیمت کو سختی سے گھٹانا ضروری ہے۔ انہوں نے یہ بات بھی محسوس کرلی تھی کہ نجی قرض کے حصول کو بھی مسترد کردینا ضروری ہے اور اس کے بدلے قرض ناموں (ڈبنچر) اور ترجیحی حصوں کا اجرار کیا جانا چاہیے[59] اس میں کافی شبہے کی گنجائش موجود ہے کہ اگر بمبئی حصہ بازار کی مدد شامل نہ ہوتی تو یہاں کی صنعت، اور خاص طور پر روئی کی صنعت

---

۵۷ ملاحظہ ہو ساتواں اور نواں باب

۵۸ ملاحظہ ہو گیارھواں باب

اس حد تک ترقی کر جاتی جتنی اس نے فی الحقیقت کر لی۔

وہ حالات جن کی وجہ سے سرمایہ کاری کے لیے وسیع پیمانے پر عام ماحول میں بہتری پیدا ہوئی اور اس طرح اجتماعی سرمایہ سیکٹر کی ترقی میں مدد ملی۔ ان میں کافی حد تک ریلوں کے ذریعے آمد و رفت میں ترقی جس نے ملک کو یکجا اور متحد کیا، قانون کی حکومت، جو تاجِ برطانیہ کے تحت قائم ہوئی۔ آزاد اور روشن خیال قسم کی تعلیم میں اضافہ، روپے کی قدر میں گراوٹ۔ جو برآمدات کے لیے موافق تھی اور ہندوستانی اور برطانوی مینجنگ ایجنٹوں کے گروہ کا جذبہ اور لگن قابل ذکر وجوہات تھیں[1]

مینجنگ ایجنسی نظام کا خیال اور تصور اٹھارہویں صدی کے خاتمے کے وقت شروع ہوا تھا۔ اپنی زندگی کے ابتدائی ستر سالوں کے دوران اس نے صنعتی ترقی کے سلسلے میں قابل قدر خدمت انجام دی۔ حالانکہ اسی زمانے میں مینجنگ ایجنسی کے معاہدوں میں بدعنوانیوں اور غلط کاریوں کے جراثیم بھی سرایت کر گئے تھے۔ انیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں اس نظام میں کافی حد تک کھچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ انیسویں صدی کی آٹھویں اور نویں دہائی میں بہت سے بے ایمانوں اور چالباز قسم کے لوگ مینجنگ ایجنٹوں کے زمرے میں شامل ہو چکے تھے اور مینجنگ ایجنسی کے معاہدوں سے حاصل شدہ اختیارات کا بڑی بے دردی سے بے جا استعمال کر رہے تھے۔ رضاکارانہ طور پر تبدیلیاں اور اصلاحات لانے کے لیے عوام کی مانگیں ناکام ہو چکی تھیں، چنانچہ یہ بات ناگزیر محسوس ہونے لگی تھی کہ ان بدعنوانیوں کو صرف قانون کے ذریعے ہی روکا جا سکتا ہے، لیکن دوسری طرف حکومت کسی طرح عوام کے شور و غل کو سن لینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ عدم مداخلت معیشت کے فلسفے کے زیر اثر حکومت اس بات کو زیادہ مناسب سمجھتی تھی کہ ہندوستانی قانون کو برطانوی قانون کے متوازی ہی رکھا جائے تاکہ برطانوی سرمایہ کاروں کو یہ احساس رہے کہ اس سلسلے میں ان کی حیثیت اور مقام کیا ہے۔ بہرحال ہندوستانی قانون میں حسابات کی اشاعت پر نسبتاً زیادہ زور دیا جاتا تھا[2]

آخری تین دہائیوں میں اجتماعی سرمایہ اداروں کی تاریخ کو کچھ اور باتیں بھی اہم کر دیتی ہیں۔ ان میں جنوبی ہندوستان میں سوتی کان کنی کے سلسلے میں نظر آنے والا اسپیکولیشن کا دور[3]، چھوٹی بچتوں اور ادھار دینے والی کمپنیوں کی ایک بڑی تعداد میں پیداوار، تخمینہ (اسسمنٹ) بیمہ کمپنیوں اور بنگال

---

[1] ملاحظہ ہو نواں باب۔

[2] ملاحظہ ہو بارھواں باب۔

[3] ملاحظہ ہو آٹھواں باب

میں سونے کے سلسلے کی دیوانگی کے واقعات وغیرہ سب شامل ہیں۔ اس جگہ جملۂ معترضہ کے طور پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بنگال میں سونے کی دیوانگی نے یورپی ہاؤسوں کی اس اخلاقی ساکھ کے سلسلے میں حسن ظن کے کھوکھلے پن کا بھی اظہار کر دیا جس پر کبھی حرف بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ ان ہاؤسوں نے صرف پیسہ کھینچنے والی، سونا کان کمپنیوں کے تصور کو ہی جنم نہیں دیا بلکہ ایسی ہر کمپنی کے ابتدا انہی کی طرف سے ہوئی اور یہ اس سلسلے کو اس آخری حد تک چلاتے بھی رہے جہاں تک یہ امکانی طور پر چل سکتا تھا۔[illegible]

دسویں دہائی میں ریلوے کی طرف سے کوئلے کی بڑھتی ہوئی مانگ نے کوئلے کی صنعت کو اپنی پیداواری گنجائش بڑھانے کی ترغیب دی۔ یورپی چقندر کی شکر کی درآمد پر سموزن محصول لگائے جانے کے اثر سے ہندوستانی شکر سازی صنعت کی سرمایہ کاری میں اضافہ ہوا۔[illegible]

اسی دوران شہروں کی فیکٹریوں میں جدید پیداواری طریقے بھی عام ہوتے جا رہے تھے ایک طرف مدنیت اور دوسری طرف حکومت کے صرف میں آنے والی اشیاء کی خرید کے سلسلے کے قوانین میں بہت محدود حد تک دی گئی ڈھیل نے آٹا، چاول، تیل اور دوسرے متفرق قسم کے پیداواری اور تجارتی اداروں میں سرمایہ کاری کے لیے ترغیب فراہم کی تھی۔

ان مجموعی تبدیلیوں کے اثر سے ملک میں بینک کاری سرمائے میں ایک بتدریج مگر قابل ذکر اضافہ کرنا ضروری ہو گیا، اور یہ اضافہ ظاہر بھی ہوا[illegible] انیسویں صدی کے آخری حصے میں تمام قسم کے کمپنیوں کے کل ادا شدہ سرمائے میں مختلف صنعتوں کا حصہ نیچے دیے گئے گوشوارے میں دکھلایا گیا ہے۔

روئی مل، پٹ سن مل اور چائے کمپنیاں روئی اور پٹ سن، اسکرو، اور شکنجے	56.0	فیصدی
بینک کار کمپنیاں	12.4	〃
ریلوے اور ٹرامویز	8.6	〃
کوئلہ کان کمپنیاں	3.5	〃
متفرق	19.5	〃
	100.0	

[illegible] ملاحظہ ہو دسواں باب

[illegible] ملاحظہ ہو نواں باب

[illegible] ملاحظہ ہو نواں باب

بہرحال کل اداشدہ سرمائے کی رقم لگ بھگ 37,00,00,000 روپے یا اشلنگ ۴پینس فی روپیہ کے حساب سے 2,50,00,000 پونڈ تھی۔ یہاں سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرمائے کی رقم اتنی کم کیوں تھی؟

ہندوستانی معاشی تاریخ کے کچھ اور طالب علموں نے بھی یہی سوال کیا ہے اور یہ بحث مستقل جاری ہے۔ انسٹے نے اس صورت حال کو روک دی جانے والی ترقی[1] Arrested Development، روزین نے ناقص ترقی[2] Aborted Developing، مارس[3] اور دھیریہ بالا پنڈت نے "حمل کی صدی"[4] Centenary of Gestation، بھٹ نے "جمود"[5] Stagnaties۔ اور تھارنر نے "گراوٹ کے امکانات" Possibility of Decline کی اصطلاحیں دی ہیں۔

---

[1] انسٹے صفحات 5، 8، 154، 399، 471، 472۔

[2] جارج روزین۔ 'ایک ناقص ترقی کی صورت ہندوستان اے کیس آف ابورٹیڈ گروتھ۔ انڈیا 1860 تا 1890 تحقیق کے لیے کچھ اشارے، اکونومک ویکلی، ۱۱ اگست 1962، صفحات 1299 تا 1302۔ بہرحال یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہندوستان ۔' ناقص یا ادھوری ترقی کی ایک مثال ' پر ماتھر اور کچھ دوسروں نے ستمبر 1969ء میں منعقدہ کونسٹانز Kourtanz میں بین الاقوامی معاشی ایسوسی ایشن کی ایک کانفرنس میں کافی بحث کی تھی۔ معاشیات کے ممتاز سیکٹر۔ مثال کے طور پر ریلوے اور روئی مل اور ان سے منسلک اثرات پر خاص طور سے کسی قدر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی تھی اس کانفرنس کی روئیداد کو بعد میں روسٹو نے مرتب کیا اور 1963 میں مائل بہ ترقی معاشیات اور مستقل ترقی [دی اکونومکس آف ٹیک آف اینڈ سسٹینڈ گروتھ] کے نام سے شائع کیا۔

1- ایم۔ ڈی تارس۔ ' انیسویں صدی میں ہندوستانی معاشی تاریخ کی نئی توضیح '، جرنل آف اکونومک ہسٹری، جلد XXIII نمبر 4، دسمبر 1963

2- دھیریہ بالا پنڈت۔ ہندوستان۔ زمانہ حمل کی ایک صدی۔ ترقی کے مطالعے میں غیر معاشی عناصر کی مطابقت، اکونومک ویکلی 22 ستمبر 1962، صفحات 8-1503۔

3- دی۔ دی۔ بھٹ، ہندوستان میں معاشی جمود کی ایک صدی، اکونومک ویکلی، جلد XV مجمع شمارے نمبر 26، 29 (30 جولائی 1963) صفحات 36-1229۔

4- ڈینیل تھارنر، ہندوستان میں پیداواری طویل مدتی رجحانات، گرنٹ کے (مرتبہ) میں صفحات 28-103۔

ان مطالعوں کو دو مدوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے - کچھ مطالعوں میں گزشتہ صدی یا ایک طویل مدت کی ترقی کے رجحان کا ایک مجموعی خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور کچھ مطالعوں میں 1860 سے 1900 کے درمیانی دور میں کچھ 'پوری طرح نظر آنے والی' ملاقات کا اظہار کیا گیا ہے — جیسے غیر ملکی سرمائے کی بڑی تعداد میں سرمایہ کاری، یا روئی اور پٹ سن ملوں کی ایک خاصی بڑی تعداد میں ابتداء، جس سے آئندہ کے لیے کافی حد تک ترقی کے امکانات پیدا ہوتے نظر آتے تھے۔ لیکن بہر حال بعد میں یہ ترقی نظر نہ آ سکی - اس ناکامی کے جو اسباب پیش کیے گئے ہیں ان میں بہت فرق ہے اور یہ ایک طرف عام طور پر معاشی[ے] یا دوسری طرف عام طور پر غیر معاشی قسم کے نظر آتے ہیں[ے]۔

ے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو، ڈبلیو، سی، نیلے (W.C.Nele) ہندوستان ناقص ترقی کی ایک مثال' [اے کیس آف ابورٹیڈ گروتھ: انڈیا] 1860 - 1900، اکونومک ویکلی 1 دسمبر 1962 - اور دھیریہ بالا پنڈت، اکونومک ویکلی، 22 ستمبر 1962۔ مندرجہ بالا مطالعوں کے ساتھ نیچے دیئے ہوئے حوالے بھی دیکھے جا سکتے ہیں -

اے۔ کے سین' سماجی اور معاشی توضیحات، ہندوستانی لوہے اور اسٹیل کی صنعت کی بنیاد پر ایک خاکہ' اکونومک ویکلی' فروری 1963 صفحات 6 - 183 ان دونوں قسم کی توضیحات کے فرق کو واضح کرنے کے لیے اور ان کی مناسبت کے اظہار کے سلسلے میں یہ خاص طور پر ایک اہم مطالعہ ہے - نیز ملاحظہ ہو اسی مطالعے میں این، سی سین کا تبصرہ' 18 مئی 1963 صفحات 15 — 1411، اس تبصرے پر اے، کے۔ سین کا جواب، 17 اگست 1963، صفحات 18 - 1416۔

لیمب Lamb کرنٹ (مرتبہ) میں این۔ وی سودانی' ہندوستان پر برطانوی اثر' [برٹش امپیکٹ آن انڈیا Cakere-a Historic Man Diale نمبر 1 (اپریل 1954) صفحات 82 - 857 اور نمبر 2 (جولائی 1954) صفحات 105 - 77 وی۔ این۔ سودتی۔ ' برطانوی دور حکومت میں ہندوستانی معاشیات' انڈین اکونومک جرنل اپریل 1961

— ایس۔ بھٹاچاریہ' ہندوستان میں عدم مداخلت معیشت' انڈین اکونومک جرنل، اپریل 1961

— ریویو، جنوری 1965

— ڈی۔ ایچ لکانن (سابقہ حوالہ)

— ڈی۔ آر گاڈگل' دور جدید میں ہندوستانی کا صنعتی ارتقاء [دی انڈسٹریل ایولیوشن آف

اورچونکہ اس زمانے کی معاشیات کے بارے میں باوثوق معلومات بہت کم ہیں اور سماجی حالات اور معاشی ترقی کے رشتے کے سلسلے میں ابھی صرف تصوراتی یا تخیلی درجے تک ہی پہنچا جا سکا ہے۔ اس لیے ان

(انڈیا صفحہ 414 سے آگے)

انڈیا ان ریسنٹ ٹائمز] چوتھا ایڈیشن، مطبوعہ 1942

– اے۔ ایل باشام۔ ’ہندوستانی برصغیر تاریخ کی روشنی میں‘ [دی انڈین سب کونٹینینٹ ان ہسٹوریکل پرسپیکٹو] مطبوعہ 1958

– کے۔ ڈیوس۔ ’ہندوستان اور پاکستان کی آبادی‘ [دی پاپولیشن آف انڈیا اینڈ پاکستان] مطبوعہ 1951

– جارج بلائن (سابقہ حوالہ)

– دھرما کمار ’جنوبی ہندوستان میں زمین اور ذات پات‘ (لینڈ اینڈ کاسٹ ان ساؤتھ انڈیا) مطبوعہ 1965

– پاری مل رے ’1870 سے ہندوستان کی غیر ملکی تجارت‘ (انڈین فارین ٹریڈ سنس 1875) مطبوعہ 1934

– ایم۔ ڈی مارسیس اور بی اسٹین ’ہندوستان کی معاشی تاریخ۔ ایک ببلوگرافک مضمون‘، جرنل آف اکونومک ہسٹری، جلد XX، نمبر 2 جون 1961 صفحات 207 – 179

– ایس۔ جے۔ پٹیل ’ہندوستان میں آمدنی اور پیداوار میں طویل مدتی تبدیلیاں‘ (لانگ ٹرم چینجز ان آؤٹ پٹ اینڈ انکم ان انڈیا) 1896 تا 1960 انڈین اکونومک جرنل 1958 صفحات 233 – 46

– ایلیس تھارنر ’ہندوستانی معاشیات کے سیکولر رجحانات، 1881 تا 1951، اکونومک ویکلی جولائی 1962، خاص نمبر،

– ایم۔ مکرجی ’ہندوستان میں قومی آمدنی کا بنیادی مطالعہ، 1857 تا 1901، آمدنی اور دولت کے سلسلے میں ایشیائی مطالعہ‘ (ایشین اسٹڈیز ان انکم اینڈ ویلتھ) جس کا بیان سب سے پہلے ہانگ کانگ میں منعقدہ 1960ء کی انٹرنیشنل ایسوسی ایشن فار ریسرچ ان انکم اینڈ ویلتھ کی ایشیائی

(باقی اگلے صفحہ پر)

تمام کوششوں کا لازمی نتیجہ ابھی تک ایک نہ ختم ہونے والے مباحثے اور خلفشار کی شکل میں ہی ظاہر ہوا ہے۔

دو مطالعے جن میں سے ایک مارس کا ہے، جس میں 1860 سے 1947 تک کی نشوونما[1] کو دیکھا گیا ہے، اور دوسرا روزین کا، جس میں 1860 سے 1900 تک کی معاشی ترقی کا جائزہ[2] لیا گیا ہے، اس مسئلے کی حقیقت کی ایک اچھی اور واضح تصویر پیش کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ مارس نے انیسویں صدی کو "صنعتی انقلاب کے لیے معاشی ڈھانچے میں پیدا ہونے والی ان تمام تبدیلیوں کے لیے بہت چھوٹا وقفہ" محسوس کیا ہے "جو کسی صنعتی انقلاب سے پہلے کی کیفیات اور پس منظر پیدا کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔[3]" وہ اپنی توضیح کی ابتدا یہاں سے کرتا ہے کہ ہندوستان میں سیاسی اتحاد اور استحکام کی کمی تھی، صرف برطانوی دورِ حکومت سے ذرا پہلے ہی کے دور میں نہیں، بلکہ ملک کی پوری تاریخ میں یہ کمزوری اور کمی موجود تھی۔ اپنے بیان میں وزن پیدا کرنے کے لیے وہ آگے کہتا ہے کہ "ہندو شہنشاہیت کی روایتی توسیع کے باوجود ہندوستان کی تاریخ میں کوئی ایسا وقت نظر نہیں آتا جب کسی بڑے علاقے میں ایک صدی یا ڈیڑھ صدی سے زیادہ کوئی سیاسی اکائی مضبوطی اور استحکام کے ساتھ برقرار رہی ہو۔ ایسی کوئی صورت

(صفحہ ۴۱۵ سے آگے)

کانفرنس کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ معاشی اٹھان کے مختلف پہلوؤں کے نظریاتی پس منظر اور 'روسٹو نظریے' کے تنقیدی مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو، جیرالڈ۔ ایم۔ میئر 'ترقی پسند معیشت کے سلسلے میں اہم سوالات' [لیڈنگ اشیوز ان ڈیولپمنٹ اکونومکس] مطبوعہ 1964۔

بی۔ آر میچل، فلس ڈین کے ساتھ 'برطانوی تاریخی شماریات کا خلاصہ' [ابسٹریکٹ آف برٹش ہسٹاریکل اسٹیٹسٹکس] مطبوعہ 1962، اور فلس ڈین اور ڈبلیو اے کولیس 'برطانوی معاشی ترقی [برٹش اکونومک گروتھ] 1688 تا 1959' مطبوعہ 1962، برطانوی اور ہندوستانی معاشی ترقی کے موازنے کے مطالعے کے لیے فائدہ مند ہیں۔

[1] مارس 'جرنل آف اکونومک ہسٹری' دسمبر 1963 جلد XXIII، نمبر 4۔

[2] روزین۔ اکونومک ویکلی، ۱۱ر اگست، صفحات 1302-1299۔

[3] مارس (سابقہ حوالہ)

موجود نہیں تھی جس کا تقابل روم، مصر یا چین کے شہنشاہی تسلسل سے کیا جا سکے۔ اس کا ایک قطعی اور نازک نتیجہ یہ ہوا کہ انتظامیہ اداروں کی کوئی مسلسل اور مستحکم روایت اور کوئی پختہ افسری نظام کبھی نشوونما نہیں پا سکا۔۔۔ ان سیاسی غیر مستحکم کیفیات کا اثر اٹھارھویں صدی میں بالکل واضح طور پر نظر آجاتا ہے۔ بیوپار اور سرمائے کا اجتماع اس دور میں یقینی طور پر نیچے دبے پڑ رہے[1]"۔

اس سلسلے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک یا ڈیڑھ صدی کا عرصہ انتظامیہ شعبوں کی نشوونما کے لیے کافی نہیں ہے تو پھر یہ عرصہ کتنا طویل ہونا چاہیے؟ اور اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اگر ہندوستان کے شہنشاہی تسلسل کا روم، مصر یا چین سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا؟ بہت سے ملک ان متذکرہ ملکوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ترقی یافتہ ہیں جن کی تاریخ میں کبھی بھی ایسا شاہی تسلسل نہیں ملتا۔ ہم یہ بھی سوال کر سکتے ہیں کیا مصر اور چین اس سلسلے میں یا کسی دوسرے سلسلے میں ہندوستان سے زیادہ ترقی یافتہ تھے؟ یقیناً ہندوستان کی تاریخ میں داخلی اختلافوں اور جھگڑوں اور خارجی حملوں کی وجہ سے سیاسی غیر استحکام کے دور نظر آتے ہیں، جن کا اثر ملک کے بیوپار اور سرمائے کے اجتماع پر یقیناً خراب پڑا۔ لیکن یہ اس سلسلے میں کوئی واحد مثال نہیں کہی جا سکتی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بڑے علاقوں پر سیاسی استحکام، اور ایسا استحکام جو 150 سال جتنی طویل مدت تک باقی رہے، یہ خود ایک ایسا تصور ہے جس کی خواہش یا توقع تو کی جا سکتی ہے، لیکن اسے تاریخ کا کوئی اصول یا قاعدہ نہیں کہا جا سکتا۔

اس کی طرف سے دیے گئے کچھ اور تصورات، جیسے "ہندوستانی سوسائٹی تاریخی اعتبار سے ایک غیر حیوانی طاقت کی زراعت پر مبنی رہی ہے[2]"، اور ان تصورات کی بنیادوں پر جو نتائج وہ اخذ کرتا ہے وہ بھی اتنے ہی غیر اطمینان بخش ہیں۔ اس کا یہ بیان کر —"ایک بار باقاعدہ اور پختہ طور پر آبپاری والی زراعت کو جما لینے کے بعد (1000 ق۔م۔؟) آبادی ظاہرہ طور پر تیزی کے ساتھ نباتی پیداوار کی آخری حدوں تک پہنچ گئی[3]"۔ تھوڑی ہی دور آگے چل کر اس بیان سے مناسبت رکھتا محسوس نہیں ہوتا کہ "1800 تک بھی ہندوستانی برصغیر کا ایک بڑا حصہ

---

[1] مارس (سابقہ حوالہ)

[2] ایضاً

[3] مارس (سابقہ حوالہ)

اچھوتی زمین ہی رہا ہوگا[1]" وہ اس بات کی بھی وضاحت نہیں کرتا کہ کیسے زمین کے "وسیع قطعے کسی حد تک 1800 سے پہلے کی ٹیکنالوجی کی وجہ سے اچھوتے رہے تھے[2]۔" اس ٹیکنالوجی کی حدود کیا ہیں؟ اور اگر اس جگہ 'ٹیکنالوجی' سے مراد 'غیر حیوانی طاقت' سے ہے تو پھر وہ حقیقت کے اظہار میں بھی غلطی کرتا ہے۔

کسی اور جگہ مارس کہتا ہے کہ "ایک طرف جبکہ برطانوی کپڑا ہندوستان کے ہتھ کرگھے کی مصنوعات سے مقابلہ کررہا تھا، ایسا لگتا ہے کہ کپڑے کی قیمتوں میں گراوٹ کے باوجود مشین سے بنے دھاگے نے دیسی ہتھ کرگھے کے سیکٹر کو ضرور اس مقابلے میں طاقت اور مضبوطی بخشی ہوگی[3]۔" اس کے بعد کے پیراگراف میں مارس نے بیان کیا ہے کہ "انیسویں صدی کے دوران کپڑے کی مانگ میں اضافے کی شہادتیں ملتی ہیں۔ میں اس سے ابتدائی نتیجہ یہی نکالتا ہوں کہ اس کی بدترین صورت یہ کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستان میں برطانوی کپڑے کی برآمدات میں توسیع نے یہاں کی بڑھتی ہوئی مانگ کا اثر ضائع کردیا۔ کم از کم نہ تو ہندوستان کے بنکروں کی تعداد میں اس زمانے کے خاتمے پر نہ تو کوئی کمی واقع ہوئی تھی نہ ان کی معاشی حالت اس زمانے کے ابتدا کے مقابلے میں کچھ خراب ہی ہوئی تھی مجموعی معاشیات کے لیے اس کا آخری اور خالص اثر، اگر فی کس حقیقی آمدنی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یقیناً مثبت ہی تھا[4]۔"

اس سلسلے میں جو چیز الجھن پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مارس نے کہیں بھی اعداد و شمار نہیں دیے۔ کم از کم اس کے اس قول سے کہ "ایسا لگتا ہے کہ مشین سے بنے دھاگے نے دیسی ہتھ کرگھے کے سیکٹر کو ضرور اس مقابلے میں مضبوطی اور طاقت بخشی ہوگی" اس کا بالواسطہ مطلب یہ نکلتا محسوس ہوتا ہے کہ کتائی کی صنعت پر اس کا سنجیدگی سے اثر پڑا تھا، حالانکہ اس نے یہ بات اتنے واضح الفاظ میں نہیں کہی۔ وہ "بڑھتی ہوئی مانگ" کی بھی بات کرتا ہے۔ کیا مانگ اس شرح سے بڑھی تھی کہ اس نے نہ صرف ہندوستان سے برآمد میں کمی کے نقصان کو ہی پورا کیا بلکہ ہتھ کرگھے کے سیکٹر پر

---

1. مارس (سابقہ حوالہ)
2. ایضاً۔
3. ایضاً۔
4. مارس (سابقہ حوالہ)

کسی قسم کا اثر ڈالے بغیر ہندوستان میں بڑھتی ہوئی کپڑے کی درآمد کو بھی جذب کر لیا؟ اس حقیقت میں شبہے کی گنجائش کم ہے کہ سوتی کپڑے کی تیاری میں ہاتھ کی کتائی اور بنائی میں 1820 کی دہائی کے دوران کافی سخت اختلال پیدا ہوا[1] مجموعی طور پر پتہ کر گھے کے باقی رہ جانے کی ایک اہم وجہ شاید یہ بھی تھی کہ ہندوستان میں اس سیکٹر کی پیدا کردہ ساڑیوں اور گمچھوں (تولیوں) اور ریشمی کپڑے کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اور اگر ہم ہندوستانی ملوں کی پیداوار کو نظر انداز بھی کر دیں (انیسویں صدی کے آخری حصے میں یہ مل 190 کے قریب تھے) اور مارس کے اس قول کو برائے بحث قبول بھی کر لیں کہ "برطانوی کپڑے کی برآمدات میں توسیع نے" صرف "بڑھتی ہوئی مانگ کا دباؤ کھینچ لیا" اور اس کی طرف سے آگے دیا گیا یہ قول کہ "کم از کم ہندوستان کے پتہ کرگھا بنکروں کی تعداد میں اس زمانے کے خاتمے (1900ء) پر تو کوئی کمی واقع ہوئی تھی" نہ ان کی معاشی حالت اس زمانے کی ابتدا (1800ء) کے مقابلے میں کچھ خراب ہی ہوئی تھی" تب بھی اس سے یہ نتیجہ نکال لینا لازمی نہیں ہے کہ "معاشیات کے لیے اس کا آخری اور خالص نتیجہ" فی کس حقیقی آمدنی کے اعتبار سے مثبت ہی

[1] 1813-14 کے دوران بنگال پریسیڈنسی میں کی گئی برطانیہ سے روئی کی اشیاء کی درآمدات 91,000 (سکّے) روپے اور 1822-23 تک یہ درآمدات بڑھ کر 67,77,279 (سکّے) روپے ہو گئی تھیں۔ اسی عرصے میں برطانیہ کو بنگال سے پارچہ جات کی برآمدات 40.6 لاکھ (سکّے) روپے سے گھٹ کر صرف 3,00,000 (سکّے) روپے رہ گئی تھیں۔ ایچ۔ آر گھوشال 'انیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں بنگال پریسیڈنسی میں صنعتی پیداوار کی تنظیم میں تبدیلیاں' بنگولی (مرتبہ) صفحہ 128۔

بنائی کرنے والوں کی طرح "کتائی کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد" پر بھی کافی اثر پڑا تھا۔ خاص طور پر 1825 کے بعد کے عرصے میں "تقریباً 5 لاکھ عورتیں جو کتائی کے کام میں مصروف تھیں، اس سے سختی سے متاثر ہوئی تھیں ان میں سے ایک بڑی تعداد اپنی معاشِ حیات سے پوری طرح محروم ہو گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حقیقت میں عورتیں صنعتی تنظیم میں ایک غیر ضروری عنصر ہو گئیں" ایضاً صفحہ 129۔ 1832 میں گورنر جنرل نے لکھا تھا: "روئی کے پارچہ جات کی مصنوعات، جو مدتوں سے ہندوستان کی ایک مخصوص اور پختہ صنعت رہی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئیں... کورٹ کی ہمدردیاں 'بورڈ آف ٹریڈ' کی رپورٹ سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ بیدار ہوئی ہیں، جس میں ایک بیوپاری انقلاب کے اثرات کی تصویر کو بہت اداس اور تاریک پیش کیا گیا ہے جس نے ہندوستان کے بہت سے طبقوں میں پریشانیاں اور مصیبتیں پیدا کر دی ہیں، اور بیوپار کی تاریخ میں ان کی مثال مشکل سے ہی مل سکتی ہے۔" اقتباس۔ ایضاً صفحات 30-129۔

تھا[1] بہر حال اس سے زیادہ سے زیادہ جو نتیجہ نکالا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ معاشی حالات میں جمود تھا۔

انیسویں صدی کے مطالعے میں مارس دو اہم نتیجوں پر پہنچتا ہے۔ ایک یہ کہ ہندوستان نے اس میدان میں معاشی اور سماجی اعتبار سے اتنے نچلے درجے سے ابتدا کی تھی کہ ایک صدی کا عرصہ "ایک صنعتی انقلاب سے پہلے کے حالات پیدا کرنے کے لیے بہت تھوڑا تھا" ہم نے اوپر اس بیان کے سلسلے میں اس کی دلیلوں کی نامناسبت (اور بعض صورتوں میں ان میں غلطیوں) کا اظہار کیا ہے۔ مارس کا اخذ کردہ دوسرا نتیجہ، کہ اس عرصے میں ہندوستان میں فی کس قومی آمدنی میں اضافہ ہوا، اس سلسلے میں بھی اس کی دلیلیں کچھ ایسی ہی وجوہات کی بنا پر ناکام ہو جاتی ہیں۔

فی کس قومی آمدنی کے لازمی طور پر بڑھنے کے سلسلے میں مارس نے جو دلیلیں پیش کی ہیں حالانکہ وہ خود تو کسی گہرے اور سنجیدہ تنقیدی تجزیے کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتیں، لیکن بہرحال ایک دوسری براہِ راست اور قابلِ قبول شہادت ایسی ضرور مل سکتی ہے، جس پر خود اس نے غور نہیں کیا ہے، لیکن جو اس حقیقت کا اظہار ضرور کرتی ہے کہ فی کس قومی آمدنی، اس عرصے میں فی الحقیقت بڑھی تھی۔ ایم مکرجی نے 1903 تک قومی آمدنی کے نو نکاتی تخمینوں پر غور کرنے کے بعد 1857 سے بعد کے سالوں کے لیے فی کس قومی آمدنی کا ایک سلسلہ تیار کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "ہم انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں، کافی وثوق کے ساتھ، فی کس آمدنی میں ایک بہت سست رفتار اٹھان کے متعلق ضرور سوچ سکتے ہیں[2]"۔ معاشیات کے مختلف سیکڑوں کے

---

[1] خط کشیدہ الفاظ مصنف کی طرف سے شامل کیے گئے ہیں۔

[2] ہندوستان کی اوسط فی کس قومی آمدنی

9 سالہ انطباقی (over Laping) عرصوں کے لیے 1948-9 کی قیمتوں کے معیار پر

عرصہ	درمیانی سال	فی کس آمدنی
1857-63	1860 (سات سال)	169
1861-69	1865	172
1871-79	1875	177

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اعتبار سے بلائن[1] نے اظہار کیا ہے کہ کم از کم انیسویں صدی کی آخری دہائی میں فی ایکڑ پیداوار/حصول میں اضافہ ہوا تھا۔ نویں باب میں یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مجموعی طور پر اجتماعی سرمایہ سیکٹر کی سرمایہ کاری میں بھی 83-1882 سے 01-1900 کے درمیانی عرصے میں 4.5 فیصد سالانہ کی ترقی ہوئی تھی[2]۔

روزین کے تجزیے میں سب سے زیادہ اہمیت اس نکتے پر دی گئی ہے کہ ترقی میں کسی خاص یا قابلِ ذکر شرح کی غیر موجودگی کے لیے صرف معاشی وجوہات کو ہی ذمے دار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ فی کس آمدنی کم تھی اس لیے مانگ بھی کم تھی۔ بہرحال اس کی پیش کردہ دلیل پر بحث کرنے سے پہلے یہ مناسب محسوس ہوتا ہے کہ مختصراً ہم اس کے تجزیے کے طریقے پر بھی کسی قدر نگاہ ڈالیں۔

روزین اس کی وضاحت کے لیے جو معمہ تیار کرتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ "غیر ملکی سرمائے کے ملک میں بہاؤ"، "کافی حد تک داخلی سرمایہ کاری" اور "ریل، سڑک اور ذرائع آبپاشی کے داخلی ڈھانچے کی تعمیر" کے باوجود بھی، 1860 سے 1900 تک کے درمیانی عرصے میں فی کس آمدنی میں بہت معمولی سی ہی تبدیلی پیدا ہوئی[3]۔

(صفحہ 420 سے آگے)

197	1880	1876-84
216	1885	1881-89
204	1890	1886-94
201	1895	1891-99
199	1900	1896 -1904

[ماخذ: گوشوارہ IV.I، صفحہ 103، مکرجی، اقتباس کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ 79]

[1] بلائن (Blyn) ضمیمہ C-4، صفحہ 316 اور ضمیمہ گوشوارہ A-5، صفحات 30-327۔

[2] ملاحظہ ہو صفحہ 293۔

[3] روزین، 'اکونومک ویکلی' 11 / اگست 1962، صفحات 1302-1299۔

برطانوی ذرائع سے آیا ہوا غیر ملکی سرمایہ لگ بھگ 30 کروڑ پونڈ تھا[1] اس رقم میں سے ایک بڑا حصہ ریلوے میں لگایا گیا تھا اور ایک خاصی بڑی مقدار حکومت کی ضمانتوں میں لگی ہوئی تھی[2] جا ئے پٹ سن اور کوئلے کی صنعتوں میں 1900 کے آخر میں، جتنا سرمایہ لگا ہوا تھا (معمولی حصوں، ترجیحی حصوں اور قرض ناموں کی شکل میں) وہ 1,50,00,000 پونڈ سے زیادہ نہیں تھا[3] سوتی کپڑا مل، جو ایک دوسری بڑی اور ہر طرح سے منافع بخش صنعت کہے جا سکتے تھے، ان میں بہت بڑی حد تک دیسی سرمایہ لگا ہوا تھا۔ یہ بات ضرور قابلِ ذکر ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کاروں نے اس صنعت کو پوری طرح نظر انداز کر رکھا تھا[4]

روزین نے غیر ملکی سرمایہ کاری کا 'ممتاز سیکٹروں' اور 'منسلک اثرات' (Link Effects) کے اعتبار سے بھی تجزیہ کیا

---

[1] اے۔ کے۔ کیرن کراس [A.K.Caron Cross] سے 'ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کاری' [ہوم اینڈ فارین انویسٹمنٹ] 1870 تا 1913 مطبوعہ 1953، صفحہ 185 اور جینکس [Jenks] صفحات 213 اور 219۔ روزین 1900 کے لیے 35,10,00,000 پونڈ کی رقم پر پہنچتا ہے۔ 'اکونومک ویکلی' 11 اگست 1962۔

[2] روزین: 'اکونومک ویکلی' 11 اگست 1962۔

[3] ملاحظہ ہوں صفحات 332، 329 اور 339۔

[4] مختلف قومیتوں کے درمیان زیر انتظام ملکوں کے اعداد و شمار کے لیے ملاحظہ ہو 466 صفحے پر گوشوارہ۔ نیز ملاحظہ ہو دھیریہ بالا پنڈت، جس نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ جدید انداز پر سوتی کپڑا صنعت کی نشو و نما ہندوستانیوں کے ہاتھوں کیوں ہوئی؛ اور ایک طویل عرصے تک صرف ایک ہی صنعت کیوں اور دوسری کوئی صنعت کیوں نہیں، اور صرف ایک خطے گجرات میں ہی اس کی نشو و نما کیوں ہوئی؟

کچھ صنعتوں کی نشو و نما پہلے کیوں ہوئی اور کچھ قومیتوں نے صرف ایک ہی صنعتی میدان میں سرمایہ کاری کی، کسی دوسری صنعت میں کیوں نہیں کی؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سوال کا جواب عمومی طور پر سرمائے کے بہاؤ کی کچھ خصوصیات کو ذہن میں رکھ کر حاصل کیا جا سکتا ہے ـــــ مثال کے طور پر تقابلی لاگت، حکومت کی پالیسی، متوقع حصول، صنعتوں کی جغرافیائی حیثیت، مختلف قومیتوں کے رہائشی مقامات، مستقبل میں نظر آنے والی مانگ، بازار کی جان پہچان وغیرہ وغیرہ میں سے ہر ایک کو ـــــ مثال کے طور پر ایک اور دس کے درمیان وزن دے دیا جاتا تھا اور صنعتوں کو ایک ترجیحی پیمانے پر ان متعینہ مجموعی وزنوں کی مناسبت سے رکھ دیا جاتا تھا۔

ہے، اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ برطانیہ اور یونائیٹڈ اسٹیٹس کے برخلاف ہندوستان میں کوئلے کی صنعت کو چھوڑ کر کسی اور میدان میں پیچھے چلنے والے منسلک اثرات (Backward Link effects) پیدا نہیں ہوتے تھے۔ اس کے خیال کے مطابق کوئلہ صنعت کی ترقی ممتاز سیکٹروں کی طرف سے حاصل ہونے والی ترغیب کے تحت ہوئی چونکہ "یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو اگر جہاز کے ذریعے یورپ سے ہندوستان لایا جاتا تو اس کی کُل قیمت کے تناسب سے اس کی نقل وحمل کی لاگت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کو ہندوستان میں ہی کھود کر نکالنا اور کانوں کی قریبی علاقوں میں اس کو استعمال کر لینا بہت زیادہ سستا پڑے گا۔ اور ہندوستان میں ایسا کوئلہ بھی موجود تھا جس کو کانوں سے نکال کر استعمال کیا جا سکتا تھا[1]"

لیکن یہ وہ صورت تھی جو عمل میں نہیں لائی گئی۔ مال بھاڑے کی دریں کچھ ایسی ہی تھیں کہ کلکتے کے علاقے کو چھوڑ کر، رانی گنج کا کوئلہ خریدنے کے مقابلے میں اسے درآمد کرنا سستا پڑتا تھا۔ ہندوستان میں کوئلہ صنعت کی قسمت 1890 کے بعد کی دہائی میں صرف اس وقت بدلی جب برطانیہ کے کوئلے کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی[2]

---

[1] سابقہ حوالہ۔

[2] ہندوستان میں کوئلے کی درآمد اور اس کی قیمت

سال	قیمت (روپیے)	مقدار (ٹن)	اوسط قیمت (روپیے فی ٹن)
1880-81	68,84,030	6,48,201	10.6
1885-86	1,14,29,600	8,05,700	14.1
1890-91	1,41,98,030	8,17,004	17.3
1895-96	1,62,75,401	8,48,637	19.1
1899-1900	1,49,44,395	4,81,190	31.0

ہندوستانی کانوں کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ 337 ان کی قیمت اور پیداوار کے اعداد وشمار برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے، میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ کلکتے میں ہندوستانی کوئلے کی قیمت پوری دسویں دہائی کے دوران لگ بھگ 3.3 روپیے تھی۔ اور نویں دہائی میں بھی کم وبیش اتنی ہی قیمت تھی۔

اس صنعتی ترقی کے علاوہ روزین یہ ذکر بھی کرتا ہے کہ "آبپاشی کے ذرائع کے سلسلے میں بھی کافی مقدار میں سرمایہ کاری ہوئی تھی اور آبپاشی کا رقبہ 1880 میں 290,00,000 ایکڑ سے بڑھ کر 1903 میں 4,40,00,000 ایکڑ ہوگیا تھا[1]"۔ آبپاشی کے سلسلے میں حکومت کی سرمایہ کاری کا نتیجہ پیداوار میں اضافے کی صورت میں ظاہر ہوا اور قدرتی تباہیوں سے ملک کی زراعت کو کسی حد تک تحفظ ملا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ زیرِ کاشت رقبے میں بھی اضافہ ہوا اور اس طرح کُل زیرِ کاشت رقبے کے مقابلے میں زیرِ آبپاشی رقبے کے تناسب میں کوئی خاص تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ تناسب لگ بھگ 20 سے 23 فیصدی کے درمیان رہا[2]۔ اس طرح آبپاشی میں اضافے کا اثر محدود ہی رہا، چونکہ معاشی مقاصد کے لیے ایک مستقل داخلی ڈھانچے کی تعمیر کے لیے سرمایہ کاری میں حکومت کی دلچسپی ایک متوازن بجٹ بار کر لینے کی حد تک ہی محدود تھی، اور ساتھ ہی اس کی یہ پالیسی بھی کہ سرمایہ ایسے لگایا جائے جو موجودہ شرح سود پر جلدی لوٹ آئے، اس سلسلے میں رکاوٹیں پیدا کر رہی تھی[3]۔

حالانکہ روزین نے پیچھے چلنے والے منسلک اثرات کا تجزیہ نہیں کیا ہے[4] اور مستقبل میں پیدا ہونے والے منسلک اثرات پر بھی توجہ نہیں دی ہے لیکن اس نے جو یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہندوستان میں معاشیات کے ممتاز سیکٹروں نے اپنے پیچھے منسلک اثرات پیدا نہیں کیے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک کوئلے کا سوال ہے، اس میں شک نہیں، کہ یہاں منسلک اثرات کی گنجائش موجود تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ دوسرے ممتاز سیکٹروں کے سلسلے میں بھی اس کا امکان موجود تھا، مگر اس امکان کو اوپر دی گئی وجوہات کی بنا پر انیسویں صدی کے تقریباً خاتمے تک بھی محسوس نہیں کیا گیا۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حقیقی معاوضے کم تھے یا فی کس آمدنی کم تھی، مگر اس کا یہ نتیجہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ فی کس آمدنی کم ہونے کی وجہ سے مؤثر مانگ نہیں تھی۔

---

[1] روزین، 'اکونومک ویکلی' 11 اگست 1962۔

[2] بلائن ضمیمہ گوشوارہ (A) 8 صفحات 41-340 اور 88 - 184۔

[3] مارس، 'جرنل آف اکونومک ہسٹری' دسمبر 1962، ریلوے مالیت کاری کے سلسلے میں ملاحظہ ہو میکفرسن 'اکونومک ہسٹری ریویو' دسمبر 1955۔

[4] مثال کے طور پر کپڑا سازی کی صنعت میں ترقی نے امریکہ میں لباس سازی کی صنعت کو بڑھاوا دیا لیکن ہندوستان میں سلے سلائے کپڑوں کی مانگ نسبتاً بہت کم ہے اس لیے مستقبل کے منسلک اثرات یہاں کافی محدود تھے۔

فی کس آمدنی کا تصور مانگ کے رجحان کے مطالعے میں تعلق اور مناسبت ضرور رکھتا ہے لیکن مانگ کی سطح کے مطالعے میں کُل آمدنی کی زیادہ اہمیت اور حیثیت ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نیچی فی کس آمدنی کے باوجود، موثر مانگ کی موجودگی کے حق میں کہیں زیادہ براہِ راست شہادتیں مہیا کی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان انیسویں صدی کی آخری دہائی کے دوران 70,00,00,000 روپے سے زیادہ قیمت کی اشیاء ہر سال درآمد کرتا تھا۔ اور درآمد کی جانے والی اشیاء کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر اشیاء ایسی تھیں جو ہندوستان میں بھی پیدا کی جاسکتی تھیں[1]۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ان درآمدات کا صرف دو تہائی حصہ بھی ہندوستان میں پیدا کیا جاسکتا تھا، تو سرمائے اور پیداوار کا 3 اور 1 کا تناسب مانتے ہوئے — اور ایک جگہ سرمایہ لگانے کی وجہ سے دوسری جگہوں پر بڑھتے ہوئے سرمائے کے اصول (Multiplies) کو نظر انداز کرنے پر[2] — بھی 40,00,00,000 روپے کی حد تک سرمایہ اس میں لگا ہوا ہوتا۔ اس کے مقابلے میں ہندوستان کے صنعتی سیکٹر میں صدی کے آخر میں جتنا سرمایہ لگا ہوا تھا وہ صرف 40,00,00,000 روپے تھا[3]۔ مزید سرمایہ کاری کا امکان صنعتی ترقی میں تین سے چار گنے اضافے کا اظہار کرتا ہے، جس سے روزین کی پیدلیل بالکل بے اثر ہو جاتی ہے کہ ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ موثر مانگ میں کمی تھی لیکن بہر حال وہ سوال اب بھی اپنی جگہ پر باقی رہ جاتا ہے کہ انیسویں صدی کے دوسرے نصف

---

[1] ملاحظہ ہو برطانوی ہندوستان کے لیے مالیت اور بیوپار کے شماریات [فائنانشیل اینڈ کمرشیل اسٹیٹس ٹکس فار برٹش انڈیا]، 1901 میں غیر ملکی تجارت کا حصہ۔ 5-1894 میں روئی کی مصنوعات ہی کُل 32,70,00,000 روپے کی تھیں۔

[2] بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ سرمائے اور پیداوار کا تناسب اس زمانے میں بہت نیچا تھا جس کے اثر سے اصلی سرمایہ کاری کی مقدار میں یقینی طور پر کمی ہوگی لیکن دوسری طرف مزدور اور پیداوار کا تناسب زیادہ ہونے کا امکان ہے۔ اور آبادی میں صرف 0.4 فیصدی سالانہ اضافے کی شرح کے ساتھ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بعد کے زمانے میں صنعتی تربیت یافتہ مزدور طاقت نسبتاً بہت زیادہ مقدار میں موجود ہوگی۔

[3] 01-1900 کے آخر میں ان کمپنیوں میں جو مل اور پریس (شکنجے) کی مد میں شامل کی جاتی تھیں، کُل اداشدہ سرمایہ 18,39,65,073 روپے ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مزید 3,00,00,000 روپے کان کنی، پتھروں کی کھدائی، شراب کی بھٹیوں، برف اور چینی کے کارخانوں، میں لگا تھا۔ ان کمپنیوں کے قرض ناموں (ڈبینچر)، نجی قرضوں، اور محفوظ سرمایوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے غالباً کُل 40,00,00,000 روپے کا سرمایہ لگا ہوا ہوگا۔

میں صنعتی ترقی کی رفتار تیز کیوں نہ ہو سکی؟

نویں باب میں اظہار کیا گیا ہے کہ معاشیات کے جدید سیکٹر میں داخلی نجی سرمایہ کاری تھوڑی تھی۔ اس لیے نہیں کہ سرمایہ سامنے نہیں آ رہا تھا، چونکہ روئی، پٹ سن اور چائے کی صنعتوں کی ترقی ان کی مانگوں سے بھی زیادہ تھی۔ اور یہ بات بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ سرمایہ کار موجودہ مواقع سے فائدہ اُٹھانے میں پیچھے تھے۔ مرآجی کا پیش کیا ہوا میمورنڈم[1]، ٹاٹا کی کوششیں[2]، اور 1900 میں تقریباً 200 روئی دملوں کی موجودگی، ان کے جوش اور لگن کا پوری طرح اظہار کر دیتی ہیں۔ پھر اس کے علاوہ مینیجنگ ایجنسی کے طریقے سے حاصل ہونے والے منافعے بھی ان کو اُکساتے رہنے کے لیے متواتر موجود تھے[3]۔ اس لیے یہ بات پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ موجودہ مواقع کو، عمومی طور پر حکومت کی کسی قسم کی حمایت کے بغیر بھی، حاصل کیا گیا تھا اور ان سے فائدہ اُٹھایا گیا تھا۔

برطانیہ نے صنعتی ترقی میں کچھ عرصے پہلے ابتدا کی تھی اس لیے ان ممالک کو جو اس سے تجارت کر رہے تھے اپنے معاشی پچھڑے پن کی کسی قدر تلافی بھی کرنی ضروری تھی۔ دوسرے ملک تحفظی محصولوں (ٹیرفوں) کے سائے میں اپنی صنعتوں کی ترقی کو پورا کر سکتے تھے[4]، لیکن حکومتِ ہند (بلکہ دوسرے لفظوں میں ہندوستان کے لیے 'سکریٹری آف اسٹیٹ') بڑی ضد کے ساتھ 'عدم مداخلت معیشت' کی پالیسی پر جمی رہی اور یہ نہ تحفظی محصول عائد کرنے کے حق میں تھی نہ کسی خاص انہماک اور لگن کے ساتھ دوسرے طریقوں سے ملک کی مقامی صنعتوں کو بڑھاوا دینا چاہتی تھی۔ حکومت اس بات تک کے لیے تیار نہیں تھی کہ مقامی صنعت کاروں کو صرف اس بات کا ہی یقین دلا دے

---

[1] ملاحظہ ہوں صفحات 254 تا 256۔

[2] ایک لوہے اور اسٹیل کا کارخانہ قایم کر لینے کے سلسلے میں ٹاٹا کی کوششوں کے لیے ملاحظہ ہو حارث (سابقہ حوالہ)، فریزر، (سابقہ حوالہ)، ایلوین، (سابقہ حوالہ)، نیز اے کے سین، 'اکونومک ویکلی'، سالنامہ، فروری 1963، مشرقِ بعید میں برطانوی جہاز رانی کو مات دے دینے کی کوششوں کے سلسلے میں ملاحظہ ہو ایس. ڈی. مہتا (سابقہ حوالہ)۔

[3] ملاحظہ ہوں صفحات 309 تا 312، 413 تا 418، 440 تا 445۔

[4] جاپان، جو محصول (ٹیرف) عائد نہیں کر سکتا تھا، وہاں صنعتوں کو دی جانے والی سرکاری امداد کے ذریعے اس عمل کو پورا کیا گیا۔

کردہ ان مصنوعات کو اس قیمت پر خریدے گی جو درآمد شدہ مال کی لاگت کے برابر ہو۔ اسی کی وجہ سے دیسی سرمایہ کاران مواقع کا فائدہ اُٹھا سکنے سے محروم ہو گئے جن کے تحت وُہ حکومت اور اس کے مختلف شعبوں کے لیے بڑی مقدار میں دوسرے ملکوں میں خریدے جانے والے مال کے متبادل کے طور پر داخلی فراہمی کے ذرائع کی نشوونما کر سکیں[1]

---

[1] ملاحظہ ہو ساتواں باب۔ حکومت کے لیے ہندوستان میں تیار کیے جانے والے سامان کی قیمت 3-1882 میں 39,42,421 روپیے تھی۔ 1883 میں قوانین میں ڈھیل دیے جانے کے بعد ہندوستان میں حاصل کیے جانے والے سامان کی قدر تبدریج بڑھتی چلی گئی اور آخری دہائی میں یہ 90,00,000 سے 1,30,00,000 روپیے کے درمیان رہی۔ سالانہ رقموں کے لیے ملاحظہ ہو ایس کے سین، 'معاشی پالیسی'

لیکن" لوہے، اسٹیل، اوزار، پلانٹ، اور خاص طور پر۔۔۔ مشینری، کو مقامی طور پر خریدے جانے پر عائد پابندی کو 'سکریٹری آف اسٹیٹ' کی ہدایت پر نہیں ہٹایا گیا۔ ملاحظہ ہو 'سکریٹری آف اسٹیٹ' کی طرف سے مالیاتی مراسلہ، [فائنانشیل ڈسپیچ فرام دی سکریٹری آف اسٹیٹ]، نمبر 192، 28 جولائی 1888 ایس کے سین، صفحہ 19 پر اقتباس"۔ ہندوستان کے لیے سامان کی سالانہ قدر 8-1877 سے 1900-1899 کے درمیانی عرصے میں اوسطاً 12,70,433 پونڈ ہوتی تھی۔ (ایضاً، صفحہ 25)۔

لوہے اور اسٹیل کے کارخانوں کے سوال پر 'اسٹورس کمیٹی' نے اپنی رپورٹ، مطبوعہ 1906، میں یہ رُخ اپنایا کہ حکومت کی طرف سے کی جانے والی خرید ناکافی اور بے قاعدہ تھی، حالانکہ ریلوے اس حیثیت میں تھیں کہ اپنے "آرڈروں میں استقلال" برقرار رکھ سکیں۔ ان حالات کی روشنی میں 'اسٹورس کمیٹی' نے نتیجہ نکالا تھا کہ "یہ بات غیر امکانی محسوس ہوتی ہے کہ ایسی کوئی صنعت منافع بخش انداز میں باقی رہ سکے، جبکہ اس کا انحصار صرف نجی مانگ پر ہی ہو اور خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ یہ سامان کافی بڑی مقدار میں برطانیہ اور یورپ سے درآمد بھی کیا جا رہا ہو"، صفحہ 15، اقتباس۔ ایضاً، صفحہ 44۔ کڈرون (Kidron) نے صفحہ 12 پر لارڈ ہارڈنگ کے 'میرے ہندوستانی سال' [مائی انڈین ایرس] 1910 تا 1916، مطبوعہ 1948، کا مندرجہ ذیل ٹکڑا اقتباس کے طور پر دیا ہے۔ "لارڈ ملے ہمارے پاس آئے۔ اور مجھے ایک طرف لے جا کر مجھ سے سوال کیا کہ کیا مجھے لارڈ منٹو کے جانشین کی حیثیت سے ہندوستان کا وائسرائے بننا منظور ہوگا۔۔۔؟ اس میں جو بات مجھے اس وقت حیرتناک محسوس ہوئی وہ ان کا یہ سوال تھا کہ کیا میں 'آزاد تاجر' (کا حامی)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ان حالات میں 1870 سے 1900 تک کا درمیانی عرصہ ہندوستانی سرمایہ کاروں کے لیے امید شکنی کا دور تھا۔ حکومت کی طرف سے نہ ملنے والی امداد یا اس کی کمی ہمارے ذہنوں پر ایک اتنی بڑی وجہ بن کر ابھرتی ہے کہ موجودہ معلومات کے ساتھ اس سلسلے میں کسی دوسری وجہ یا توضیح کا تلاش کرلینا مشکل ہو جاتا ہے۔

(صفحہ 427 سے آگے)

ہوں؟ انھوں نے مجھے یہ بھی بتلا دیا کہ میں اس مسئلے کو بالکل طے سمجھوں ...» نومبر 1915 میں انہی لارڈ ہارڈنگ نے 'سکریٹری آف اسٹیٹ' کو لکھا:

"اب یہ بات آہستہ آہستہ پوری طرح صاف ہوتی جا رہی ہے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کی صنعتی صلاحیتوں اور قابلیت کی نشو و نما کے بارے میں ایک مستقل، دوٹوک اور پوری طرح شعوری پالیسی اختیار کرنی پڑے گی تا وقتیکہ اسے (ہندوستان کو) ان دوسرے ملکوں کی مصنوعات کے ڈھیر اکٹھا کرنے کے لیے ایک گودام بنانا مقصود نہ ہو جو بازار حاصل کرلینے میں ایک دوسرے سے سخت ترین مقابلے میں مصروف ہوں گی، یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ بڑے بڑے ملکوں کا سیاسی مستقبل ان کی اقتصادی حیثیت اور کیفیات پر منحصر ہے... جنگ کے بعد ہندوستان ہر اس قسم کی مدد حاصل کرلینے کے لیے خود کو مجاز سمجھے گا جو اس کی حکومت اسے دے سکتی ہے، تاکہ جہاں تک حالات و کیفیات اجازت دیں۔ وہ ایک صنعتی ملک کے روپ میں اپنی بھی ایک جگہ بنا سکے۔" [اے۔ آر۔ ڈیسائی کی 'ہندوستانی قومیت پرستی کا سماجی پس منظر' (سوشیل بیک گراؤنڈ آف انڈین نیشنلزم) مطبوعہ 1959، صفحہ 98 میں اقتباس۔ نیز ملاحظہ ہو لیمب، کرنٹ (Knight) ایڈیشن میں۔]

ضمیمے

ضمیمہ نمبر 1

ہندوستان میں ابتدائی درج شدہ کمپنیاں

پرتگالی لوگ جو ہندوستان میں آنے والے سب سے پہلے یورپی افراد تھے یہاں 'راس الامید' کے راستے سے داخل ہوئے۔ 'راس الامید' کا چکر لگا کر واسکوڈی گاما 22/نومبر 1497 کو ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔ پرتگالیوں نے کسی وقت بھی اپنی مشرقی تجارت کو کسی اجتماعی سرمایہ کمپنی کے ہاتھوں میں نہیں سونپا۔ اس سلسلے میں صرف ایک استثنار 1731 میں نظر آتا ہے جب بادشاہ نے صرف ایک جہاز کو، باقی اور تمام جہازوں سے الگ رہتے ہوئے۔ سورت اور کورومنڈل کے ساحل تک سفر کرنے کی مخصوص اجازت دی تھی۔ اس واحد صورت کے علاوہ، 'پرتگالی ایسٹ انڈیا کمپنی' کی کُل مشرقی تجارت کا مکمل اجارہ اسس وقت تک صرف بادشاہ کے پاس محفوظ رہا جب 1752 میں اس سلسلے کو ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد بھی کچھ اہم قسم کی اشیار کے سلسلے میں حکومت کو کچھ مراعات حاصل رہیں۔

'ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی' کا قیام باقاعدہ طور پر کچھ ایسی حریف کمپنیوں کے فنڈ کے مجموعے سے 1602 میں عمل میں آیا جو ہالینڈ میں 7-1596 میں ہوٹمین (Houtman) کے بحری سفر کے بعد کے اثرات سے پیدا ہو گئی تھیں۔

پہلی 'انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی' ملکہ الزبتھ نے، 'ایسٹ انڈیز' میں تجارت کرنے والے لندن کے تاجروں کی کمپنی اور منتظم، (دی گورنر اینڈ کمپنی آف مرچنٹس آف لندن ٹریڈنگ ٹو دی ایسٹ انڈیز) کے نام سے 31/دسمبر 1600 کو قایم کی۔ بعد میں 1650 میں 'کورٹین ایسوسی ایشن' [Courlenes Association] اور 1635 میں قایم ہونے والی 'اساڈام مرچنٹس'

[Assada Merchants] بھی 'لندن کمپنی' کے ساتھ شامل ہوگئیں: دی مرچنٹس ایڈونچررز [The Merchants Adventures] جنہیں 1654-55 میں منشور حاصل ہوا تھا۔ یہ بھی 1655-57 میں 'لندن کمپنی' کے ساتھ متحد ہوگئی۔ 'دی انگلش کمپنی' (یا 'جنرل سوسائٹی') جو ایسٹ انڈیز سے تجارت میں مصروف تھی، 1698 میں اجتماعی سرمائے سے قایم ہوئی تھی لندن کے تاجروں کی یہ کمپنی اور انگلش کمپنی متحد ہوکر آخر میں 'ایسٹ انڈیز سے تجارت کرنے والے انگلینڈ کے تاجروں کی متحدہ کمپنی' کے نام سے اجتماعی سرمائے کی بنیاد پر 8/ستمبر 1809 کو وجود میں آئی۔

پہلی فرانسیسی 'ایسٹ انڈیا کمپنی' 1604 میں قایم کی گئی تھی، دوسری 1611 میں، تیسری 1615 میں، چوتھی (Ficheleves) 1642-3 میں، پانچویں (colbert) 1644 میں اور چھٹی کمپنی 'فرانسیسی ایسٹ اینڈ ویسٹ انڈیا'، 'سینیگال اینڈ چائنا' کمپنیوں کو متحد کرکے 'دی کمپنی آف دی انڈیز ــــ 1709' کے نام سے قایم ہوئی۔ کمپنی کو جو مراعات حاصل تھیں وہ بادشاہ کے ایک فرمان کے ذریعے عطا کی گئی تھیں۔[1] یہ فرمان 1769 میں معطل کر دیا گیا تھا اور آخر میں نیشنل اسمبلی نے اسے 1790 میں بالکل کالعدم قرار دے دیا۔

پہلی ڈینش ایسٹ انڈیا کمپنی 1612 میں اور دوسری 1670 میں قایم ہوئی تھی۔

'آسٹینڈ کمپنی' [Ostend Company] آسٹریا کے بادشاہ نے اجتماعی سرمائے کی بنیاد پر 1723 میں قایم کی تھی۔ اس میں شامل افراد عام طور پر وہ لوگ تھے جنہوں نے ڈچ اور برطانوی 'ایسٹ انڈیا کمپنیوں' میں خدمات انجام دی تھیں۔ لیکن سمندری سیاحت کے سلسلے میں انتیوارت کی مخالفت کے اثر سے 1727 میں ویانا کی عدالت کو مجبور ہوکر اس کمپنی کے منشور کو سات سال کے لیے معطل کرنا پڑا۔ یہ کمپنی اپنی بقا کے لیے ایک انتہائی آزمائشی دور گذرنے کے بعد، جسے آسٹریائی حکومت کی اس خواہش نے اور طویل کر دیا تھا کہ 'ایسٹ انڈیا' کی ترقی کرتی ہوئی تجارت میں وہ بھی شامل رہے۔ 1784 میں دیوالیہ ہوئی اور آخر میں خود ہی معدوم ہوگئی۔

1727 میں جس وقت 'آسٹینڈ کمپنی' کو معطل کیا گیا اور اس کے بہت سے ملازمین کو علاحدہ کیا گیا تو اسٹاک ہوم کے ہنری کوننگ [Henry Konning] نے ان کی مشرق کے سلسلے میں مخصوص معلومات اور مہارتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 'سویڈش کمپنی' کے

13 رجون 1731 کو منشور حاصل کر لیا۔ اس طرح یورپی قوموں میں آخری سویڈش قوم تھی جس نے ہندوستان کے ساتھ بحری تجارت میں حصہ لیا۔

[انڈیا آفس کے متفرق پرانے رکارڈوں کی رپورٹ سے اخذ کیے گئے حصے۔ Indian Office Records of The Republic on The Misclenious old Excerpts]

1۔ نومبر 1878، لندن، مطبوعہ 1879، صفحہ 77 (حاشیہ)]

ضمیمہ نمبر 2

قدیم ہندوستان میں 'گلڈ' ادارے

'گلڈ' ادارے جنھیں سنسکرت میں 'نگم' یا 'سرینی' کہا جاتا تھا اپنی بنیادی شکل وصورت میں 800 قبل مسیح تک نمود میں آچکے تھے، لیکن یہ مستحکم اور باقاعدہ انداز میں تیسری قبل مسیح میں نظر آتے ہیں۔ ان 'گلڈ' اداروں کے متعلق اب بہت سی حقیقتیں سامنے آچکی ہیں [مثال کے طور پر یہ اپنی اجتماعی حیثیت میں ملکیتیں رکھتے تھے، مختلف قسم کا عملہ ملازم رکھتے تھے، مختلف دفتروں میں سفارتی (ڈپلومیٹک)، قانونی، انتظامیہ سے متعلق فرائض اور دوسرے مختلف کام اپنے ذمے لیتے تھے، منشوروں کے ذریعے مختلف قسم کے استثنار اور آزادیاں حاصل کیے ہوئے تھے، اور عام طور پر آبادی میں اہم ترین 'اثرانداز گروپ' کی حیثیت سے مالک تھے]، لیکن ان اداروں کی قانونی بنیادوں اور حیثیتوں کو پوری طرح کبھی بھی متعین نہیں کیا جاسکا۔ اور وہ نکتے بھی واضح نہ ہوسکے جو ہمارے موضوع سے سب سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، یعنی ان اداروں کی تشکیل میں شامل ممبر اس عرصے میں سرمایہ کاری کے سلسلے میں ٹھیک ٹھیک کیا طریقۂ کار اپناتے تھے، وہ شرائط جن کے تحت منیجروں کا تقرر ہوتا تھا یا منافع حاصل کیا جاتا تھا، یا وہ صورتیں جن میں سرمایہ کار اپنا سرمایہ واپس لے سکتے تھے یا ان کیفیات پر انداز ہوسکتے تھے جن میں بیوپاری ادارے شروع یا ختم کیے جاتے ہوں۔ ان 'گلڈ' اداروں کے خط وخال کے سلسلے میں جو مواد اُن دستاویزوں اور دوسرے کاغذات سے حاصل کیا گیا ہے، جو کتبوں وغیرہ کے روپ میں اب تک باقی رہ گئے ہیں، اسے مندرجہ ذیل کتابوں اور مضامین میں بیان کیا گیا ہے:۔

—— آر۔ سی۔ مجمدار 'قدیم ہندوستان میں کارپوریٹ زندگی' کارپوریٹ لائف ان انشینٹ

انڈیا] (کلکتہ 1922، دوسرا اڈیشن) ــ یہ اس سلسلے کا مکمل ترین اور بنیادی کام ہے۔ دوسرے مواد گو کہ اہم ضرور ہیں اگر ہمارے موضوع سے متعلق بہت کم نئی چیزیں پاتے ہیں]
ــــ پران ناتھ، قدیم ہندوستان میں معاشی حالات کا ایک مطالعہ [اے سٹڈی آف اکونومک کنڈیشنس ان انشینٹ انڈیا] ، رائل ایشیاٹک سوسائٹی، 1929۔
ــــ لے۔ بوس۔ 'شمالی ہندوستان کی سماجی اور دیہی معاشیات' [سوشل اینڈ رورل اکونومی آف نارتھ انڈیا] 1942 تا 1945 ، 2 جلدیں 52-1949۔
ــــ لے۔ اپادرائے۔ 'جنوبی ہندوستان میں معاشی حالات' [اکونومک کنڈیشنس ان ساؤتھ انڈیا] 1000 تا 1500، مطبوعہ 1936۔
ــــ ایس۔ کے۔ میٹی (S.K.Meaty) 'گپتا دور میں شمالی ہندوستان کی معاشی زندگی' [اکونومک لائف ان نارودن انڈیا اِن گپتا ایج] مطبوعہ 1957۔
ــــ اے۔ ایس۔ الٹیکر، 'راشٹرکٹا اور ان کا زمانہ' [راشٹرکٹاز اینڈ دیر ٹائمز] ، مطبوعہ 1934۔
ــــ ٹی مہالنگم 'جنوبی ہندوستان کا نظام سیاست' [ساؤتھ انڈیا پولیٹی] مطبوعہ 1955۔
ــــ پی۔ وی۔ کانے۔ 'دھرم شاستر کی تاریخ' [ہسٹری آف دھرم شاسترا] جلد 2 اور 3 ، مطبوعہ 1930۔
ــــ 'جرنل آف انڈین ہسٹری'۔ 1947، جلد XXV، صفحات 80-269۔
ــــ 'کوارٹرلی جرنل آف مائیتھک سوسائٹی'، نیا سلسلہ، 9-1948، جلد XXXIX، صفحات 71-158۔
ــــ 'میسور یونیورسٹی کا ششماہی جرنل' 1928، جلد II ، 2 صفحات 233-196۔
[مندرجہ بالا تفصیلات مصنف کو پروفیسر جے۔ ڈی۔ ایم۔ ڈیرٹ J.D.M. Derrett کی طرف سے لکھے گئے ایک خط سے اخذ کی گئیں مجمدار کی کتاب پر اظہار خیال میرا اپنا ہے۔ (مصنف)]

ضمیمہ نمبر 3

1850 تک موجود ہندوستانی اور غیر ملکی بینکوں کی فہرست

1829-1850 کے درمیان قایم ہونے والے اجتماعی سرمایہ بینک

سال	نام	صدر دفتر	کیفیت
ہندوستان میں			
1829	'یونین بینک'	کلکتہ	ناکام 1848
1833	'آگرہ اینڈ یونائٹیڈ سروس بینک لمٹیڈ'	آگرہ (شمال مغربی صوبہ)	
1840	'بینک آف بامبے'	بمبئی	
1840	'نارتھ ویسٹرن بینک آف انڈیا'	میرٹھ	
1842	'آگرہ سیونگ فنڈ'	آگرہ (شمال مغربی صوبہ)	
1842	'اورینٹل بینک کارپوریشن'	بمبئی	
1843	'بینک آف مدراس'	مدراس	
1844	'دہلی بینک کارپوریشن'	دہلی	
1844	'شملہ بینک'	شملہ (شمال مغربی صوبہ)	
1844-45	'بنارس بینک'	بنارس (" " ")	ناکام 1848-49

1845	'کانپور بینک'	کانپور (شمال مغربی صوبہ)	
1845	'کامرشیل بینک آف انڈیا'	بمبئی	
1845	'اَن کوونیٹنڈ (غیر مشروط) سروس بینک'	آگرہ (شمال مغربی صوبہ)	
1846	'ڈھاکہ بینک'	ڈھاکہ (بنگال)	

غیر ملکی

1841	'بینک آف ایشیا'	لندن	بند کیا گیا 1842
1841	'بینک آف سیلون'	لنکا	'اورنٹیل بینک' نے حاصل کرلیا 1849
1842	'ایسٹ انڈیا بینک'	لندن	بیوپار نہیں شروع کیا
1848	'کامپٹائر ڈی اسکامپٹے'	پیرس	اب بھی کاروبار میں مصروف ہے

[Comptoir De Escampte]

[(ہندوستان اور بنگال کے مراسلات، فائنانس، بنگال کے خط اور ان کے منسلکہ کاغذات، موصول شدہ خطوط، 1848) انڈیا آفس لائبریری]

Indian and Bengal Dispatches, France Bengal Letters and Enclosures 1848 India Office Library

ضمیمہ نمبر 4

ہندوستان میں صنعتی کمپنیوں کی فہرست

1817 تا 1850

نام	قیام (ق) یا موجودگی (م) کا سال	ماخذ*
[سمندری، دریائی تجارت یا ذرائع آمد و رفت سے متعلق (۱) کمپنیاں)]		
‘بنگال بونڈیڈ ویر ہاؤس کارپوریشن’	کلکتہ 1838	(ج)، (د) 1838
‘کلکتہ ڈاکنگ کمپنی’	(م) کلکتہ 1830	(د)، (ر)
‘اسٹیم ٹگ ایسوسی ایشن’	(ق) کلکتہ 1837	(د)، (ر)، (ک) صفحہ 9
‘یونین اسٹیم ٹگ ایسوسی ایشن’	(م) کلکتہ 1850	(د)
‘ایسٹرن اسٹیم نیویگیشن کمپنی’	(م) کلکتہ 1848	(د)
‘بنارس اینڈ مرزاپور اسٹیم کمپنی’	(م) کلکتہ 1847	(الف) صفحہ 266
‘گینجز اسٹیم نیویگیشن کمپنی’	(ق) بنارس 1845	(الف) صفحہ 273
		(د)، (ک) صفحہ 20
‘کلکتہ اسٹیم فیری برج کمپنی’	(ق) کلکتہ 1839	(ن) صفحہ 46
‘پی اینڈ او اسٹیم نیویگیشن کمپنی’ (برطانیہ میں درج)	(ق) 1840	(د)
‘انڈیا جنرل اسٹیم نیویگیشن کمپنی’	(ق) کلکتہ 1844	(د)
‘بامبے اسٹیم نیویگیشن کمپنی’	— بمبئی —	(ر)

* فہرست کے بعد ماخذوں کے تفصیلی حوالے آگے ملاحظہ ہوں۔

[کوئلہ۔(3 کمپنیاں)]		
'بنگال کول کمپنی'	(ق) کلکتہ 1820[لہ]	(ر)
'سلہٹ کول کمپنی'	(م) سلہٹ 1847	(الف) صفحہ 274
'مرزاپور کول کمپنی'	(ق) مرزاپور 1830	(الف) صفحہ 266
لوہا اور اسٹیل (1 کمپنی)		
'پورٹونووو اسٹیل اینڈ آئرن کمپنی'	(ق) پورٹونووو 30-1825	(ب) صفحہ 65
[نیل۔(1 کمپنی)]		
'بنگال انڈیگو کمپنی'	(م) کلکتہ 1848	(ر)
[شکرسازی۔ (1 کمپنی)]		
'نشچندپور شوگر کمپنی'	(م) نشچندپور 1847	(الف) صفحہ 261
[باغات پلانٹیشن (2 کمپنیاں)]		
'آسام کمپنی' (برطانیہ) (چائے)	(ق) کلکتہ 1839[عہ]	(ص)
'پیوا اسٹیٹ' (کافی)	(م) مالابار ساحل 1847	(الف) صفحہ 273
[روئی مل (5 کمپنیاں)]		
'باوریا کاٹن ملس'	(ق) کلکتہ 8-1817	(ہ)، (م)، (ی) صفحہ 22
'نیو فورٹ گلوسٹر ملس کمپنی'	(ق) کلکتہ 1830	(ر)، (ط)، (ع)
	(م) 1848	
'بھڑوچ کاٹن ملس کمپنی'	(ق) بھڑوچ 1845	(ف)
	(م) 1850	
نام نامعلوم	(ق) ٹراونکور 1830	
'بلن اینڈ ڈیل بیک'	(ق) پانڈیچری 1829	(س)، (م) صفحہ 7-6
[روئی کی گانٹھیں بنانا، اسکریوانگ اور پریسنگ (2 کمپنیاں)]		
'اپولو کمپنی'	(م) بمبئی 1850	(ل)، (م) صفحہ 4

لہ یہ کمپنیاں ابھی تک موجود ہیں۔

عہ یہ کمپنیاں اب بھی موجود ہیں۔

'کولابا کمپنی'	(م) بمبئی 1850	(م) صفحہ 4
'بنگال سالٹ کمپنی'	(ق) کلکتہ 1830	(ن) صفحہ 4

لہ گذشتہ صفحے کا حاشیہ

حوالے

(الف) کوپے (سابقہ حوالے)

(ب) براؤن (سابقہ حوالے)

(ج) تھیوبالڈ (سابقہ حوالے)

(د) 'دی بنگال اینڈ آگرہ ڈائرکٹری اینڈ اینول رجسٹر' 1850۔

(ر) جے۔ سی۔ اسٹیوارٹ 'کلکتے کے یونین بینک کے معاملات سے متعلق حقیقتیں اور ضروری معلومات' [فیکٹس اینڈ ڈوکیومینٹس ریلیٹنگ ٹو دی آفیسرس آف دی یونین بینک آف کلکتہ] مطبوعہ 1848، ضمیمہ E۔

(س) 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' [اسٹیٹس ٹیکل ٹیبلس فار برٹش انڈیا] 1893۔

(ص) انٹروبس: 'آسام کمپنی کی تاریخ' [اے ہسٹری آف دی کمپنی]

(ط) 'برطانوی پارلیمانی پیپرس' [برٹش پارلیمنٹری پیپرس] 32-1831، حصہ 2۔ شہادتوں کا خلاصہ [ڈائجسٹ آف ایویڈنسز] صفحہ 154۔

(ع) این۔ داس: 'ہندوستان میں صنعتی ادارے' [انڈسٹریل انٹرپرائزز ان انڈیا] مطبوعہ 1938۔

(ف) 'انڈین اکونومسٹ' 10/دسمبر 1869۔

(ق) 'فرینڈ آف انڈیا' 30/جنوری 1850، خاص مضمون۔

(ک) بریم۔ (سابقہ حوالہ)

(ل) 'لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا' 28/دسمبر 1850، حکومت بمبئی کے سکریٹری کی طرف سے ہندوستان کے سکریٹری کو لکھا گیا خط، مورخہ 24/اکتوبر 1850۔

(م) ایس۔ ڈی۔ مہتا۔ (سابقہ حوالہ)

(ن) بی۔ کلنگ (سابقہ حوالہ)

(و) ایم۔ڈی۔مارس 'ہندوستان میں ایک صنعتی مزدور طاقت کا ارتقاء' [ایمرجینس آف انڈسٹریل لیبر فورس ان انڈیا] بادریا کاٹن ملس، متعدد قسم کے کارخانوں والے ادارے کا ایک حصہ تھا۔ اس ادارے میں ایک شراب کھینچنے کی بھٹی، ایک 'پاؤنڈری' ایک تیل نکالنے کا شکنجہ اور تیل مل شامل تھے۔ اس کی کُل لاگت غالباً 20,00,000 پونڈ رہی ہوگی۔ یہ پورا ادارہ دیوالیہ ہوگیا۔ یہ ادارہ اس لیے دیوالیہ نہیں ہوا تھا کہ روئی مل منافع بخش نہیں تھا بلکہ ظاہراً طور پر اس لیے دیوالیہ ہوا کہ اس کی پہلی مینیجنگ ایجنسی — میسرز فرگوسن اینڈ کمپنی' — 1830 کے بعد کی دہائی کے ابتدائی حصے میں پیدا ہونے والے بحران میں ناکام ہوگئی تھی۔ "دیوالیہ کمپنی سے خریدے جانے کے بعد روئی مل اور دوسرے اداروں کو دوبارہ شروع کیا گیا اور انھوں نے کم سے کم 1840 کی دہائی تک کام جاری رکھا۔"

ایضاً۔ 1830 میں اسے غالباً نیا نام — 'فورٹ گلوسٹر مل کمپنی' — دے دیا گیا۔

(ہ) ایس۔کے۔سین 'معاشی پالیسی' [اکونومک پالیسی]

نوٹ: لگ بھگ کُل 70 بیمہ کمپنیاں، بینک کار اور دوسری کمپنیاں 1850 تک قایم ہوئی ہوں گی۔ مندرجہ ذیل کمپنیوں کے نام بھی ماخذ (د) (بنگال اینڈ آگرہ ڈائرکٹری — وغیرہ) (تجارتی فہرست) میں ملتے ہیں۔ ان میں سے تمام فرمیں اب بھی اجتماعی کمپنیوں کی حیثیت میں موجود ہیں۔

'الف۔اینڈ سی۔اوسلر: جھاز فانوس اور شیشے کے بیوپاری اب بجلی کے بلب بناتی ہے

'باتھ گلٹے (Bath Gate) اینڈ کمپنی' کیمسٹ اور دوا ساز (کیمیاوی مصنوعات)

'اسمتھ اینڈ اسٹیپن اسٹریٹ اینڈ کمپنی'	دوا سازی
'برن اینڈ کمپنی'	تعمیراتی کام (متعدد کاروبار)
'ہیملٹن اینڈ کمپنی'	جوہری (یہی کاروبار)
'مینٹن اینڈ کمپنی'	بندوق ساز (یہی کاروبار)
'جیسوپ اینڈ کمپنی'	بگھی ساز اور فاؤنڈری کا کام (ویگن بنانے کا کام)
'تھیکر اینڈ کمپنی'	(تھیکر اسپنک اینڈ کمپنی) پبلشر (یہی کاروبار)
'رین کن اینڈ کمپنی'	درزی اور لباس سازی (یہی کاروبار)

ضمیمہ نمبر 5

ہندوستان میں لوہے اور اسٹیل صنعت کی مختصر تاریخ

ہندوستان میں لوہے کی کھوج یا اس کی صنعتی تیاری کے سنہ اور تاریخ کا علم نہیں ہے،
لیکن بہرحال اتنا ضرور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ یہاں کچے لوہے کے ذخیروں پر ہزاروں سال سے
کام ہوتا آرہا ہے۔ ملک میں لوہے کی دیسی صنعت "کم و بیش کچھ ہی عرصے پہلے تک، جب تک درآمد
دھات کے مقابلے میں اس نے دم نہیں توڑ دیا، بہت وسیع بھی تھی اور خوشحال بھی اور ملک کی تمام
داخلی مانگوں کو پورا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی تھی[1]" اس سلسلے میں ("عام طور پر سرکاری حمایت اور
نازک موقعوں پر ہمت افزائی حاصل نہ ہوسکنے کی وجہ سے[2]") یورپی طریقہ کار کو شروع کرنے اور بڑے
پیمانے پر اسٹیل تیار کرنے کے سلسلے میں تمام کوششیں ناکام ہوگئیں۔ 1825 کے آس پاس جوزیا مارشل ہیتھ
نے، جو مدراس سول سروس کا ایک افسر تھا، 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے ڈائرکٹروں سے مدراس پریسیڈنسی میں
بڑے پیمانے پر لوہا تیار کرنے کے مکمل اختیارات حاصل کرلیے جو صرف اسی کی ذات کے لیے مخصوص تھے۔
1830 میں جنوبی ارکاٹ ضلعے میں 'پورٹونووو' کے مقام پر حکومت کی طرف سے دی گئی پیشگی رقموں
کی مدد سے 'پورٹونووو آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی' نے کارخانہ قایم کیا۔ کارخانے کی توسیع کی گئی اور مالابار
ساحل پر بیپور میں ایک نیا پلانٹ لگایا گیا۔ اس کی مصنوعات بہت اچھے معیار کی تھیں اور ان میں

---

[1] جے۔ کاگن براؤن، 'ہندوستان کی لوہے اور اسٹیل کی صنعت' [دی آئرن اینڈ اسٹیل انڈسٹری آف انڈیا] صفحہ 2۔ 'مائننگ میگزین' جون، جولائی، 1921 سے حاصل کرکے شائع کیا گیا (انڈیا ہاؤس لائبریری)

[2] ویریئر ایلون۔ 'ٹاٹا اسٹیل کی کہانی' [دی اسٹوری آف ٹاٹا اسٹیل] مطبوعہ 1958، صفحہ 10۔

کچھ منائی' اور برٹانیہ' پُلوں کی تعمیر میں استعمال کیے جانے کے لیے لندن کو بھی برآمد کی گئیں لیکن اس کی یہ کوشش آخر میں ناکام ثابت ہوئی۔ اس ناکامی کی وجوہات میں کمزور انتظامیہ، سرمائے کی کمی، تکنیکی ناتجربے کاری، اور ایندھن کے لیے لکڑی کے کوئلے کا استعمال شامل تھیں۔ 1853 میں 'پورٹونووو آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی' کو ایک اور کمپنی — 'ایسٹ انڈیا آئرن کمپنی' — نے لے لیا، جسے بُنیادی طور پر تاجروں نے قایم کیا تھا، یہ کوششیں مسلسل اس وقت تک جاری رہیں جب 1874 میں انھیں اس کمپنی کے خاتمے کے ساتھ بند کر دیا گیا۔ ہیتھ کی ان کوششوں سے پہلے بھی کلکتے کے ایک یورپی تاجر نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اسے اس سلسلے میں غور کرنا چاہیے کہ کیا یہ کارخانہ بنگال میں بردوان ضلعے میں زیادہ فائدہ مند طور پر نہیں شروع کیا جا سکتا، جہاں کوئلے کی فراہمی بہ افراط ممکن ہے لیکن ہیتھ نے اس خیال کو مسترد کر دیا تھا۔ بہرحال اب ضرور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہیتھ نے اس وقت یہ مشورہ مان لیا ہوتا تو کیا آج ہندوستان میں لوہے کی صنعت کی صورت مختلف نہ ہوتی؟ لیکن ممکن ہے اس صورت میں بھی نتائج اتنے ہی مایوس کُن ہوتے۔ 1839 میں کلکتے کی 'جیسوپ اینڈ کمپنی' کا تجربہ بھی ناکامی پر ہی ختم ہوا تھا۔ بنگال میں بڑے پیمانے پر لوہے کی تیاری کے سلسلے میں کی گئی متعدد کوششوں کی تاریخ بہت طویل ہے، اور اس کی ابتدائی تاریخیں 1774 میں نظر آتی ہیں جب 'موٹے' اور 'فارکوہار' [Malte an Farqohar] نے اپنی کمپنی کھولی تھی۔ اس کمپنی کا تیار کردہ ہک لوہا (Huck lohan) بازار میں درآمدہ مصنوعات کے مقابلے میں آدھی قیمت پر بکتا تھا لیکن جلدی ہی مقامی زمینداروں سے اختلافات کے نتیجے میں اس منصوبے کو بند کرنا پڑا اور پھر 1855 تک ان کوششوں کی تجدید نہ کی جا سکی۔ اس سال 'میک کے اینڈ کمپنی' نے 'بیربھوم آئرن ورکس' کی ابتدا کی۔ کچھ دوسرے مقامات پر بھی بڑے پیمانے پر لوہے کی تیاری کی کوشش کی گئیں جن میں خاص طور پر کماؤں، اندور اور جاندا کے نام قابلِ ذکر ہیں، لیکن یہ بھی کم و بیش اُنھی وجوہات کی بنا پر ختم کرنی پڑیں جن کی بنا پر 'پورٹونووو' کو بند کیا گیا تھا، اور یہ کمپنیاں بھی اپنے پیچھے "گمراہ کوششوں کے نتیجے کے طور پر، خاموش گواہوں کی صورت میں، بھٹیوں اور ورکشاپوں کے کچھ کھنڈروں" کے علاوہ کچھ نہ چھوڑ سکیں۔ 'باراکار آئرن ورکس کمپنی' جس نے 'کلٹی' میں 1874 میں کارخانے کھولے تھے، واحد ایسی کمپنی کہی جا سکتی تھی جو اس طویل جدوجہد میں باقی رہ سکتی۔ یہ بھی آخر میں 1879 میں 13,000 ٹن لوہے کے ڈھیلے تیار کر کے ختم ہو گئی۔ اس کے یورپی مینجنگ ایجنٹوں میں سے ایک ایجنٹ کی طرف سے 'فرینڈ آف انڈیا' کو لکھے گئے خط میں اس رائے کا اظہار کیا گیا تھا کہ کارخانے کے بند کیے جانے کی سب سے بڑی وجہ حکومت بند

کی خرید کے سلسلے میں غیر یقینی اور مذبذب پالیسی تھی[1] 1882 میں اس کمپنی کو حکومت نے حاصل کرلیا، اور پھر 1889 میں انگلینڈ میں درج شدہ 'بنگال آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی' کے ہاتھوں دوبارہ فروخت کردیا گیا جس نے کارخانوں کی مکمل طور پر نئی تشکیل کی اور آہستہ آہستہ انھیں ترقی دیتی چلی گئی۔

1890 کی دہائی میں بلجیم نے ہندوستان کو لوہے کی برآمدات کے سلسلے میں بڑی سنجیدگی سے برطانیہ کا مقابلہ شروع کر دیا تھا، اور اس کا اظہار مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے بخوبی ہوجاتا ہے۔

ہندوستان میں لوہے اور اسٹیل کی درآمدات (1000 پونڈ)

برآمد کرنے والا ملک	اسٹیل		لوہا	
	1885-6	1895-6	1885-6	1895-6
انگلینڈ	98	274	1,120	1,076
بلجیم	8	280	43	418

[ماخذ: ایس۔ بی۔ سال 'برطانیہ کی غیر ملکی بحری تجارت کا مطالعہ' [اسٹڈیز ان برٹش اوورسیز ٹریڈ] 1870 تا 1914، مطبوعہ 1960، صفحہ 90۔ اے۔ کے۔ سین نے 'اکونومک ویکلی' سالنامہ، فروری 1963 میں اقتباس دیا]

سین کے خیال میں اس مقابلے کے اثر سے حکومت کی پالیسی میں تبدیلی پیدا ہوئی[2] چنانچہ 1896 میں حکومتِ ہند 'بنگال آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی' سے اگلے دس سالوں تک 10,000 ٹن سالانہ لوہے کے ڈھیلے اور ڈھلا ہوا لوہا خریدنے پر رضامند ہوگئی، لیکن یہ مال انگریزی نرخوں سے "صرف 5 فیصدی

---

[1] 'فرینڈ آف انڈیا' 18/اپریل 1881 مینیجنگ ایجنٹس میکپلر اور ایڈورڈس کی طرف سے۔

[2] اے۔ کے۔ سین، 'اکونومک ویکلی' فروری 1963، نیز ملاحظہ ہو اس کے مضمون پر این سین کی رائے۔ 'اکونومک ویکلی' 18/مئی 1963۔

کم پر خریدا جاتا تھا[1]۔ حکومت کی پالیسی میں اتنی سی تبدیلی بھی کمپنی کے لیے بہت بڑی امداد ثابت ہوئی۔ 1901 میں یہ کمپنی 25,000 ٹن لوہے کے ڈھیلے تیار کر رہی تھی جس میں سے 10,000 ٹن ریلوے خرید لیتی تھی۔ ہندوستان میں لوہے اور اسٹیل کی تیاری کے سلسلے میں کم سے کم سترہ متعدد کوششیں کی گئیں[2]۔

---

[1] حکومت ہند، کامرس ڈیپارٹمنٹ، آئرن اور اسٹیل جنوری 1897۔ (نیشنل آرکائیوز نئی دہلی) ایس کے سین سے یہاں اقتباس 43۔

[2] ایم۔ جی۔ راناڈے 'ہندوستانی معاشیات پر مضامین' [الیسیز آن انڈین اکونومکس مطبوعہ 1906۔ باب 6 صفحات 92-170۔ نیز ملاحظہ ہوں:

—— ہلٹن براؤن، (سابقہ حوالہ)

—— 'برطانوی پالیمانی کاغذات' 'ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات پر سلیکٹ کمیٹی کے سامنے پیش کی گئی شہادتوں کی روداد، حصہ 2۔ فائنانس۔ 24 مارچ 1832 ٹامس برکین کی شہادت، صفحہ 150۔

—— 'فائنانس کمیشن کی رپورٹ'، 1880۔

—— 'سٹورس کمیشن کی رپورٹ'، 1906۔

—— 'پورٹونووو' میں کارخانوں کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، آر۔ ایچ۔ ماہون 'ہندوستان میں لوہے اور اسٹیل کی مصنوعات پر رپورٹ' [رپورٹ اپون دی مینوفیکچر آف آئرن اینڈ اسٹیل ان انڈیا] کامرس ڈیپارٹمنٹ، کوئلہ اور لوہا، اکتوبر 1899 نیشنل آرکائیوز، نئی دہلی۔

—— جی۔ ایل مولیس ورتھ۔ لوہے کی تیاری پر نوٹس' [نوٹس آن دی آئرن مینوفیکچر] کامرس ڈیپارٹمنٹ، کوئلہ اور لوہا ستمبر 1882 نیشنل آرکائیوز۔ نئی دہلی۔

—— لوواٹ فریزر، 'ہندوستان میں لوہا اور اسٹیل'، [آئرن اینڈ اسٹیل ان انڈیا] مطبوعہ 1919 صفحات 3-9

—— ایف۔ آر۔ هارث 'جمشید جی نوشیروان جی ٹاٹا' مطبوعہ 1958۔

—— ڈی۔ ایچ بکانن صفحات 82-278۔

—— ولیم اے جانسن۔ 'ہندوستان کی اسٹیل صنعت' [دی اسٹیل انڈسٹری آف انڈیا] مطبوعہ 1966 صفحات 10-8

—— ایس۔ جی۔ نہٹلے 'ہندوستان کے معدنی ذرائع کی نشوونما کی تاریخ میں حصہ' [کنٹری بیوشنس ٹو ورڈس

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(صفحہ 443 سے آگے)

اے ہسٹری آف دی ڈیولپمنٹ آف دی منرل ریسورسز آف انڈیا] نمبر 2. بنگال میں لوہے کے سلسلے کے کاموں پر میمورنڈا 'جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال' جلد XII. 1843.

—— ڈبلیو جیکسن 'بیر بھوم کے لوہے کے کارخانوں پر میمورنڈم [میمورنڈم آف دی آئرن ورکس آف بیر بھوم] 'جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال'، جلد XIV حصہ III، 1845.

ضمیمہ نمبر 6

شمالی ہندوستان کی چائے کمپنیاں جو حصوں کی بنیاد پر انگلینڈ میں قایم ہوئیں

نمبر شمار، برطانوی پارلیمانی کاغذات میں	کمپنی کا نام	قیام کی تاریخ	مجوزہ سرمایہ (پونڈ)	حصوں کی ظاہری قیمت (پونڈ)	جمع کیا جانے والا سرمایہ (پونڈ)	اداشدہ سرمایہ (پونڈ)	حصے داروں کی تعداد	بند کیے جانے کی تاریخ اور ذمے داری کی رقم
1	2	3	4	5	6	7	8	9
(1) —	‘آسام کمپنی’	1845	50,00,000	150	5,00,000	2,00,000	—	
(2) 988	‘جورہاٹ ٹی کمپنی لمٹیڈ’	29-6-59	80,000	20	80,000	66,000	23	
(3) 1056	‘دارجلنگ ٹی کمپنی لمٹیڈ’	3-10-59	80,000	10	50,000	50,000	21	
(4) 1816	‘لوور آسام کمپنی لمٹیڈ’	8-10-61	1,20,000	10	86000	21,325	112	
(5) 1832	‘نارودن بنگال ٹی کمپنی لمٹیڈ’	17-10-61	60,000	5	19,495	10,626	54	365/9-3-64 پونڈ
(6) 2093	‘ایسٹرن بنگال ٹی کمپنی لمٹیڈ’	16-6-62	1,00,000	5	50000	16,425	168	5886/21-12-66 پونڈ
(7) 2220	‘اپر آسام ٹی کمپنی لمٹیڈ’	9-10-62	2,50,000	10	2,50,000	13,185.	111	نامعلوم

1	2	3	4	5	6	7	8	9
(8) 2285	’ڈبروگڈھ ٹی کمپنی لمٹیڈ‘	25-11-62	20,000	20	20,000	11,500	35	
(9) 2302	’دی لونگ ٹی کمپنی لمٹیڈ‘	5-12-62	1,00,000	1'0	80,000	28,000	80	
(10) 2326	’ہمالین ٹی کمپنی لمٹیڈ‘	18-12-62	1,00,000	25	50,000	16,000	32	
(11) 2410	’انگلو انڈین ٹی کمپنی لمٹیڈ‘	29-1-63	10,000	100	6,160	–	7	
(12) 2540 (الف)	’اورینٹل ٹی کمپنی لمٹیڈ‘	24-4-63	2,50,000	20	8,000	–	8	
(13) 2562	’انڈین ٹی کمپنی کچھار‘	5-5-63	1,00,000	10	350	–	7	
(14) 2842	’لینڈ مورگیج بینک‘	5-10-63	20,00,000	20	74,000	–	8	
(15) 2857	’برٹش انڈیا ٹی کمپنی لمٹیڈ‘	10-10-63	2,50,000	20	6,020	–	7	
(16) 2927	’انڈیا ٹی کمپنی آف دارجلنگ‘	11-11-63	60,000	10	70	–	7	
(17) 2992	’برہم پترا ٹی کمپنی لمٹیڈ‘	10-12-63	1,20,000	25	7,250	–	7	
(18) 2994	’سنٹرل دارجلنگ ٹی کمپنی لمٹیڈ‘	11-12-63	50,000	10	7,020	–	7	19-1-64/ 7,885 پونڈ
(19) 3038	’کاؤن اینڈ اودھ پلانٹیشن‘	31-12-63	1,00,000	10	350	–	7	2-7-66/ 2,067 پونڈ
(20) 3530	’بوروکائی ٹی کمپنی لمٹیڈ‘	24-6-64	10,000	10	38,150	25,372	68	

1	2	3	4	5	6	7	8	9
(الف) 3,614 (21)	'رن جینگلن ٹی کمپنی لمٹیڈ'	23-7-64	60,000	10	4,000	-	7	
3,717 (22)	'اوم جونگ ٹی کمپنی لمٹیڈ'	1-9-64	25,000	10	800	–	8	
3,785 (23)	'ایسٹرن آسام ٹی کمپنی لمٹیڈ'	11-10-64	2,50,000	10	1,80,000	59,785	158	1,20,000/12-1-67 پونڈ
3855 (24)	'بنگلوری اسٹیٹس کمپنی آف آسام لمٹیڈ'	22-11-64	2,00,000	10	74,810	14,777	103	
3934 (25)	'دارجلنگ کمپنی لمٹیڈ'	31-12-64	2,50,000	20	1,12,740	43,776	94	
3941 (26)	'نوگونگ ٹی کمپنی آسام لمٹیڈ'	2-1-65	2,50,000	10	2,50,000	72,630	280	15,306/15-12-66 پونڈ
4,196 (27)	'نکھیم پور ٹی کمپنی آسام لمٹیڈ'	18-4-65	1,50,000	10	1,00,000	33,496	94	
4,354 (28)	'گوہاٹی ٹی کمپنی لمٹیڈ'	15-6-65	1,00,000	10	70	–	7	
4,363 (29)	'جھوا ٹی کمپنی'	19-6-65	3,00,000	10	1,40,670	26,615	130	15,915 /1-7-67 پونڈ
4,564 (30)	'کھار کمپنی لمٹیڈ'	11-9-65	5,00,000	10	9,150	–	7	
4,922 (31)	'کوٹاگے ٹی کمپنی آسام'	1-2-66	1,50,000	15	105	–	7	

(الف) یہ دو کمپنیاں (نمبر 12، 21) جنھیں برطانوی پارلیمانی کاغذات (سابقہ حوالہ) میں ہندوستان میں کام کرنے والی کمپنیاں دکھلایا گیا ہے، اس فہرست سے ان کے کاروبار کی جگہ واضح نہیں ہوتی تھی اور یہ لندن اسٹاک ایکسچینج میں بھی نہیں لکھی گئی تھیں۔

[ماخذ:۔انٹرولبس، 'آسام' (صرف أسام کے لیے)
برطانوی پارلیمانی کاغذات' [برٹش پارلیمنٹری پیپرس] LVIII ، 1864 صفحات 52-513 (باقی فہرست کے لیے)
'برطانوی پارلیمانی کاغذات' LXVI ، 1866 صفحات 660-551۔
'برطانوی پارلیمانی کاغذات' LVI ، 9-1868 (1-104) صفحات 106۔
'لندن اسٹاک ایکسچینج کی سالانہ کتاب [ائیر بک] یا (بروٹ کی انٹیلیجنس) 1882۔]

اس ضمیمے میں صرف وہ کمپنیاں شامل ہیں جو شمالی ہندوستان میں کاروبار کی غرض سے قایم کی گئی تھیں۔ وہ کمپنیاں، جو جنوبی ہندوستان میں قایم ہوئی تھیں اس فہرست میں شامل نہیں ہیں۔

اس فہرست میں شامل کمپنیاں مندرجہ ذیل تاریخوں سے متعلق ہیں: (1) مئی، 1864 تک قایم ہونے والی کمپنیاں —— اس تاریخ تک جن کمپنیوں کی اطلاعات کمپنی رجسٹرار کے پاس جمع کر دی گئیں۔ (2) مئی، 1864 کے بعد قایم ہونے والی کمپنیاں —— مئی 1866 تک جن کمپنیوں کی اطلاعات کمپنیوں کے رجسٹرار کے پاس جمع کر دی گئیں۔

ادا شدہ سرمائے کی رقمیں کسی حد تک نامکمل ہیں چونکہ یہ رقمیں ان اطلاعات سے حاصل کی گئی ہیں جو ان کے قیام کے فوراً بعد جمع کرائی گئی تھیں۔ اگر 'برطانوی پارلیمانی کاغذات' (سابقہ حوالہ) میں 1866 تک دی گئی ادا شدہ سرمائے کی رقموں کا موازنہ ان رقموں سے کیا جائے جو 'برطانوی پارلیمانی کاغذات' (سابقہ حوالہ) 9-1868 میں دی گئی تھیں تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان کمپنیوں کے سلسلے میں 'برطانوی پارلیمانی کاغذات' 9-1868 (سابقہ حوالہ) میں دی گئی رقمیں اونچی نظر آتی ہیں۔

کمپنی نمبر	ادا شدہ سرمایہ (پونڈ)	کمپنی نمبر	ادا شدہ سرمایہ
5	15,866	19	33,182
6	50,000	23	85,275
7	1,64,636	26	87,085
18	4,654	30	45,209
		کُل کمپنیاں	4,85,907

(کمپنی نمبر 14) 'لینڈ مارٹگیج بینک' کا نام جو چائے کمپنیوں کی فہرست میں کسی قدر نامناسب سا محسوس ہوتا ہے، اس سلسلے میں کچھ کہنا بھی ضروری ہے۔ اس بینک کی کارگذاریوں کی تفصیلات موجود نہیں ہیں لیکن اتنی معلومات بہرحال ہے کہ اس بینک کو چائے کی صنعت میں بہت حد تک پروپرائٹری دلچسپیاں تھیں۔ [ماخذ: 'آسام میں چائے کی کاشت پر کمیشن' (9-1868) اور گوولس اور اسٹیٹنٹن 'ہندوستان اور لنکا کی چائے پیدا کرنے والی کمپنیاں' [ٹی پروڈیوسنگ کمپنیز آف انڈیا اینڈ سیلون]

اس موقع پر چند اور باتوں کا ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا۔ سب سے پہلی یہ ہے کہ برطانیہ میں چائے کمپنیوں کی ترقی کی رفتار کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ اس کی سالانہ رفتار کو مختصراً مندرجہ ذیل انداز میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کمپنیوں کی تعداد

1861 تک	5
1862	5
1863	9
1864	6
1865	5

اس طرح سب سے زیادہ متحرک زمانہ 1862 سے 1865 کے درمیان نظر آتا ہے جس میں 64-1863 انتہائی نقطۂ عروج کے سال ہیں۔

دوسری بات یہ کہ، جیسا کہ محسوس بھی کیا جا سکتا ہے، جن صورتوں میں اداشدہ سرمائے کی قیمیں دی گئی ہیں، حالانکہ وہاں یہ خاصی معقول رقموں میں تھا، بلکہ بعض صورتوں میں یہ رقمیں بہت اونچی بھی تھیں، لیکن مجوزہ سرمائے کے مقابلے میں اداشدہ سرمائے کی فیصدی شرح، عام طور پر بہت نیچی تھی۔ اسی طرح اکتیس میں سے تیرہ کمپنیوں میں حصے داروں کی تعداد اس کم سے کم تعداد کے قریب تھی جو قانونی طور پر کسی کمپنی کو حصوں کے ذریعے شروع کرنے کے لیے ضروری ہے۔ بعد میں قایم ہونے والی کمپنیاں 4-1863 کے سالوں میں قایم ہوئی تھیں، جو گرم بازاری کے نقطۂ عروج کا دور تھا۔ لیکن پھر بھی ان میں سے کچھ ـــــ 'برہم پترا'، 'برٹش انڈیا' اور

لینڈ مورٹگیج بینک، ـــــ حقیقت میں مضبوط اور مستحکم کمپنیاں تھیں اور ان میں حصے داروں کی تعداد اگر کم تھی تو اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ اعداد و شمار اس وقت سے متعلق ہیں جب یہ کمپنیاں ابھی قایم ہی ہوئی تھیں۔

ضمیمہ نمبر 7

ہندوستان میں درج کرائی جانے والی کمپنیوں کی تعداد اور ادا شدہ سرمایہ جنوری 1866ء تا مارچ 1882ء

سال	درج شدہ کمپنیوں کی تعداد	مجموعی سرمایہ (000 روپوں میں)	ان کمپنیوں کی تعداد جن کے ادا شدہ سرمائے کے اعداد موجود ہیں
1866	41	8,538	23
1867	27	24,552	17
1868	15	3,826	12
1869	23	16,181	15
1870	22	3,561	15
1871	24	5,994	20
1872	44	10,762	39
1873	71	26,484	66
1874	96	57,042	89
1875	60	8,135	58
1876	57	10,721	51
1877	41	6,460	36
1878	55	8,388	48
1879	43	4,922	41
1880	55	8,871	42

1881	77	4,367	42
1882 (الف)	25	283	7
کل	776	2,09,087	621
1851 تا 1865	373	1,30,070	214
آخری میزان	1,149	3,39,157	835
			(1149 کا 80 فیصدی)

(الف: تین مہینے)

ضمیمہ نمبر 8 (الف)

درج شدہ، بند کی جانے والی اور 65-1851، 82-1866 اور 82-1851 کے درمیانی عرصے میں کاروبار میں مصروف کمپنیوں کی صنعتی تقسیم

صنعتیں	درج شدہ			بند کی جانے والی	کاروبار میں مصروف
	1851-65	1866-82	1851-82	1851-82	1882
1	2	3	4	5	6
بینک کاری	77	246	323	182	141
چائے	62	106	168	55	113
روئی مل	13	52	65	34	31
مختلف النوع (ب) ٹکسٹائل مل	1	41	42	11	31
پٹ سن مل	2	14	16	8	8
اسکریو اور شکنجے	35	53	88	58	30
کوئلہ	5	5	10	3	7
نیویگیشن	30	14	44	36	8
ریلویز	-	9	9	5	4
جہاز راں ایجنٹ	5	2	7	5	2
امداد باہمی ادارے	-	21	21	10	11

شکر مل	1	5	6	3	3
شراب کی بھٹیاں	3	3	6	3	3
بیمہ	14	25	39	34	5
متفرق	125	180	305	.199	106

متفرق صنعتوں کی تفصیل

1	2	3	4	5	6
سونا	-	11	11	3	8
کافی	12	5	17	15	2
طباعت	12	10	22	17	5
متفرق پیداوار	37	56	93	55	38
متفرق تجارت	49	72	121	81	40
کاغذ سازی مل	-	2	2	1	1
زمین بازیابی وغیرہ	10	14	24	21	3
بازاروں کی ترتیب	2	9	11	2	9
نیل	3	1	4	4	-
کل	373	776	1149	646	503

(الف) 1882 کا عرصہ پہلی جنوری سے 31/مارچ تک کے درمیان ہے۔

(ب) "مختلف النوع ٹکسائل مل" وہ مل ہیں جنھیں دفتری رکارڈ میں "روئی، اون، پٹ سن، ریشم، سن وغیرہ مل" کی مد میں دکھلایا گیا تھا۔ اگر ایسوسی ایشن کے میمورنڈم میں "مقصد" کی مد میں ایک سے زیادہ قسم کے ٹکسائل کی پیداوار کا اظہار کیا جاتا تھا تو ایسی صورت میں کمپنی کو اسی مد میں رکھا جاتا تھا۔ 1882 کے مارچ مہینے تک قایم ہونے والی کمپنیوں کی فہرست کی خاصی چھان بین کے بعد، مندرجہ ذیل کمپنیوں کے علاوہ، یہ کمپنیاں صرف روئی کے ٹکسائل کی تیاری میں ہی مصروف محسوس ہوئیں۔

کمپنی کا نام	خطہ	ادا شدہ سرمایہ (روپے)	اندراج کا سال	خاتمے کا سال	کاروبار میں مصروف کمپنیوں کا سرمایہ
جارج III پشمینہ اور اونی	بمبئی	4,53,150	1865	1867	
بالیمکیپ (سن) اور پٹ سن	"	5,99,200	1874	1879	
سیسون سلک	"	3,50,000	1875	—	3,50,000
ورسٹیڈ اونی (کمبل) اور کینواس	بنگال	7,77,200	1875	1879	
بنگال سلک	"	وضاحت نہیں کی گئی	1881	1881	
اگرٹن وولن	پنجاب	1,92,000	1880		1,92,000
		23,71,550			5,42,000

ضمیمہ نمبر 9

1863-65 کے درمیان قایم ہونے والی اور 31/مارچ 1882 تک بند ہونے والی کمپنیوں کے سرمائے کی تعداد اور مدتِ عمر کے اعتبار سے بہتاتی تقسیم

مدتِ عمر	اداشدہ سرمائے کے گروپ (000, روپوں میں)										
سال	6-10	11-25	26-50	51-100	101-500	501-1000	1001-2500	2501-5000	5001-10000	بغیر گروپ (الف)	کُل
صفر	-	-	-	1	-	1	-	-	-	16	18
1	-	-	-	-	5	-	1	-	-	6	12
2	-	-	1	1	10	1	1	2	-	13	29
3	1	1	1	-	10	-	1	-	-	5	19

19	14	-	1	1	-	2	-	-	1	-	4
23	10	-	-	-	4	8	1	-	-	-	5
27	16	1	-	-	1	5	3	1	-	-	6
11	11	-	-	-	-	-	-	-	-	-	7
25	18	-	-	-	2	3	2	-	-	-	8-10
30	10	-	-	-	4	13	1	2	-	-	11-15
15	2	-	-	3	2	5	3	-	-	-	16 سے زائد
18	10	-	-	-	-	2	1	2	2	1	نامعلوم (ب)
246	131	1	3	7	15	63	13	7	4	2	کل

(الف) ان کمپنیوں کے اداشدہ سرمائے کی وضاحت موجود نہیں تھی۔

(ب) ان کمپنیوں کے خاتمے کی تاریخیں موجود نہیں تھیں۔

ضمیمہ نمبر 10

1851 اور 1882 (الف) کے درمیان قائم ہونے والی کمپنیوں کی ان کے سرمائے کی مقدار اور مدت عمر کے اعتبار سے دوہری بہتاتی تقسیم

مدت عمر سال	بغیر گروپ (ب)	اداشدہ سرمائے کے گروپ (000، روپوں میں)					
		1-5	6-10	11-25	26-50	51-100	101-500
صفر (ج)	54	7	–	–	1	1	2
1	48	12	8	12	4	5	15
2	37	6	6	10	5	10	34
3	18	10	4	6	11	11	24
4	23	8	5	16	6	8	17
5	17	5	4	5	3	7	30
6-10	63	22	23	35	27	34	97
11-15	17	1	1	3	9	13	32
16-20	2	–	–	1	2	4	24
21-26	–	–	–	–	1	1	7
نامعلوم (د)	35	1	5	5	5	2	8
کل	314	72	56	93	74	96	290

(الف) 1882 کا عرصہ پہلی جنوری سے 31 مارچ تک۔

(ب) ان کمپنیوں کے اداشدہ سرمائے کی رقمیں حاصل نہیں ہو سکیں۔

(ج) یہ وہ کمپنیاں ہیں جو یا تو اسی سال مکمل طور پر بند کر دی گئیں یا معطل ہو گئیں جس سال وہ کھلی تھیں۔

(د) ان کمپنیوں کے بند ہونے کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔

مدت عمر سال	اداشدہ سرمائے کے گروپ (000 روپیہ میں)					
	501 - 1000	1001-2500	2501-5000	5001-10000	10001 سے زیادہ	کل
صفر	1	-	-	-	-	66
1	1	2	-	-	-	107
2	4	2	3	-	-	117
3	3	3	-	-	-	90
4	4	3	2	-	-	92
5	9	1	-	-	-	81
6-10	30	22	4	4	1	362
11-15	12	5	-	-	2	95
16-20	14	11	-	-	-	58
21-25	5	3	1	-	-	18
نامعلوم	1	-	-	1	-	63
کل	84	52	10	5	3	1,149

ضمیمہ نمبر 11 (الف)

1851 سے 1882 کے درمیان کمپنیوں کے سرمایہ گروپوں کے اعتبار سے مدتِ عمر کی دوہری بہتاتی تقسیم

مدتِ عمر سال	ادا شدہ سرمائے کے گروپ (000، روپوں میں)						
	بغیر گروپ	1-5	6-10	11-25	26-50	51-100	101-500
صفر	36	2	-	-	-	1	1
1	14	1	1	5	1	2	7
2	29	3	1	2	3	4	20
3	18	3	2	3	3	6	15
4	23	6	3	5	3	-	9
5	17	3	3	3	3	-	18
6-10	60	18	15	16	9	23	37
11-15	17	1	-	1	4	6	16
16-20	2	-	-	-	-	1	6
21-25	-	-	-	-	-	-	1
نامعلوم	35	1	5	5	5	2	8
کُل	251	38	30	40	31	46	138

(الف) اس گوشوارے کو بھی اُنہی شرائط کو نگاہ میں رکھتے ہوئے پڑھا جائے جو ضمیمہ نمبر 10 میں دی گئی ہیں۔

مدتِ عمر سال	ادا شدہ سرمائے کے گروپ (000 روپوں میں)					
	501 – 1000	1001–2500	2501–5000	5001–10000	10001 سے زیادہ	کل
صفر	1	–	–	–	–	41
1	–	1	–	–	–	32
2	3	1	2	–	–	68
3	2	2	–	–	–	54
4	2	2	2	–	–	55
5	6	1	–	–	–	54
6–10	13	8	2	2	1	204
11–15	8	3	–	–	1	57
16-20	1	6	–	–	–	16
21-25	1	–	–	–	–	2
نامعلوم	1	–	–	1	–	63
کل	38	24	6	3	2	646

ضمیمہ نمبر 12

1851 سے 1882 کے درمیان درج کرائی جانے والی کمپنیوں کا صنعتی تقسیم کے ساتھ

ادا شدہ سرمایہ۔ (000 روپوں میں)

صنعتیں	1851 تا 1865		1866 تا 1882 (الف)		1851 تا 1882 (الف)	
	سرمایہ	کمپنیوں کی تعداد	سرمایہ	کمپنیوں کی تعداد	سرمایہ	کمپنیوں کی تعداد
بینک کاری	44,895	30	31639	277	76534	257
چائے	21,725	53	17692	91	39417	144
روئی مل	7,276	8	35767	42	43043	50
پٹ سن مل	1,800	2	11033	13	12833	15
مختلف النوع ٹکسٹائل مل (ج)	453	1	31257	30	31710	31
اسکریو اور شکنجے	5,514	17	12681	39	18195	56
کوئلہ	4,495	4	1695	3	6190	7
نیویگیشن	9,115	14	3465	8	12580	22
ریلویز	–	–	2416	4	2416	4
جہاز/ایجنٹ	1,071	4	122	1	1193	5
امداد باہمی ادارے	–	–	288	17	288	17
شکر مل	253	1	716	3	969	4
شراب کی بھٹیاں	600	1	384	2	984	3

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

24	4041	19	2569	5	1,472	بیمہ
186	88764	122	57363	74	31,401	متفرق
(ب) 835	339157	(ب) 621	209087	(ب) 214	1,30,070	کُل

(الف) 1882 کا سال 31/مارچ تک ہے۔

(ب) ان عرصوں میں قایم ہونے والی کمپنیوں کی تعداد ہر ایک میں بالترتیب 373 ؛ 776 اور 1,149 تھی یہاں جو کمپنیاں شامل ہیں وہ صرف وہ ہیں جن کے لیے مجوزہ اور ادا شدہ دونوں سرمایوں کی رقمیں موجود تھیں۔ اس لیے اعداد میں یہ فرق نظر آتا ہے۔

(ج) ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر 8۔

ضمیمہ نمبر 13

1851 سے 31 مارچ 1901 تک کچھ مخصوص صنعتوں میں درج کرائی جانے والی کمپنیوں کی تعداد

ضمیمہ نمبر 14

بمبئی کے روئی ملوں میں مالیات کے حصول کے ذرائع اور اُن کا استعمال، 4-1893

مندرجہ ذیل اعداد و شمار اُن اہم اور خاص خاص کتائی اور بُنائی ملوں کے مطبوعہ حسابات کا خلاصہ ہیں جن کے حصے دار بمبئی میں تھے، گو کہ ان میں سے کچھ مل 'مفصل' میں بھی واقع تھے۔ ان میں سے کچھ حسابات 1893 کے پورے سال کے لیے ہیں اور کچھ ایسے سال کے لیے ہیں جو 1894 کے نصف پر ختم ہوتا ہے۔

ملوں کو تین زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے — پہلے وہ مل جن کی بازاری قدر پہلی نومبر 1894 کو ان کے سرمائے کی ہم سطح قدر پر پریمیم کا اظہار کرتی تھی، دوسرے وہ مل جن کی قدر ہم سطح اور 50 فیصدی کٹوتی کے درمیان تھی، اور تیسرے وہ جن کے سرمائے میں 50 فیصدی سے زیادہ گھساوٹ کا اظہار ہوتا تھا۔

	پہلا گروپ (15 مل)	دوسرا گروپ (15 مل)	تیسرا گروپ (9 مل)	کُل (39 مل)
	(روپے)	(روپے)	(روپے)	(روپے)
ادا شدہ سرمایہ	1,84,26,400	1,41,08,550	89,16,500	4,14,51,460
محفوظ سرمایہ	1,10,93,300	39,41,200	15,83,200	1,66,17,700
بلاک پر اخراجات، ذخیرہ شدہ اشیا کی قدر اور دوسرے اثاثے	1,6282,300	80,69,400	3746,200	280,97,900
اُدھار لیا گیا سرمایہ	1,55,02,000	1,05,06,200	7650,600	3,3558,800
سود کی ادائیگی	9,94,700	6,32,500	5,36,000	21,63,200
مینجنگ ایجنٹوں کو کمیشن کی ادائیگی	5,58,850	5,10,900	1,73,950	12,43,700
منافعے کی تقسیم	16,81,100	386,000	26,000	20,93,100

محفوظ سرمائے کی طرف منتقل	10,09,700	4,39,500	98,000	15,47,200
پہلی نومبر 1894 کو سرمائے کی قدر	3,05,43,000	99,40,100	29,31,500	4,34,14,600

['ٹائمس آف انڈیا' میں 10 نومبر 1894 کو شائع ایک مضمون سے مرتب کیا گیا]

مالیات کے حصول کے ذرائع اور ان کے استعمال سے مختلف ملوں کی کارکردگیوں میں جو فرق تھا نیز 'ایکوئٹی سرمایے' کے مقابلے میں اُدھار لیے گئے سرمائے کے اونچے تناسب کا اندازہ ہوتا ہے حصوں کے سرمائے کی بازاری قدر سے ان تینوں گروپوں کے ملوں میں سرمائے اور اس سے حصول کے درمیان کسی آپسی رشتے کی کمی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ اعداد و شمار یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ دوسرے گروپ کے ملوں کے حصے دار مینجنگ ایجنٹوں کی کمائی کو کیوں رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ضمیمہ نمبر 15

ہندوستان میں جہاز رانی کی تاریخ

اٹھارھویں صدی کے آخر تک ہندوستان کو ایک بحری سیاح قوم کہا جاسکتا تھا، جو خود اپنے جہاز بناتی تھی، ان میں ہندوستانی ملاح اور کارکن ہی رکھے جاتے تھے، اور یہ جہاز ہندوستان کے تاجروں کے کاروبار چلاتے تھے[1]۔ بہرحال انیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں جہاز رانی کے کاروبار میں بہت تیزی سے گراوٹ آئی۔ مغرب سے کی جانے والی تجارت پر 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کا پورا اجارہ تھا۔ 1814 کے ایک ایکٹ کے تحت ایسے تمام جہاز حکومت کے حق میں ضبط کر لیے جاتے تھے جن میں جہاز کا کپتان اور عملے میں کم سے کم 75 فیصدی افراد برطانوی نہ ہوتے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہندوستانی جہازی عملہ مغربی سمندروں کا تجربہ حاصل نہیں کر سکتا تھا، اور دوسری طرف یہ بات اگر بالکل ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور تھی کہ ہندوستانی جہاز راں 75 فیصدی برطانوی عملہ حاصل کر لیں۔ اس ایکٹ کی وجہ جو کچھ 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کی چوتھی رپورٹ کے ضمنی حصے سے ضمیمہ نمبر 47، صفحات 4-23 میں بیان کی گئی تھی، وہ یہ تھی کہ "ہندوستان کے دیسی ملاح ہماری قوم کے اخلاقی معیاروں کے لیے بدنامی اور شرم کا باعث ہیں۔ ان کا یہاں پہنچ جانا کچھ ایسی صورتیں پیدا کر دیتا ہے جن سے جلدی ہی ان کے دلوں سے وہ احترام اور خوف اُٹھ جاتا ہے جو یہ لوگ یورپی کردار کے بارے میں اپنے ملک میں رہتے ہوئے رکھتے ہیں۔ اپنی واپسی

---

[1] قدیم زمانے کی ایک بہت اہم اور مشہور کتاب 'ینکتی کال پترا' میں اس زمانے کے سمندری اور دریائی جہازوں کی وسعت، تناسب اور ان کے بنانے میں استعمال ہونے والے سامان وغیرہ کا تفصیلی بیان موجود ہے۔ ملاحظہ ہو 'سنٹرل واٹرا ینڈ پاور کمیشن' کی 'ہندوستان میں آبی آمد و رفت'، [واٹر ٹرانسپورٹ ان انڈیا]۔ عوامی معلومات اور تعلیم کے لیے بلیٹین نمبر ۱، حکومتِ ہند، (بلا تاریخ) نیز ملاحظہ ہو رادھا کمد مکرجی، 'ہندوستانی جہاز رانی' [انڈین شپنگ] بمبئی، مطبوعہ 1912۔

پر جو ہتک آمیز اطلاعات یہ لوگ ہمارے متعلق پھیلائیں گے وہ ہماری اس ایشیائی رعیت کے ذہنوں پر ہمارے متعلق نامناسب اثرات پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتیں جن سے ہمارے کردار کے بارے میں وہ وقار و احترام، جس نے اب تک مشرق میں ہماری برتری اور افضلیت کو برقرار رکھنے میں مدد کی ہے، آہستہ آہستہ تبدیل ہوتا چلا جائے گا اور ہمارے سلسلے میں انتہائی گھٹیا اور حقیر تصورات پیدا ہوتے چلے جائیں گے... اور اب تک جن وسوسوں نے ہماری حیثیتوں کو بہت اعلیٰ بنا رکھا ہے یا ہمارے عزت و وقار کو بہت بڑھا دیا ہے، اگر اس کیفیت کا احساس انھیں ہو گیا، تو اس کے اثرات انتہائی نقصان دہ ثابت ہوں گے... اس لیے، اس بات پر جسمانی، اخلاقی، بیوپاری اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے پوری طرح غور کرنے کے بعد، (محسوس ہوا کہ) ہماری نیویگیشن میں ان ہندوستانی ملاحوں کو بڑی تعداد میں شامل کرنے سے جہازوں میں ہندوستانی عملہ بڑھائے جانے کی مجوزہ رعایات کے خلاف ایک مزید اور شدید اعتراض اور پیدا ہوتا ہے[1]" (مراسلہ مورخہ 27 جنوری 1801ء)

حکومت کی ٹیرف پالیسی پوری طرح شعوری طور پر ہندوستانی جہاز رانی کے خلاف نظر آتی ہے چونکہ 1812 سے ہندوستانی جہازوں پر درآمدہ اشیاء پر درآمد محصول، برطانوی جہازوں پر لائی گئی اشیاء پر $7\frac{1}{2}$ فیصدی کے مقابلے میں 15 فیصدی تک بڑھا دیا گیا تھا[2]

اور جب ہندوستانی جہاز رانی کی صنعت اتنی کمزور اور تباہ حال ہو تو اس موضوع پر گفتگو محض ایک علمی مباحثے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھے گی کہ اسٹیل کے جہازوں کی آمد سے جہازوں کی مانگ میں جو اضافہ ہوا تھا اس کے مطابق ملک کی جہاز سازی کی صنعت کو بڑھایا جا سکتا تھا یا نہیں۔ لوہے اور اسٹیل صنعت کی غیر موجودگی خود اس سلسلے میں ایک زبردست رکاوٹ ہوتی، حالانکہ اس کے ساتھ یہ کہنا بھی ناممکن محسوس ہوتا ہے کہ پورٹو نوو آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی، اس مانگ کو کس حد تک پورا کر سکتی تھی، یا خود جہاز رانی صنعت کی بڑھتی ہوئی ضروریات نے لوہے اور اسٹیل صنعت کی نشو و نما میں ایک مزید تحریک فراہم کی ہوتی۔ لیکن ان امکانات نے اس سلسلے میں ہندوستانیوں کے جذبات کے اظہار میں کافی تلخی ضرور پیدا کر دی ہے۔ مثال کے طور پر جہاز رانی پالیسی کو نئے سرے سے تشکیل دینے والی ذیلی کمیٹی' [ری کنسٹرکشن پالیسی ـــ سب کمیٹی آن شپنگ] نے اظہار رائے کیا

---

[1] سارڈاراجو کے یہاں اقتباس، صفحہ 223۔

[2] ایضاً۔

تھا: "حقیقت میں دُخانی جہاز کی آمد وہ وجہ نہیں تھی جو ہندوستان کی جہاز سازی صنعت کے تنزل کا باعث بنی۔ یہ حقیقت میں حکومتِ برطانیہ کی مخاصمانہ کارروائیاں تھیں — جیسے ہندوستانی جہازوں کی برطانوی سمندروں میں آمد پر پابندی، اور ہندوستان میں ہندوستانی جہازوں کے ذریعے درآمد کی جانے والی اشیا، پر حکومتِ ہند کی طرف سے عائد کیے گئے امتیازی اور کچل ڈالنے والے محصول — جو ہندوستان کی جہاز سازی صنعت کی مکمل تباہی کا سبب بنیں، یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ برطانوی جہاز سازی صنعت ترقی کرسکے [1]"

1830 کی دہائی کے بعد سے ساحلی حصوں میں جہاز رانی کے سلسلے میں ہندوستانی جہاز رانوں نے بھی مقابلے کی کوششیں شروع کیں، لیکن یہ لوگ عام طور پر اس لیے ناکام رہے کہ ان کے پاس حکومت کی ڈاک لانے لے جانے کا ٹھیکا نہیں تھا جو کچھ یورپی ملکیت کی کمپنیوں کو حاصل تھا اور ایک مستقل آمدنی کا پختہ ذریعہ تھا۔ چونکہ ان کی تاریخ معدوم ہے اس لیے مغربی ساحل پر ان کمپنیوں کی ناکامی کی مخصوص وجوہات بیان نہیں کی جاسکتیں۔ لیکن اس خیال میں تھوڑی بہت حقیقت ضرور موجود ہے کہ یہ ناکامی غالباً ناتجربے کار انتظامیہ اور سرمایے کی کمی وغیرہ جیسی وجوہات کی بناء پر تھی۔ مشرقی خطے میں، کلکتے میں متعدد کمپنیاں شروع کی گئیں، جن میں ہندوستانی اور انگریز لوگ ساتھ ساتھ کام کر رہے تھے، لیکن یہ بھی آہستہ آہستہ پوری طرح یورپی افراد کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی چلی گئیں اور ساتویں باب میں جس زبردست مقابلے کو بیان کیا گیا ہے اس میں، ایک دو کو چھوڑ کر، باقی تمام کمپنیاں غائب ہوگئیں جہاں تک مشرقِ بعید کا سوال ہے، بمبئی کے کچھ مل مالکوں نے اس خطے سے تجارت میں نویں دہائی سے کسی قدر دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس وقت تک بین الاقوامی معیار پر کاروبار کرنے والی لائنیں ان راستوں پر بھی چلنے لگی تھیں اور یورپی لائنوں کے ذاتی مفادات نے ہندوستانیوں کی کامیابی کو بالکل غیر امکانی مرحلہ بنا دیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ 'ہندوستانی قومی دُخانی جہاز مالکین ایسوسی ایشن، [انڈین نیشنل اسٹیم شپ اونرس ایسوسی ایشن] نے لکھا تھا: [2]

---

[1] 'ہندوستانی قومی دُخانی جہاز مالکین ایسوسی ایشن' کے سلور جوبلی شمارے میں اقتباس بمبئی، 1958، صفحہ 3۔

[2] گزشتہ حوالہ — نیز ملاحظہ ہوں:

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

"سرمائے کے اپنے مضبوط اور طاقتور ذرائع اور تجارت کی ایک سنگدلانہ اور شدید جنگ کے ذریعے، برطانوی جہاز رانی کے مفادات نے ہندوستانی جہاز رانی کمپنیوں کو ایک ایک کرکے ہندوستان کے ساحلی سمندروں سے ہٹادیا جیسا کہ کمیٹی [ری کنسٹرکشن پالیسی سب کمیٹی آف شپنگ] نے اظہار رائے کیا، ہندوستان کی متعدد کمپنیوں میں سے کسی ایک کو بھی تحفظ دینے کے بجائے — جنھوں نے نرخوں کی اس بے ایمان اور قوم مخالف جنگوں میں گذشتہ ساٹھ یا ستّر سال کے دوران جہاز رانی میدان میں کاروبار شروع کیا تھا — حکومتِ ہند نے برطانوی مفادات کو گذشتہ صدی میں سرپرستی فراہم کرنے کا کوئی واحد موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اس طرح انھیں ہر طریقے سے ملک کے قومی معاشی مفادات کے خلاف عمل کرنے کی پوری پوری ترغیب فراہم کردی۔"

(ص469 سے آگے)

والچند ہیراچند "ہندوستان کی جہاز رانی صنعت نے کیوں ترقی نہیں کی؟" بمبئی کے سرمایہ کاروں کا سالنامہ [بامبے انویسٹرس ایئربک]، 1940۔

"ہندوستانی جہاز: ہندوستانی جہاز مالکین جہاز رانی کے سلسلے میں ہندوستانی اور غیر ملکی میل ملاپ کی کیوں مخالفت کرتے ہیں"، بمبئی، (1958ء) نوین کھانڈ والا کی طرف سے شائع کیا گیا۔

ضمیمہ نمبر 16

میسور میں کام کرنے والی سونا کان کن کمپنیوں کی طرف سے حصوں پر ادا کیا گیا منافع

(اداشدہ سرمائے کا فی صد)

سال	میسور	نندی درگ	چیمپین	اوریگم
1886	20			
1887	10			
1888	20			
1889	75			
1890	75	$19\frac{1}{6}$	—	20
1891	65	25	—	45
1892	50	$28\frac{3}{4}$	—	85
1893	50	$12\frac{1}{2}$	—	115
1894	25	15	35	85
1895	$47\frac{1}{2}$	25	65	85
1896	100	$32\frac{1}{2}$	$67\frac{1}{2}$	$72\frac{1}{2}$
1897	110	$42\frac{1}{2}$	100	35
1898	150	$27\frac{1}{2}$	100	40
1899	140	30	125	60
1900	135	$33\frac{3}{4}$	130	90

بالاگھاٹ کمپنی نے پہلی بار ۱۰ فیصد منافع کا اعلان 1900 میں کیا تھا۔

[ماخذ: احمد، صفحہ 346۔]

ضمیمہ نمبر 17

1881-2 (31 مارچ پر ختم) سے ہر سال کے آخر میں موجود مختلف قسم کی کمپنیوں کی تعداد

اور ان کا ادا شدہ سرمایہ (روپیوں میں)

سال	بینک کار، قرض اور بیمہ کمپنیاں				تجارتی کمپنیاں			
	بینک کار اور قرض		بیمہ		نیویگیشن		ریلویز اور ٹرامویز	
	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ
1881-2	139	2,09,30,080	5	9,15,640	7	39,87,500	5	37,88,510
1882-3	135	2,13,20,600	5	27,00,750	9	40,31,920	3	38,09,340
1883-4	175	2,67,31,790	9	27,00,750	10	58,56,640	6	41,88,610
1884-5	198	2,80,16,880	11	11,69,990	8	87,16,130	6	20,32,990
1885-6	287	2,99,9794,0	14	14,48,270	7	73,03,950	8	67,02,760
1886-7	355	3,05,31,340	15	18,62,980	9	73,60,070	10	68,54,600
1887-8	362	3,24,63,370	17	16,99,230	7	89,45,720	11	68,89,720
1888-9	314	3,27,37,870	17	21,90,840	7	92,60,930	12	69,58,450
1889-90	291	3,22,73,370	16	20,79,130	9	90,71,910	12	78,56,730
1890-91	275	3,09,58,930	13	20,06,640	7	91,96,620	11	87,46,410
1891-2	259	3,73,32,930	14	20,58,730	8	88,11,650	11	95,89,580
1892-3	256	3,74,98,620	8	7,93,070	7	87,38,400	10	97,95,820

99,08,000	12	87,39,400	8	8,35,650	75	3,74,39,820	271	1893-4
82,06,750	10	87,45,460	8	6,05,940	156	4,01,21,960	295	1894-5
89,71,100	14	87,45,460	9	8,89,010	183	4,04,66,720	299	1895-6
1,04,82,710	20	1,06,16,850	8	11,41,920	373	4,15,65,670	353	1896-7
1,42,48,860	20	1,06,16,660	9	9,21,250	285	4,31,75,420	389	1897-8
1,97,01,200	19	1,23,73,000	9	14,60,620	105	4,41,13,580	405	1898-9
2,28,45,826	18	26,24,904	9	10,86,533	43	4,57,41,459	407	1899-1900
3,16,69,541	18	26,26,102	9	16,86,025	33	4,51,57,522	430	1900-1901

سال	تجارتی کمپنیاں							
	امداد باہمی ایسوسی ایشن		جہاز رانی، سامان آثارنا اور گودام وغیرہ		چھپائی اشاعت اور اسٹیشنری		دیگر تجارت	
	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ
1881-2	11	1,36,890	2	3,42,400	6	2,11,250	55	1,11,13,510
1882-3	13	1,79,690	2	4,20,000	6	5,33,150	69	1,10,78,050
1883-4	14	1,96,560	4	4,24,000	5	4,35,400	71	1,59,42,330
1884-5	14	1,98,250	4	5,06,600	8	5,78,100	82	1,75,22,090
1885-6	13	1,75,670	8	5,17,150	10	6,34,320	83	1,26,49,910
1886-7	15	1,97,460	6	6,24,200	11	6,23,120	88	1,61,00,500
1887-8	18	3,09,180	6	6,48,950	11	6,16,090	96	1,68,37,490
1888-9	20	3,77,140	5	6,29,100	16	6,34,810	101	1,76,72,180
1889-90	18	3,09,880	5	6,29,100	17	7,35,210	104	1,76,21,570
1890-91	18	3,63,150	6	6,29,100	13	3,53,560	104	1,82,53,970
1891-2	24	3,85,490	6	6,39,100	15	3,89,310	115	1,82,44,320
1892-3	24	5,13,960	5	5,68,890	16	3,87,640	112	1,84,73,920
1893-4	25	3,80,550	7	5,90,890	17	4,60,710	121	1,88,35,840
1894-5	24	5,96,260	5	6,00,100	19	4,27,240	124	1,88,31,930
1895-6	27	5,94,410	5	4,77,600	23	5,93,620	142	2,15,98,770
1896-7	29	6,42,600	5	5,51,100	22	5,67,120	146	2,26,33,680
1897-8	28	4,39,900	5	13,46,100	27	4,38,840	169	2,49,80,750
1898-9	32	4,39,820	5	14,31,600	29	4,10,220	186	2,86,27,210
1899-1900	29	6,41,826	6	15,04,420	32	7,99,682	185	3,00,67,169
1900-1901	28	6,32,938	5	15,04,100	30	5,15,372	190	3,27,11,225

سال	چائے اور دوسرے باغات کی کمپنیاں					
	چائے		کوفی اور سنکونا		دیگر باغات	
	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ
1881-2	113	2,75,89,930	5	1,97,500	4	1,81360
1882-3	121	2,92,22,180	2	1,28,240	7	5,02,580
1883-4	121	3,05,91,970	7	3,81,720	5	4,61,870
1884-5	127	3,30,56,050	8	4,13,110	3	4,52,270
1885-6	130	3,27,73,950	7	4,42,030	5	4,57,190
1886-7	131	3,62,48,430	7	4,67,430	5	4,84,180
1887-8	127	3,54,36,070	7	4,81,810	7	5,60,480
1888-9	129	3,52,91,400	7	5,14,290	9	5,41,830
1889-90	133	3,55,17,340	7	5,26,710	4	4,58,280
1890-91	140	3,54,62,510	6	4,61,890	8	4,62,420
1891-2	144	3,64,88,340	5	3,83,290	9	6,31,000
1892-3	142	3,63,68,980	5	3,83,390	10	9,56,280
1893-4	148	3,71,30,890	5	3,89,990	12	9,56,280
1894-5	154	3,67,23,550	5	3,91,990	13	10,07,250
1895-6	156	3,52,20,590	3	2,76,800	13	12,47,250
1896-7	156	3,60,04,640	2	1,61,500	13	12,42,250
1897-8	137	3,21,85,020	1	39,000	14	12,31,660
1898-9	135	3,21,23,100	2	39,000	13	10,92,860
1899-1900	129	3,25,38,118	4	1,96,800	15	18,39,660
1900-1901	135	3,32,13,192	4	1,57,570	12	12,12,472

سال	کانیں اور پتھر نکالنے والی کمپنیاں					
	کوئلہ		سونا		دیگر کانیں اور پتھر نکالنا	
	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ
1881-2	6	38,95,000	8	20,52,800	6	14,44,000
1882-3	8	48,20,180	9	25,08,650	3	4,34,000
1883-4	6	50,45,000	11	27,05,840	8	9,03,000
1884-5	6	51,77,870	10	25,10,270	9	29,39,250
1885-6	7	52,00,000	9	19,75,730	10	31,37,080
1886-7	7	51,95,000	9	19,15,830	9	27,36,480
1887-8	7	51,95,000	8	19,33,970	8	29,66,540
1888-9	7	51,95,000	6	18,79,030	7	8,60,830
1889-90	8	52,05,000	6	15,63,730	7	8,76,130
1890-91	10	52,29,000	27	29,75,250	26	9,52,810
1891-2	11	61,66,800	19	77,11,230	27	22,80,920
1892-3	14	64,78,700	17	72,21,190	23	29,11,710
1893-4	16	79,46,710	15	71,84,330	22	28,59,140
1894-5	20	79,77,550	16	71,84,330	22	28,49,750
1895-6	28	96,68,880	14	71,84,330	21	23,84,770
1896-7	34	1,02,79,350	13	57,83,550	17	25,08,720
1897-8	34	1,14,83,230	13	58,09,900	16	24,82,780
1898-9	34	1,27,48,620	12	59,08,420	17	24,82,780
1899-1900	34	1,32,95,435	7	17,27,694	13	15,62,389
1900-1901	34	1,40,01,120	9	21,27,699	15	16,16,682

ملیں اور شکنجے								
روئی اور پٹ سن اسکریو اور شکنجے		روئی، پٹ سن، اون، ریشم اور سن وغیرہ		پٹ سن مل		روئی مل		سال
سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	
82,56,000	30	2,33,78,270	31	74,64,900	8	1,92,60,640	28	1881-2
88,59,250	38	2,81,46,870	33	87,17,400	12	2,67,22,750	31	1882-3
1,07,66,830	52	2,71,40,540	38	1,00,17,820	12	2,70,11,350	42	1883-4
1,12,77,010	55	3,20,96,260	42	1,03,62,970	11	3,40,85,030	44	1884-5
1,21,77,600	61	3,42,49,120	45	1,03,32,040	10	3,35,02,110	40	1885-6
1,26,58,810	60	3,03,88,370	47	1,03,56,230	10	3,43,10,980	46	1886-7
1,21,90,510	60	3,23,61,050	50	1,04,43,800	10	3,60,76,440	51	1887-8
1,26,41,120	63	3,53,85,650	58	1,07,11,200	10	3,97,61,660	58	1888-9
1,27,79,940	68	3,84,58,030	61	1,02,11,200	10	4,38,73,720	56	1889-90
1,32,02,580	76	4,03,28,600	63	1,10,86,200	11	4,68,66,920	56	1890-91
1,33,46,970	83	4,24,81,760	63	1,17,85,250	11	4,85,48,440	57	1891-2
1,37,40,810	87	4,18,89,520	68	1,20,94,850	12	4,96,50,260	59	1892-3
1,41,68,030	101	4,40,30,770	71	1,48,58,130	12	4,84,19,970	57	1893-4
1,42,43,150	105	4,42,04,840	75	1,46,34,760	13	4,85,72,340	57	1894-5
1,51,92,580	111	4,72,74,580	84	1,72,21,960	19	4,91,70,420	62	1895-6
1,55,37,040	112	5,27,50,280	104	2,12,76,430	19	5,10,04,620	67	1896-7
1,59,93,630	115	6,11,67,590	111	2,31,97,040	21	5,38,24,470	68	1897-8
1,60,72,810	116	6,92,78,030	113	2,57,10,630	20	5,52,69,340	66	1898-9
1,63,97,165	113	6,77,40,454	110	2,87,94,525	21	5,65,40,106	67	1899-1900
1,64,85,374	116	6,90,49,306	113	3,03,27,800	21	5,86,95,452	66	1900-1901

سال	مل اور شکنجے									
	کاغذ مل		چاول مل		آٹا مل		آرا اور ٹمبر مل		دوسرے مل اور شکنجے	
	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ
1881-2	1	5,28,730	-	—	1	—	2	6,40,000	3	79,10,450
1882-3	2	5,63,670	-	—	1	—	2	6,40,000	1	31,07,300
1883-4	2	10,42,640	1	4,01,800	3	6,85,000	2	6,40,000	-	—
1884-5	3	11,71,740	1	4,10,000	3	4,00,000	2	6,40,000	-	—
1885-6	4	13,83,490	1	4,10,000	6	6,00,980	2	6,40,000	3	—
1886-7	4	16,69,030	-	—	9	9,31,830	1	6,00,000	4	17,780
1887-8	4	18,66,050	-	—	9	15,48,530	1	6,00,000	4	1,99,450
1888-9	4	18,71,120	-	—	9	15,96,070	1	—	4	2,34,010
1889-90	5	20,92,950	-	—	7	9,97,550	2	40,700	4	2,61,880
1890-91	5	27,67,660	-	—	8	11,22,550	2	40,700	2	1,07,960
1891-2	6	27,79,250	-	—	8	11,22,210	3	2,40,700	3	39,530
1892-3	6	34,48,380	2	—	11	14,91,220	3	2,40,700	4	69,250
1893-4	6	41,50,630	4	1,15,000	11	15,07,740	3	2,40,700	7	99,000
1894-5	6	44,66,370	4	1,29,840	15	17,20,370	3	2,40,700	12	2,13,180
1895-6	6	46,68,590	5	1,87,340	17	26,86,740	2	2,40,700	16	2,35,070
1896-7	7	47,15,910	5	1,86,760	18	28,38,200	4	2,40,700	16	3,46,990
1897-8	7	47,23,000	4	1,73,730	17	29,21,980	3	2,00,000	18	5,94,590
1898-9	7	47,34,850	4	1,18,520	17	29,64,250	4	3,88,400	19	8,52,070
1899-1900	7	52,47,385	3	1,18,525	18	27,99,870	3	4,03,400	22	12,20,045
1900-1901	7	52,49,620	3	1,23,766	20	30,49,738	3	4,03,000	19	5,79,017

سال	متفرق					
	زمین اور تعمیرات		شراب کی بھٹیاں		برف	
	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ	تعداد	سرمایہ
1881-2	2	62,82,090	3	9,84,000	5	10,85,970
1882-3	3	62,82,300	4	10,48,050	10	12,17,450
1883-4	4	82,82,300	5	12,50,000	11	15,75,340
1884-5	4	63,42,850	3	11,00,000	14	18,03,360
1885-6	4	63,52,230	3	12,00,000	12	19,85,180
1886-7	3	62,08,830	3	12,00,000	12	20,96,310
1887-8	3	62,08,830	3	12,00,000	12	18,71,020
1888-9	3	63,46,130	3	12,00,000	13	15,59,930
1889-90	4	63,46,130	3	16,95,400	13	19,76,040
1890-91	5	65,99,330	3	16,95,400	12	18,97,520
1891-2	5	66,73,917	3	16,95,400	12	18,71,820
1892-3	4	65,58,005	3	16,95,400	12	18,63,870
1893-4	4	65,59,100	3	16,95,400	10	17,17,170
1894-5	4	65,59,100	3	16,95,400	11	17,28,040
1895-6	4	65,59,100	3	17,00,000	11	17,28,270
1896-7	4	65,59,100	3	17,00,000	10	16,22,240
1897-8	4	65,59,100	3	17,00,000	11	16,42,060
1898-9	4	65,59,100	3	17,00,000	11	16,46,820
1899-1900	4	65,59,100	3	17,00,000	10	15,97,537
1900-1901	5	65,59,100	4	17,00,000	10	15,97,537

ضمیمہ نمبر 17 مکمل

سال	متفرق: شکر — تعداد	شکر — سرمایہ	دیگر — تعداد	دیگر — سرمایہ	تمام کمپنیاں — تعداد	تمام کمپنیاں — سرمایہ
1881-2	4	19,97,820	14	22,42,320	505	15,68,17,560
1882-3	3	21,99,300	15	17,65,370	547	17,09,59,040
1883-4	2	18,50,680	23	22,76,230	649	18,75,06,110
1884-5	4	18,51,830	14	15,27,810	694	20,63,58,440
1885-6	4	18,51,830	13	19,25,190	806	21,00,25,680
1886-7	2	16,09,430	8	15,55,200	886	21,38,04,420
1887-8	1	16,00,000	10	15,52,620	910	22,32,61,920/
1888-9	1	16,00,000	11	19,24,490	895	22,99,75,080
1889-90	1	16,00,000	15	18,84,390	886	23,68,42,020
1890-91	2	16,06,360	19	12,09,410	928	24,45,84,450
1891-2	2	16,06,360	27	23,50,503	950	26,58,54,810
1892-3	3	16,22,040	33	24,75,985	956	26,79,31,860
1893-4	3	16,32,190	19	22,48,560	1,065	27,51,00,590
1894-5	5	16,37,250	20	23,72,330	1,204	27,66,87,730
1895-6	6	22,32,990	26	64,45,140	1,309	29,38,72,790
1896-7	8	23,02,360	28	65,03,350	1,596	31,15,65,590
1897-8	10	25,35,990	33	65,99,670	1,572	33,12,33,220
1898-9	10	31,97,970	20	45,44,670	1,417	35,59,89,490
1899-1900	11	36,98,849	17	44,98,883	1,340	35,43,87,749
1900-1901	10	36,66,651	17	43,09,965	1,366	37,06,29,886

[ماخذ: برطانوی ہندوستان کے لیے مالیاتی اور بیوپاری شماریات' (فائنانشیل اینڈ کامرشیل اسٹیٹسٹکس فار برٹش انڈیا) (کلکتہ 1902)، صفحات 2-371]

ضمیمہ نمبر 18

1884-5 کے بعد سے ہر سال کے آخر میں ہندوستان میں کاروبار میں مصروف کمپنیوں کی تعداد
اور ان کا مجوزہ اور اداشدہ سرمایہ (روپیہ میں)

سال	کاروبار میں مصروف کمپنیاں	مجوزہ سرمایہ	اداشدہ سرمایہ	اداشدہ سرمائے میں اضافہ یا کمی	فیصد
1884-5	694	27,88,76,910	20,63,58,440	+ 1,88,52,330 =	10
1885-6	806	28,54,34,370	21,00,25,680	+ 36,67,240 =	2
1886-7	886	29,13,61,650	21,38,04,420	+ 37,78,740 =	2
1887-8	910	30,25,42,840	22,32,61,920	+ 94,57,500 =	4
1888-9	895	31,33,98,450	22,99,75,080	+ 67,13,160 =	3
1889-90	886	32,32,17,310	23,68,42,020	+ 68,66,940 =	3
1890-91	928	35,05,87,760	24,45,84,450	+ 77,42,430 =	3
1891-2	950	36,02,32,380	26,58,54,810	+ 2,12,70,360 =	9
1892-3	956	35,37,28,420	26,79,31,860	+ 20,77,060 =	0.8
1893-4	1,065	36,25,11,880	27,51,00,590	+ 71,68,730 =	2.7
1894-5	1,204	38,15,85,180	27,66,87,730	+ 15,87,140 =	0.6
1895-6	1,309	41,89,14,470	29,38,72,790	+ 1,71,85,060 =	6
1896-7	1,596	49,56,22,860	31,15,65,590	+ 1,76,92,800 =	6
1897-8	1,572	50,13,96,370	33,12,33,220	+ 1,96,67,630 =	6.3

1898-9	1,417	51,30,97,190	35,59,89,490 + 2,47,56,270	= 7.5
1899-1900	1,340	50,16,59,366	35,43,87,749 − 16,01,741	= -0.4
1900-1901	1,366	51,74,18,551	37,06,29,886 + 1,62,42,137	= 4.6

[ماخذ: 'برطانوی ہندوستان کے کے مالیاتی اور بیوپاری شماریات' [فائنانشیل اینڈ کامرشیل اسٹیٹسٹکس فار برٹش انڈیا] کلکتہ، 1920]

ضمیمہ نمبر 19

2-1891 سے ہر سال، ہر صوبے میں موجود کمپنیوں کی تعداد اور اُن کا ادا شدہ سرمایہ (روپیوں میں)

صوبہ	کمپنیوں کی تعداد									
	1891-2	1892-3	1893-4	1894-5	1895-6	1896-7	1897-8	1898-9	1899-1900	1900-1901
برما	17	17	16	16	17	17	17	18	18	22
آسام	1	2	2	2	2	2	2	3	4	6
بنگال	322	325	402	508	560	761	666	487	402	398
شمال مغربی صوبجات و اودھ	55	55	55	61	64	65	68	67	71	75
اجمیر میرواڑ	6	7	7	7	8	8	10	9	9	9
پنجاب	20	21	21	20	26	31	39	50	52	50
بمبئی	229	233	249	264	295	331	349	350	344	342

	1891-2	1892-3	1893-4	1894-5	1895-6	1896-7	1897-8	1898-9	1899-1900	1900-1901
سی پی	9	10	12	12	12	10	10	11	11	12
برار	3	4	3	3	3	3	4	4	4	3
مدراس	203	188	195	206	217	257	307	321	335	361
میسور	88	94	103	105	105	111	100	97	90	88
کُل کمپنیاں	950	956	1,065	1,204	1,309	1,596	1,572	1,417	1,340	1,366

ضمیمہ نمبر 19 مکمل

صوبے	ادا شدہ سرمایہ (روپیوں میں)									
	1891-2	1892-3	1893-4	1894-5	1895-6	1896-7	1897-8	1898-9	1899-1900	1900-1901
برما	15,51,620	16,12,070	14,94,050	17,19,740	18,29,970	19,56,670	17,71,050	18,62,830	20,16,880	38,57,100
آسام	(الف)	5,000	1,820	11,160	11,420	21,590	21,850	1,30,290	1,45,726	1,90,433
بنگال	11,72,97,610	11,91,06,510	12,52,06,630	12,53,71,480	13,14,36,320	13,92,97,600	14,11,29,260	14,98,43,510	15,03,32,742	15,47,11,734

(صفحہ 484 سے آگے)

شمال مغربی صوبے واودھ	97,62,880	1,00,05,340	91,69,230	93,18,020	1,12,26,390	1,19,80,200	1,27,76,800	1,41,74,920	1,51,66,108	1,71,97,630
اجمیر میرواڑ	-6,70,570	6,73,370	7,58,690	7,55,060	7,56,480	7,57,200	8,18,910	8,34,770	9,97,975	9,98,275
پنجاب	42,55,770	44,33,380	46,26,850	47,81,000	52,27,610	54,98,240	58,87,270	65,07,390	74,11,504	72,55,752
بمبئی	10,78,83,710	10,67,40,730	10,79,02,650	10,91,38,570	11,66,74,260	12,53,53,070	13,82,43,610	14,82,20,210	14,69,00,094	15,60,33,651
سی۔پی	20,50,030	24,37,210	26,12,220	26,46,070	26,63,650	25,50,130	26,20,840	26,49,800	27,52,770	30,69,058
برار	25,720	36,060	29,910	29,910	29,910	29,910	1,43,660	1,54,910	1,54,910	1,45,000
مدراس	1,90,73,870	1,94,58,270	1,94,60,820	1,92,26,160	204,11,620	2,04,93,220	2,43,91,320	2,82,91,620	2,53,04,921	2,43,56,104
میسور	32,79,030	34,23,920	38,31,720	36,90,560	36,05,160	36,27,760	34,37,660	33,19,240	32,04,119	28,25,249
کل سرمایہ	26,58,54,010	26,79,31,860	27,81,00,590	27,66,87,730	29,38,72,790	31,15,65,590	33,12,33,260	35,59,89,490	35,43,87,749	37,06,29,886

(الف) رقم موجود نہیں ہے۔

[ماخذ: برطانوی ہندوستان کے لیے مالیاتی اور بیوپاری گوشوارے 1920]

ضمیمہ نمبر 20

مارچ 3-1882 سے مارچ 01-1900 تک ہر سال درج کرائی گئی، بند ہونے والی اور کاروبار میں مصروف کمپنیوں کی تعداد اور ان کا سرمایہ

کمپنیوں کی تعداد	کاروبار میں مصروف کمپنیوں کا سرمایہ (روپیوں میں) (ب)		سال	کمپنیوں کی تعداد		
	ادا شدہ	مجوزہ		کاروبار میں مصروف	بند ہونے والی	درج کرائی گئی
			مارچ 1882 تک	503 (الف)	646	1149
449	1,60,224	2,06,936	1882-83	547	30	74
550	1,87,028	2,39,420	1883-4	649	45	147
618	2,06,211	2,58,002	1884-5	696	35	82
714	2,08,606	2,66,526	1885-6	805	46	156
780	2,13,608	2,65,360	1886-7	886	52	133
829	2,31,297	2,83,843	1887-8	910	92	116
789	2,29,745	2,95,736	1888-9	895	109	94
791	2,36,609	3,04,225	1889-90	886	92	83
796	2,44,318	3,19,969	1890-91	928	92	134
810	2,65,526	3,35,732	1891-2	950	84	106
850	2,67,896	3,30,556	1892-3	956	66	72
893	2,75,066	3,43,943	1893-4	1,065	54	163

963	2,75,999	3,54,176	1894-5	1,204	55	194
1,049	2,93,775	3,73,969	1895-6	1,309	62	167
1,045	3,11,565	4,95,622	1896-7	1,596	101	388
1,019	3,31,233	5,01,396	1897-8	1,572	203	179
(ج)	3,55,989	5,13,097	1898-9	1,417	271	116
(ج)	3,54,387	5,01,659	1899-1900	1,338	170	91
(ج)	3,70,629	5,17,418	1900-1901	1,364	63	89
			کُل 50 سال	1,364	2,368	3,732

[(الف) پہلے تین کالموں ــــ 'درج کرائی گئی'، 'بند ہونے والی' اور 'کاروبار میں مصروف' کمپنیوں ــــ کے اعداد 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' اور 'ہندوستان کی مادی اور اخلاقی ترقی' [مارل اینڈ میٹیریل پروگریس آف انڈیا] کے کمپنیوں کے اعداد و شمار کے خلاصے سے اخذ کیے گئے ہیں، اس لیے کاروبار میں مصروف کمپنیوں کی اس تعداد میں جو اس گوشوارے میں درج ہے اور جو ضمیمے 17، 18، اور 19 میں دی گئی ہے، جو خفیف سا فرق نظر آتا ہے اس کو متوازن نہیں کیا جا سکتا۔

(ب) یہ رقمیں ضمیمہ نمبر 17 میں دی گئی رقموں سے کچھ مختلف ہیں۔ ضمیمہ نمبر 17 میں تمام کمپنیوں کی رقمیں دی گئی ہیں، جبکہ یہاں دی گئی رقمیں صرف ان کمپنیوں سے متعلق ہیں جن کے دونوں ــــ مجوزہ اور ادا شدہ ــــ سرمایوں کی رقمیں موجود تھیں۔ اسی لیے یہ فرق نظر آتا ہے۔ چونکہ کسی خاص سال میں قایم ہونے والی کمپنیوں کی اطلاعات علیحدہ موجود نہیں تھیں اس لیے کچھ اور زیادہ دلچسپ اور کارآمد اعداد ــــ جیسے بند کی جانے والی کمپنیوں نے کتنا سرمایہ ضائع کیا، وغیرہ ــــ صرف اسی صورت میں حاصل کیے جا سکتے تھے جب ان کے لیے بہت سخت دماغی محنت صرف کی جاتی۔

(ج) ان سالوں کے لیے جو اعداد و شمار موجود تھے ان سے مطلوبہ اطلاعات حاصل کرنا ممکن نہیں تھا]

[ماخذ: 'برطانوی ہندوستان کے لیے شماریاتی گوشوارے' کے مختلف اجرا، اور 'ہندوستان کی مادی اور اخلاقی ترقی کو ظاہر کرنے والا گوشوارہ' [اسٹیٹمنٹ ایگزیمننگ مارل اینڈ میٹیریل پروگریس آف انڈیا]

ضمیمہ نمبر 21

کمپنیوں کا اندراج اور خاتمہ 1851 تا 1900ء

لہ مارچ 1882 تک کی سینتیس "مردہ" (DEFUNCT) کمپنیاں شامل نہیں ہیں۔

(م) - جنوری مارچ 1882
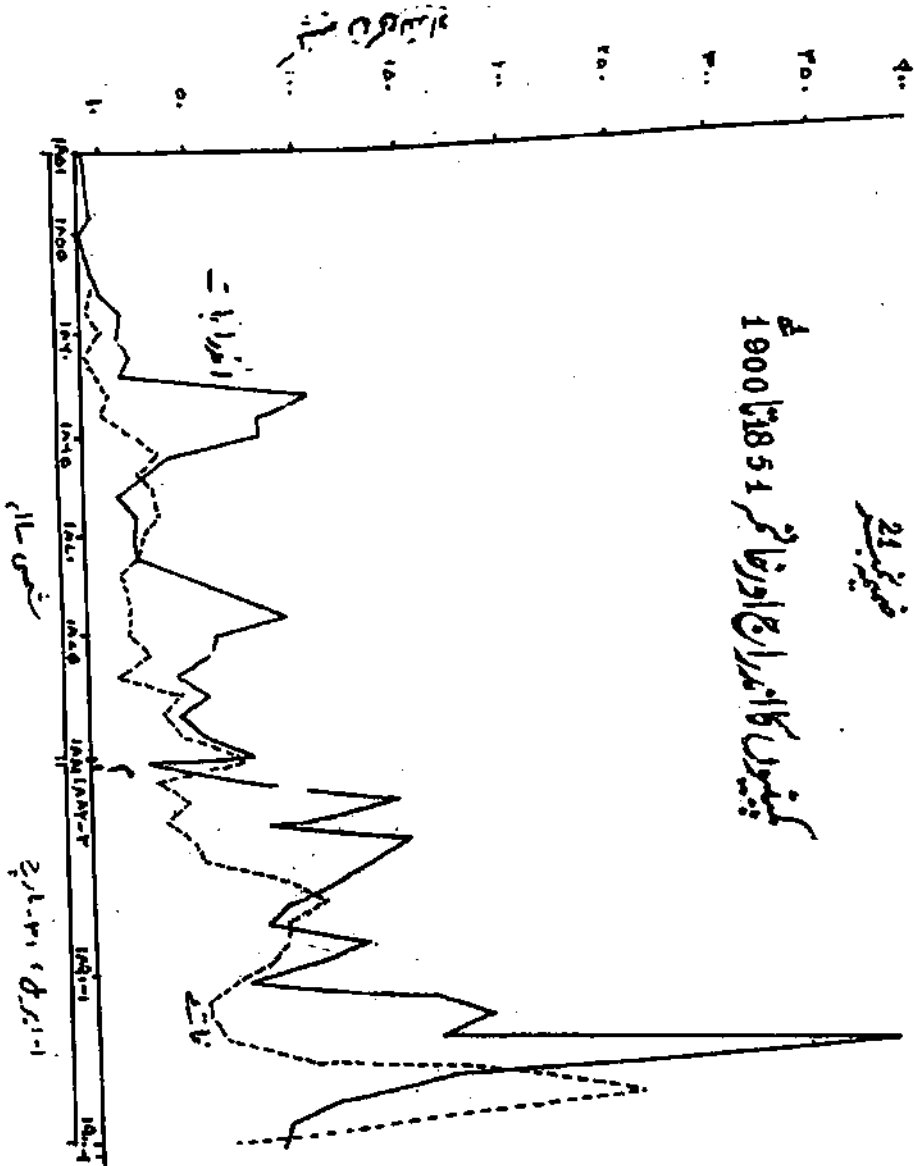
ضمیمہ نمبر 22

1866-81 کے عرصے میں کاروبار میں مصروف پٹ سن، روئی، چائے اور تمام کمپنیوں کا ادا شدہ سرمایہ (0,00,000 روپیوں میں)

1881 میں کمپنیوں کی تعداد

کمپنیوں کی قسم	کل	یہاں شامل
تمام	586	505
روئی (الف)	59	48
چائے	114	105
پٹ سن	8	8
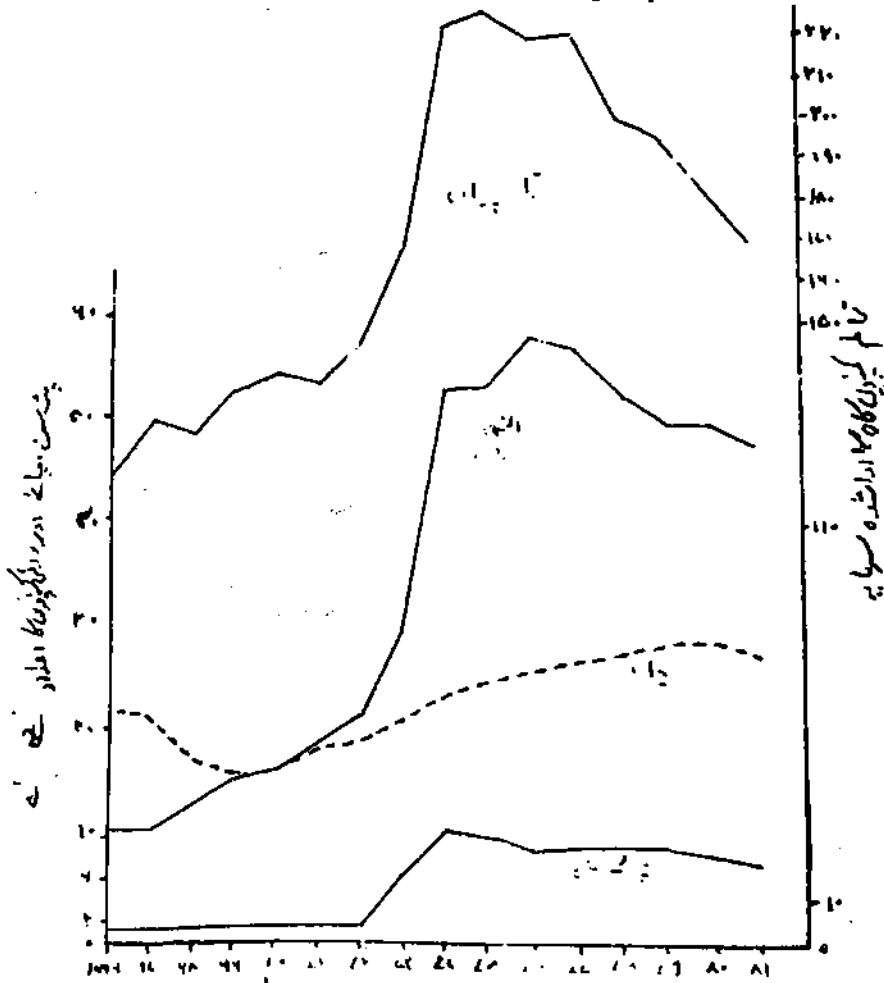
(الف) اس میں تمام وہ کمپنیاں شامل ہیں جنہیں مختلف النوع کمسائل دکھلایا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ 9)

ضمیمہ نمبر 23

کمپنیوں کا ادا شدہ سرمایہ 1/ جنوری 1851 تا 31/ مارچ 1882

(00,000 روپوں میں)

31 مارچ 1882 تک کمپنیوں کی تعداد

کمپنیوں کی قسم	کل	یہاں شامل
درج شدہ	1,149	835
ختم شدہ	609	380
"مردہ"	37	کوئی نہیں
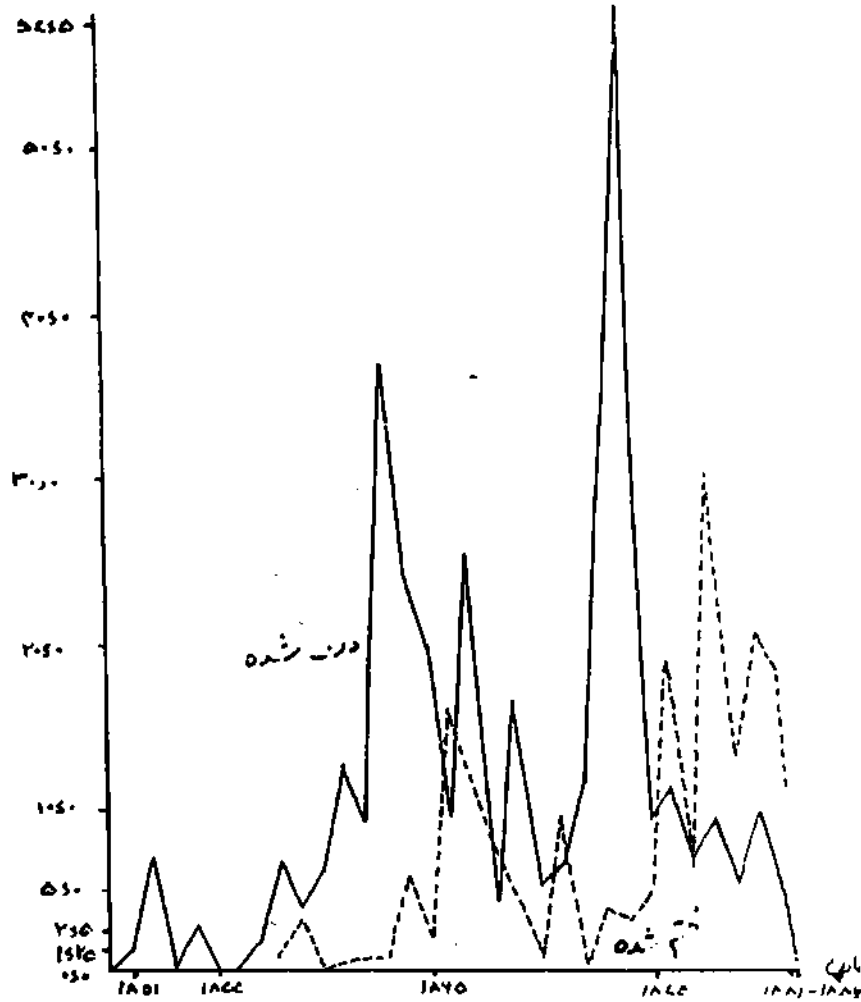
مختلف ببلوگرافی

ترتیب

بنیادی ماخذ

1۔ آرکائیو رکارڈس

1-1 انڈیا آفس لائبریری، لندن

2-1 نیشنل آرکائیوز۔ دہلی

3-1 دیگر

2۔ سرکاری اشاعتیں

3۔ تحریری قوانین (اسٹیٹیوٹس)

1-3 ہندوستانی

2-3 برطانوی

4۔ قانونی مقدمات

1-4 ہندوستانی

2-4 برطانوی

۵۔ ہندوستانی قانونی مقدمات اور ان کے خلاصے

6۔ ڈائرکٹریز، ایلمناکس (جنتریاں)، اسٹاک ایکسچینج ایڈنگس، ٹریڈ ایسوسی ایشنوں کی رپورٹیں وغیرہ۔

ثانوی ماخذ

کتابیں، مقالے، مونوگراف (کتابچے) اور مضامین۔

بنیادی ماخذ

1۔ آرکائیو رکارڈس

1-1 انڈیا آفس لائبریری۔ لندن

انڈیا اینڈ بنگال ڈسپیچز 1851
فائنانس، بنگال لیٹرس اینڈ اینکلوزرس ریسیوڈ، 1848
جوڈیشیل اینڈ پبلک ڈیپارٹمنٹ رجسٹر۔ 1881 اور 1882
لیجسلیٹو پروسیڈنگس آف انڈیا۔ 27/دسمبر 1850
لسٹ آف فیکٹری رکارڈس، اوریجنل کرسپونڈینس، جلد 50
مدراس پبلک پروسیڈنگس۔ 1720
پرنسیپ۔ ایچ۔ ڈی۔۔ فورجنریشنس ان انڈیا 97
پروسیڈنگس آف دی کاؤنسل آف دی گورنر جنرل آف انڈیا۔ اسمپلڈ
فار دی پرپز آف میکنگ لاز اینڈ ریگولیشنز، فرام 1862
پروسیڈنگس آف دی گورنر جنرل ان کاؤنسل ان دی فائنانشیل
ڈیپارٹمنٹ۔ 27 مئی 1848۔ نمبر29 آف 1848
رپورٹ آن مس کلینیس رکارڈس آف دی انڈیا آفس، 1 نومبر 1878، لندن 1879۔

نیشنل آرکائیو۔ دہلی۔

کامرس ڈیپارٹمنٹ: کول اینڈ آئرن۔ 1832 سے۔
کامرس اینڈ انڈسٹری ڈیپارٹمنٹ: اسٹورس۔ 1887 سے۔
فائنانس ڈیپارٹمنٹ: ڈسپیچز فرام دی سکریٹری آف اسٹیٹ: 1858 سے

دی ہیگ: Algemen en Rijksarchief

میمائر آف گورنر لارنس پٹ ٹو ہز سکیسر کورنیلس اسپیل مین

Koloniaal Archeef Overige Nomen

1864 .1132

25/جون 1663ء 811-791

سرکاری اشاعتیں

بینکنگ انکوائری کمیٹی، دی انڈین سنٹرل، رپورٹ 32-1931

بنگال، رپورٹ آن دی انڈسٹریز آف، (جے۔ جی۔ کمنگس)، 1908

کول مائننگ کمیٹی، رپورٹ آف دی انڈین، 2 جلدیں۔ 37-1936

کول ریسورسز اینڈ پروڈکشن آف انڈیا، ٹی۔ اولڈھام کی رپورٹ 1867

کمپنی لا کمیٹی۔ رپورٹ، 1957۔

کاٹن مل انڈسٹری، رپورٹ آف دی اسٹیٹوٹری انکوائری۔ ان ٹو دی انڈین، 1927۔

کاٹن، اسٹیٹس ٹیکل ٹیبلس ریلیٹنگ ٹو۔ انڈین، 1889۔

کرنسی، رپورٹ آف دی فاؤلر کمیٹی۔ آن انڈین، 1898۔

کرنسی، رپورٹ آف دی ہرشیل کمیٹی۔ آن انڈین، 1893۔

فیکٹریز ان دی بامبے پریسیڈنسی۔ رپورٹ اینڈ پروسیڈنگس آف دی کمیشن اپائنٹڈ ٹو کنسیڈر دی ورکنگ آف، 1885

فیکٹری ایکٹ۔ رپورٹ آف دی کمیشن اپائنٹڈ بائی دی گورنر آف بامبے ٹو انکوائر ان ٹو دی کنڈیشن آف دی آپریٹوز ان دی بامبے فیکٹریز۔ اینڈ دی نیسی سٹی آر اور وائز فار دی پاسنگ آف لے، 1875۔

فیمین کمیشن رپورٹ، 1880۔

فائنانشیل اینڈ کامرشیل اسٹیٹس ٹکس فار برٹش انڈیا۔

ٹل کمیشن۔ (2-1891)، رپورٹ آن دی انڈین، شملہ، 1922 ہزاری۔ آر۔ کے۔، دی اسٹرکچر آف دی کارپوریٹ پرائیویٹ سیکٹر۔

رپورٹ ٹو دی گورنمنٹ آف انڈیا ریسرچ پروگرام کمیٹی، بامبے، 1963۔ باورڈ، سرالبرٹ، اینڈ وائیلیکر، جے۔ اے۔ رپورٹ آن دی امپروومنٹ آف انڈین ایگری کلچر، لندن 1893۔

امپیریل لیجسلیٹو پروسیڈنگس۔

انڈکس نمبر آف انڈین پرائسیز 1861-1918، 1919۔

انڈیکس نمبر آف پرائسیز۔ 1861 تا 1913 ، 1953۔

انڈین ریلویز۔ وَن ہنڈرڈ ایرس؛ 1853 تا 1953، انڈین ریلوے بورڈ، نئی دہلی، 1953۔

انڈسٹریل کمیشن، رپورٹ آف دی انڈین، 18-1916

کالڈور، این۔ انڈین ٹیکس ریفارم، نئی دہلی، 1956

لیبر کمیشن، رپورٹ آف دی انڈین فیکٹری، 1908، جلد 1۔

لیبر ان انڈیا۔ رپورٹ آف دی رائل کمیشن آن، 1931۔

لیجسلیٹو کاؤنسل، ایبسٹریکٹ آف دی پروسیڈنگ آف، مدراس پراونشیل بینکنگ انکوائری کمیٹی۔
رپورٹ آف دی۔ جلد 1، 1930

ماہون، آر۔ ایچ، رپورٹ اپون دی مینوفیکچر آف آئرن اینڈ اسٹیل ان انڈیا، 1899۔

منرل ریسورسیز آف انڈیا، رپورٹ بائی ٹی۔ ایچ۔ ہالینڈ، 1908۔

مولیسورتھ، جی۔ ایل۔، نوٹس آن آئرن مینوفیکچر، ستمبر 1832۔

موریل اینڈ میٹیریل پروگریس آف انڈیا، اسٹیٹمنٹ ایگزبٹنگ دی نکلسن، ایف۔، رپورٹ آن دی
پوسیبلٹی آف انٹروڈیوسنگ لینڈ بینکس انٹو انڈیا، 8-1895۔

نگم، راج، کے۔ اینڈ چودھری، این، سی، کارپوریٹ سیکٹر ان انڈیا، نئی دہلی۔ 1960۔

پی۔پی۔ (برٹش پارلیمنٹری پیپرس) 32-1831، X پارٹ I اینڈ II ؛ پی۔پی، 1840،
ایچ۔سی، VIII ؛ پی۔پی۔، 1854، (299)، LXV ؛ پی۔پی۔ 1864، LVIII ؛ پی۔پی۔ 1866،
LXVI ؛ پی۔پی۔، 69-1868، XV ؛ پی۔پی۔، 69-1868 (104-1)، LVI ؛ پی۔پی۔،
94-1893، LXV۔

پرائسز ان انڈیا۔ رپورٹ آن دی انکوائری اِنٹو دی رائز آف، 5۔ جلدیں، کلکتہ، 1914،
(کے۔ ایل۔ دتا۔ رپورٹ)۔

ریلوے رپورٹ، 1921۔ (کمانڈ پیپرس) نمبر 1812۔

ریلویز۔ رپورٹ آن دی ورکنگ آف دی انڈین 1875۔

ریلویز۔ ویج وُوڈ کمیٹی رپورٹ، 1937۔

اسٹیٹسٹیکل ٹیبلس فار برٹش انڈیا، 1877 سے۔

اسٹاک ایکسچینج انکوائری کمیٹی۔ رپورٹ آف دی، بمبئی، 1924۔

اسٹورس کمیٹی۔ رپورٹ آف، 1906۔

ٹی کلٹیویشن اِن آسام، کچھار اینڈ سلہٹ۔ رپورٹ آف دی کمشنرس اپائنٹڈ ٹو انکوائر اِنٹو دی اسٹیٹ اینڈ پراس پکٹس آف، کلکتہ، 1868۔

ٹی اِن انڈیا۔ رپورٹ آن دی پروڈکشن آف، اسٹیٹس ٹیکل ڈیپارٹمنٹ، انڈیا، (مطبوعہ کلکتہ 1903ء)۔

ٹی انڈسٹری اِن بنگال۔ پیپرس رگارڈنگ، کلکتہ، 1873۔

3- اسٹیٹوٹس (تحریری قوانین)

1-3 ہندوستانی

تھیوبالڈ۔ جی۔ ڈبلیو۔ لیجسلیٹو ایکٹس آف دی گورنر جنرل آف انڈیا۔ اِن کاؤنسل، 1834 تا 1871۔

ایکٹ V آف 1838۔

ایکٹ IX آف 1843۔

ایکٹ XIX آف 1845۔

ایکٹ XXIII آف 1845۔

کمپنیز ایکٹ (1850 کا LXIII)۔

کمپنیز ایکٹ (1857 کا XIX)۔

کمپنیز ایکٹ (1860 کا VII)۔

ایکٹ XXVIII 1865 کا

کمپنیز ایکٹ (1866 کا X)۔

کمپنیز ایکٹ (1882 کا VI)۔

کمپنیز ایکٹ (1887 کا VI)۔

کمپنیز ایکٹ (1891 کا XII)۔

کمپنیز ایکٹ (1895 کا XII)۔

کمپنیز ایکٹ (1900 کا IV)۔

کمپنیز ایکٹ 1913
کمپنیز ایکٹ 1936
کمپنیز ایکٹ 1956

2-3 برطانوی

6 Geo. I, C. 18
47, Geo. III, C. 68
3 and 4 Wm. IV, C. 85
19 and 20 Vic. C. 47

4 قانونی مقدمات

1-4 ہندوستانی

پلے اپاودو۔ مابین۔ کاماکشی، I، مدراس ہائی کورٹ رپورٹس، 448۔

2-4 برطانوی

انڈریوس۔ مابین۔ گیس میٹر کمپنی (1897) I Ch. 361 C. A.
اشبورے کیرج کمپنی۔ مابین۔ رتچے (1875) L. R. 7 H. L. 653
ارلینجر۔ مابین۔ نیو سامبریرو فاسفیٹ کمپنی (1878) 3 App. Cas. 1218
گلوکسٹین۔ مابین۔ بارنیس (1900) A. C. 240, H. L.
ہٹن۔ مابین۔ سکاربورو کلف ہوٹل کمپنی (1865) 2 Dr. and Sm. 521
اوریکم گولڈ مائننگ کمپنی۔ مابین۔ روپر (1892) A. C. 125, H. L.
سولومن۔ مابین۔ سولومن (1897) A. C. 22 H. L.
ٹریوور۔ مابین وہٹ ورتھ (1887) 12 App. Cas. 409. H. L.

ہندوستانی قانونی مقدمات اور ان کے خلاصے

اے ڈائجسٹ آف انڈین لا کیسز (1836 تا 1909) 16 حصے، کلکتہ 20-1912 (مرتب بی۔ ڈی۔ بوس)

بنگال لاء رپورٹس۔ڈائجسٹ آف کیسز رپورٹڈ جلد I تا XV۔
کلکتہ، 1878 (از جے۔ وی۔ وڈمین)
انڈین لاء رپورٹس، بمبئی، الہ آباد، کلکتہ اور مدراس۔ 1876 سے رپورٹس آف کیسز ڈیسائڈڈ ان دی ہائی کورٹ آف بامبے، بمبئی، 1875۔ (از سی۔ ڈبلیو۔ ایل جیکسن)
رپورٹ آف کیسز ڈیسائڈڈ ان دی ہائی کورٹ آف مدراس، 1862 تا 1874 (از ڈبلیو اسٹوکس)

6 - ڈائرکٹریز، المناکس (جنتریاں)، اسٹاک ایکسچینج ائربکس، ٹریڈ ایسوسی ایشنوں کی رپورٹیں وغیرہ

دی بنگال المناک اینڈ ڈائرکٹری فار 1815، کلکتہ
دی بنگال اینڈ آگرہ ڈائرکٹری اینڈ اینول رجسٹر، 1850
بنگال چیمبر آف کامرس — ہاف ایرلی رپورٹس، 1854 تا 1869 بنگال ڈائرکٹری، تھیکر کی، مختلف شمارے۔
بنگال نیشنل چیمبر آف کامرس، رپورٹ 1887۔
بامبے چیمبر آف کامرس، رپورٹس۔
بامبے مل اونرس ایسوسی ایشن، اینول رپورٹس۔
دی بامبے ٹائمس کیلینڈر آف 1855۔
کلکتہ ایکسچینج پرائس کرنٹ، 4-1820۔
کلکتہ اسٹاک ایکسچینج آفیشیل ائربک، 2 جلدیں، 2-1940۔
کلکتہ ٹریڈ ایسوسی ایشن، رپورٹ آف پروسیڈنگس، 50-1830۔
کلکتہ ویکلی پرائس کرنٹ، 1828۔
انڈین انشورنس مینول، تھیکر اسپنگ اینڈ کمپنی، 1907۔
ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی، لندن 1885 اور 1934۔
الوسٹرس انڈیا ائربک، پلیس، سڈنس اینڈ گف، پہلی طباعت 1912۔
لندن اسٹاک ایکسچینج ائربکس (فرام برڈیٹس انٹیلیجنس آف 1828)۔
ٹائمس آف انڈیا کیلینڈر اینڈ ڈائرکٹری 1864 تا 1929۔
مدراس اسٹاک ایکسچینج آفیشیل ائربک۔

ثانوی ماخذ

اے مانچسٹرین، 'اے گائڈ ٹو انڈین انویسٹمنٹس'، لندن 1861 اچاریہ، ہیم لتا، (مسز) کری ایٹیو رسپونس اِن انڈین اکونومی — اے کنٹ، اکونومک ویکلی۔ 27 اپریل 1957۔

آدرکر، بی۔ این۔، 'دی انڈین ٹیرف پرابلم'، بمبئی، 1936۔

آدرکر، بی۔ پی، 'دی انڈین مونیٹری پالیسی' کتابستان، 1939۔

احمد۔ این۔ زیڈ۔، 'سم آسپکٹس آف دی ہسٹری آف برٹش انویسٹمنٹ اِن دی پرائیویٹ سیکٹر آف دی انڈین اکونومی 1874 تا 1914'، (غیر مطبوعہ تھیسس، ایم۔ ایس۔ سی۔ اکونومکس) لندن، 1955،

آلتیکر، اے۔ ایس۔، راشٹرا گٹاز اینڈ دیر ٹائمس، اورینٹل بک ایجنسی، پونا، 1934۔

امبیدکر، بی۔ آر۔، 'دی پرابلم آف دی روپی' لندن، 1923۔

'انڈریو یول اینڈ کمپنی' 1863 تا 1963 (مینیجنگ ایجنٹس آف دی بنگال کول کمپنی)، کلکتہ، 1963۔

آنسٹے، وی۔، 'دی اکونومک ڈیولپمنٹ آف انڈیا'، چوتھا اڈیشن لندن 1952۔

انٹیا، ایف۔ پی۔، 'اِن لینڈ ٹرانسپورٹ کاسٹس'، بمبئی 1932۔

انٹرولس، ایچ۔ اے۔، 'اے ہسٹری آف دی آسام کمپنی' 1839 تا 1953، ایڈنبرگ 1957۔

'اے ہسٹری آف دی جورہاٹ ٹی کمپنی لمٹیڈ 1859 تا 1942'، لندن 1948۔

اپادرائے، اے۔، 'اکونومک کنڈیشنس اِن سدرن انڈیا (1000 تا 1500)'، مدراس 1936۔

اراسارتنم، ایس۔، 'انڈین مرچنٹس اینڈ دیر ٹریڈنگ میتھڈس (لگ بھگ 1700)'، انڈین اکونومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو، مارچ 1966۔

آشلے، پی۔، 'ماڈرن ٹیرف ہسٹری' دوسرا اڈیشن، لندن، 1910۔

بادشاہ، بی۔ آر۔، 'دی لائف آف راؤ بہادر رنچھوڑلال چھوٹالال، سی۔ آئی۔ ای۔، بمبئی 1899۔

باگچی، آر، 'بینکس اینڈ انڈسٹریل فائنانس اِن انڈیا'، پی۔ ایچ۔ ڈی تھیسس، لندن، 1957۔

باگچی، ایس۔ سی۔، 'پرنسپلس آف دی لا آف کارپوریشنس وِد اسپیشل ریفرنس ٹو برٹش انڈیا' کلکتہ، 1914ء۔

بالھاچیٹ (Ballhachet)، کینیتھ، 'سوشل پالیسی اینڈ سوشل چینج اِن ویسٹرن انڈیا، 1817 تا 1830'، لندن، 1957۔

بینرجی، ایچ۔، 'دی ہاؤس آف دی ٹیگورس' کلکتہ 1965۔

باشام، اے۔ ایل۔، 'دی انڈین سب کانٹینٹ اِن ہسٹاریکل پرسپیکٹو'، لندن 1958۔

باسو، ایس۔ کے۔، 'انڈسٹریل فائنانس اِن انڈیا' کلکتہ، 1939۔

'دی مینجنگ ایجنسی سسٹم ــــ ان پروسپیکٹ اینڈ ریٹروسپیکٹ'، کلکتہ، 1958۔

بیوچامپ، جے۔، 'برٹش امپیریلزم ان انڈیا' لندن، 1934۔

بیل، ایچ۔، 'ریلوے پالیسی اِن انڈیا' لندن، 1894۔

برگ، این۔ پی۔ وی۔ ڈی۔، 'دی منی مارکیٹ اینڈ پیپر کرنسی آف انڈیا' بٹاویہ، 1884۔

برلے، اے۔ اے۔، اور مینس، جی۔ سی۔، 'دی ماڈرن کارپوریشنس اینڈ پرائیویٹ پراپرٹی'، نیویارک، 1933۔

برلے، اے۔ اے۔، 'دی ٹوئنٹیتھ سینچری کیپٹلسٹ ریوولیوشن'، نیویارک، 1954۔

بیرل، کینتھ، 'فارین کیپٹل اینڈ ٹیک آف' بیرل۔ کے۔ (مرتبہ میں) میں، اکونومک ڈیولپمنٹ وِد اسپیشل ریفرنس ٹو ایسٹ ایشیا'، لندن، 1964۔

بھاردواج، کرشنا، آر۔، 'لنکیجز'، اکونومک ویکلی' 18 راگست 1962۔

بھاٹیا، بی۔ ایم۔، 'فیمینس اِن انڈیا'، بمبئی، 1962۔

بھٹناگر، بی۔ جی۔، 'کرنسی اینڈ ایکسچینج اِن انڈیا' الہ آباد، 1924۔

تھنٹ، دی۔ وی۔، 'اے سینچری اینڈ اے ہاف آف اکونومک اسٹیگنیشن اِن انڈیا'، اکونومک ویکلی' جولائی 1963۔

بھٹاچاریہ، ایس۔، 'لیسازفیر اِن انڈیا'، انڈین اکونومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو' جنوری 1965۔

بلیک، جی۔ بی۔ آئی۔، سینٹنری، (1866 ۔ 1966)، لندن، 1956۔

بلائن، جارج، ایگریکلچرل ٹرینڈس ان انڈیا، 1891 تا 1947: آؤٹ پُٹ، اویلبلٹی اینڈ پروڈکٹوٹی، فلیڈلفیا، 1966۔

بوس، اے۔، سوشل اینڈ رورل اکونومی آف ناردرن انڈیا، 1942 تا 1945؛ دو جلدیں۔ یونیورسٹی آف کلکتہ، 52-1949۔

بوسیرپ، موگینس (Boserup Mogens)، 'ایگریرین اسٹرکچر اینڈ ٹیک آف'، بیرل، کے۔، اڈیشن میں' اکونومک ڈیولپمنٹ وِد اسپیشل ریفرنس ٹو ایسٹ ایشیا' لندن، 1964۔

بریم، الفریڈ، 'دی انڈین جنرل اسٹیم نیویگیشن کمپنی'، لندن، 1900۔

برمر، اے۔، 'دی سیٹنگ آف انٹری پرینیورشپ اِن انڈیا' کوارٹرلی جرنل آف اکونومکس جلد XIX، نومبر 1954۔

براؤن، ہلٹن، 'پاریزآف مدراس' مدراس، 1954۔

بکانن، ڈی۔ ایچ۔، 'دی ڈیولپمنٹ آف کیپٹلسٹ انٹرپرائز اِن انڈیا' نیویارک، 1934۔

بکانن، این۔ ایس۔، 'دی اکونومکس آف کارپورپوریٹ انٹرپرائز' نیویارک، 1940۔

بلسارا، نواروجی، جمشید جی، 'گائڈ ٹو انڈین سیکورٹیز، اسٹاکس اینڈ کرنسی نوٹس' بمبئی، 1897۔

بائی، مارس (By Maurice Le Role de Capital Denste development economique 1953،

کیپٹل فارمیشن اِن دی ٹیک آف، بیرل، کے (مرتبہ) میں 'اکونومک ڈیولپمنٹ ود اسپیشل ریفرنس ٹو ایسٹ ایشیا' لندن، 1964۔

کاسٹن، جی۔ اینڈ کینی، اے۔ ایچ۔، دی ارلی چارٹرڈ کمپنیز، 1296 تا 1858، لندن، 1896۔

چیلانی، ایچ۔ ایل۔، 'انڈین کرنسی اینڈ ایکسچینج' لندن، (مطبوعہ مدراس)، 1925۔

چندرا، بپن۔، 'دی رائز اینڈ گروتھ آف نیشنل ازم اِن انڈیا' نئی دہلی، 1966۔

چودھری، مراد، سی۔، 'دی کانٹینینٹ آف سرسے' لندن، 1965۔

چیٹرسن، اے۔، 'ایگریکلچرل اینڈ انڈسٹریل پرابلمس ان انڈیا' مدراس، 1903۔

چوکسے، آر۔ ڈی۔، 'اکونومک لائف ان دی بامبے ڈکن، 1818 تا 1839' بمبئی 1955، نیز 'اکونومک لائف ان دی بامبے کون کن، 1818 تا 1839، بمبئی 1960۔

سروانٹے، دی۔ آر۔، 'دی انڈین کیپٹل مارکیٹ' بمبئی 1956۔

کلارک، ای۔ ایچ۔، 'گولڈ اِن انڈیا' لندن، 1881۔

کاگن۔ براؤن، جے۔، 'آئرن اینڈ اسٹیل انڈسٹری آف انڈیا' مائننگ میگزین سے دوبارہ اشاعت، 1921۔

کولا، پی۔ آر۔، 'ہاؤ ٹو ڈیولپ (لفظ بلفظ) پروڈکٹیو انڈسٹری اِن انڈیا اینڈ ایسٹ' لندن، 1867۔

کولار گولڈ فیلڈ اِن دی اسٹیٹ آف میسور، ('مدراس میل' سے دوبارہ اشاعت) مدراس، 1858۔

کونڈن، جے۔ کے۔، 'دی بامبے پلیگ' بمبئی، 1900۔

کوکے، سی۔ این۔، 'دی رائز، پروگریس اینڈ پریزنٹ کنڈیشنس آف بینکنگ اِن انڈیا' کلکتہ، 1863۔

کوپر، جان، 'دی تھری پریسیڈنسیز آف انڈیا' لندن، 1853۔

داس۔ این۔، 'انڈسٹریل انٹرپرائز اِن انڈیا' لندن، 1938۔

داس گپتا، سمیر، 'سوشیولوجیکل اینڈ اکونومک ایکسپلینیشن — اے کمنٹ'، اکونومک ویکلی، 7/ اگست، 1963۔

ڈیوس، کے۔، 'دی پاپولیشن آف انڈیا اینڈ پاکستان' پرنسٹن، 1951۔

سوشل اینڈ ڈیموگرافک آسپکٹس آف اکونومک ڈیولپمنٹ اِن انڈیا' کزنٹ کے یہاں، مور اینڈ اسپینگلر ایڈیشن 'اکونومک گروتھ : برازیل، انڈیا اینڈ جاپان'، ڈیوک یونیورسٹی پریس، ڈورہام این۔سی۔ 1955۔

ڈین۔ پی۔، اینڈ کول، ڈبلیو۔ اے۔، 'برٹش اکونومک گروتھ 1868 تا 1959، ٹرینڈس اینڈ اسٹرکچر' کیمبرج، 1962۔

دیب، راجہ بنیے کرشنا، 'دی ارلی ہسٹری اینڈ گروتھ آف کلکتہ' کلکتہ، 1905۔

ڈیلڈن، ولیم وان (Delden Wilhelm) Sludien 'über die Indische, Jute, industries (Dreodon ran Technische Hoch Schale, Valkswirstschafflitechee, Seminar Abhand Luogen I. Heff) Munich -1915

دھوے، ایس۔، 'دی ایولیوشن آف بینکنگ اِن انڈیا فرام ارلیسٹ ٹائمس ٹو پریزنٹ ڈے' ڈی۔ ایس۔ سی۔ اکونومکس تھیسس، لندن، 1948۔

ڈوب، ایم۔، 'اسٹڈیز اِن دی ڈیولپمنٹ آف کیپٹل ازم' کیمبرج، 1951۔

ڈوبوائس، اے۔ بی۔، دی انگلش بزنس کمپنی آفٹر دی ببل ایکٹ، 1720 تا 1800، نیویارک، 1938۔

دت، آر۔ سی۔، 'دی اکونومک ہسٹری آف انڈیا اِن دی وکٹورین ایج' دوسرا ایڈیشن، لندن 1906۔

ایڈورڈس، ایس۔ ایم۔، کے۔ آر۔ کاما (1831 تا 1909): اے میمائر، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن، 1923۔

'میمائر آف راؤ بہادر رنچھوڑ لال چھوٹے لال'، (Excles) 1920 'دی گزٹیر آف بامبے سٹی اینڈ آئی لینڈ۔ (وغیرہ) (مرتبہ ایس۔ ایم۔ ایڈورڈس) 3۔ جلدیں بمبئی۔ 10-1909۔

'دی رائز آف بامبے: اے ری ٹراسپیکٹ' بمبئی، 1902۔

ایلیسن، تھامس۔، 'دی کاٹن ٹریڈ آف گریٹ بریٹین' لندن 1866۔

ایلون، ویریر، 'دی اسٹوری آف ٹاٹا اسٹیل' بمبئی، 1958۔

ایمپلائرس ایسوسی ایشن، 'اچیومینٹس آف مینجنگ ایجنسی سسٹم' کلکتہ 1954۔

اینتھوون، آر۔ ای۔، 'دی کاٹن فیبرکس آف دی بامبے پریسیڈنسی' بمبئی، 1897۔

ایوانس، جی۔ ایچ۔، 'برٹش کارپوریشن فائنانس، 1775 تا 1860، بالٹیمور، 1936۔

'فائنانشیل انسٹیٹیوشنس اِن انڈیا'، انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (ریسرچ ڈیپارٹمنٹ) (ٹائپ اسکرپٹ) ، 1950۔

فلورنس، پی۔ سارگانٹ، 'اونرشپ، کنٹرول، اینڈ سکسیس آف لارج کمپنیز' لندن، 1961۔

فوسٹر، ڈبلیو۔، 'دی انگلش فیکٹریز اِن انڈیا، 1618 تا 1621'، آکسفورڈ، 1906۔

فریزر، لووات، 'آئرن اینڈ اسٹیل اِن انڈیا' بمبئی، 1919۔

فریزر، ڈبلیو۔ ایم۔، 'دی کلکشنس آف اے ٹی پلانٹر' ٹی اینڈ ربر میل، 1935۔

گیڈگل، ڈی۔ آر۔، 'اوریجن آف دی انڈین بزنس کلاس' میموگراف، گوکھلے انسٹی ٹیوٹ، پونا، [1951ء]

'دی انڈسٹریل ایولیوشن آف انڈیا اِن ریسینٹ ٹائمس' کلکتہ، 1942۔

گنگولی، بی۔ این۔، دادا بھائی نوروجی اینڈ دی ڈرین تھیوری' بمبئی، 1965۔

گنگولی، بی۔ این۔، (مرتبہ) 'ریڈنگس اِن انڈین اکونومک ہسٹری' بمبئی، 1964۔

گرگ، کے۔ ایل۔، 'اسٹاک ایکسچینج اِن انڈیا' دوسرا اڈیشن۔ کلکتہ، 1950۔

گھوشال، ایچ۔ آر۔، 'اکونومک ٹرانزیشن اِن دی بنگال پریسیڈنسی، 1793 تا 1833، کلکتہ، 1966۔

'چینجز اِن دی آرگنائیزیشن آف انڈسٹریل پروڈکشن اِن دی بنگال پریسیڈنسی اِن دی ارلی نائنٹینتھ سنچری' گنگولی، بی۔ این۔ (مرتبہ) 'ریڈنگس اِن انڈین اکونومک ہسٹری' بمبئی، 1964۔

گھوش، کے۔ ایم۔، 'دی انڈین کمپنی لاز'، دو جلدیں، گیارھواں اڈیشن، کلکتہ، 1963۔

گھوری، جی۔ سی۔، 'کاسٹ اینڈ کلاس اِن انڈیا'، دوسرا اڈیشن، لندن، 1957۔

گوپال، ایس ۔، 'دی وائسرائیلٹی آف لارڈ رپن' آکسفورڈ، 1957ء۔

گوپال کرشنن، پی کے۔ 'ڈیولپمنٹ آف اکونومک ایکٹیویٹیز ان انڈیا، 1800 تا 1950 نئی دہلی، 1959ء

گو، ولسن اینڈ اسٹینٹن، 'دی پروڈیوسنگ کمپنیز آف انڈیا اینڈ سیلون' لندن، 1897ء۔

گوور، ایل سی۔ بی۔، 'دی پرنسپلس آف ماڈرن کمپنی لاز' لندن، 1957ء۔

گرانٹ، سی۔ ڈبلیو۔، 'بامبے کاٹن اینڈ انڈین ریلویز' لندن، 1850ء۔

گرفتھس، پی۔، 'دی برٹش امپیکٹ آن انڈیا' لندن، 1952ء۔

ہباکوک، ایچ۔ جے۔، 'فری ٹریڈ اینڈ کامرشیل ایکسپینشن، 1853 تا 1870' کیمبرج ہسٹری آف برٹش ایمپائر، II میں کیمبرج 1940ء۔

حبیب، عرفان، 'دی اگریرین سسٹم آف مغل انڈیا' لندن، 1963ء۔

حاجی، ایس۔ این۔، 'اکونومکس آف شپ بلڈنگ' بمبئی، 1924ء۔

ہارڈنگ، چارلس، 'مائی انڈین ایرس، 1910 تا 1916ء۔ دی ریمینیسنس آف لارڈ ہارڈنگ آف پین ہرسٹ' لندن، 1948ء۔

ہارنیٹی، پیٹر، 'دی امپیریل ازم آف فری ٹریڈ: لنکاشائر اینڈ انڈین کاٹن ڈیوٹیز، 1859 تا 1862ء، 'اکونومک ہسٹری ریویو، 1956ء۔

حارث، ایف۔ آر۔، 'جمشید جی نوشیروان جی ٹاٹا' بمبئی، 1958ء۔

ہیریسن اینڈ کراس فیلڈ لمٹیڈ، 'ہنڈرڈ ایرس ایز ایسٹ انڈیا مرچنٹس' 1943ء۔

ہیٹلے، ایس۔ جی۔ ٹی۔، 'کنٹری بیوشنس ٹو وررڈس اے ہسٹری آف دی ڈیولپمنٹ آف دی منرل ریسورسز آف انڈیا: نمبر 2 میمورنڈا ریلیٹیو ٹو دی ورکنگ آف آئرن ان بنگال'، 'جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال' جلد XII، 1843ء۔

ہیٹن۔ ایچ۔، 'اکونومک ہسٹری آف یورپ' ریوائزڈ اڈیشن، نیویارک، 1948ء۔

ہیراچند والچند، 'وھائی انڈین شپنگ ڈز ناٹ گرو'، بامبے انویسٹرس ایرئیک، 1940ء۔

ہوبسن، سی۔ کے۔، 'دی ایکسپورٹ آف کیپیٹل' لندن، 1914ء۔

ہاورڈ، ایچ۔ ایف۔، 'انڈیا اینڈ دی گولڈ اسٹینڈرڈ' 1911ء لندن، 1911ء۔

ہاورڈ، لوئس، ای۔، 'سر البرٹ ہاورڈ ان انڈیا'، لندن، 1953ء۔

ہبارڈ، جی۔ ای۔، 'ایسٹرن انڈسٹریلائزیشن اینڈ اِٹس ایفیکٹس آن دی ویسٹ' لندن، 1938ء۔

ہنٹ، بی سی۔ 'دی ڈیولپمنٹ آف دی برٹش کارپوریشن ان انڈیا، 1800 تا 1867۔ کیمبرج، ماس، 1936۔

ہنٹر، ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ 'دی اینلس آف رورل بنگال'، ساتواں اڈیشن، لندن، 1897۔

'انڈین نیشنل اسٹیم شپ اونرس ایسوسی ایشن': سلور جوبلی اشیو، بمبئی، 1958۔

'انڈین شپ۔ دھائی شپ اونرس اپوز انڈو فارین کمپائن فارشپنگ'، مطبوعہ نوین کھانڈوالا، بمبئی، 1958ء

اسلام نورل، فارین کیپیٹل اینڈ اکونومک ڈیولپمنٹ: جاپان، انڈیا اینڈ کینیڈا، ٹوکیو، 1960۔

آیر، جی۔ ایس۔ 'سم اکونومک آسپیکٹس آف برٹش رول ان انڈیا'، مدراس، 1903۔

جیکسن، ڈبلیو۔ 'میمورنڈم آن دی آئرن ورکس آف بیربھوم'، 'جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال' جلد XIV، پارٹ III، 1845۔

جین، ایل۔ سی۔ 'انڈی جینس بینکنگ ان انڈیا'، لندن، 1929۔

'مانیٹری پرابلمس آف انڈیا'، لندن، 1933۔

جین، پی سی۔ انڈسٹریل فائنانس ان انڈیا، نئی دہلی۔ 1961ء

جیمس فن لے اینڈ کمپنی لمٹیڈ، 1750 تا 1950، گلاسگو۔ 1951۔

جاتھر، جی۔ بی۔ اینڈ بیری، ایس۔ جی۔ 'انڈین اکونومکس'، نواں اڈیشن، 1952، 2 جلدیں۔

جیفریز، جے۔ بی۔ 'ٹریڈرس ان برٹش آرگنائزیشن ان گریٹ برٹین سنس 1856'، پی۔ ایچ۔ ڈی تھیسس، لندن، 1938۔

جینکس۔ ایل۔ ایچ۔ 'دی مائیگریشن آف برٹش کیپیٹل ٹو 1857' نیویارک 1927 اور لندن، 1963۔

جیننگس، ایس۔ 'مائی وزٹ ٹو دی گولڈ فیلڈس ان دی ساؤتھ ایسٹ وائی ناڈ' لندن 1881۔

جیوونس، ایچ۔ ایس۔ 'منی' بینکنگ اینڈ ایکسچینج ان انڈیا، شملہ، 1922۔

جونسن، ولیم، اے۔ 'دی اسٹیل انڈسٹری آف انڈیا' ہارورڈ، 1966۔

جوشی، ایم۔ ڈی۔ 'کرنسی' سنگھ، وی۔ بی۔، (مرتبہ) میں 'دی اکونومک ہسٹری آف انڈیا 1857 تا 1956' بمبئی، 1965۔

جوٹ ملس آف بنگال ڈسکرائبڈ بائی دی اسپیشل کرسپونڈنٹ آف دی ڈنڈی اڈورٹائزر

اِن کلکتہ' 1880۔

کین، پی۔ وی۔، 'ہسٹری آف دھرم شاستر' جلد II اینڈ III، پونا، 1930۔

کینس، جے۔ ایم۔، انڈین کرنسی اینڈ فائنانس، لندن، 1913۔

کھالا، کے۔ پی۔، 'انڈسٹریل پروٹیکشن اِن انڈیا، بمبئی، 1939۔

کڈرون، میخائل، 'فارین انویسٹمنٹ اِن انڈیا' لندن، 1965۔

کلنگ، بلیر۔ بی۔، 'دی اوریجن آف دی مینجنگ ایجنسی اِن انڈیا'، 'جرنل آف ایشین اسٹڈیز'، جلد XXVI، نمبر ا۔ نومبر، 1966۔

نولیس، ایل۔ سی۔ اے۔ (Knoles. L.C.A.)، 'اکونومک ڈیولپمنٹ اِن دی نائنٹینتھ سنچری'، لندن، 1948۔

اکونومک ڈیولپمنٹ آف دی برٹش اوورسیز ایمپائر، لندن، 1924۔

'انڈسٹریل اینڈ کامرشیل ریوولیوشن اِن گریٹ برٹین ڈیورنگ دی نائنٹینتھ سنچری'، لندن، 1937۔

کوڈانڈا، راما آئیر، 'لا آف کارپوریٹ باڈیز اینڈ رجسٹریشن'، مدراس، 1903۔

کرشنا سوامی، اے۔، 'کیپیٹل ڈیولپمنٹ آف انڈیا' 1860 تا 1913'۔ [ٹائپ اسکرپٹ]، 1941، (لندن اسکول آف اکونومکس لائبریری)۔

کمار، دھرما، 'لینڈ اینڈ کاسٹ اِن ساؤتھ انڈیا'، کیمبرج، 1965۔

لیمب، ہیلن، بی۔، 'دی ڈیولپمنٹ آف ماڈرن بزنس کیمونٹیز اِن انڈیا'، پروسیڈنگس آف دی کانفرنس آن ہیومن ریسورسز اینڈ لیبر ریلیشنز اِن انڈر ڈیولپڈ کنٹریز'۔ اتھاکا (Ithaca)، 1954، [میموگراف]۔

'دی اسٹیٹ اینڈ اکونومک ڈیولپمنٹ اِن انڈیا'، 'گزنیٹ مور اینڈ اسپنگلر (مرتب) میں۔ 'اکونومک گروتھ: برازیل، انڈیا اینڈ جاپان'، ڈرہام۔ این۔ سی۔، 1955۔

لیس۔ اسمتھ، ایچ۔ بی۔، 'انڈیا اینڈ دی ٹیرف پرابلم' لندن، 1909۔

لیٹن، ڈی۔ ای۔ ڈبلیو۔، (Leighten. D.E.W.) 'دی انڈین گولڈ مائننگ انڈسٹری'، مدراس، 1883۔

لیوی، اے۔ بی۔، 'پرائیویٹ کارپوریشنس اینڈ دیر کنٹرول'، جلدیں I اور II، لندن، 1950۔

لنڈسے، ایچ۔آر۔ایس۔، 'دی رول آف فارین انٹرپرائز اِن اے ڈیولپنگ اکونومی'، 'دی میٹل باکس کمپنی آف انڈیا لمٹیڈ'، کلکتہ، 1965ء۔

لوکناتھن، پی۔ایس۔، انڈسٹریل آرگنائزیشن اِن انڈیا، لندن، 1935۔

اینٹری پریئرشپ: سپلائی آف اینٹری پرینیورس اینڈ ٹیکنولوجسٹس ود اسپیشل ریفرنس ٹو انڈیا' برل، کے۔ (مرتب) میں، 'دی اکونومک ڈیولپمنٹ وِد اسپیشل ریفرنس ٹو ایسٹ ایشیا، لندن، 1964۔

'میکالے، دی ورکس آف لارڈ' جلد II، ہسٹوریکل ایسیز، دی یونیورسل لائبریری، لندن (بلا تاریخ)

میکنزی، سی۔، 'ریمس آف سلور' ہنڈرڈ ایرس آف بینکنگ اِن دی ایسٹ، لندن، 1954۔

میکلین، جے۔ایم۔، 'اے گائڈ ٹو بمبے' تیسرا اڈیشن، بمبئی، 1877۔

میکفرسن، ڈبلیو۔جے۔، 'انویسٹمنٹ اِن انڈین ریلویز' 1845 تا 1875، 'اکونومک ہسٹری ریویو'، دسمبر 1955۔

میڈون، بی۔ایف۔، 'انڈیاز ایکسچینج پرابلم'، حصے I اور II، بمبئی، 1925۔

مہالنگم، ٹی۔ 'ساوتھ انڈیا پولیٹی'، یونیورسٹی آف مدراس، 1955۔

میتی، ایس۔کے۔، 'اکونومک لائف اِن ناردرن انڈیا اِن دی گپتا پیریڈ' 300 تا 550 عیسوی، کلکتہ، 1957۔

مجمدار، آر۔سی۔، 'کارپوریٹ لائف اِن انشینٹ انڈیا'، کلکتہ، 1922۔

ملہوترا، ڈی۔کے۔، 'ہسٹری اینڈ پرابلمس آف انڈین کرنسی'، 1835 تا 1943۔ لاہور، 1944۔

مارکس، کارل۔ 'داس کیپیٹل' جلد I، لندن، 1938۔

ماتھر، جے۔ایس۔، 'انڈین ورکنگ کلاس موومینٹ' الٰہ آباد، 1964۔

مزمدار، ہریندر کمار، 'بزنس سیونگس اِن انڈیا'، بمبئی، 1959۔

مہتا، ایم۔ایم۔، 'اسٹرکچر آف انڈین انڈسٹریز'، بمبئی، 1955۔

مہتا، این۔بی۔، انڈین ریلویز، لندن، 1927۔

مہتا، آر۔سی۔، 'کیپیٹل مارکیٹ اِن انڈیا' فار پلانڈ گروتھ، گوالیار، 1965۔

مہتا، ایس۔ ڈی۔، 'دی کاٹن ملس آف انڈیا'، 1854 تا 1954، بمبئی 1954۔

میئر، جیرالڈ، ایم۔، 'لیڈنگ اشیوز اِن ڈیولپمنٹ اکونومکس'، نیویارک، 1964۔

ملبرن، ڈبلیو۔، 'اورینٹل کامرس' لندن، 1813 اور 1825۔

مشرا، وکاس، 'ہند وازم اینڈ اکونومک گروتھ'، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ہندوستان، 1962۔

مسرا، بی۔ بی۔ 'دی انڈین مڈل کلاس: دیئر گروتھ اِن ماڈرن ٹائمز' لندن، 1961۔

مچل، بی۔ آر۔، ڈین فیلس کی معیت میں، 'ابسٹریکٹ آف برٹش ہسٹوریکل اسٹیٹس ٹکس' کیمبرج، 1962۔

مترا، کسوری چند، 'میمائر آف دوارکا ناتھ ٹیگور'، کلکتہ، 1870۔

مکرجی، رادھا کمد، 'انڈین شپنگ' بمبئی 1912۔

مور، آر۔ جے۔، 'امپیریل ازم اینڈ فری ٹریڈ پالیسی اِن انڈیا، 54-1853' اکونومک ہسٹری ریویو، 1964۔

مورلینڈ، ڈبلیو۔ ایچ۔ اور چیٹرجی، اے۔ سی۔، 'اے شارٹ ہسٹری آف انڈیا'، لندن، 1957۔

مورلین، سر ٹی۔، 'دی اکونومک ٹرانزیشن اِن انڈیا'، لندن، 1911۔

مورس، ایم۔ ڈی۔ 'دی ایمرجینس آف انڈسٹریل لیبر فورس اِن انڈیا: اے سٹڈی آف دی بامبے کاٹن ملس' 1854 تا 1947؛ برکلے اینڈ لوس اینجلس۔ 1965۔

'سم کمینٹس آن دی سپلائی آف لیبر ٹو دی بامبے کاٹن ٹیکسٹائل انڈسٹری'، انڈین اکونومک جرنل I، نمبر 2، اکتوبر 1953۔

ٹووارڈس اے ری انٹرپریٹیشن آف نائنٹینتھ سنچری انڈین اکونومک ہسٹری'، 'جرنل آف اکونومک ہسٹری'، دسمبر 1963

مورس، ایم۔ ڈی اور سٹین، بی۔، 'دی اکونومک ہسٹری آف انڈیا: اے بیلوگرافک ایسے'، 'جرنل آف اکونومک ہسٹری' جلد XXI، نمبر 2، جون، 1961۔

مکرجی، ایم۔، 'اے پریلیمینری اسٹڈی آف دی گروتھ آف نیشنل انکم ان انڈیا، 1857 تا 1957'، 'ایشین اسٹڈیز اِن انکم اینڈ ویلتھ'، بمبئی، 1965۔

ملکی، ایم۔ اے۔، 'نیو کیپیٹل اشیوز مارکیٹ اِن انڈیا'، بمبئی، 1947۔

ملکی، ایم۔ اے اور سامنت، ڈی۔ آر۔، 'آرگنائزیشن اینڈ فائنانس آف انڈسٹریز اِن انڈیا'

لندن، 1937۔

ملک، کے۔ ایم۔، 'اے بریف ہسٹری آف بنگال کامرس' 1814تا 1870، کلکتہ، 187172۔

مرنجن، ایس۔ کے۔، ماڈرن بینکنگ ان انڈیا' بمبئی، 1940۔

مورتی، وی۔ این۔، 'انڈین اکونومی ڈیورنگ دی برٹش رُول'، 'انڈین جرنل آف اکونومکس'، اپریل، 1961۔

مانٹ، ایچ۔، 'این انٹرپریٹیشن آف اکونومک بیک ورڈنیس' اگروال، اے۔ این۔ اور سنگھ، ایس۔ پی۔، (مرتبہ) میں، 'دی اکونومکس آف انڈر ڈیولپمنٹ' نیویارک، 1963۔

مائیرس، چارلس، اے۔، 'انڈسٹریل ریلیشنس ان انڈیا' بمبئی 1958۔

'لیبر پرابلمس ان دی انڈسٹریلائزیشن آف انڈیا' ہارورڈ، 1958۔

'ریسنٹ ڈیولپمنٹ ان مینجمنٹ ٹریننگ'، 'انڈین جرنل آف پبلک ایڈمنسٹریشن' اپریل جون، 1958۔

نامجوشی، ایم۔ وی۔، 'دی ڈیولپمنٹ آف لارج اسکیل پرائیویٹ سیکٹر ان انڈیا' تھیسس، گوکھلے انسٹی ٹیوٹ آف پالیٹکس اینڈ اکونومکس، پونا، 1956۔

نوروجی، دادا بھائی، 'پاورٹی اینڈ برٹش رول ان انڈیا' لندن، 1901۔

ناتھ، پران، 'اے اسٹڈی آف اکونومک کنڈیشنس ان انشینٹ انڈیا' لندن، 1929۔

نیشنل کاؤنسل آف اپلائیڈ اکونومک ریسرچ، 'دی مینجنگ ایجنسی سسٹم'، دہلی، 1959۔

'کیپیٹل مارکیٹ ان اے پلانڈ اکونومی'، دہلی، 1966۔

ندیر، کوورجی، سہراب جی، 'دی فرسٹ پارسی بیرونیٹ'، بمبئی 1866۔

نیلے، ڈبلیو۔ سی۔، 'اے کیس آف ابورٹیڈ گروتھ: انڈیا، 1860 ــــ 1900، کمینٹ'، اکونومک ویکلی، یکم دسمبر، 1962۔

نیف، جے۔ وی۔، 'وھاٹ از اکونومک ہسٹری'، 'جرنل آف اکونومک ہسٹری' (سپلیمنٹ)، دسمبر 1944۔

نہرو، جواہر لال، 'اے بنچ آف اولڈ لیٹرس'، بمبئی، 1958۔

نگم، راج، کے۔، 'مینجنگ ایجنسیز ان انڈیا'، نئی دہلی، 1957۔

پائش، ایف۔ ڈبلیو۔، 'بزنس فائنانس'، لندن، 1957۔

پنڈت، ڈی۔ پی۔، (مسز)، 'کری ایٹو رسپونس ان انڈین اکونومی ــــ اے ریجنل انیلیسس،

'اکونومک ویکلی'، 23/فروری اور 2/مارچ 1957ء۔

پنڈت، دھیریہ بالا، 'انڈیا: اے سینچری آف گیسٹیشن' ریلیونس آف نان اکونومک فیکٹس ان ڈیولپمنٹ اسٹڈیز'، 'اکونومک ویکلی'، 22/ستمبر، 1962ء۔

پاٹل، ایس۔ جے۔، 'لانگ ٹرم چینجز ان آؤٹ پٹ اینڈ انکم ان انڈیا: 1896۔1960'، 'انڈین اکونومک جرنل'، جنوری 1958ء۔

بین فیچرس آف اکونومک گروتھ اوور دی سینچری'، 'انڈین اکونومک جرنل' جلد XI نمبر 3۔ 1964ء۔

فلپس، سی۔ ایچ۔، 'دی ایسٹ انڈیا کمپنی'، 1784۔ 1834، مانچسٹر 1940ء۔

پلائی، پی۔ پی۔، اکونومک کنڈیشنس ان انڈیا'، لندن 1925ء۔

پلینے، سامرسیٹ (کمپنی)، 'دی بامبے پریسیڈنسی، دی یونائیٹڈ پراونس، دی پنجاب (وغیرہ)' لندن 20-1917ء۔

پرکاش، اوم، 'دی یوروپین ٹریڈنگ کمپنیز اینڈ دی مرچنٹس آف بنگال' 1650۔ 1725، 'انڈین اکونومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو' جلد I، نمبر 3۔

پرساد، امبا، 'انڈین ریلویز'، ایشیا پبلشنگ، بمبئی، 1960ء۔

پرساد، پی۔، 'دی ایفیکٹس آف امپرووڈ ٹرانسپورٹ اپون دی ڈسٹریبوشن آف انڈسٹری ان انڈیا'، ایم۔ ایس۔ سی تھیسس، لندن، 1954ء۔

'پریم چند رائے چند اینڈ سنز' 1856۔ 1956'، بمبئی، 1957ء؟

راناڈے، ایم۔ جی۔، 'ایسیز آن انڈین اکونومکس'، بمبئی 1899 اور 1906ء۔

رانگینکار، ڈی۔ کے۔، 'پوورٹی اینڈ کیپیٹل ڈیولپمنٹ ان انڈیا' لندن 1947ء۔

رے، پارمیل، 'انڈیاز فارین ٹریڈ سنس 1870، لندن، 1934ء۔

رے، آر۔ ایم۔، 'لائف انشورنس ان انڈیا' بمبئی 1941ء۔

رائے چودھری، تپن، 'یوروپین کامرشیل ایکٹوٹی اینڈ دی آرگنائیزیشن آف انڈیاز کامرس اینڈ انڈسٹریل پروڈکشن، 1500۔ 1750، گنگولی، بی۔ این۔ (مرتبہ) میں 'ریڈنگس ان انڈین اکونومک ہسٹری'، 'ایشیا پبلشنگ ہاؤس' 1964ء۔

'جان کمپنی ان کورومنڈل'، 1605۔ 1960، دی ہیگ، 1962ء۔

رینیس، ہیرالڈ، ای۔، 'اے ہسٹری آف برٹش انشورنس'، لندن 1948ء۔

رابرٹسن، راس، ایم۔، 'ہسٹری آف دی امیریکن اکونومی'، نیویارک۔ 1955۔
روزین۔ جارج، 'سم آسپیکٹس آف انڈسٹریل فائنانس ان انڈیا'، نیویارک، 1962۔
'اے کیس آف ایورٹیڈ گروتھ: انڈیا، 1860۔ 1900، سم سجسٹشنس فار ریسرچ'، 'اکونومک ویکلی'
11 اگست 1962۔

روسٹو، ڈبلیو۔، 'دی اسٹیجز آف اکونومک گروتھ'، لندن 1960، (پیپربیک)
'پروسیس آف اکونومک گروتھ'، آکسفورڈ۔ 1960۔
(اڈیشن) 'دی اکونومکس آف ٹیک آف اِنٹو سسٹینڈ گروتھ، لندن 1963۔
رونگٹا، آر۔ ایس۔، 'دی رائز آف بزنس کارپوریشنس ان انڈیا اینڈ دیئر ڈیولپمنٹ ٹیلورنگ
1851۔ 1900'، پی۔ ایچ۔ ڈی تھیسس، لندن 1965۔
'انڈین کمپنی لا ر پرابلمس اِن 1850'، 'امیریکن جرنل آف لیگل ہسٹری' جلد 6، نمبر 3، جولائی، 1962۔
پروموشن آف انڈین کمپنیز بیفور 1850'، 'انڈین جرنل آف اکونومکس' جلد XLVI، پارٹ IV،
نمبر 183، اپریل، 1966۔

'دی بنگال گولڈ کریز'، 'انڈین اکونومک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو'، جلد III، نمبر I، مارچ، 1966۔
رسل، ایل۔ پی۔، 'دی انڈین کمپنیز ایکٹس' 1882۔ 1887، بمبئی، 1888۔
رُتناگور، ایس۔ ایم۔، 'بامبے انڈسٹریز: دی کاٹن ملز' بمبئی 1927۔
سانیال، این۔، 'ڈیولپمنٹ آف انڈین ریلویز'، کلکتہ، 1930۔
سروا راجو، اے۔، 'اکونومک کنڈیشنس اِن دی مدراس پریسیڈنسی، 1800۔ 1850، مدراس،
1941۔

سول، ایس۔ بی۔، 'اسٹڈیز اِن برٹش اوورسیز ٹریڈ، 1870۔ 1914'، لورپول، 1960۔
ساوکار، ڈی۔ ایس۔، 'جوائنٹ اسٹاک بینکنگ ان انڈیا، بمبئی، 1938۔
سیمنار آن کرنٹ پرابلمس اِن کارپوریٹ لا، مینجمنٹ اینڈ پریکٹس، پروسیڈنگس، دہلی، 1964۔
سین، اے۔ کے۔، 'سوشیولوجیکل اینڈ اکونومک ایکسپلینیشنس: این السٹریشن فرام دی انڈین
آئرن اسٹیل انڈسٹری، 'اکونومک ویکلی' اینول نمبر، فروری 1963۔
سین، نبیندو، 'سوشیولوجیکل اینڈ اکونومک ایکسپلینیشنس ـــ اے کمینٹ'، 'اکونومک ویکلی'
18 مئی 1963۔

سین، ایس۔ کے۔، 'اسٹڈیز ان انڈسٹریل پالیسی اینڈ ڈیولپمنٹ آف انڈیا، 1858 تا 1914'، کلکتہ، 1964۔

'اسٹڈیز ان اکونومک پالیسی اینڈ ڈیولپمنٹ آف انڈیا' 1848 تا 1926، کلکتہ، 1966۔

شاہ، کے۔ ٹی۔، 'سکسٹی ایرس آف انڈین فائنانس'، بمبئی 1921۔

شیلوانکر، کے۔ ایس۔، 'دی پرابلم آف انڈیا'، ہارمنڈسورتھ، 1940۔

شیراس۔ جی۔ فنڈلے، 'انڈین فائنانس اینڈ بینکنگ' لندن 1919۔

'گولڈ اینڈ برٹش کیپیٹل ان انڈیا'، 'اکونومک جرنل' دسمبر 1929۔

سمہا، ایس۔ ایل۔ این۔، 'دی کیپیٹل مارکیٹ آف انڈیا'، بمبئی 1960۔

سنگھ، ایس۔ بی۔، 'یور پین ایجنسی ہاؤسز ان بنگال، 1783۔ 1833'، کلکتہ، 1966۔

سنہا، ایچ۔، 'ارلی یور پین بینکنگ ان انڈیا'، لندن، 1927۔

سنہا، جے۔ سی۔، 'اکونومک انیلس آف بنگال'، لندن، مطبوعہ کلکتہ، 1927

سنہا، این۔ سی۔، 'اسٹڈیز ان انڈو برٹش اکونومی'، کلکتہ، 1946۔

سنہا، این۔ کے۔، 'اکونومک ہسٹری آف بنگال'، جلد I، کلکتہ، 1956۔

سلیٹر، ڈی۔ ایم۔، 'رائز اینڈ پروگریس آف نیٹو لائف انشیورینس ان انڈیا'، بمبئی، 1897۔

اسمال ووڈ، آر۔ پی۔ ایف۔، 'فرانسیکٹنگ فائر بزنس ان انڈیا اینڈ پاکستان'، 'جرنل آف دی چارٹرڈ انشیورینس انسی ٹیوٹ'، جلد 59۔

سمیتھام، ای۔ آر۔، 'انڈین کمپنیز ایکٹ، 1882'، بمبئی، 1902۔

سووانی، این۔ وی۔، 'برٹش امپیکٹ آن انڈیا'، اپریل، 1964۔

سری نواس، ایم۔ این۔، (اڈیشن) 'انڈیاز ولیجز'، ایشیا پبلشنگ ہاؤس، دوسرا اڈیشن 1960۔

سری نواس، ایم۔ این۔ اور شاہ، اے۔ ایم۔، 'دی مائتھ آف سیلف سفیشنسی ان دی انڈین ولیج'، 'اکونومک ویکلی' 10، دستمبر 1960۔

سری نواساچاری، راؤصاحب، سی۔ ایس۔، 'ہسٹری آف دی سٹی آف مدراس'، 'مدراس ٹری سینٹنری کمپنی'، مدراس، 1939۔

سٹیوارٹ، جے۔ سی۔، 'فیکٹس اینڈ ڈاکومینٹس ریلیٹنگ ٹو دی افیرس آف دی یونین بینک

آف کلکتہ'، کلکتہ، 1848۔

اسٹوکس، ایرک، 'دی انگلش یوٹیلی ٹیرینس اینڈ انڈیا' آکسفورڈ، 1959۔

اسٹوکس، وہٹلے، 'انڈین کمپنیز ایکٹ' 1866'، کلکتہ، 1866۔

اسٹریچی، جان، 'دی اینڈ آف ایمپایر'، لندن 1959۔

اسٹریچی، سرجان، اور لیفٹیننٹ جنرل ریچارڈ، 'دی فائنانسیز اینڈ پبلک ورکس آف انڈیا فرام 1869 ٹو 1881' لندن 1882۔

سولیوان، آر۔ جے۔ ایف۔، 'ون ہنڈرڈ ایرس آف بامبے۔ ہسٹری آف دی بامبے چیمبر آف کامرس' 1836۔ 1836'، بمبئی، 1937۔

سور، لنے۔ کے۔، 'دی نیواشیو مارکیٹ اینڈ دی اسٹاک ایکسچینج'، کلکتہ، 1961۔ (مرتبہ) دی اسٹاک ایکسچینج — اے سمپوزیم'، کلکتہ، 1958۔

تھڈانی، جے۔ این۔، 'ٹرانسپورٹ اینڈ لوکیشن آف انڈسٹریز ان انڈیا'، 'انڈین اکونومک ریویو'، اگست، 1952۔

تھارنر، ڈینیل، 'ایمرجینس آف این انڈین اکونومی' 1760۔ 1960'، 'انسائیکلوپیڈیا امیریکانا' جلد 15' میں، 'لینڈ اینڈ لیبر ان انڈیا' میں دوبارہ شائع ہوا۔ ملاحظہ ہو تھارنر، ڈینیل اینڈ ایلس لانگ ٹرم ٹرینڈس ان آوٹ پٹ ان انڈیا'، گزنیٹ، مور اور اسپینگلر (مرتبہ) 'اکونومک گروتھ: برازیل، انڈیا اینڈ جاپان' میں، ڈرہام، این۔ سی۔، 1955۔

'انویسٹمنٹ ان ایمپائر، برٹش ریلوے اینڈ اسٹیم شپنگ انٹرپرائز ان انڈیا' 1825۔ 1849، فلیڈلفیا، 1950۔

تھارنر، ڈینیل اور ایلس، لینڈ اینڈ لیبر ان انڈیا، بمبئی، 1962، (پیپربیک)

تیواری، آر۔ ڈی۔، ریلویز ان ماڈرن انڈیا، بمبئی 1941۔

ٹوسینٹ، اے۔، 'ہسٹری آف دی انڈین اوشن'، لندن، 1966۔

ٹریور، ایچ۔ ای۔، 'ریلویز ان برٹش انڈیا' لندن، 1891۔

ترپاٹھی، اے۔، 'ٹریڈ اینڈ فائنانس ان بنگال پریسیڈنسی'، 1793 — 1833'، کلکتہ، 1959۔

ٹورلے، ایچ۔ بی۔، 'این آوٹ لائن آف انڈین کرنسی'، کلکتہ، 1927۔

ٹائیسن، جیوفرے، 'مینیجنگ ایجنسی — اے سسٹم آف بزنس آرگنائزیشن'، کلکتہ، 1961۔

دی بنگال چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری، 1853۔ 1953، اے سینٹری سروے، کلکتہ، 1952۔

وکیل، سی۔ این۔، 'فائنانشیل ڈیویلپمنٹ اِن ماڈرن انڈیا' 1860ء۔ 1924، بمبئی، 1924۔

وکیل، سی۔ این۔، اور مُرنجن، ایس۔ کے۔، 'کرنسی اینڈ پرائسز اِن انڈیا'، بمبئی، 1967۔

واچا، ڈی۔ ای۔، 'اے فائنانشیل چیپٹر اِن دی ہسٹری آف بامبے سٹی'، بمبئی، 1900۔

'دی رائز اینڈ گروتھ آف بامبے میونسپل گورنمنٹ'، مدراس، 1913۔

'شیلس فرام دی سینڈس آف بامبے — بینکنگ مائی ری کلکشنس اینڈ ریمی نیسنسیز: 1860۔
1876'، بمبئی، 1920۔

'پریم چند رائے چند — ہز ارلی لائف اینڈ کیریئر، بمبئی، 1913۔

واڈیا، آر۔ اے۔، 'دی بامبے ڈاک یارڈ اینڈ دی واڈیا ماسٹر بلڈرس'، بمبئی، 1955۔

واڈیا، پی۔ اے۔ اور جوشی، جی۔ این۔، منی اینڈ دی منی مارکیٹس اِن انڈیا، لندن، 1926۔

والیس۔ ڈی۔ آر۔، دی رومانس آف جوٹ: اے شارٹ ہسٹری آف کلکتہ جوٹ ملس انڈسٹری
فرام 1855 ٹو 1909، کلکتہ، 1909۔

وانلس، ڈبلیو۔، 'اے تھری منتھس پراسپیکٹنگ ٹرپ ٹو دی انڈین گولڈ فیلڈس، لندن، 1881۔

واٹ، سر جارج، 'دی کامرشیل پروڈکٹس آف انڈیا'، لندن 1908۔

ویسٹ، ایڈورڈ، 'آن ایمیگریشن ٹو برٹش انڈیا۔ پرافٹ ایبل انویسٹمنٹس فار جوائنٹ اسٹاک
کمپنیز اینڈ فار ایمیگرینٹس ہو پزیس کیپٹل ایکسٹرا'، لندن، 1857۔

ینگ، ایچ۔ اے۔، 'دی ایسٹ انڈیا کمپنیز آرسینلس اینڈ فیکٹریز'، آکسفورڈ، 1937۔

اصطلاحات

اس ترجمے میں انگریزی کے مخصوص الفاظ اور اصطلاحات کے متوازی جو اُردو الفاظ و اصطلاحات استعمال کیے گئے ہیں انھیں مندرجہ ذیل فہرست میں دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ترقی اُردو بورڈ کی دی ہوئی اصطلاحات کو سب سے زیادہ پیشِ نگاہ رکھا گیا ہے۔ حکومتِ ہند کی کچھ اشاعتوں سے بھی کچھ مدد ملی ہے۔ چند ایسے مخصوص انگریزی الفاظ یا اصطلاحات جن کے لیے اُردو میں ابھی تک کوئی جامع متبادل لفظ موجود نہیں ہے بعینہٖ اُردو رسم الخط میں استعمال کیے گئے ہیں۔ اصطلاحات کو اپناتے وقت اضافتوں کے زیادہ استعمال سے گریز کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عبارت بہت زیادہ گنجلک نہ ہو جائے۔

(مترجم)

A

Account	کھاتہ
Current Account	جاری کھاتہ
Private Account	نجی کھاتہ
Savings Account	سیونگس کھاتہ
Accumulation of Capital	سرمائے کا اجتماع
Absolute Gurantee	مکمل ضمانت
Act	ایکٹ
Agency	ایجنسی
Agency House	ایجنسی ہاؤس
Allotment	نامزدگی
Allotment letter	الاٹمنٹ نامزدگی کی اطلاع
Alluvial Deposits	سیلابی ریگ زر کے ذخیرے
Amalgamate	ضم کرنا
Amalgamation	انضمام
Annuity	سالیانہ
Article	دفعہ، شق
Articles of Association	ایسوسی ایشن کا دستور
Artisan	دستکار
Assessment	تخمینہ
Asset	اثاثہ
Assignable	قابل انتقال
At-par	ہم سطح
Audit	آڈٹ
Authorised Capital	مجوزہ سرمایہ

B

Balance of Payment	توازنِ ادائیگی
Balance Sheet	حسابات کا چٹھا۔گوشوارہ
Banking	بینک کاری
Bearer	دستی
Bearer divident warrant	منافعے کا دستی رقعہ
Beneficiary	مفادی
Bill	بِل
Blank	کورا
Blank Transfer	کوری منتقلی
Blank Transfer of Shares	حصے کے منتقل ہونے کا کورا پروانہ
Bond	بانڈ
Boom	گرم بازاری
Broker	دلال
Buffer	بَفر
Business Corporation	بیوپاری، کاروباری، کارپوریشن
Business Cycle	بیوپاری سائیکل۔ دَور
Business of Exchange	مبادلۂ زر کا بیوپار

C

Call (on shares)	طلب
Capacity	پیداواری گنجائش
Idle Capacity	لاحاصل پیداواری گنجائش
Installed Capacity	نصب شدہ پیداواری گنجائش
Capital	سرمایہ
Accumulation of C.	سرمائے کا اجتماع

C. Account — سرمایہ کھاتہ
C. Formation — سرمایہ سازی
Fixed C. — قایم سرمایہ
Initial C. — ابتدائی سرمایہ
Nominal C. — مجوزہ سرمایہ
C. Market — سرمایہ بازار
Working C. — بروئے کار سرمایہ
Paid-up C. — اداشدہ سرمایہ
Capitalist — سرمایہ دار
Cargo — جہاز کا تجارتی سامان
Chamber of Commerce — ایوانِ تجارت
Charter — منشور
Chartered — منشور یافتہ
Clearance — نکاسی
Coinage — سکہ سازی
Collateral Security — متوازی کفالت
Commerce — بیوپار
Commercial — بیوپاری۔ کامرشیل
Communication. — رسل و رسائل
Concern — کمپنی، ادارہ
Consumer — صارف
Consumer goods — مصرفی اشیاء
Corporate — اجتماعی
Corporation — کارپوریشن
Corporate Sector — اجتماعی سیکٹر

Cost	لاگت
Cost of labour	مزدوری کی لاگت
Cost of Production	پیداواری لاگت
Comparative Cost	تقابلی لاگت
Credit	اُدھار
Creditor	لین دار
Currency	کرنسی
Current Account	جاری کھاتہ
Custom	کسٹم

D

Damages	تاوان
Debenture	قرض نامہ
Debit	ڈیبٹ
Debt	قرض
Debt Instrument	قرض کی دستاویز
Bad Debt	ناقابلِ وصول قرض
Debtor	دین دار۔ قرض دار
Deficit	خسارہ
Deficit Financing	خسارے کی مالیت کاری
Delivery	سُپردگی
Demand	مانگ
Demand Curve	مانگ کا قوس
Demand Line	مانگ کی لکیر
Deposit	جمع
Fixed Deposit	میعادی جمع۔ میعادی امانت

Depreciation (of Asset)	گھساوٹ (اثاثے کی)
(of Money)	گراوٹ (زر کی)
Devaluation	تخفیف قدر زر
Directory	ڈائرکٹری
Disbursement	ادائیگی
Discount	کٹوتی، چھوٹ
Disproportionate Voting right	غیر متناسب ووٹ کا حق
Dissolution	خاتمہ۔ اختتام
Distributable profits	قابلِ تقسیم منافعے
Divident	حصوں پر منافع
Duty	حصوں پر منافع

E

Earnest Money	زرِ پیشگی
Effective Demand	موثر مانگ
Elasticity	لوچ
Engagement	الحاق
Enterprise	کارخانہ، کاروبار، ادارہ
Enterprise	سرمایہ کارانہ سوجھ بوجھ
Entrepreneur	جوکھم برداشت کرنے والا
Equity	ایکوٹی
Exchange	مبادلہ۔ (ایکسچینج)
Rate of Exchange	شرحِ مبادلہ
Excise Duty	آبکاری محصول
Estate	املاک
Real Estate	

F

English	Urdu
Face Value	ظاہری قدر ۔ ظاہری قیمت
Finance	مالیت ۔ مالیات
Financing .	مالیاتی فائنانشیل
Fixed Capital	قایم سرمایہ
Fixed Deposit	میعادی جمع ، میعادی امانت
Fiscal	مالیاتی
Fiscal Measure	مالیاتی اقدام
Float (a Company)	کمپنی کا اجرار
Forced Sale	جبریہ فروخت
Foreign Exchange	غیر ملکی زرِ مبادلہ
Forfeited Share	ضبط شدہ حصہ
Forward Contract	مستقبل ٹھیکا
Forward Sale	مستقبل خرید
Founders' Shares	بانیان کے حصے
Fragmentation of Holdings	انتشارِ آراضی
Freight	مال بھاڑا
Frequency	بہتات
Frequency Distribution	بہتاتی تقسیم
Fully Paid-up Shares, Stocks	کُل ادائیگی والے حصے ، اسٹاک
Future, Future goods	مستقبل مال
Futre Market	پیش بازار

G

English	Urdu
Gold Standard	معیارِ زر
Gross	خام

Guild	گلڈ
Guarantee	ضمانت
Holding (Commercial)	حصے تمسکات
Human Resources	انسانی ذرائع
Hundi	ہنڈی

I

Incorporated Companies	حصے دار کمپنیاں
Index	انڈیکس
Index Number	انڈیکس نمبر
Industrialisation	صنعتی ترقی
Inelastic	بے لوچ
Inelasticity	بے لوچی
Inflation	افراطِ زر
Inflationary Tendencies	افراطِ زر کے رجحانات
Infra-structure	داخلی ڈھانچہ
Initial Capital	بنیادی سرمایہ
Insolvancy	دیوالیہ
Insolvant	دیوالیہ
Interest Rate	شرح سود
Issue	جاری۔ (سرمایہ)، (حصے)، (اسٹاک)
Inventory	فہرست میں درج شدہ مال
Investment	سرمایہ کاری، سرمایہ لگانا
Investor	سرمایہ کار۔ سرمایہ لگانے والا

J

Jobber	مزدور دلال

Joint Stock	اجتماعی سرمایہ
Joint Stock Company	اجتماعی سرمایہ کمپنی

L

Labour Force	مزدور طاقت
'Laissez faire'	عدم مداخلت معیشت
Legislative	لیجسلیٹو
Liability	ذمے داری، دین داری
Limited	محدود (لمٹیڈ)
Limited Company	محدود کمپنی، (کمپنی لمٹیڈ)
Limited Liability	محدود ذمے داری
Liquidation	خاتمہ، چکتان، بے باقی
Long term	طویل مدتی

M

Managing Agency	مینجنگ ایجنسی
Management	انتظامیہ، مینجمنٹ
Manufacture	صنعتی پیداوار
Manufacturer	صنعت کار
Marginal Principle	اصول مختتم
Marginal Productivity	مختتم قوت پیداوار
Marginal Return	مختتم حصول
Memorandum of Association	ایسوسی ایشن کا دستور، میمورنڈم
Mercantalism	تاجریت
Middleman	دلال

Migration of Capital	سرمایے کی ہجرت
Money	زر
Monetary	زر
Money Market	زر بازار، زر کا بازار
Monopoly	اجارہ
Multiplier	ملٹی پلائر
Mutual Contribution	باہمی جمع شدہ مالیت

N

National Income	قومی آمدنی
Net	خالص
Nominal Capital	مجوزہ سرمایہ
Nominal Value	برائے نام قدر

O

Oliogopoly	محدود اجارہ
Onerous Guarantee	ذمے داریوں سے پُر ضمانت
Original Certificate	بُنیادی سرٹیفکیٹ
Original Issue (Stock)	اولین جاری شدہ سرمایہ (حصص)، (اسٹاک)
Overhead Cost	بالائی لاگت
Overlaping	انطباق، انطباقی

P

Paid-up	ادا شدہ
Paid-up Capital	ادا شدہ سرمایہ

Partner	ساجھے دار
Partnership	ساجھے داری
Part-time Employment	جز وقتی روزگار
Per Capita Income	فی کس آمدنی
Plantation-crop	باغات فصلیں
Policy Holder	پالیسی رکھنے والا
Preference Share	ترجیحی حصہ
Premium	پریمیم
Price Level	قیمتوں کی سطح
Private	نجی
Private Account	نجی کھاتا
Productivity	قوتِ پیداوار
Promissory Note	پرامسری نوٹ، پرونوٹ
Promote (a Company)	اجرار کمپنی کا
Promotor	اجرار کرنے والا
Propensity	رجحان
Prospectus	پراسپکٹس، دستور
Purchasing Power	قوتِ خرید

Q

Qualification Share	اہلیتی حصہ
Quartz	سنگِ مردہ

R

Raise (Company or Finance)	ابھارنا

Rate of Exchange	شرح مبادلہ
Reclamation	زمینی بازیابی
Reading of the Bill (Political)	بل کی خواندگی
Register	درج (رجسٹر)
Registered	درج شدہ (رجسٹرڈ)
Registration	اندراج (رجسٹریشن)
Remittance	ترسیلِ زر
Reserve	محفوظ، ریزرو
Retail Trade	خوردہ بیوپار
Return	حاصل، حصول
Net Return	خالص حاصل، حصول
Risk	جوکھم
Rolling Stock	ریل گاڑی کا متحرک اسٹاک
Revenue	محاصل
Revenue Expenditure	محاصلی اخراجات

S

Saving	بچت
Savings Account	سیونگس کھاتا
Scarcity	قِلت
Scrip	رُقعہ
Sector	سیکٹر
Security	ضمانت (سیکورٹی)
Select Committee	سلیکٹ کمیٹی
Self-Sufficiency	خودکفالت

Self-Sufficient	خودکفیل
Share	حصہ
Share Capital	حصے داری سرمایہ
Share Market	حصہ بازار
Preferential Share	ترجیحی حصہ
Share holder	حصے داری
Shift	پالی
Short-term	قلیل مدتی
Silver Standard Country	چاندی کے معیار کا ملک
Skill	ہنر
Skilled	ہنرمند
Social Services	سماجی خدمتیں
Sole Agency	سول ایجنسی
Spare Parts	فاضل پرزے
Specialisation	خصوصی مہارت
Speculation	اسپیکولیشن
Speculator	اسپیکولیٹر
Stagnation	ٹھہراؤ
Statement of Accounts	حسابات کا گوشوارہ
Statistics	شماریات، اعداد و شمار
Statistical	شماریاتی
Statistical Tables	شماریاتی گوشوارے
Stock	اسٹاک (حصہ)
Stock Broker	حصہ دلال
Store of Value	ذخیرۂ زر

Subsidy	امداد
Supply	رسد، فراہمی
Syndicate	سنڈیکیٹ

T

Take-off	معاشی چھلانگ
Tarif	ٹیرف
Technology	ٹیکنالوجی
Tender	ٹینڈر
Tenure	پٹہ
Time Deposit	میعادی جمع۔ امانت
Time Bargain	وقتی سودا
Toll	چنگی
Transaction	لین دین
Transport	ذرائع آمدورفت
Transportation	نقل وحمل
Turnover (Labour)	مزدور پھیر بدل

U

Underemployment	کم روزگاری
Underwriter	بکری بیمہ کرنے والا
Unincorporated (Company)	غیر اجتماعی سرمایہ کمپنی
Unlimited Liability	غیر محدود ذمے داری
Urbanisation	مدنیت

V

Voucher	واؤچر

W

Wage	معاوضہ
Wage Rate	معاوضے کی شرح
Wealth	دولت
Working Capital	بروئے کار سرمایہ
Wind-up	خاتمہ

Y

Yearly-Renewable-term (Insurance)	سالانہ قابل تجدید میعاد
Yield	پیداوار۔ حصول